علامہ عبدالعزیز میمنؒ

سوانح اور علمی خدمات

تحقیق و تالیف

محمد راشد شیخ

يَلُوحُ الخطُّ فی القِرطَاس دهراً
وکاتبه رَمیم فی الترابِ

(تحریر کاغذ (قرطاس) میں عرصہ تک چمکتی رہتی ہے
جب کہ اسے لکھنے والا مر کر مٹی میں بوسیدہ ہو جاتا ہے)
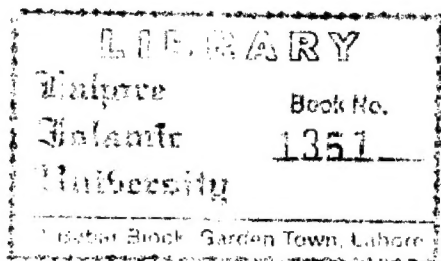
علامہ عبدالعزیز میمن، سوانح اور علمی خدمات

مرتبہ

محمد راشد شیخ

انتساب

والد مرحوم (متوفی: ۵؍جنوری ۱۹۸۴ء)

اور

والدۂ مرحومہ (متوفی: ۲۱؍نومبر ۲۰۱۰ء)

کے نام

اس قرآنی دعا کے ساتھ

رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِي صَغِيرًا

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

عاجز

محمد راشد شیخ

فہرستِ مشمولات

باب نمبر ۶ : قیامِ علی گڑھ (۱۹۲۵ء تا ۱۹۵۴ء)

باب نمبر ۷ : قیامِ کراچی (۱۹۵۴ء تا ۱۹۶۴ء)

باب نمبر ۱۰ : عربی زبان اور علامہ میمن

باب نمبر ۱۱ : علامہ میمن کی علمی و تحقیقی خدمات

باب نمبر ۱۳ : تلامذہ

باب نمبر ۱۴ : اعترافِ عظمت اور خراجِ عقیدت

باب نمبر ۱۵ : علامہ میمن کی نادر تحریریں

باب نمبر ۱۶: اردو مکاتیب علامہ عبدالعزیز میمن

عکس ہائے اسناد، خطوط وغیرہ

پیش لفظ

برصغیر پاک وہند کی تاریخ کے مختلف ادوار میں عربی زبان کے کچھ ایسے ماہرین پیدا ہوئے ہیں جن پر ہند بجا طور پر فخر کا حق رکھتا ہے، ابتدائی دور میں علامہ صغانی (رضی الدین حسن بن محمد الصغانی، متوفی ۶۵۰ھ) نے عربی زبان میں وہ کمال بہم پہنچایا کہ دنیا نے ان کا لوہا مان لیا، یہاں تک کہ تاریخ اسلام کے سب سے بڑے واقف کار اور تذکرہ نگار امام ذھبی (شمس الدین محمد بن احمد الذھبی المتوفی ۷۴۸ھ) کو لکھنا پڑا: **وكان إليه المنتهى في معرفة اللسان العربي** (سیر أعلام النبلاء ۲۳/۲۸۳) یعنی عربی زبان کی معرفت ان پر ختم تھی۔

پھر بارھویں صدی کے اواخر میں عربی زبان سے واقفیت میں ایک عظیم ہندوستانی شخصیت سامنے آئی جن کا نامِ نامی علامہ سید مرتضی بلگرامی زبیدی (م ۱۲۰۵ھ) ہے، جن کی کتاب تاج العروس فی شرح القاموس عربی لغت کی سب سے بڑی کتاب ہے۔ اور یہ عربی لغت کی ایسی ممتاز کتاب ہے کہ غریب الفاظ پر مشتمل حدیثوں کی تخریج میں بھی یہ کتاب بہت کام آتی ہے، یہاں تک کہ اہل علم نے ایسی حدیثوں کی تخریج کے لیے خاص طور پر اس کتاب سے مراجعت کا مشورہ دیا ہے (دیکھیے التأصیل للشیخ بکر بن عبداللہ أبو زید، ج ۱ ص: ۱۴۹)۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں عبقری شخصیتوں کے زندگی کے اکثر ایام عرب ملکوں میں گزرے، وہیں انھوں نے علمی ترقی کی اور وہیں ان کے جوہر کھلے۔ لیکن ہمارے یہاں کی ایک تیسری شخصیت جو عربی لغت کی باریکیوں سے واقفیت میں دنیا پر چھا گئی اور جن کی عربی دانی کا پوری دنیا میں ڈنکا پیٹا اور عربوں نے کھل کر نہ صرف یہ کہ ان کا اعتراف کیا بلکہ اس میں ان کی استاذیت تسلیم کی، جو برسرِ عام عرب ادیبوں کو ان کی لسانی غلطیوں پر ٹوکنے کی جرأت رکھتے تھے، اور عرب ان کو شکریے کے ساتھ قبول کرتے تھے، وہ ہمارے ممدوح علامہ عبدالعزیز میمن (۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء) ہیں۔ پیشرو دونوں شخصیات سے ان کا امتیاز یہ ہے کہ وہ خالص اول سے اخیر تک اسی سرزمین سے

تعلق رکھتے ہیں، اسی سرزمین سے اٹھے، یہیں پلے بڑھے، یہیں علمی ترقی کی، اور اس میں کمال بہم پہنچایا، اور یہیں سے دنیا کو سیراب کیا اور یہیں پیوند خاک ہوئے۔

اس سے قطع نظر دار العلوم ندوۃ العلماء نے جو صحیح عربی سے شغف پیدا کیا، عربی کا جو ستھرا ذوق دیا، فصیح و بلیغ، شستہ و رواں عربی لکھنے والے جو ماہرین پیدا کیے، وہ اسی کا حصہ ہے، جس نے مولانا مسعود عالم ندوی اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی جیسے عربی زبان کے نکتہ شناس اور ادیب پیدا کیے کہ عرب بھی جن کی تحریریں پڑھ کر عش عش کرتے اور سر دھنتے ہوں، خود علامہ میمن بھی مولانا علی میاں کی عربی تحریر کے بڑے مداح تھے۔

لیکن علامہ میمن کا اصل میدان ادب کی وہ صنف ہے جس کو ادبی تحقیق وتنقید کہتے ہیں، اس میں وہ فرد فرید اور بے نظیر تھے، ان کی ادبی عظمت کا دراصل یہی راز ہے، مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ اور بھی خصوصیات کے حامل تھے، جن میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ عربی کے جتنے اشعار ان کو یاد تھے، مشکل سے اس وقت دنیا میں اس کی مثال ملے گی، بقولِ خود ان کے: ان کی تعداد پون لاکھ سے ایک لاکھ تھی۔ (پرانے چراغ، ج ۲، ص ۲۴۴)۔

قدیم عربی مخطوطات سے واقفیت میں بھی کوئی ان کا مدِّ مقابل نہیں تھا، عربوں نے اس صنف میں بھی ان کو استاد تسلیم کیا۔ ایک واقعے سے ان کی مخطوطات سے واقفیت کا اندازہ لگا سکتے ہیں "تحفة المجد الصريح في شرح كتاب الفصيح" عربی لغت کی ایک بہت اہم کتاب ہے، شہاب الدین ابوجعفر احمد بن یوسف الفہری اللبلی النحوی (م ۶۹۱ھ) کی یہ تالیف ہے، علامہ میمن کو اس کے ایک مخطوطے کا پتا لگا جس کا انھوں نے اپنے ایک تحقیقی مضمون میں تذکرہ کیا اور لکھا کہ وہ اس مخطوطے کا پتا اس محقق کو بتائیں گے جو اس کا حق ادا کرے گا۔ یہ مخطوطہ علامہ میمن ۱۹۳۵ء میں دیکھ چکے تھے۔ عالم عرب کے نامور محققین آج تک اس کی تلاش میں ہیں لیکن اب تک انھیں اس کا سراغ نہ مل سکا۔

عربی زبان وادب کے وسیع وعمیق مطالعے اور طویل تجربے کی وجہ سے عربی زبان و ادب کی تعلیم سے متعلق مولانا اپنے خاص نظریات رکھتے تھے، وہ نحو کی مشہور درسی کتاب کافیہ کے قائل نہیں تھے، بلکہ اس کو نقصان دہ سمجھتے تھے۔ (دیکھیے: مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں، جدید محقق ایڈیشن، ص: ۱۳۳، نیز دیکھیے زیر نظر کتاب، ص:)

ابن خلدون نے چار کتابوں کو اصول فن ادب قرار دیا ہے: ادب الکاتب لابن قتیبہ ، الکامل للمبرد، البیان و التبیین للجاحظ اور النوادر (الأمالی) لأبی علی القالی (دیکھیے مقدمہ ابن خلدون ۳/ ۲۷۷) ان کتابوں کے متعلق مولانا میمن کی یہ رائے تھی کہ کامل للمبرد ایک مبتدی کے لیے زیادہ مفید ہے، ادب الکاتب کو اقتضاب (ادب الکاتب کی شرح) کے ساتھ پڑھا جائے تو انسان کو ایک محقق لغوی بنا سکتی ہے، کتاب البیان والتبیین میں فصیح نظم و نثر کے نمونے ان چاروں سے زیادہ ہیں اور نوادر لغت و شعر امالی لأبی علی القالی میں سب سے زیادہ ہیں۔ (مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں، ص: ۱۳۷)

علامہ میمن ادبی کمال کے ساتھ بہت سی انسانی خصوصیات کے بھی حامل تھے، وہ اگرچہ کفایت شعار مشہور تھے، لیکن گہرائی میں اترنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کفایت شعاری صرف ذاتی معاملات میں تھی، ورنہ ملّی معاملات میں تو وہ نہایت فیاض بلکہ شاہ خرچ تھے۔ انھوں نے ندوۃ العلماء کے کتب خانے کو خطیر رقم دی، المجمع العلمی دمشق کے لیے بھی گراں قدر عطیے دیے، حتی کہ مخطوطات جو وہ بہت خرچ کر کے اور بڑی محنت سے حاصل کرتے تھے اور جو ان کو جان سے زیادہ عزیز تھے وہ ضرورت پر ان کی بھی سخاوت کرتے تھے۔ اسی طرح وہ قوم و ملت کے مال کو خرچ کرنے میں بڑے محتاط تھے، ادارۂ تحقیقات اسلامی کراچی کے ڈائرکٹر کی حیثیت سے انھوں نے بلا مشاہرہ خدمت انجام دی اور ادارہ کی لیے حصولِ کتب کی خاطر انھوں نے بڑھاپے میں بیرون ملک کے کئی سفر کیے اور اپنے اثر و رسوخ اور واقفیت کی بنا پر کئی نادر کتب ادارے کے لیے جمع کیں، اور یہ بات یاد رکھنے کی بلکہ قابلِ تقلید ہے کہ ان دوروں میں اگرچہ تمام اخراجات حکومتِ پاکستان برداشت کر رہی تھی، مگر علامہ ان سفروں میں پوری احتیاط سے خرچ کرتے تھے، نہایت ہی سادگی سے گزر بسر کرتے تھے۔ اسی سلسلے میں ترکی کے سفر سے واپسی کے بعد خاصی رقم یہ کہتے ہوئے واپس کی کہ یہ ملک اور قوم کی امانت ہے (دیکھیے زیر نظر کتاب، ص:)

ایسے فضائل و کمالات کی جامع شخصیت علامہ عبدالعزیز میمن کے انتقال کو اب تیس سال ہو چکے ہیں، اس عرصے میں علامہ پر اردو عربی میں مضامین تو بہت لکھے گئے، جرائد و رسائل کے مخصوص نمبرات بھی نکلے، مگر اب تک ان کی حیات اور علمی خدمات پر کوئی مرتب اور مستند کتاب نہیں لکھی گئی۔ یہ برصغیر کی ملتِ اسلامیہ کے ذمے قرض تھا جو اگرچہ بہت تاخیر سے ادا ہوا، لیکن

جس "حسن ادا" کے ساتھ اس کی ادائیگی ہوئی ہے اس کو دیکھتے ہوئے یہ تاثر قابل معافی ہے۔ محترم جناب محمد راشد شیخ صاحب نے جس عزم و حوصلے سے یہ بڑا [illegible] کے ساتھ منجدھار میں رہے اور جس خوش اسلوبی سے اس کو پار لگایا، وہ انھی جیسے جواں مردوں کا حصہ ہے۔ فہرست مضامین، کتاب کی جامعیت کا اندازہ لگانے کے لیے کافی ہے، اور فہرست مراجع ومصادر ان کی محنت کو پکار پکار کر کہہ رہی ہے۔ پھر جس حسن ترتیب اور تصنیفی سلیقے سے انھوں نے یہ کام انجام دیا ہے اس سے خیال ہوتا ہے کہ یہ علم کے لیے فارغ اور تصنیف وتحقیق کے لیے یکسو ہیں، لیکن یہ سن کر حیرت ہوگی کہ وہ پیشے کے لحاظ سے ایک سول انجینیر ہیں اور اپنے پیشے سے برابر جڑے ہوئے ہیں، اس کے ساتھ علم ومطالعے سے گہری وابستگی رکھنا اور تصنیفی وتحقیقی ذوق [illegible] کرنا جمع اضداد سے کم نہیں۔ ہم اس کو ان کے ساتھ اللہ کا خاص فضل سمجھتے ہیں۔

درحقیقت یہ کام ادب عربی کے باذوق اور باصلاحیت طالب علم یا استاد کے کرنے کا تھا، لیکن ان کو اب جناب محمد راشد شیخ صاحب کا شکریہ ادا کرنا چاہیے کہ انھوں نے یہ فرض کفایہ ان کی طرف سے ادا کر دیا ہے۔ حق یہ ہے کہ انھوں نے ان کے سوانح کا حق ادا کر دیا ہے۔ اللہ [illegible] نافع بنائے۔

فیصل احمد ندوی بھٹکلی

خادم تدریس دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

۵/۴/۱۴۳۰ھ، مطابق ۱۲/۴/۲۰۰۹ء

مقدمہ

حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنے وصیت نامے میں تحریر فرماتے ہیں:

''ہم میں خوش نصیب وہ ہے جسے عربی زبان، اس کے صرف ونحو اور کتب ادب سے حصہ ملا ہو اور اس کو حدیث وقرآن سے واقفیت ہو۔ ہمارے لیے حرمین شریفین کی حاضری اور ان کے ساتھ تعلق خاطر بھی ضروری ہے۔ یہی ہماری سعادت کا راز ہے اور وہ کم نصیب اور محروم ہے جو ان سے روگردانی کرتا ہے''۔

برصغیر پاک وہند کے باشندوں سے عربوں کا ربط وتعلق بعثت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قبل سے ثابت ہے۔ سب سے پہلے صحابہ کرامؓ کے مبارک قدم ۱۵ھ میں بھروچ (گجرات) میں آئے۔ یہ حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت کا زمانہ تھا۔ اس سمندری مہم میں جو جو صحابہ کرامؓ گجرات تشریف لائے ان کے اسمائے گرامی مستند تاریخی کتب میں محفوظ ہیں۔

۹۳ھ میں محمد بن قاسم کی سربراہی میں سندھ فتح ہوا اور برصغیر میں مسلمانوں کی پہلی حکومت قائم ہوئی۔ سندھ پر عربوں کی حکمرانی کچھ اوپر ڈھائی سو سال رہی۔ اس کے بعد سے عرب علماء اور ہند وسندھ کے باشندوں کا تعلق قوی سے قوی تر ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ عہد بنو عباس میں عراق و شام کی علمی دنیا میں سندھیوں نے تعداد اور مرتبہ ہر دو لحاظ سے بڑا نام پیدا کیا۔ ان میں وہ علماء اور عربی دان بھی تھے جو پیدا تو سندھ میں ہوئے مگر انھوں نے طلب علم کی خاطر گھر بار چھوڑا اور عالم عرب میں رہ کر عربی زبان میں کمال حاصل کیا۔ ایسے بزرگوں میں بلند پایہ شاعر ابو عطاء سندھی، ابو الصلع سندھی اور جلیل القدر راوی اور محدث ابو جعفر الدیبلی کے نام لیے جا سکتے ہیں۔ سندھ میں

عربی زبان کو اس حد تک فروغ حاصل ہوا کہ چوتھی صدی ہجری میں منصورہ، ملتان اور دیبل کے بازاروں میں عربی اور سندھی دونوں زبانیں بولی جاتی تھیں۔

سندھ کی طرح گجرات کا بھی عربوں سے نہایت قریبی تعلق رہا۔ مظفر شاہی سلطنت کے دور میں اور اس کے بعد دو صدیوں تک گجرات عرب علماء کی آمد کا مرکز رہا۔ گجرات اور عرب کے درمیان صرف بحیرۂ عرب حائل ہے اس لیے پورے ہندوستان کے حجاج گجرات ہی کے ذریعے حج کو جاتے تھے۔ حجاج کی آمد و رفت ایک زمانے میں اس قدر بڑھی کہ گجرات ''بابِ مکہ'' کہلانے لگا۔ طویل عرصے تک اہل گجرات نے قرآن وحدیث اور عربی زبان و ادب کی جو خدمت کی ہے وہ تاریخ کا حصہ ہے اور مستند کتابوں میں محفوظ ہے۔

اسلام اور عربی زبان کا رشتہ ابدی اور لازوال ہے۔ برصغیر پاک و ہند سے تعلق رکھنے والے اساطین زبان عربی میں علامہ سیّد مرتضیٰ بلگرامی زبیدی صاحب تاج العروس، امام صغانی لاہوری صاحب العباب الزاخر واللباب الفاخر، قاضی محمد اعلیٰ تھانوی صاحب کشاف اصطلاحات الفنون، میر غلام علی آزاد بلگرامی، نواب صدیق حسن خان قنوجی، حکیم سیّد عبدالحیٔ، مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی اور علامہ عبدالعزیز میمن۔

اگر برصغیر پاک و ہند کے انگریزی زبان کے ماہرین اور انشاپردازوں کے حالات کا مطالعہ کیا جائے تو ہمیں پتہ چلے گا کہ انگریزی ادب اور انگریزی انشاپردازی کے کئی ماہر گزرے ہیں مثلاً مولانا محمد علی جوہر، عبداللہ یوسف علی، جسٹس امیر علی، پطرس بخاری، علامہ اقبال وغیرہ لیکن عربی زبان کے ایسے ماہرین جنھوں نے اس زبان میں کمال حاصل کیا ہو اور اہل زبان بھی جن کی مہارتِ زبان کا اعتراف کرتے ہوں اتنے بھی نہیں کہ انھیں ہاتھ کی انگلیوں پر گنا جاسکے۔ صاحبانِ کمال کی زندگیوں پر اگر غور کیا جائے ان کے صاحبِ کمال ہونے کی مختلف وجوہات میں سے علمی خاندان، علمی ماحول یا بڑے تعلیمی اداروں میں تعلیم وغیرہ نظر آتی ہیں۔ یہ بات حیرت انگیز ہے کہ علامہ میمن کا معاملہ بالکل جدا تھا۔ ان کے خاندان میں دور دور تک کسی کا علم و تحقیق سے کوئی تعلق نہ تھا، ان کا آبائی تعلق علمی لحاظ سے پس ماندہ علاقے سے تھا، انھیں عربی زبان

کی تعلیم کے لیے خالص عربی ماحول نہیں ملا بلکہ جو کچھ سیکھا یہیں رہ کر سیکھا لیکن اس سب کے باوجود جب ہم ان کے عربی زبان پر عبور اور علمی خدمات پر غور کرتے ہیں تو شدید حیرت ہوتی ہے کہ ایک ایسا شخص جس نے ایک دن بھی کسی کالج یا یونیورسٹی میں تعلیم حاصل نہ کی ہو اور جس کو عربی تعلیم حاصل کرنے کے لیے ایک دن بھی کسی عرب ملک میں رہنے کا موقع نہ ملا ہو محض اپنی محنت سے وہ بلند مقام حاصل کر لیتا ہے کہ اہل زبان اسے اپنا استاد بلکہ امام اللغة العربیہ تسلیم کرتے ہیں۔ عالم عرب میں اور علمی دنیا میں اتنا بلند مقام حاصل کرنے کے باوجود یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ علامہ میمن کی علمی خدمات کا اعتراف عالمی سطح پر اور خصوصاً عالم عرب کی سطح پر بارہا کیا گیا لیکن ہمارے ہاں عوام تو کیا خواص تک میں ان کی شخصیت غیر معروف رہی اور ہے۔ اس کی اصل وجہ ہمارے ہاں صحیح عربی ذوق کی کمی، نیز غیر علمی اور غیر تحقیقی ماحول ہے۔ اس کی ایک اور وجہ یہ بھی ہے کہ علامہ میمن کا سارا علمی کام خالص تحقیقی نوعیت کا ہے۔ ادب عربی کی تعلیم و تحقیق کا جو معیار ہمارے ہاں تھا اور ہے اس کی بنا پر علامہ میمن کی علمی و تحقیقی خدمات پر خاطر خواہ توجہ نہ دی جا سکی اور یوں ان کی عبقری شخصیت نگاہوں سے اوجھل رہی جبکہ دوسری طرف صورت حال یہ رہی کہ تحقیق کے میدان میں نہ صرف عالم عرب کے علماء وفضلاء نے بلکہ یورپی مستشرقین تک نے ان کی فضیلت اور برتری کا بارہا اعتراف کیا۔ علامہ میمن کی شہرت و ناموری نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ان کا تمام عمر شہرت و ناموری سے دور رہ کر صرف اور صرف علم و تحقیق ہی سے تعلق رہا۔ وہ جن جن اداروں سے وابستہ رہے وہاں سیاست بازی اور جوڑ توڑ سے دور رہ کر صرف اور صرف علم و تحقیق سے تعلق رکھا۔ علمی گہرائی، علمی تحقیق، تصنیف و تالیف کا ذوق صرف اور صرف خواص کا حصہ ہے اور ہمارے عام لوگوں کے لیے یہ تمام مشاغل بے کار ہیں۔ علامہ میمن تمام عمر ستائش کی تمنا اور صلے کی پروا کیے بغیر عربی زبان وادب کی خدمت میں مشغول رہے اور شاگردوں کی ایک ایسی جماعت تیار کر گئے جنھوں نے علم و تحقیق کے میدان میں کارہائے نمایاں انجام دیے۔

یہ آج سے تقریباً سترہ برس قبل کا واقعہ ہے کہ راقم نے کراچی کی ایک علمی مجلس میں علامہ میمن کا نام سنا۔ راقم الحروف علامہ میمن کا نام سنتے ہی شدید حیرت سے دوچار ہوا اس لیے کہ اب

.... تک جن جن میمن حضرات سے تعارف ہوا یا سابقہ پڑا، ان میں بڑے بڑے تاجر، صنعتکار، سیٹھ اور کاروباری حضرات تھے لیکن اب تک کوئی میمن ایسا نہ دیکھا نہ سنا اور نہ اس کے بارے میں پڑھا جس کا علم سے اس حد تک تعلق ہو کہ وہ ''علامہ'' کے درجے تک پہنچا ہو۔ اگلے ہی روز راقم جامعہ کراچی شعبۂ عربی پہنچا۔ یہاں ایک محترم استاد نے مطلع فرمایا کہ علامہ میمن عربی زبان وادب کے بین الاقوامی شہرت یافتہ عالم تھے اور اس شعبے (شعبۂ عربی جامعہ کراچی) کے بھی وہی بانی تھے نیز ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی کے بھی وہی بانی تھے۔ یہ بھی فرمایا کہ ان کے شاگرد ڈاکٹر مختار الدین آرزو صاحب نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ عربی سے ان پر دو ضخیم مجلّے شائع کیے ہیں جو وہ یہاں (شعبۂ عربی) کے کتب خانے کو ہدیہ کر گئے تھے لیکن کوئی صاحب لے گئے اور واپس لائبریری میں جمع کرانے کی زحمت برداشت نہیں کی۔ اس کے بعد راقم جامعہ کراچی کی مرکزی لائبریری پہنچا لیکن وہاں بھی یہ مجلّے موجود نہیں تھے۔ ناچار راقم نے ڈاکٹر مختار الدین صاحب کو خط لکھا کہ مجلة المجمع العلمي الهندي کے ضخیم میمن نمبر کے دونوں حصے کس طرح حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ خوش قسمتی سے کچھ ہی عرصے بعد ۱۹۹۲ء میں ڈاکٹر صاحب علی گڑھ سے کراچی تشریف لائے اور راقم کی ان سے مفصل ملاقاتیں ہوئیں۔ ان ملاقاتوں میں دیگر موضوعات کے علاوہ علامہ میمن کے حالات، خدمات اور ان پر اردو میں مطبوعہ مواد کا بھی ذکر ہوا۔ ڈاکٹر صاحب نے حسب وعدہ علی گڑھ واپس پہنچ کر دونوں مجلّے روانہ فرمائے جن کے مطالعہ کے بعد راقم نے فیصلہ کیا کہ علامہ میمن کے حالات اور علمی خدمات پر ایک کتاب تحریر کرے گا چنانچہ پیش نظر کتاب کا آغاز کیا گیا۔ اس دوران جیسے جیسے تحقیق وتلاش کا سلسلہ آگے بڑھتا رہا ویسے ویسے علامہ کی عبقری شخصیت کے نئے نئے گوشے سامنے آتے گئے۔ اس دوران راقم نے ہر اس شخص سے رابطے کی کوشش کی جس کا کبھی علامہ سے تعلق رہا ہو، ہر ایسی کتاب ورسالے کو حاصل کیا جس میں کسی حوالے سے علامہ کا ذکر آیا ہو، علامہ کے بڑے صاحب زادے پروفیسر محمد محمود میمن مرحوم اور ان کے پوتے جاوید سعید میمن اور بھانجے عبدالرزاق معرفانی مرحوم سے ملاقاتیں ہوئیں۔ محمد محمود میمن صاحب سے ملاقات سے قبل ایک سوال اکثر ذہن میں آتا تھا کہ انھوں نے علامہ میمن کے انتقال کے بعد جو

معلومات افزا مضامین لکھے اور جن میں علامہ کی زندگی کے اہم واقعات بیان کیے، کیا وہ محض یادداشت کی بنا پر لکھے گئے یا ان کا کوئی اور بھی مآخذ ہے۔ دوران ملاقات یہ خوشگوار انکشاف ہوا کہ علامہ میمن اپنی زندگی ہی میں اپنی یادداشتیں تین کیسٹوں کی شکل میں ریکارڈ کرا گئے تھے جن کی مدد سے یہ مضامین لکھے گئے۔ جب راقم نے محمود صاحب سے ان کیسٹوں کی نقل کی گزارش کی تو انھوں نے یہ کہہ کر معذرت کر دی کہ ان میں کچھ خانگی باتیں ہیں جن کی وجہ سے وہ کیسٹوں کی نقل فراہم نہیں کر سکتے۔ البتہ انھوں نے علامہ میمن کے انتقال کے بعد پاکستان ٹیلی وژن کراچی مرکز سے نشر کردہ علامہ میمن کی یاد میں پروگرام کی آڈیو کیسٹ عنایت کی۔ اس کے بعد تلاش وجستجو کا یہ سفر جاری رہا اور الحمد للہ علامہ کے بھانجے عبدالرزاق معرفانی مرحوم سے ان تین میں سے ایک کیسٹ کی نقل مل گئی اور اس وجہ کا بھی علم ہوا جس کے سبب محمود صاحب نے کیسٹوں کی نقل دینے سے معذوری ظاہر کی تھی۔ مذکورہ بالا کیسٹ سننے کے بعد ایک اور انکشاف ہوا کہ علامہ میمن کے مسلم یونیورسٹی علیگڑھ میں تقرر کی خاطر علامہ اقبال نے بھی ایک خط رجسٹرار یونیورسٹی کو لکھا تھا جس میں علامہ کی عربی زبان میں مہارت کا بلند الفاظ میں ذکر کیا تھا۔ راقم نے اس خط کی نقل کی خاطر علامہ کے نامور شاگرد ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب سے گزارش کی۔ ڈاکٹر صاحب نے تحریر فرمایا کہ ایسا کوئی خط یونیورسٹی میں محفوظ نہیں۔ راقم کے اصرار پر ڈاکٹر صاحب نے یونیورسٹی ریکارڈ سے علامہ میمن کی ذاتی فائل نکلوائی اور اس کے مطالعے سے یہ انکشاف ہوا کہ علامہ اقبال کا مذکورہ بالا خط آج تک علامہ میمن کی فائل میں محفوظ ہے۔ اس خط پر ۱۹ ستمبر ۱۹۲۴ء کی تاریخ درج ہے اور یہ تاریخی خط سب سے پہلے پیش نظر کتاب ہی میں شایع ہوا۔

اس دوران راقم الحروف نے نہ صرف علامہ میمن کے تلامذہ سے برابر رابطہ رکھا بلکہ ان کے اہل خانہ اور اہل تعلق سے بھی۔ بعض ایسے اہل علم سے رابطہ بھی ہوا جنھوں نے علامہ کی شخصیت کے محض ایک پہلو یعنی اخراجات میں احتیاط کا ذکر کیا جبکہ ان کی علمی خدمات خصوصاً ان کی کتابوں کے ناموں سے بھی یہ حضرات ناواقف پائے گئے۔ یہ بات کسی حد تک درست ہے کہ علامہ میمن کفایت شعار تھے لیکن پیش نظر کتاب کے مطالعے کے بعد قارئین کو اندازہ ہوگا کہ ان کی کفایت

شعاری اپنی ذات تک محدود تھی، وہ ملک اور قوم اور خصوصاً مسلمانوں کے معاملات میں فراخ دل ہی نہیں فراخ دست بھی تھے۔اس کے علاوہ ملک اور قوم کی رقوم خرچ کرنے میں جس احتیاط اور امانت داری کا مظاہرہ علامہ میمن نے متعدد موقع پر کیا، آج کے ماحول میں یہ باتیں خواب و خیال ہی محسوس ہوتی ہیں۔

علامہ میمن کی علمی اور تحقیقی خدمات اتنی زیادہ ہیں کہ اگر صحیح طریقے سے ان پر تحقیق کی جائے تو ایک نہیں کئی مجلدات تیار ہو سکتے ہیں۔جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا علامہ میمن نے تمام عمر اعلیٰ معیار کا تحقیقی کام کیا اور ہمارے ہاں عربی تعلیم و تحقیق کا جو معیار ہے،اس کی بنا پر یہ ناممکن ہے کہ ان کی مکمل خدمات کا جائزہ لیا جا سکے۔یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی زندگی میں بھی اور وفات کے بعد بھی اپنوں میں اجنبی رہے جبکہ عالم عرب میں انھیں امام اللغة العربية کا درجہ دیا گیا بلکہ اب بھی وہاں کے علمی حلقوں میں علامہ کا نام سند کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ایک غلط فہمی کی تصحیح بھی کر دی جائے۔علامہ میمن کو عموماً استاذ میمنی،علامہ میمنی اور استاذ المیمنی بھی لکھا جاتا ہے بلکہ عالم عرب میں تو وہ استاذ المیمنی کے نام ہی سے معروف ہیں۔دراصل میمنی یا المیمنی کوئی علیحدہ نام یا لقب نہیں بلکہ لفظ 'میمن' کی تعریب ہے۔علامہ میمن خود اپنے اردو خطوط میں اور دیگر تحریروں میں بھی لفظ 'میمن' اپنے نام کے ساتھ لکھتے تھے جیسا کہ قارئین پیش نظر کتاب میں بھی مطالعہ فرمائیں گے۔

علامہ میمن کے انتقال کی خبر پڑھنے کے بعد اپنے مضمون میں مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی نے بالکل درست لکھا تھا کہ ہزاروں پڑھنے والوں میں سے چند ہی کو اس کا اندازہ ہوا ہوگا کہ یہ برصغیر ہی نہیں، یہ عہد اور عالمِ عرب کیسے عظیم المرتبت ادیب اور عربی زبان کے مبصر و محقق سے محروم ہو گیا۔زمانہ کے حالات، تعلیمی نظام اور قدیم و جدید مدارس کی جو کیفیت اس وقت دیکھنے میں آ رہی ہے،اس سے کیا امید کی جا سکتی ہے کہ ان جیسا متبحر،مستند اور صاحبِ نظر عربی زبان و ادب کا عالم پیدا ہوگا۔

پیش نظر کتاب کا اولین ایڈیشن ادارۂ احیائے علم و دعوت لکھنو کے ناظم جناب فیصل احمد

ندوی صاحب کی عنایت سے مئی ۲۰۰۹ء میں شایع ہوا تھا۔ اس کے بعد کوشش کی گئی کہ جلد از جلد اس کا نظر ثانی و اضافہ شدہ اڈیشن پاکستان سے بھی شایع ہو مگر تاخیر پہ تاخیر ہوتی گئی لیکن

ہوئی تاخیر تو کچھ باعثِ تاخیر بھی تھا

اور تاخیر کا اصل باعث جس سے اہل علم و تحقیق بخوبی واقف ہیں، ہمارے ہاں علمی و تحقیقی کتب کی اشاعت کی راہ میں رکاوٹیں بلکہ بڑے بڑے پہاڑ ہیں۔ بہر حال راقم نے اپنا کام جاری رکھا اور نہ صرف کتاب پر مکمل نظر ثانی کی، مفید اضافات کیے بلکہ اس کی اشاعت کے لیے بھی کوشاں رہا۔ چنانچہ پیش نظر اڈیشن میں ڈاکٹر مختار الدین احمد، ڈاکٹر احمد خان اور ڈاکٹر خورشید رضوی صاحب و دیگر بزرگوں اور اہل علم کے مشوروں سے فائدہ اٹھایا گیا ہے۔

آج مجھے بے اختیار ہمارے ملک کے بین الاقوامی شہرت یافتہ دانشور، محقق، عالم ہفت زبان اور علامہ میمن کے نامور شاگرد ڈاکٹر نبی بخش بلوچ مرحوم کی یاد آرہی ہے جو مورخہ ۶/ اپریل ۲۰۱۱ کو وفات پا گئے۔ جب اس کتاب کا آغاز کیا گیا تو ڈاکٹر صاحب مرحوم نے اپنے عظیم استاد کی اس سوانح کی اشاعت کے لیے ہر ہر مرحلے پر راقم کی حوصلہ افزائی کی۔ انھوں نے نہ صرف اس کی اشاعت میں مفید مشورے دیے بلکہ ضروری مواد بھی فراہم کیا۔ ساتھ ہی کام کی رفتار بھی معلوم کرتے اور اس راہ میں حائل رکاوٹوں کو دور کرنے کی خاطر رہنمائی فرماتے۔ ڈاکٹر صاحب سے مشورہ کر کے ہی راقم نے اس کتاب کی اشاعت کی اجازت ادارۂ علم و دعوت لکھنو کو دی تھی۔ جب اس کے پہلے اڈیشن کا چند نسخے پہنچے تو راقم نے اولین نسخہ ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں روانہ کیا جسے وصول کر کے انھوں نے بے حد خوشی کا اظہار فرمایا اور خط کے ذریعے بھی حوصلہ افزائی فرمائی تھی ۔مقدر کی بات ہے کہ اس پاکستانی اڈیشن کی اشاعت کے وقت ڈاکٹر صاحب ہمارے درمیان موجود نہیں لیکن ان کی یاد اور ان کی شفیقانہ رہنمائی ہمارے لیے ہمیشہ مشعل راہ کا کام دیتی رہے گی۔

پیش نظر کتاب علامہ میمن کے حالات اور علمی خدمات پر اردو زبان میں اولین کتاب ہے۔ یہ کتاب کسی یونیورسٹی سے ڈگری کے حصول کی خاطر نہیں لکھی گئی بلکہ اس کا مقصد عربی زبان

سے محبت اور عربی زبان وادب کی ایک عبقری شخصیت سے اردوداں قارئین کو آگاہ کرنا ہے۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے قرآن کی زبان کی اس عاجزانہ خدمت کو قبول فرمائے اور عربی زبان سے بحیثیت ایک زندہ زبان ہمارا رشتہ مضبوط سے مضبوط تر ہو۔

آخر میں راقم الحروف ان تمام بزرگوں اور احباب کا بہ صمیم قلب شکریہ ادا کرتا ہے جنھوں نے اس کتاب کے لیے ضروری معلومات فراہم کیں خصوصاً محمد عالم مختار حق صاحب، محمد یٰسین شاد صاحب، حافظ محمد سجاد صاحب، فیصل احمد بھٹکلی ندوی صاحب، عقیل عباس جعفری صاحب ودیگر حضرات۔اس کے ساتھ ہی راقم ادارۂ قرطاس کے منتظمین کا بھی دلی شکریہ ادا کرتا ہے جنھوں نے مناسب شرائط پر اس کتاب کی اشاعت پر آمادگی ظاہر فرمائی۔

اگر حالات سازگار رہے تو ان شاءاللہ پیش اس کتاب کے بعد علامہ میمن کے اردو مقالات کا مجموعہ مناسب تدوین وتحشیہ کے بعد شایع کیا جائے گا۔

وما توفیقی الّا باللّٰہ العلی العظیم

محمد راشد شیخ

الفلاح ،ملیر ہالٹ کراچی

مورخہ:۱۳؍رمضان المبارک ۱۴۳۲ھ مطابق:۱۴؍اگست ۲۰۱۱ء

علامہ میمن زندگی کے مختلف ادوار میں

۱۹۲۸ء کی تاریخی تصویر جب علامہ میمن کو شام کی مشہور علمی اکیڈمی المجمع العلمی العربی دمشق کی رکنیت کا اعزاز عطا کیا گیا

۱۹۳۶ء میں قیامِ قاہرہ کے دوران علامہ میمن کی ایک یادگار تصویر

۱۹۶۵ء کی علامہ میمن کی ایک یادگار تصویر

۱۹۳۶ء میں قیام قاہرہ کی یادگار تصویر: نامعلوم، علامہ میمن اور بدرالدین چینی مولف ''چین وعرب کے تعلقات''

شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی عربی سوسائٹی کے اراکین: دائیں سے مجتبیٰ حسن، ڈاکٹر خورشید احمد فارق، علامہ میمن، ڈاکٹر مختار الدین احمد، نواب محمد اسماعیل خان (چانسلر) محمد مسعود صدیقی، ڈاکٹر عابد احمد علی
بدر الدین علوی، خورشید حسن۔ ایستادہ، شعبۂ عربی کے طلباء

مصری صحیفوں کا وفد مسلم یونیورسٹی کے شعبہء عربی میں: دائیں سے ڈاکٹر مختار الدین احمد، محمد مسعود صدیقی، مجتبیٰ حسن، بدرالدین علوی، صلاح عبدالمجید، ابوالفتح، علامہ میمن، ڈاکٹر ذاکر حسین خان (وائس چانسلر)
احمد قاسم جودہ، احسان عبدالقدوس، زکریا شربینی، طارق عابد احمد علی، عبدالحمید الحریری، ڈاکٹر عابد احمد علی، سی ایل بھردواج

۱۹۶۳ء میں کراچی میں منعقدہ یوم نذیر احمد کے موقع پر علامہ میمن کا صدارتی خطاب۔
ان کے دائیں طرف حفیظ جالندھری جبکہ بائیں طرف ممتاز حسن اور شاہد احمد دہلوی تشریف فرما ہیں

علامہ میمن ۱۹۶۸ء میں عربی لغت نگاری کے موضوع پر خطاب فرما رہے ہیں۔
انکے دائیں جانب شان الحق حقی اور بائیں جانب ممتاز حسن

علامہ میمن بزم عربی سرسید کالج کراچی کے اجلاس کی صدارت کررہے ہیں۔
ڈاکٹر سید محمد یوسف سامعین سے مخاطب ہیں، علامہ کے ساتھ کالج کی پرنسپل محترمہ آمنہ کمال تشریف فرما ہیں۔

کراچی کی ایک تقریب میں علامہ میمن، ایڈیٹر رسالہ ''میمن عالم''، عمر عبدالرحمن سے مخاطب ہیں۔
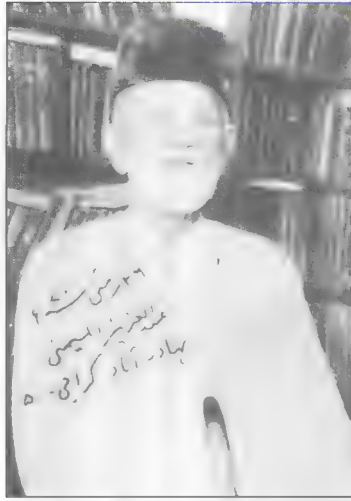
علامہ میمن ۱۹۷۰ء میں۔ تصویر پر تحریر انھی کے قلم سے ہے

کراچی یونیورسٹی کے شعبہ عربی میں علامہ میمن خطاب فرما رہے ہیں۔
دائیں جانب علامہ کے شاگرد ڈاکٹر سید محمد یوسف اور درمیان میں ڈاکٹر یوسف کے شاگرد محمد بن خلیل عرب

۱۹۶۶ء کی یادگار تصویر: علامہ میمن اورینٹل کالج لاہور کے اساتذہ وطلبہ کے ساتھ۔ دائیں سے چوتھے ڈاکٹر ظہور احمد اظہر اور علامہ کے دائیں جانب ڈاکٹر محمد باقر پرنسپل اورینٹل کالج

اورینٹل کالج لاہور کے اساتذہ اور طلبہ کے ساتھ علامہ میمن کی ایک اور تصویر

۱۹۶۶ء میں لاہور میں قیام کے دوران دائیں طرف سے ممتاز حسن، علامہ میمن، خلیل الرحمٰن داؤدی اور نا معلوم

علامہ میمن اورینٹل کالج لاہور کے اساتذہ کے ہمراہ

۱۹۶۸ء میں عربی لغت نگاری کے موضوع پر علامہ میمن کے خطبے کے موقع کی یادگار تصویر: دائیں سے نسیم امروہوی، ممتاز حسن، علامہ میمن، مولانا منتخب الحق قادری، ڈاکٹر شوکت سبزواری، بشیر احمد ڈار۔
ایستادہ: شان الحق حقی، جمیل الدین عالی، اعجاز الحق قدوسی و دیگر حضرات

علامہ میمن کی گود میں ان کے نواسے احمد فراز اور ساتھ ان کی نواسی
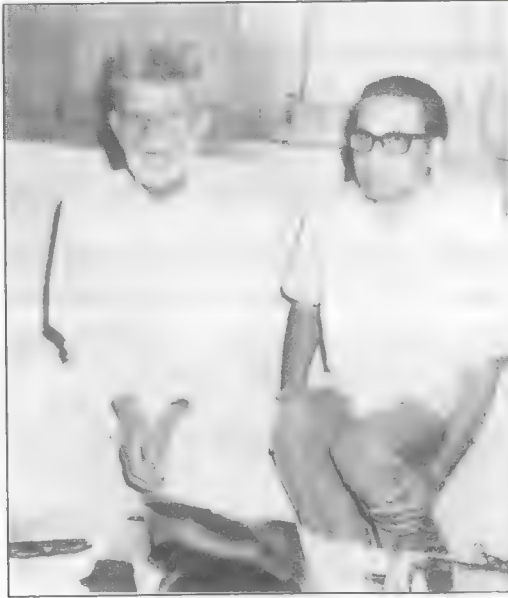
علامہ میمن اور ڈاکٹر وقار احمد رضوی (کراچی،۱۹۷۴ء)

جامعہ کراچی میں علامہ میمن، ڈاکٹر سید محمد یوسف، ایک سعودی مہمان بمع اساتذہ وطلبہ شعبہ عربی

جامعہ کراچی میں علامہ میمن، ڈاکٹر سیّد محمد یوسف، اساتذہ وطلبہ شعبہ عربی

علامہ میمن کو تمام عمر عربی زبان وادب کی خدمت کے صلے میں سابق صدر ایوب خان

پرائڈ آف پرفارمینس (تمغہ حسن کارکردگی) عطا کر رہے ہیں

۱۹۷۵ء میں منعقدہ عربی کانفرنس کی یادگار تصویر: محمد عبدالشہید نعمانی، علامہ میمن، ڈاکٹر حبیب الحق ندوی اور محمد پاشا ندوی

علامہ میمن کے چند نامور تلامذہ

ڈاکٹر سید محمد یوسف سابق صدر شعبۂ عربی کراچی یونیورسٹی

ڈاکٹر خورشید احمد فارق، سابق صدر شعبۂ عربی دہلی یونیورسٹی
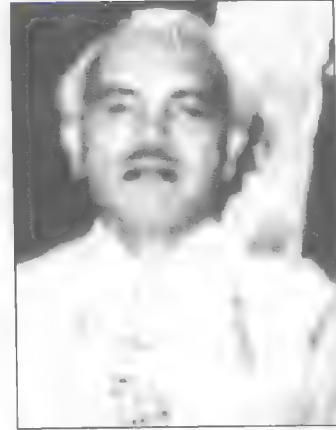
ڈاکٹر مختار الدین احمد، سابق صدر شعبۂ عربی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

علامہ میمن کے چند نامور تلامذہ

ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ سابق وائس چانسلر
سندھ یونیورسٹی و بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

ڈاکٹر سید عبداللہ سابق پرنسپل یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور
و مدیر اردو دائرۂ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور

مولانا امتیاز علی خان عرشی، سابق ناظم رامپور رضا لائبریری رامپور

باب نمبر ا

خاندان، ولادت، ابتدائی حالات

میمن قوم

میمن قوم کے بارے میں علامہ عبدالعزیز میمن اپنے سوانحی مضمون العاجز عبدالعزیز المیمنی میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''میمن قوم کا تعلق سندھ سے بتایا جاتا ہے۔ اس قوم نے دین اسلام جیلانی (قادری) طریقت کے کسی بزرگ کے ہاتھوں قبول کیا۔ یہ واقعہ نویں صدی ہجری کا ہے۔ مغل شہنشاہ اکبر (جس نے گجرات فتح کیا) سے قبل احمد آباد کے مظفر شاہی دور میں میمن، سندھ سے کاٹھیاواڑ منتقل ہوئے۔''[1][2]

میمنوں کا قبولِ اسلام

میمنوں کے قبولِ اسلام سے متعلق مختلف واقعات بیان کیے جاتے ہیں لیکن سب سے زیادہ مستند واقعہ یہی ہے جس کا اشارہ علامہ میمن نے اپنے مضمون میں کیا ہے۔ جن بزرگ کے ہاتھوں میمن قوم مشرف بہ اسلام ہوئی ان کا نام سیّد یوسف الدین تھا۔ ان کے بارے میں ٹی ڈبلیو آرنلڈ اپنی مشہور کتاب The Preaching of Islam میں لکھا:

> ''اس عہد کے مبلغین میں سب سے زیادہ مشہور سیّد یوسف الدین تھے جو شیخ عبدالقادر جیلانی'' کی اولاد سے تھے۔ ان کو خواب میں حکم ہوا کہ بغداد چھوڑ کر

رکھنے کے لیے راجکوٹ (جو ایک مرکزی مقام ہے) میں اپنی چھاؤنی قائم کی۔ اس زمانے میں میرے پردادا حضور (شیخ یعقوب ابانی) پڑدھری چھوڑ کر راجکوٹ، صدر بازار میں آبسے۔ حکومت وقت نے انھیں رہائش کے لیے زمین فراہم کی جہاں انھوں نے اپنے اور اپنی اولاد کے لیے چھوٹے موٹے مکانات تعمیر کرائے۔ میرے پردادا حضور فوج اور شہریوں کو غلہ فراہم کرتے تھے''۔[5]

علامہ میمن کے والدِ محترم

یعقوب ابانی کے بیٹے عبدالکریم ابانی تھے جو ۱۸۶۵ء میں راجکوٹ میں پیدا ہوئے اور وہیں ۱۹۵۹ء میں وفات پائی۔ عبدالکریم ابانی علامہ عبدالعزیز میمن کے والد محترم تھے۔ ایک موقع پر علامہ میمن نے ٹی وی انٹرویو میں اپنے خاندان اور والد مکرم کے بارے میں فرمایا:

''میرے خاندان میں اکثر آدمی اچھی خاصی صحت کے تھے خصوصاً میرے والد غیر معمولی صحت کے آدمی تھے۔ اگر ان کا ایک ایکسیڈنٹ نہ ہوگیا ہوتا جس کی وجہ سے ان کی جان پر بن گئی تو وہ بہت زیادہ دور چلے جاتے (لمبی عمر پاتے)۔ بہر حال ۹۳ سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوا۔ سب آدمیوں کا اس پر اتفاق تھا کہ (عمدہ صحت کی وجہ سے) وہ سوا سو برس تک چلے جائیں تو کوئی بڑی بات نہیں۔ آپ کو سن کر تعجب ہوگا کہ وہ ۹۰ برس کی عمر تک بائیسکل چلاتے تھے''۔[6]

شیخ عبدالکریم کے بارے میں کچھ معلومات ہمیں پروفیسر محمد محمود میمن کے مذکورہ بالا مضمون میں بھی ملتی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''دادا حضور کا پیشہ چھوٹی موٹی زمینداری تھا۔ وہ بہت جفاکش، خدا پرست اور با اصول انسان تھے۔ بقول ابا حضور دینی تعلیم نے ان کے ساتھ اکسیر کا کام کیا تھا۔ وہ اپنی عمر سے کہیں زیادہ تندرست معلوم ہوتے تھے۔ نماز ہمیشہ باجماعت پڑھتے تھے اور تہجد گزار تھے۔ مرنے سے پچیس سال قبل کے عرصے میں کبھی بھی ان کی تہجد کی نماز قضا نہیں ہوئی۔ جون ۱۹۵۹ء میں ۹۳ سال کی عمر پا کر راجکوٹ

شجرہ علامہ عبدالعزیز میمن
عبداللہ ابانی
(۱۷۶۵ء—۱۸۴۵ء)
یعقوب
(۱۸۱۵ء—۱۹۰۰ء)
عیسیٰ
سلیمان
عمر
ہاشم
یوسف
حاجی عبدالکریم
۱۸۶۵ء-۱۹۵۹ء
عثمان
ابوبکر
علامہ عبدالعزیز میمن
عبدالرحمٰن
احمد
عبداللہ
عبدالرحیم
زینب
محمد محمود میمن
محمد سعید میمن
محمد عمر میمن
زبیدہ خاتون
سکینہ بانو
صفیہ میمن
ڈاکٹر طارق میمن
سلمہ میمن
احمد سعید
ثریا
جاوید سعید
ڈاکٹر نسرین
ڈاکٹر محمد عارف
عبدالرشید
احمد فراز
صائمہ
محمد عاصم
انیس الرحمٰن
کنول ناز
عائشہ احمد
ثاقب علی
قرۃ العین
شاہ وزیر
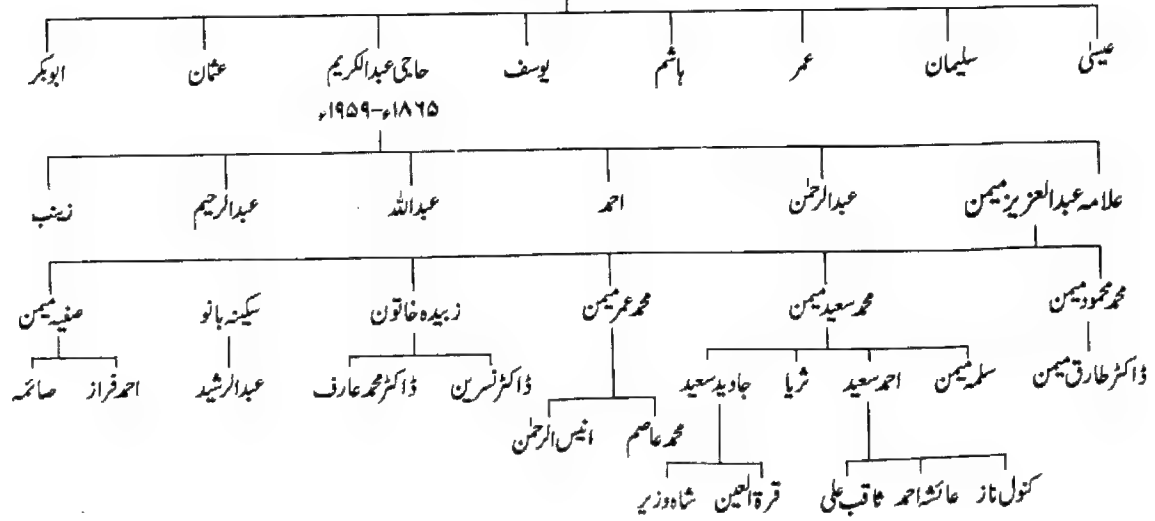
میں انھوں نے وفات پائی"۔[7]

علامہ میمن نے اپنی ریکارڈ شدہ یادداشتوں میں اپنے والد شیخ عبدالکریم کی دینداری اور پابندئ نماز کے بارے میں فرمایا:

"میرے والد بے انتہا متدین، خدا پرست اور بااصول انسان تھے۔ جب ۱۹۳۵۔۳۶ء میں مَیں اسلامی ممالک کی سیاحت پر گیا تو کئی طویل العمر بزرگوں سے ملا لیکن ۸۶ سال کی عمر میں جتنی عمدہ صحت میرے والد کی تھی، میں نے کسی میں نہ دیکھی۔ مذہبی تعلیم نے ان کے ساتھ اکسیر کا کام کیا۔ میں نے انھیں کبھی نماز جماعت قضا کرتے ہوئے نہ دیکھا۔ نماز کی پابندی کا یہ عالم تھا کہ جب وہ اپنے کھیت پر جاتے تو وہاں بھی اذان دے کر کسی کو ساتھ کر لیتے اور با جماعت نماز پڑھتے۔ اگر کوئی آدمی نہ ملتا تو سائیکل پر ولی محمد سیٹھ کی مسجد تک آتے اور با جماعت نماز ادا کرتے۔ میں نے کبھی ان کی تہجد قضا ہوتے نہ دیکھی۔ روزانہ رات دو اڑھائی بجے اٹھ کر قرآن اور صحیح بخاری پڑھتے۔ وہ فجر کی اذان مسجد میں جا کر خود دیتے۔ ان کی آواز بہت خوبصورت تھی۔ جب میں علی گڑھ میں تھا اور وہاں میرے ہمسائے نابینا اسکول کے ہیڈ ماسٹر[8] نے میرے والد صاحب کی آواز سنی تو مجھ سے کہا کہ آپ سے زیادہ جاندار آواز آپ کے والد کی ہے۔ ۹۳ سال کی عمر میں ان کا انتقال راجکوٹ میں ہوا، ۱۹۵۹ء میں ہوا۔"[9]

اہلِ کاٹھیاواڑ کا دینی جذبہ

علامہ میمن کے بچپن میں اہلِ کاٹھیاواڑ میں دینی جذبہ اور مہمان نوازی بہت زیادہ تھی۔ اس بارے میں وہ بیان کرتے ہیں:

"میرے بچپن میں کاٹھیاواڑ میں ہندوستان کے مختلف علاقوں سے علماء، صوفی، غریب وغیرہ کثرت سے آتے رہتے تھے خصوصاً رمضان میں۔ ان کے لیے ہر مسجد کے ساتھ مسافر خانہ بنایا جاتا جہاں ان کے کھانے کا انتظام ہوتا تھا۔ ہر مسافر

کم از کم تین دن کے لیے جبراً کھانا حاصل کرتا تھا"۔[10]

مولانا عبدالخالق اور ان کی صحبت کا اثر

۱۸۸۴ء میں جب الحاج عبدالکریم کی عمر تقریباً انیس برس تھی ایک کشمیری النسل عالم مولوی عبدالخالق سے ان کا تعلق قائم ہوا۔ مولوی عبدالخالق مولوی سلیمان جونا گڑھی (تلمیذ میاں نذیر حسین صاحب محدث دہلوی)[11] کے شاگرد تھے۔ مولوی عبدالخالق کے دروس میں عبدالکریم مسلسل بیٹھنے لگے۔ ان کی صحبت کا یہ نتیجہ نکلا کہ عبدالکریم جماعت اہل حدیث میں شامل ہو گئے اور مولوی عبدالخالق سے یہ عہد کیا کہ شادی کے بعد جو پہلی نرینہ اولاد ہو گی اسے وہ دینی تعلیم اور عربی زبان کے لیے وقف کر دیں گے۔ کسے خبر تھی کہ ایک چھوٹے سے شہر کی چھوٹی سی مسجد میں کیا گیا یہ عہد آگے جا کر کتنے اہم نتائج کا حامل ہوگا۔

مولانا عبدالخالق اصلاً کشمیری تھے لیکن لکھنؤ میں رہے اور مولانا عبدالحئی فرنگی محلی لکھنوی (وفات ۲۴ صفر ۱۳۰۷ھ) کا زمانہ انھوں نے دیکھا تھا۔ وہ ایام طالب علمی میں بڑودہ (گجرات) آئے جہاں ایک جلیل القدر محدث رہتے تھے۔ ان کے انتقال کے بعد میاں سید نذیر حسین صاحب کے شاگرد مولانا سلیمان جونا گڑھی کے پاس پہنچے اور ان سے تحصیل علم کیا۔ مولانا سلیمان جونا گڑھی کے انتقال کے بعد وہ جونا گڑھ سے راجکوٹ منتقل ہو گئے۔ یہاں انھوں نے ایک سادہ سا مکان بنا لیا تھا۔

علامہ میمن نے اپنی ریکارڈ شدہ یادداشتوں میں مولوی عبدالخالق کی اصول پرستی اور صحبت کے اثرات کے بارے میں بیان کیا:

> "مولوی عبدالخالق بڑے پکے موحد تھے۔ وہ کسی کا صدقہ خیرات یا کسی گھر کا کھانا کبھی نہیں لیتے تھے۔ وہ بڑے غیور اور خوددار آدمی تھے۔ ان میں بعض خوبیاں ایسی تھیں جن کی بنا پر لوگ ان کی مجلس میں بیٹھتے اور ان کے دلدادہ بن جاتے تھے۔ ان کی مجلس میں کئی معروف آدمی بیٹھنے لگے ان ہی لوگوں میں میرے والد بھی

تھے جو ۱۹ برس کی عمر میں ان کے ہاں پہنچنے تھے میرے والد اور مولوی صاحب کے درمیان گہرا تعلق قائم ہو گیا۔ اس واقعے کے بمشکل تین سال بعد میرے والد کی شادی میری والدہ مریم بائی سے ہو گئی۔ میرے والد نے مولوی صاحب کی مجلس میں دعا کی تھی کہ شادی کے بعد پہلی نرینہ اولاد کو میں دین کی تعلیم کے لیے وقف کروں گا۔ انھوں نے مولوی صاحب سے بھی کہا تھا کہ آپ بھی دعا کریں''۔

ولادت اور جائے ولادت

شیخ عبدالکریم کی شادی گونڈل کے ایک شریف خاندان میں ہوئی تھی۔ ان کی اہلیہ کا نام مریم بائی تھا جو بقول علامہ میمن نہایت مسکین طبیعت، نیک دل اور دین دار خاتون تھیں[۱۲]۔ عموماً پہلی ولادت لڑکی کے والدین کے ہاں ہوتی ہے۔ مریم بائی کے والدین گونڈل میں مقیم تھے چنانچہ یہیں ۱۸۸۸ء کے اواخر میں علامہ عبدالعزیز میمن کی ولادت ہوئی[۱۳]۔

ابتدائی تعلیم

علامہ میمن نے بھی اس دور کے عام مسلمان بچوں کی طرح ابتدائی تعلیم گھر ہی پر حاصل کی۔ ابتدا میں آپ نے قرآن کریم ناظرہ، انجمن حمایت اسلام لاہور کی اردو ریڈریں اور گجراتی زبان کی ابتدائی کتب پڑھیں۔ سات سال کی عمر میں آپ کے والد نے مزید تعلیم کے لیے مہابت مدرسہ[۱۴] جونا گڑھ بھیج دیا۔ یہاں آپ نے تین سال تک دینی تعلیم حاصل کی۔ یہاں آپ نے دیگر مروجہ دینی کتب کے علاوہ ''آمد نامہ'' بھی پڑھی اور خط نستعلیق کی تعلیم بھی حاصل کی۔ اس دور میں جونا گڑھ میں آپ کے چچا محمد یوسف مقیم تھے چنانچہ یہ سہ سالہ قیام انھی کے گھر رہا۔

جب علامہ میمن کی عمر تقریباً دس برس ہو گئی تو آپ کے والد محترم نے جونا گڑھ سے راجکوٹ بلوالیا جہاں آپ نے مزید تین برس تک اردو و فارسی کی مروجہ دینی کتب کی تعلیم بڑی

عمارت مدرسہ علی گڑھ
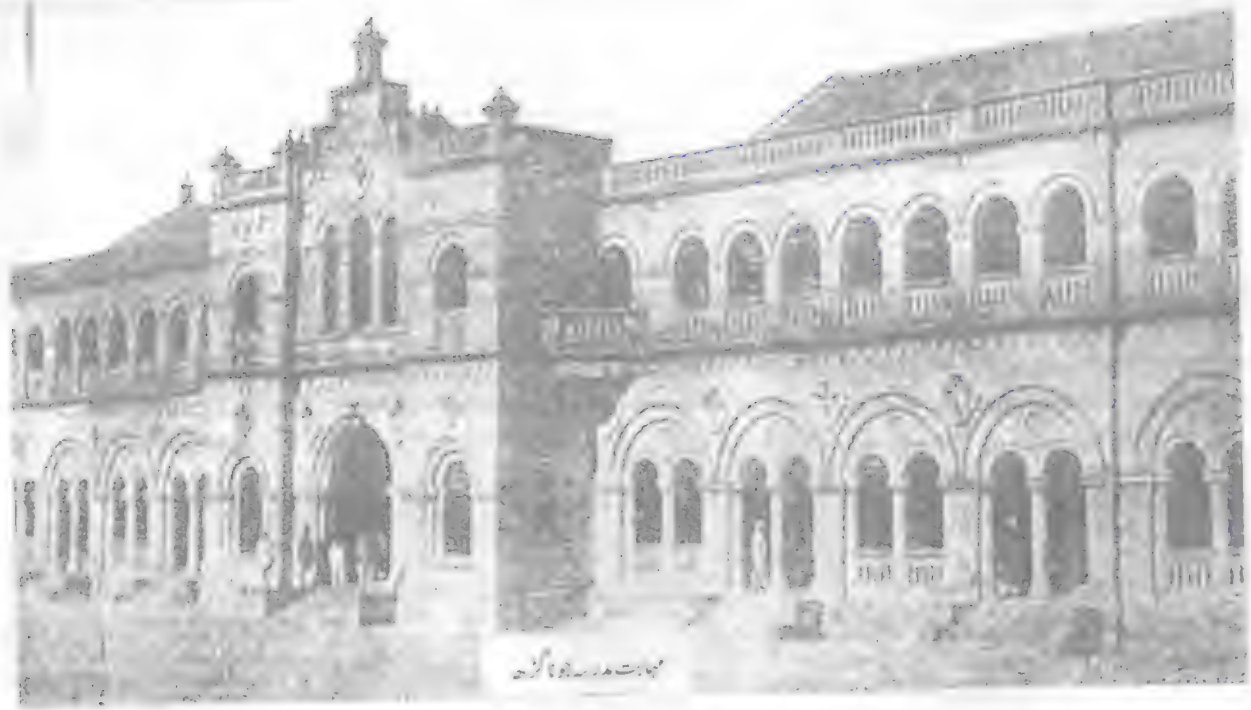
محنت سے حاصل کی۔

راجکوٹ اور جوناگڑھ کے دوست احباب

راجکوٹ اور جوناگڑھ میں علامہ میمن کا بچپن گزرا۔ یہاں کے دوست احباب کے حوالے سے پروفیسر محمد محمود میمن لکھتے ہیں:

''راجکوٹ میں ان کے بچپن کے ساتھی اور مخلص دوست عبدالرحیم معرفانی مرحوم تھے جو بقول والد صاحب بڑے اچھے مقرر تھے۔ برصغیر کی تقسیم کے وقت معرفانی صاحب راجکوٹ مسلم لیگ کے اہم کارکن تھے اور اگر مجھے غلط یاد نہیں تو وہ راجکوٹ مسلم لیگ کے پریذیڈنٹ بھی تھے۔ دوسرے عمر ولی سیٹھ جیوا بھائی مرحوم تھے۔ ان سے بھی والد صاحب (علامہ میمن) کو بہت لگاؤ تھا۔ دوسرے عزیز دوستوں میں جوناگڑھ کے قاضی احمد میاں اختر مرحوم[15] تھے۔ یہ وہاں کے جاگیرداروں میں شامل تھے اور بہت پڑھے لکھے آدمی تھے۔ شہر کے عمائدین میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ تقسیم ہند کے بعد کراچی میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ انجمن ترقی اردو سے بھی وابستہ رہے تھے اور وفات کے وقت سندھ یونیورسٹی حیدرآباد میں شعبۂ مسلم ہسٹری کے صدر تھے۔ وہ چند کتابوں کے مصنف بھی تھے۔ چھٹیوں میں جب کبھی والد صاحب جوناگڑھ جاتے تو قاضی احمد میاں اختر کے گھر پر ہی ان کا قیام ہوتا تھا۔ ان کی قیام گاہ پر اکثر پڑھے لکھے حضرات کی نشست ہوتی تھی جس میں مختلف موضوعات پر علمی گفتگو ہوتی تھی۔ جو لوگ وہاں جمع ہوتے تھے ان میں پرنسپل ظہور الدین، سیّد محمد علی ترمذی اور اسماعیل ابراہنی کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں''۔[16]

سفرِ دہلی برائے حصولِ تعلیم

علامہ میمن کی عمر جب تیرہ برس کی تھی تو ان کے والد نے ایک نومسلم طٰہٰ عبدالخالق کے ہمراہ انھیں دہلی بھیج دیا تاکہ دینی تعلیم حاصل کریں۔ یہ واقعہ دسمبر ۱۹۰۱ء کا ہے۔ طٰہٰ عبدالخالق کو علامہ میمن کے والد محترم نے یہ بھی ہدایت کی تھی کہ ان کے بیٹے کو سبزی منڈی دہلی میں مقیم حافظ عبدالرزاق کے سپرد کر دیں جو ان کی مزید تعلیم کا انتظام کریں گے۔ علامہ میمن نے اپنی ریکارڈ شدہ یادداشتوں میں بیان کیا کہ اس کم عمری میں ان کے والد نے بغیر کسی مناسب انتظام کے توکلاً علی اللہ انھیں دہلی بھیجا تھا۔ طٰہٰ عبدالخالق انھیں راجکوٹ سے براہِ راست دہلی نہیں لے گئے بلکہ کئی شہروں سے گھومتے گھماتے دہلی پہنچے تھے چنانچہ اس سفر میں خاصا وقت صرف ہوا تھا[۱۷]۔

حواشی

۱ عہد مغلیہ سے قبل گجرات میں مظفر شاہ نامی دو بادشاہ گزرے ہیں ۔ مظفر شاہ اول نے ۱۴۰۷ء تا ۱۴۱۰ء حکمرانی کی جبکہ مظفر شاہ دوم نے ۱۵۱۱ء تا ۱۵۲۶ء ۔ مظفر شاہ دوم مظفر حلیم کے لقب سے تاریخ میں زیادہ مشہور ہے ۔ اس کا عہد گجرات کا عہد زریں تھا ۔ گجرات میں سلطنت مغلیہ کی حکمرانی کا آغاز ۱۵۷۳ء سے ہوا (بحوالہ مرأت محمدی از شیخ غلام احمد)

۲ دیکھیے ''العاجز عبدالعزیز المیمنی '' در کتاب بحوث و تحقیقات، مرتبہ محمد عزیر شمس، ج ا ص ۱۷ ۔

۳ دیکھیے The Preaching of Islam کا ترجمہ '' دعوت اسلام'' از ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ، محکمہ اوقاف حکومت پنجاب لاہور، ۱۹۷۲ء، ص ۲۷۲

۴ دیکھیے '' برعظیم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ'' از ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، شعبۂ تصنیف و تالیف و ترجمہ کراچی یونیورسٹی، اشاعت چہارم ۱۹۹۹ء، ص ۷۵ ۔

۵ '' والد محترم علامہ پروفیسر عبدالعزیز میمن مرحوم و مغفور ۔ ایک عالم اور ایک انسان'' از پروفیسر محمد محمود میمن، سہ ماہی فکر و نظر اسلام آباد، جون ۱۹۷۹ء، ص ۵۱ ۔

۶ علامہ میمن کے بارے میں یہ ٹی وی پروگرام مورخہ ۲۹/ اکتوبر ۱۹۷۸ء کو پاکستان ٹیلی ویژن کراچی مرکز سے نشر کیا گیا ۔ راقم الحروف کے پاس اس پروگرام کی آڈیو کیسٹ محفوظ ہے ۔

۷ دیکھیے '' والد محترم علامہ پروفیسر عبدالعزیز میمن مرحوم و مغفور ۔ ایک عالم اور ایک انسان '' از پروفیسر محمد محمود میمن، سہ ماہی فکر و نظر اسلام آباد، جون ۱۹۷۹ء، ص ۵۱ ۔

۸ نابینا اسکول کے ہیڈ ماسٹر صاحب کا نام محمد سعید تھا ۔ علی گڑھ میں قیام کے دوران علامہ میمن تقریباً روزانہ شام ان کے ساتھ بیٹھتے اور گفتگو کا سلسلہ جاری رہتا ۔ بقول ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب محمد سعید صاحب کا انتقال ۱۹۶۸ء کے کچھ ہی بعد ہوا ۔

۹ یہ معلومات علامہ میمن کی ریکارڈ شدہ یادداشتوں سے ماخوذ ہیں ۔ یہ یادداشتیں انھوں نے اندازاً ۱۹۷۰ء میں ریکارڈ کرائیں ۔

۱۰ ایضاً

۱۱ مولانا میاں نذیر حسین محدث ۱۸۰۵ء میں سورج گڑھ (بہار) میں پیدا ہوئے ۔ ۱۸۲۱ء میں

صادق پور پہنچے، ۱۸۲۸ء میں دہلی پہنچے اور حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی سے تلمذ اختیار کیا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے دوران ایک انگریز خاتون کی جان بچائی۔ انگریزوں کی طرف سے ۲۲ر جون ۱۸۹۷ء کو شمس العلماء کا خطاب ملا۔ ۱۳را کتوبر ۱۹۰۲ء کو دہلی میں انتقال ہوا۔ آپ نے تقریباً ساٹھ برس تک دہلی میں درس حدیث دیا۔ (بحوالہ ''تذکرہ علمائے ہند از رحمان علی ترجمہ ڈاکٹر محمد ایوب قادری)

۱۲ علامہ میمن نے اپنی یادداشتوں میں یہ بھی بیان کیا کہ ان کے والد عبدالکریم ابانی خاصے سخت مزاج (اکھڑ مزاج) انسان تھے جبکہ ان کی والدہ بہت حلیم اور مسکین طبیعت خاتون تھیں۔

۱۳ علامہ میمن کی درست تاریخ پیدائش کا کسی مستند ذریعے سے علم نہ ہو سکا۔ انھوں نے اپنے مختصر سوانحی مضمون میں ذکر کیا ہے کہ وہ اواخر ۱۸۸۸ء میں پیدا ہوئے۔ علامہ میمن کی لوح مزار پر ان کی تاریخ پیدائش ۲۳را کتوبر ۱۸۸۸ء کندہ ہے (بحوالہ ''خفتگان کراچی'' از پروفیسر محمد اسلم)

۱۴ جوناگڑھ کے مسلمانوں کی علمی پستی دور کرنے کی غرض سے نواب سر مہابت خان کے نام پر ''مہابت مدرسہ'' کا آغاز اگست ۱۸۸۵ء میں کیا گیا۔ اس مدرسے میں غریب طلبہ کو تعلیم نہ صرف مفت دی جاتی بلکہ قابل طلبہ کو وظائف بھی دیے جاتے تھے (بحوالہ تاریخ مرأت مصطفیٰ آباد از شیخ غلام محمد ابن عابد میاں صاحب مرحوم)

۱۵ قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی اردو اور فارسی کے نامور محقق اور کئی کتب کے مصنف تھے۔ آپ ۱۸۹۷ء میں جوناگڑھ میں پیدا ہوئے۔ تقسیم کے بعد پہلے انجمن ترقی اردو کراچی میں اور اس کے بعد حیدرآباد سندھ میں بطور صدر شعبہ تاریخ اسلامی سندھ یونیورسٹی کام کیا۔ آپ کا انتقال مورخہ ۶ راگست ۱۹۵۵ء کو حیدرآباد میں ہوا اور تدفین کراچی میں ہوئی۔

۱۶ ''والد محترم علامہ عبدالعزیز میمن مرحوم، چند یادیں چند باتیں'' از محمد محمود میمن، ماہنامہ فکر و نظر اسلام آباد، دسمبر ۱۹۷۸ء، ص ۴۷۔

۱۷ علامہ میمن کی ریکارڈ شدہ یادداشتیں۔

باب نمبر۲

قیامِ دہلی بحیثیت طالبِ علم

(۱۹۰۱ء تا ۱۹۰۹ء)

دہلی آمد:

پچھلے باب میں ذکر کیا گیا کہ علامہ عبدالعزیز میمن کے والدمحترم الحاج عبدالکریم مسلکاً اہل حدیث ہو گئے تھے۔ جب ان کی عمر ۱۹ برس کی تھی تو اس زمانے میں مولوی عبدالخالق نامی ایک عالم لکھنؤ سے آئے، وہ اصلاً کشمیری تھے، عبدالکریم ان کے خطاب اور درسِ قرآن سے اس قدر متاثر ہوئے کہ مسلکِ اہل حدیث اختیار کر لیا اور ان سے یہ عہد بھی کیا کہ شادی کے بعد پہلی نرینہ اولاد کو عربی زبان و دینی تعلیم کے لیے وقف کر دیں گے۔ مولوی عبدالخالق مولوی سلیمان جونا گڑھی (تلمیذ میاں نذیر حسین محدث دہلوی) کے شاگرد تھے[۱]۔ الحاج عبدالکریم کی پہلی اولاد علامہ عبدالعزیز میمن تھے۔ جب آپ ۱۳ برس کے ہوئے تو ان کے والد نے انہیں ایک نومسلم طہٰ عبدالخالق (مولوی عبدالخالق کشمیری کے ہم نام) کے ہمراہ دینی تعلیم کے حصول کی خاطر بھیج دیا اور یہ ہدایت بھی کی کہ انھیں (علامہ میمن کو) سبزی منڈی، دہلی میں مقیم حافظ عبدالرزاق کے سپرد کر دیں۔ حافظ عبدالرزاق دہلی سے راجکوٹ اکثر آتے جاتے تھے اور ان کے الحاج عبدالکریم سے قریبی تعلقات تھے[۲]۔ یہ واقعہ تقریباً دسمبر ۱۹۰۱ء کا ہے۔

جامع مسجد دہلی اور ملحقہ مکانات کی ایک قدیم تصویر — اسی زمانے میں [illegible] علم کی خاطر دہلی پہنچے تھے

قیامِ دہلی کی بعض تفصیلات

ملا عبدالخالق کے ہمراہ علامہ میمن تقریباً ۱۳ برس کی عمر میں حصول علم کی خاطر دہلی پہنچے۔ اس عہد کا دہلی حقیقۃً شہر علم وحکمت تھا۔ دور دور سے تشنگانِ علم دہلی آتے اور اپنی علمی پیاس بجھاتے۔ اس عہد کے دہلی اور اس کے علمی ماحول کے بارے میں ایک مرتبہ علامہ میمن نے فرمایا:

> ''میں نے دہلی میں ۱۹۰۱ء کے آخر میں جو رنگ دیکھا اس کا اب کہیں نام ونشان بھی نہیں ملتا۔ ان دنوں دہلی کے ہر مطبع پر لکھا ہوتا ''مطبع بدر العلوم دہلی'' مگر آج کون دہلی کو اسلامی علوم کا گڑھ یا گھر کہہ سکتا ہے؟ اس زمانے میں ہر دس بیس قدم پر ایک نہ ایک عربی مدرسہ ہوتا تھا اور ان مدارس میں بنگال، پنجاب، افغانستان، لداخ، عرب اور کاشغر تک کے طلبہ آتے تھے۔ دہلی کے نیک دل باشندے ان مدارس کی ہر طرح سے امداد کرتے۔ دہلی والے ان طلبہ کو ہر موسم کے لحاظ سے ضروری کپڑے مہیا کرتے۔ بعض غریب بیبیاں بھی طلبہ کے کپڑے بلا معاوضہ سی دینا بڑی سعادت سمجھتی تھیں۔ فتح پوری سے گھنٹہ گھر تک، صدر سے قرول باغ تک، فراش خانے سے چاوڑی بازار کی طرف تک ہر دس پندرہ قدم پر کوئی نہ کوئی طالب علم آتا جاتا ضرور دکھائی دیتا تھا جس کے ہاتھ میں مشکوٰۃ شریف، ابو داؤد اور صحیح بخاری کی چوڑی چکلی جلدیں ہوتی تھیں یا کبھی کبھی ان طلبہ کے پاس لمبی تقطیع کی صحیح مسلم شریف ہوتی۔ دہلی کے صاحبِ ثروت باشندے طلبہ کو دعوتیں دینا فخر کی بات سمجھتے تھے۔ کھانے کی ان پر تکلف دعوتوں کو بنگالی طلبہ ''جاگیر'' کہتے تھے۔''[3]

اس زمانے میں صدر بازار، دہلی میں اہلِ حدیث کے بعض مدارس تھے۔ ابتدا میں علامہ میمن نے صدر بازار میں واقع مولوی عبدالوہاب[4] کے مدرسے میں تین سال تک ابتدائی فارسی اور صرف ونحو کی کتب، روایتی طریقے سے پڑھیں لیکن وہاں کے طریقۂ تعلیم سے عدم اطمینان کی وجہ سے خود ہی محنت کی اور ذاتی کوشش اور مسلسل محنت سے صرف ونحو پر عبور حاصل کیا جس کی تفصیل

آگے آئے گی۔ ۵

ایّامِ طالب علمی کا ایک یادگار واقعہ

مولوی عبدالوہاب کے مدرسے میں قیام کے دوران ایک واقعے کے نتیجے میں علامہ میمن کی زندگی کا رخ تبدیل ہو گیا اور انھوں نے اساتذہ پر تکیہ کرنے کے بجائے اپنی محنت اور خود اعتمادی کی مدد سے حصولِ علم کا فیصلہ کیا اور مسلسل آگے بڑھتے رہے۔ اس تاریخی واقعے کو علامہ میمن نے اپنے ٹی وی انٹرویو میں ان الفاظ میں بیان کیا:

''میں جب شروع شروع میں عربی کی طالب علمی کے لیے دہلی آیا تھا تو میرے اساتذہ نے کبھی مجھ سے نہ پوچھا کہ تو جو کچھ پڑھ رہا ہے اس میں سے تجھے کیا آتا ہے؟ اور فلاں چیز کیا ہوئی اور کیا نہیں ہوئی۔ اتفاقیہ ہمارے مدرسے میں ایک طالب علم آیا جس کا نام اللہ رحمت اللہ تھا، اور جو بمبئی و راجکوٹ آیا تھا اور اس نے مثنوی مولانا روم ہماری مسجد میں پڑھ کر سنائی تھی، میں نے اس کو پہچان لیا اور اس سے پوچھا کہ تم راجکوٹ آئے تھے؟ اس نے کہا ہاں۔ میرے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ میں یہاں طالب علمی کروں گا۔ میں نے کہا تم اب طالب علمی کرو گے؟! اتنی عمر گزارنے کے بعد اور اتنا کچھ پڑھنے پڑھانے کے بعد؟ مجھ سے کہنے لگا تم کیا کر رہے ہو؟ میں نے کہا کہ میں نے تو عربی شروع کی ہے اور ابھی میں نحو میر، صرف میر تک پہنچا ہوں۔ اس نے مجھ سے صرف و نحو کے معمولی سوالات کیے۔ میں سب میں NIL تھا، کوئی جواب اس کو صحیح نہیں دے سکا۔ اس پر وہ مجھ سے کہنے لگا کہ ارے یار! تم تو اتنا آگے نکل گئے ہو۔ میں نے اس سے کہا تم کیا پڑھو گے؟ اس نے کہا کہ میں تو پنج گنج پڑھوں گا۔ میں نے کہا تم اب پنج گنج پڑھو گے جبکہ ہم تو کہاں کہاں پہنچ گئے، ہم تو شرح جامی بھی پڑھتے ہیں۔ اس نے کہا تم تو بہت دور نکل گئے ہو (اعلیٰ درجے کی کتابیں پڑھتے ہو) مگر آتا کچھ نہیں ہے۔ پھر

اس نے مجھ سے سوال کیا کہ تم نے میزان منشعب تو پڑھی ہوگی؟ میں نے کہا، ہاں۔ کہنے لگے "میزان کیا صیغہ ہے اور منشعب کیا صیغہ ہے؟" میں نے کچھ دیر سوچا اور کوئی جواب نہ دے سکا۔ اس نے کہا کہ تم اتنے آگے چلے گئے ہو اور معمولی معمولی باتیں تک معلوم نہیں ہیں، یہ تو کچھ نہ ہوا۔ اس کے اس فقرے سے میرے اوپر ایسی ضرب شدید لگی کہ اس دن سے میں نے یہ خیال کیا کہ میرے اساتذہ اپنا پورا فرض ادا نہیں کر رہے اور مجھ سے یہ پوچھتے نہیں کہ مجھے کچھ آتا بھی ہے یا یونہی خالی بیٹھ جاتا ہوں۔ اس لیے مجھے استادوں سے کوئی امید نہیں رکھنی چاہیے اور اپنے طور پر خود ہی سرماری کرنی چاہیے (حصول علم کی جدوجہد کرنی چاہیے) یہ پہلا دن تھا کہ جس دن میری آنکھیں کھلیں اور ہوش ٹھکانے پر آئے۔ اس کے بعد میں نے یہ فیصلہ کیا کہ **فصولِ اکبری**، شافیہ اور نحو کی کچھ اور کتب اپنے طور پر بغیر کسی استاد کے خود ہی پڑھنے لگا۔ فصولِ اکبری کا تو مجھے یاد ہے کہ **نوادر الوصول** جو مفتی سعد اللہ رامپوری کی تھی، اس کے ذریعے اور شروح کی مدد سے پڑھی۔ اگر کوئی چیز سمجھ میں نہ آتی تو شافیہ سے رجوع کرتا تھا کیونکہ **فصول اکبری**، **شافیہ** ہی سے لی گئی ہے۔ الغرض دماغ کچھ چلنے لگا اور ان چیزوں (کتب) کو کچھ سمجھنے لگا۔ ایک مضمون کو میں تین تین چار چار کتابوں میں دیکھتا تھا پھر سمجھتا تھا۔ اس طریقے سے دہلی میں صرف ونحو میں میری حالت بہت ممتاز ہو گئی۔ مجھے کہنا تو نہیں چاہیے لیکن میرا خیال ہے کہ اس کے بعد صرف ونحو میں دہلی میں کوئی طالب علم بلکہ بعض اساتذہ بھی میرے درجے تک نہیں پہنچے تھے" ۔

ایک موقع پر علامہ میمن نے قیامِ دہلی کے دوران ذاتی محنت سے پڑھی گئی کتب کی تفصیل مولانا سید ابوالحسن علی ندوی سے یوں بیان کی:

"پہلے پہل جب میں کاٹھیاواڑ سے دہلی آیا تو چونکہ اردو اور فارسی دونوں سے نابلد تھا اس لیے تین سال صرف ونحو کی ابتدائی تعلیم میں ضائع ہوئے اور شرح جامی تک پہنچا۔ یکا یک توفیقِ الٰہی نے رہنمائی کی اور معلوم ہوا کہ میں غلط راستے پر

جارہا ہوں، چنانچہ یہ سب میں نے چھوڑ دیا، اساتذہ کو بہت کم تکلیف دی اور زیادہ تر اپنی کاوش پر اعتماد کیا اور حسب ذیل کتابوں کو مع شروح کے بہت غائر نظر سے مطالعہ کیا: صرف میں شروح شافیہ، نحو میں شروح الفیہ اور مفصل الاشباہ والنظائر اور اسفرائنی کا لب الالباب اور تسہیل الفوائد وغیرہ۔ الغرض فقہاء و منطقیین کی نحو سے نجات ملی، کافیہ کے بعض غلط سلط مسائل نے ہم کو نحو سے بیزار کیا"۔[۸]

عربی ادب سے اپنے تعلق کے آغاز کے بارے میں اسی موقع پر مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی سے فرمایا:

"پھر مفصل اور سیبویہ کے مطالعے نے ادب کی طرف متوجہ کیا۔ شواهد نحویہ کی تلاش نے ان دیوانوں اور ان کی شروح کی طرف پہنچایا۔ ادب کے سلسلے میں یہ معلوم ہوا کہ ہم غلط راستے کی طرف جا رہے ہیں ہم کو مفردات یاد کرنے چاہئیں اور مفردات سے بھی پہلے ضرورت ہے کہ ثلاثی مجرّد کے ابواب یاد کیے جائیں، یہ سب سے مشکل کام ہے اس لیے کہ اس میں قیاس کوئی مدد نہیں کرتا۔ اس کے بعد پھر مفرداتِ لغویہ کو یاد کرنے کے لیے ان کتابوں پر نظر رہی اور یاد کیں: کفایۃ المتحفظ، فقہ اللغۃ ثعالبی، الالفاظ الکتابیہ (ہمدانی) نظام الغریب وغیرہ، اور اس سے آگے بڑھ کر اصلاح المنطق اور تہذیب الالفاظ وغیرہ۔

کسی زمانے میں معلّقات السبعہ اور پانچ سات اور قصیدے جن کو عربی میں بہترین کہا جاتا ہے اور معلّقات کے درجے کے سمجھے جاتے ہیں، ان کو یاد کیا۔

بنابریں مجامیع الادبیہ اور دواوینِ شعریہ جن کا بیشتر حصہ یاد کیا وہ یہ ہیں: دیوان متنبّی اور حماسہ (تقریباً مکمل حفظ) جمهرۃ اشعار العرب، مفضلّیات، نوادر ابی زید، کامل مبرد، کتاب البیان و التبیین، ادب الکاتب مع اقتضاب۔

اس دور کے اساتذۂ کرام

قیامِ دہلی کے دوران علامہ میمن نے اس عہد کے نامور اساتذہ سے فیض اٹھایا۔ جیسا کہ اوپر ذکر آیا، جب انھوں نے اپنے مدرسے کی ناگفتہ بہ صورتِ حال دیکھی تو انھوں نے اپنی محنت سے خود ہی کتابیں پڑھنا اور نامور اساتذہ سے استفادہ شروع کیا۔ اس کے نتیجے میں اس دور کے ماہر اساتذہ میں سے جن جن سے فیض اٹھایا اس کی کچھ تفصیل اپنے ٹی وی انٹرویو میں یوں بیان کی:

> ''مشکوٰۃ شریف میں نے مولوی عبدالوہاب کے درس میں بیٹھ کر سنی۔ ترمذی شریف میں نے مولوی عبدالجبار عمر پوری[9] سے پڑھی۔ وہ ادیب تھے اور بہت اچھے ادیب تھے اور یہ بڑی غنیمت بات ہے۔ دہلی میں میرے زمانے میں ڈپٹی نذیر احمد کے بعد جو ادیب آپ کو ملیں گے ان میں یہ بہت ممتاز تھے۔ وہ فنِ قرأت میں بھی بہت اچھے تھے۔ بہت نیک آدمی تھے مگر آنکھوں سے معذور ہو چکے تھے۔ ان سے میں نے غالباً عربی کی ایک آدھ کتاب پڑھی جو یاد نہیں۔ مولانا محمد بشیر سہسوانی[10] بڑے اونچے درجے کے محدث اور فلسفی تھے ان سے حدیث و تفسیر کی تعلیم حاصل کی۔

اس دور کے ان اساتذہ کے علاوہ علامہ میمن جن اساتذہ کا ذکر اپنی نجی محافل میں بار بار کرتے ان میں مولوی عبدالرحمٰن پنجابی ملتانی[11] اور اردو کے نامور ادیب ڈپٹی نذیر احمد شامل ہیں۔ مولوی عبدالرحمٰن حاجی علی جان کی مسجد، نزد گھنٹہ گھر میں درس دیا کرتے تھے۔ علامہ میمن اکثر فرماتے کہ جس محبت اور شفقت سے مولوی عبدالرحمٰن نے انھیں تعلیم دی اس کا احسان وہ زندگی بھر نہ بھولیں گے۔ مولوی عبدالرحمٰن سے انھوں نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم شریف پڑھیں[12]۔

میاں نذیر حسین صاحب محدث

اس عہد میں میاں نذیر حسین محدث کے درسِ حدیث کی شہرت دور دور تک پھیل چکی تھی۔

علامہ میمن بھی خواہشمند تھے کہ ان سے شرف تلمذ حاصل کریں لیکن انھیں دہلی آئے ایک سال ہی گزرا تھا کہ میاں صاحب کا انتقال ہو گیا۔ علامہ میمن ان کے جنازے میں شریک ہوئے۔ میاں نذیر حسین صاحب کے بارے میں انھوں نے ایک مرتبہ فرمایا:

> ''مجھے دہلی آئے بمشکل ایک سال گزرا ہوگا کہ حضرت سیّد نذیر حسین محدث (جو دہلی کے تاج تھے اور جن کے تیرہ ہزار شاگرد تھے، بخارا، تاشقند، خیوہ، سمرقند اور جانے کہاں کہاں سے طالب حدیث پڑھنے ان کے پاس آتے تھے) کا تقریباً سو برس کی عمر میں انتقال ہوا۔ غالباً اکتوبر ۱۹۰۲ء میں۔ ان کے جنازے میں میں بھی شریک تھا۔ ان کے انتقال کے دن کھاری باؤلی اور صدر وغیرہ میں کسی ہندو نے بھی اپنی دکان نہیں کھولی تھی۔ وہ بھی یہی کہتے تھے کہ سیّد نذیر حسین ہمارے شہر کے بزرگ اور ہمارے شہر کی عزّت تھے۔ غدر کے زمانے میں انھوں نے ایک انگریز عورت کی جان بچائی تھی۔ اس کے صلے میں انگریزوں نے انھیں شمس العلماء کا خطاب دیا لیکن انھوں نے قبول نہ کیا۔ غدر کے بعد سیّد صاحب نے جب انگریزوں کو اس عورت کی اطلاع دی تو اس نے وہاں جا کر سیّد صاحب کے بارے میں بیان دیا کہ یہ شخص اس زمانے کا عیسیٰ مسیح ہے، رات بھر عبادت کرتا ہے اور دن بھر حدیث پڑھاتا ہے، گھر بھی فقیرانہ ہے، ساری زندگی کوئی مکان نہیں بنایا۔ سیّد صاحب، شاہ محمد اسحاقؒ کے شاگرد تھے۔ غدر سے پہلے سیّد صاحب شاہی کتب خانے کی کتب لا کر طالبعلموں کو پڑھاتے تھے۔ ان کے شاگردوں میں بہت بڑے بڑے عالم ہوئے''۔[۱۳]

میاں نذیر حسین محدث نے جس انگریز عورت کی جان بچائی تھی اس کا نام مسز لیسن تھا

ڈپٹی نذیر احمد سے تلمذ

ڈپٹی نذیر احمد[۱۴] اردو کے نامور ادیب، انشا پرداز اور ناول نگار تھے۔ اردو ادب کے حوالے سے ڈپٹی نذیر احمد کی خدمات اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کی عربی دانی اور عربی ادب وشاعری

میں مہارت سے بہت کم لوگ واقف ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ عربی زبان وادب کے اس عہد میں چند ہی ماہر ہوں گے جو ڈپٹی صاحب کے ہم پلہ ہوں۔ درسِ نظامی کی مروجہ کتب کی تکمیل کے بعد ۱۹۰۳ء یا ۱۹۰۴ء میں علامہ میمن عربی ادب کی تعلیم کی خاطر ڈپٹی نذیر احمد کے پاس پہنچے۔ڈپٹی نذیر احمد نہایت بذلہ سنج اور زندہ دل بزرگ تھے۔علامہ میمن نے ڈپٹی نذیر احمد سے دیـــــوان حماسة ، دیوانِ متنبّی ،مقاماتِ حریری اور سقط الزند پڑھیں۔ یہ تمام عربی ادب کی اونچے درجے کی کتب ہیں۔

ڈپٹی نذیر احمد اور علامہ میمن میں بہت سی عادات مشترک تھیں۔ ڈپٹی صاحب نے بھی ابتدائی عرصہ نہایت عسرت اور تنگدستی میں گزارا اور علامہ میمن نے بھی۔ ڈپٹی صاحب نے بھی مسجد میں رہ کر اور محنت مشقت کر کے علم حاصل کیا اور علامہ میمن نے بھی، ڈپٹی صاحب بھی اخراجات کے معاملے میں نہایت محتاط تھے یہی حال ان کے شاگرد کا تھا۔علامہ میمن اپنی مجالس میں ڈپٹی نذیر احمد کا اکثر ذکر کرتے اور ان کے چند واقعات کا کئی بار ذکر کیا۔ڈپٹی نذیر احمد کی عادات، محنتی طالب علموں سے شفیقانہ برتاؤ اور رہائش کے بارے میں علامہ میمن نے ایک مرتبہ اپنے عزیز شاگرد ڈاکٹر نبی بخش بلوچ صاحب سے فرمایا:

> ''وہ شکل کے سرخ وسفید تھے، مزاج میں تیزی زیادہ تھی، اگر غصے میں ہوتے تو شیر ژیاں کی مثل گرجتے تھے لیکن ساتھ ساتھ اگر کسی کے ساتھ ان کی محبت ہو جاتی تو اس کے ساتھ نہایت اچھا برتاؤ کرتے تھے۔ استاد صاحب (علامہ میمن) نے فرمایا کہ میرے ساتھ وہ خاص شفقت کیا کرتے تھے۔ انھوں نے مجھے چند کتابیں بھی دی تھیں جن میں سے ایک ''حماسہ'' ہے جو ابھی تک میرے پاس موجود ہے (بمبئی کا ایڈیشن جواب سندھ یونیورسٹی میں آ گیا ہے)۔ ایک مرتبہ کہا کہ ''شرح حماسہ تبریزی'' لے جاؤ لیکن میں نے قبول نہ کیا اور عرض کیا کہ یہ آپ خود پڑھاتے ہیں اس وجہ سے آپ کے یہاں رہے تو بہتر ہے۔ پھر فرمایا کہ میرے کتب خانے میں سے جو کتاب تم چاہو، لے جاؤ۔ استاد صاحب نے فرمایا کہ ان کی کتابوں کی دو الماریاں تھیں اور جو چاہتا تھا وہاں سے کتاب اٹھا کر لے جاتا

تھا۔تبریزی کے ذیل میں صراحت کی کہ کتب خانہ قونیہ میں ''مفضلیات'' کی شرح تبریزی کا نسخہ خود تبریزی کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا موجود ہے۔

فرمایا کہ ان (ڈپٹی نذیر احمدؒ) کے مکان کے دو حصے تھے۔زیریں منزل میں تو ادھر ادھر کتابوں کے ڈھیر پڑے رہتے تھے جو وہ خود چھپواتے رہتے تھے اور بالا خانے میں وہ گاؤ تکیہ لگائے لیٹے رہتے تھے اور حقہ سامنے رہتا تھا اور وہاں جو طالب علم پہنچتے تھے، ان کو بھی پڑھا دیتے تھے۔

فرمایا کہ ڈپٹی صاحب نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ان کے ماہانہ کھانے پر کوئی پندرہ روپیہ لگتے تھے اور پانچ سات روپیہ حقہ بھرنے والے نوکر کو دے دیا کرتے تھے۔ویسے زندگی میں پیسہ بہت کمایا تھا۔فرمایا کہ مجھے ڈپٹی صاحب نے بتایا کہ میری تنخواہ ایک وقت اٹھارہ سو روپیہ تک پہنچ چکی تھی اور فرمایا کہ پہلے میں گورکھپور ''محکمہ بندوبست'' میں کام کیا کرتا تھا، جب لارڈ نجر آیا تو میں نے اس کی تعریف میں ایک چھوٹا قصیدہ لکھا جس کی وجہ سے فوراً میری تنخواہ تین سو سے چھ سو روپے کر دی گئی۔استاد صاحب نے فرمایا کہ اس قصیدے کے چند شعر ڈپٹی صاحب نے ہمیں اس وقت سنائے تھے جبکہ ہم متنبّی پڑھ رہے تھے اور ''وامتقعت تلونا'' کے الفاظ آئے تو اس وقت کہا کہ میں نے یہ الفاظ استعمال کیے ہیں اور یہ شعر پڑھے جو اس قصیدے میں سے تھے:

ولی عمل بالبند وبست و محنة　　　اکابدھا بالصبر منذ شان

فھذا بلائی وامتقعت تلونا　　　وھذا مشیبی ثبت قبل اوان [۱۵]

ایک اور موقع پر علامہ میمن نے ڈپٹی صاحب کے حوالے سے اپنے شاگرد پروفیسر سید محمد سلیم مرحوم سے فرمایا:

''میں نے دہلی میں ڈپٹی نذیر احمد سے عربی کی تحصیل کی ہے۔میں مسجد کے حجرہ میں رہتا تھا اور مسجد کی روٹی کھاتا تھا۔صبح ڈپٹی صاحب کے مکان پر پہنچ جاتا تھا۔پہلے ان کا حقہ بھر کر سامنے رکھتا، تب درس شروع ہوتا تھا (واضح رہے کہ میمن

صاحب خود بھی حقہ نوشی کے بڑے شوقین تھے)۔ میں ان کے گھر میں کام کرتا تھا، گھر کا مصالحہ پیتا تھا (واضح رہے کہ ڈپٹی نذیر احمد صاحب نے بھی اپنے استاد کے گھر میں مصالحہ پیسا تھا اور اس لڑکی سے مار کھائی تھی جو بعد میں ان کی بیوی بنی)۔ ڈپٹی صاحب کی عربی دانی بہت بلند تھی۔ ان کو عربی کے بہت سے اشعار یاد تھے[16]۔

ڈپٹی نذیر احمد کی عربی زبان میں مہارت

اسی طرح ڈپٹی نذیر احمد کی عربی شاعری اور عربی سے اردو ترجمے میں مہارت نیز ان کی بود و باش کے بارے میں علامہ میمن نے اپنے ٹی وی انٹرویو میں فرمایا:

''ڈپٹی صاحب کی ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ عربی سے ترجمہ نہایت اعلیٰ کرتے تھے، تعریف سے بالاتر۔ دوسری خوبی یہ کہ ڈپٹی صاحب عربی میں شعر اتنے اعلیٰ درجے کے کہتے تھے کہ تعریف نہیں کی جا سکتی۔ میں جانتا ہوں اتنے اچھے مذاق کا کوئی آدمی ہندوستان میں میں نے تو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا بلکہ اگر میں یہ کہوں کہ غلام علی آزاد بلگرامی جن کی عربی شاعری کا بڑا شور ہے، ان کا کلام بھی میں نے دیکھا مگر مجھے ڈپٹی صاحب کا زیادہ پسند آیا۔ ڈپٹی صاحب گلی بتاشوں والی جو پھاٹک حبش خاں کے بالمقابل تھی، اس میں ایک گلی میں رہتے تھے، بالا خانے کے اوپر اور نیچے ان کی مطبوعات کا ڈھیر لگا ہوتا تھا۔ ایک ملازم تھا جو ان کے لیے ہمیشہ حقہ تیار کرتا تھا۔ وہ اوپلے کا حقہ پیا کرتے تھے۔ دن بھر ان کا حقہ چلتا رہتا تھا۔ ایک چلم ختم ہونے سے پہلے دوسری چلم تیار ہو جاتی تھی۔ اس (ملازم) کی ڈیوٹی ہی یہی تھی۔ ان کا یہ معمول تھا کہ اگر کوئی آدمی آیا ہو جو حقے سے دلچسپی رکھتا ہو اور وہ ان کے حقے کی طرف ہاتھ بڑھاتا تو وہ حقے کی بجائے سگار کا ڈبہ اس کے آگے کر دیتے تھے کہ لیجیے یہ آپ کے لیے ہے۔ وہ کسی کو حقہ نہیں پینے دیتے تھے[17]

مجھے جوان کی بڑی مہربانی اور عنایت تھی ۔ میں کوئی اور آدمی اس دور کا دہلی میں نہیں جانتا جس میں اتنی زیادہ عربی زبان میں مہارت ہو''۔

اسی طرح ڈپٹی نذیر احمد کی عربی نظم پر قدرت کا یہ واقعہ انھوں نے متعدد مرتبہ بیان کیا:

''ڈپٹی نذیر احمد مرحوم کو عربی نظم پر جو قدرت حاصل تھی اس کا اندازہ اس واقعے سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک مرتبہ سینٹ اسٹیفنز کالج دہلی میں امیر حبیب اللہ خاں تشریف لانے والے تھے ڈپٹی نذیر احمد صاحب کے ایک صاحبزادے ایف۔اے میں پڑھتے تھے۔اس وقت منتخب دیوان ابی العتاهیہ نصاب میں داخل تھا جس میں سے وہ قصیدہ امیر صاحب کے سامنے پڑھنے کے لیے انتخاب کیا گیا جس کا مطلع ہے:

لا يـذهبـن بك الامـل   حتیٰ تقصّر فی الاجل

طالب علم نے کہا میں یہ ابیات تین منٹ میں ختم کر لوں گا، آپ کچھ اشعار کا اضافہ فرما دیجیے چنانچہ ڈپٹی صاحب نے یہ گرہ لگائی اور حق یہ ہے کہ خوب لگائی:

الـلّٰـه قـدّر فـی الازل   الّا نـجـاة بـلا عمل

الـنـصـح لیـس بـنـافـع   والسيف قد سبق العزل

والـمـرءُ لیـس بـخـالدٍ   والـعیـش امـر مـحـتمل

كـن حـیـث شـئـت من السهول وفی البروج وفی القلل

یـدرككَ مـوت فـی الـزمـان ولا یـزیـدك فی الأجـل

لـذّات دنیـا كـلّهـا   سـمٌّ مشـوبٌ بـالـعسـل

الـعـمـر فـان فـالـنـجـا   والـمـوت آتٍ فـالـعجل

حتـی م تـقـلـیـد الهوىٰ   والـی م تـجـدیـد الحیل

الـمبتـلـی بـعـلائق الـد   نیـا حـمـارٌ فی الوحل [1]

اسی موقع پر علامہ میمن نے ڈپٹی نذیر احمد کی حاضر دماغی کا یہ دلچسپ واقعہ سنایا:

''ڈپٹی نذیر احمد کی حاضر دماغی اور ادبیت کا اندازہ اس لطیفے سے

ہوسکتا ہے کہ وہ امیر حبیب اللہ خاں سے ملے، اتفاق سے عید کا دن تھا،
ڈپٹی صاحب نے متنبّی کا عید اور وجہ حبیب والا شعر پڑھا۔ عید کا دن اور
امیر صاحب کے نام کی مناسبت سے اس شعر میں خاصا نکتہ پیدا کر دیا اور
امیر صاحب بہت محظوظ ہوئے''۔ [۱۸]

ایک مرتبہ سردی کے موسم میں ڈپٹی صاحب نے علامہ میمن کو یہ دلچسپ شعر سنایا جس کا پہلا مصرع اردو اور دوسرا عربی زبان میں ہے:

گھٹ گیا دن اور بڑھ گئی رات　　　جـاء البـردُ مـع الجُبّـات
یعنی سردی جبّے لے کر آئی

ڈپٹی نذیر احمد سے مفارقت

۱۹۰۶ء یا ۱۹۰۷ء میں علامہ میمن کی ڈپٹی نذیر احمد سے ایک افسوسناک واقعے کے بعد مفارقت ہوگئی۔ ہوا یوں کہ وہ ڈپٹی صاحب سے ابوالعلاء معرّی (وفات ۱۰۵۷ھ) کا دیوان ''سقط الزند'' پڑھ رہے تھے کہ ایک شعر پر شاگرد اور استاد کے درمیان نحوی و عروضی اختلاف پیدا ہوا۔ پھر وہ ڈپٹی صاحب کے پاس نہ گئے۔ اس واقعے کو علامہ میمن نے یوں بیان کیا:

''افسوس ہے کہ سقط الزند کے ایک شعر پر میری ان کی مفارقت ہوگئی۔
سقط الزند میں تین شعر ہیں:

وعلى الدهر من دماء الشهيديـ　　　ـن علـيّ ونـجـلـه شـاهـدان
فهـمـا فـي أواخـر الـلـيـل فـجـرا　　　ن وفـي أولـيـاتـه شـفـقـان
ثبتا في قميصه ليجيء الحشـ　　　ـر مستعـديـاً إلـى الـرحـمـن

ثبتا (تثنیہ مذکر غائب) کو ڈپٹی صاحب نے ثبتاً (مصدر) پڑھا۔ میں نے کہا کہ
یہ شعر نثر ہوگیا ہے۔ پھر میں نے تقطیع کر کے بتایا، ڈپٹی صاحب نے فرمایا:
شعر می گویم بہ از آبِ حیات　　　من ندانم فاعلاتن فاعلات

میں نے کہا "لیکن می دانم فاعلاتن فاعلات چہ کنم"۔[19]

مندرجہ بالا واقعے سے پتا چلتا ہے کہ ایک شعر کے نحوی مسئلے پر علامہ میمن کی ڈپٹی صاحب سے مفارقت ہوگئی۔ ڈپٹی صاحب اپنے موقف پر جمے رہے اور علامہ میمن اپنے، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اس علمی اختلاف کے باوجود شاگرد کے دل میں استاد کا احترام اور اعترافِ عظمت ہمیشہ رہا۔ علامہ میمن ڈپٹی صاحب کے علم و فضل اور اخلاق کے عمر بھر مداح رہے۔

مولوی محمد اسحاق رامپوری

قیامِ دہلی کے اسی زمانے میں علامہ میمن نے مولوی محمد اسحاق رامپوری سے بھی تلمذ اختیار کیا۔ اس بارے میں ضیاء الدین برنی اپنی کتاب 'عظمتِ رفتہ' میں لکھتے ہیں:

> "علامہ عبدالعزیز میمن نے بھی بچپن میں ان (مولوی محمد اسحاق رامپوری) سے ریاضی پڑھی تھی۔ یہ اس زمانے کا قصہ ہے جبکہ وہ عربی پڑھنے کے لیے مولوی نذیر احمد صاحب کی خدمت میں دہلی پہنچے تھے" (بحوالہ "عظمتِ رفتہ" از ضیاء الدین احمد برنی نظر ثانی شدہ قلمی نسخہ)۔

حصولِ علم کی خاطر جدوجہد

یہ ذکر ہو چکا کہ قیام دہلی کے دوران علامہ میمن کا قیام مسجد میں رہتا تھا اور یہ دن انتہائی عسرت کے تھے۔ یہی وہ دور تھا کہ ایک عرصہ انھوں نے محض کھجور کی چٹائی پر سو کر گزارا۔ کاپی خریدنے کے لیے پیسے نہ ہوتے تو سڑک کے کنارے یا دفاتر کے باہر پڑے ہوئے ردی کاغذات کو جمع کر کے ان پر درسیات لکھ لیا کرتے تھے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ان مشکلات سے وہ مردانہ وار نبرد آزما رہے اور حصولِ علم کی سچی لگن کے ساتھ آگے بڑھتے رہے۔ تہی دستی کا یہ عالم تھا کہ بہت سی کتب خریدنے کی بھی استطاعت نہ تھی چنانچہ اس کا حل انھوں نے یہ نکالا کہ ضروری

کتب گھنٹوں محنت کر کے اپنے ہاتھ سے نقل کرتے۔اسی زمانے کا ایک واقعہ جس سے ان کے علمی ذوق وشوق اور عربی ادب میں حصولِ کمال کے لیے محنت کا اندازہ ہوتا ہے، اسے علامہ میمن کے شاگرد، پروفیسر سیّد محمد سلیم نے یوں بیان کیا:

''فرمایا درسی کتابیں میں خرید نہیں سکتا تھا، اس لیے ان کو نقل کرتا تھا، رات میں نقل کرتا تھا اور دن میں پڑھتا تھا۔اس زمانے میں حکیم نورالدین بھیروی خلیفہ قادیان دہلی آئے۔ میں نے سن رکھا تھا کہ عربی نحو کا ایک نایاب رسالہ ان کے پاس ہے۔ میں ان کی خدمت میں پہنچا وہاں ایک مجمع لگا ہوا تھا۔دینی بحث مباحثہ کا سلسلہ چل رہا تھا۔ میں ایک گوشے میں خاموش بیٹھا رہا۔ جب سب لوگ چلے گئے تو حکیم صاحب میری جانب متوجہ ہوئے: ''کہو صاحبزادے تمہیں کیا اشکال ہے؟'' میں نے عرض کیا'' مجھے کوئی اشکال نہیں ہے۔ میں نے سنا ہے کہ آپ کے پاس عربی نحو کا فلاں رسالہ موجود ہے، میں اس کا مطالعہ کرنا چاہتا ہوں''۔ انھوں نے پہلے میری شکل دیکھی اور کہا'' ہاں، وہ رسالہ موجود ہے اور یہاں بھی کتابوں کے صندوق میں موجود ہے مگر میں آپ کو نہیں دے سکتا''۔ میں نے عرض کیا'' میں آپ کے سامنے اس کو پڑھوں گا اور نقل کروں گا''۔ حکیم صاحب اس کے لیے راضی ہو گئے۔ دوسرے روز میں علی الصباح وہاں پہنچا، سارا دن لگا رہا اور شام تک میں نے اس کو نقل کر لیا''[20]۔

علامہ میمن نحو کا جو رسالہ نقل کیا اس کا نام **لب الالباب فی علم الاعراب** ہے اور اس کا مصنف اسفرائنی ہے۔

سندِ حدیث از شیخ حسین بن محسن انصاری

دہلی میں قیام کے دوران جب علامہ میمن کی عمر تقریباً ۱۸ برس تھی، انھوں نے شیخ حسین بن

محسن الانصاری[21] سے سندِ حدیث حاصل کی جو شیخ نے اپنے قلم سے تحریر کر کے مورخہ ۲۰ رصفر ۱۳۲۶ھ کو عطا کی۔ اس طرح علامہ میمن نے حدیث کے ایک عظیم امام محمد بن علی شوکانی (صاحب نیـل الاوطـار) کے ساتھ اپنا سلسلہ قائم کیا۔ یہ سند علمائے حدیث کی نظر میں بہت اہمیت رکھتی ہے۔ اس وقت شیخ حسین بہت ضعیف ہو چکے تھے اور بینائی بھی بہت کم ہو چکی تھی لیکن میمن صاحب کی صلاحیت کو دیکھتے ہوئے سند حدیث عطا فرمائی۔ بقول ڈاکٹر عبدالحلیم چشتی صاحب میمن صاحب اپنی محافل میں سند حدیث دینے کا واقعہ بیان فرماتے اور یہ بھی کہ شیخ حسین عرب کی بینائی اس قدر کمزور ہو چکی تھی کہ سند لکھتے وقت سطر پر سطر چڑھ گئی تھی[22]۔ بقول ڈاکٹر احمد خان صاحب، علامہ میمن نے انھیں ایک موقع پر اس واقعے کے بارے میں تفصیل سے بتایا کہ جب شیخ حسین لفظ پر لفظ لکھ رہے تھے تو علامہ میمن نے ان کا ہاتھ اٹھا کر تھوڑا آگے سرکایا تو شیخ برہم ہو گئے اور کہا: دعنی اُکتب یعنی مجھے لکھنے دو۔ شیخ حسین کی یہ سند حدیث علامہ میمن کی نظر میں بڑی بڑی ڈگریوں سے زیادہ اہم تھی۔

پہلی شادی اور علیحدگی

قیام دہلی کے دوران علامہ میمن شب و روز تحصیل علم میں مصروف تھے۔ وہ اس وقت شادی کرنا نہیں چاہتے تھے لیکن والد صاحب کے بے حد اصرار پر انھیں شادی کرنا پڑی جس کا جلد ہی خاتمہ ہو گیا۔ اس بارے میں انھوں نے ۲۴ رفروری ۱۹۴۶ء کو اپنے عزیز شاگرد ڈاکٹر نبی بخش بلوچ سے فرمایا:

> "۱۸-۱۹ برس کی عمر میں والد صاحب نے اصرار کر کے میری شادی کرائی۔ میرے انکار در انکار کا ان پر کچھ اثر نہ ہوا۔ شادی میرے تایا جان کے گھر سے ہوئی۔ بعد میں والد کی تایا جان سے لڑائی ہو گئی تو مجھے کہا کہ آپ طلاق دے دو۔ میں نے پھر سمجھایا کہ پہلے تو آپ نے میری مرضی کے خلاف شادی کرائی، اب اس فعل (طلاق) کو میں بہتر نہیں سمجھتا۔ اس کہنے پر بہت بگڑ گئے اس حد تک کہ

مجھے طلاق ہی دینی پڑی اور ساتھ یہ عہد کیا کہ آئندہ میں کبھی شادی نہیں کروں گا۔
اس کے بعد پھر والد نے اس سلسلے میں میری جان چھوڑ دی'' [۲۳]۔

اس واقعے کے بارے میں علامہ میمن نے اپنی ریکارڈ شدہ یادداشتوں میں بیان کیا کہ ان کی پہلی شادی ۱۸ برس کی عمر میں ان کے حقیقی چچا ہاشم کی بیٹی سے ہوئی۔اس زمانے میں ان کے والد اور چچا مل کر کاروبار کرتے تھے۔ بعد میں بعض اختلافات کی وجہ سے کاروبار میں علیحدگی ہوگئی اور والد کا اصرار بڑھتا رہا چنانچہ پہلی اہلیہ سے علیحدگی ہوگئی۔اس اہلیہ سے ان کا ایک بیٹا بھی پیدا ہوا تھا جس کا نام انھوں نے حسن مثنیٰ رکھا تھا۔کچھ ہی عرصے بعد اس بچے اور اس کی والدہ کا بھی انتقال ہوگیا'' [۲۴]۔

حواشی

۱۔ ''والد محترم علامہ پروفیسر عبدالعزیز میمن مرحوم ومغفور، ایک عالم اور ایک انسان'' از پروفیسر محمد محمود میمن، سہ ماہی فکر ونظر اسلام آباد جون ۱۹۷۹ء، ص ۵۳۔

۲۔ ایضاً

۳۔ دیکھیے ''اسلاف کی آخری صدا بے آواز ہوگئی'' از فرید احمد، ماہنامہ سب رس کراچی، یادِ رفتگاں نمبر ۲، اپریل ۱۹۸۲ء، ص ۱۴۱۔

۴۔ مولانا عبدالوہاب ۱۲۸۰ھ یا ۱۲۸۱ھ میں قصبہ واسو آستانہ (ضلع جھنگ) میں پیدا ہوئے۔ مولانا عبداللہ غزنوی صاحب سے صرف ونحو اور حدیث کی ابتدائی کتب امرتسر میں پڑھیں۔ اس کے بعد آپ دہلی پہنچے اور مولانا میاں نذیر حسین محدث سے تحصیل حدیث کی۔ ۱۳۰۰ھ میں دہلی میں مدرسہ دار الکتاب والسنۃ قائم کیا اور یہیں سے ماہنامہ ''صحیفہ اہل حدیث'' جاری کیا۔ آپ کا انتقال ۸؍رجب ۱۳۵۰ھ مطابق جولائی ۱۹۳۲ء کو دہلی میں ہوا۔ تدفین میاں نذیر حسین محدث کی قبر کے مشرقی جانب شیدی پورہ قبرستان دہلی میں ہوئی۔ (بحوالہ ''نماز بامعنی'' از مولانا عبدالوہاب صاحب، مکتبہ اشاعت الکتاب والسنہ، کراچی)

۵۔ دیکھیے ''مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں'' مرتبہ مولانا محمد عمران خان ندوی، مجلس نشریاتِ اسلام کراچی، ۱۹۷۹ء، ص ۱۰۹۔

۶۔ اس موقع پر ''ضربِ شدید'' کا لفظ علامہ نے بہت زور اور قوت سے ادا کیا۔

۷۔ یہ انٹرویو پاکستان ٹیلی ویژن سے مورخہ ۲۹؍اکتوبر ۱۹۷۸ء کو نشر کیا گیا۔ راقم الحروف کے پاس اس انٹرویو کا آڈیو کیسٹ محفوظ ہے۔

۸۔ دیکھیے ''مشاہیر اہلِ علم کی محسن کتابیں'' مرتبہ مولانا محمد عمران ندوی، ترتیب جدید وحواشی فیصل احمد بھٹکلی ندوی، ص ۱۳۱۔

۹۔ مولوی عبدالجبار عمرپوری، عمرپور ضلع مظفر نگر میں پیدا ہوئے۔ ان کے اساتذہ میں مولانا فیض الحسن سہارنپوری اور میاں نذیر حسین محدث شامل تھے۔ اواخر عمر میں بصارت جاتی رہی اس کے باوجود درسیات نہایت عمدگی سے پڑھاتے، وعظ عالمانہ اور موثر ہوتا، کئی کتابوں کے مصنف تھے، انتقال ۲۴؍فروری ۱۹۱۷ء بعمر ۵۷ برس ہوا (بحوالہ تراجم علمائے حدیث ہند از ابو یحییٰ امام خان نوشہروی، ص ۱۶۵، اشاعت کراچی، س ن)

۱۰۔ مولانا محمد بشیر سہسوانی تقریباً ۱۲۵۰ھ میں سہسوان میں پیدا ہوئے۔ ۱۰ برس کی عمر میں نعمت پدری سے محرومی کے بعد لکھنؤ پہنچے اور علمائے فرنگی محل ودیگر علماء سے نصابی کتب پڑھیں۔ پھر دہلی پہنچے اور میاں نذیر

حسین محدث سے فقہ و حدیث کی تکمیل کی۔ یہیں علامہ شیخ حسین عرب یمنی سے سند حدیث حاصل کی۔ ایک مدت تک سینٹ جانز کالج آگرہ میں مدرس عربی و فارسی رہے۔ اس کے بعد بھوپال پہنچے اور حدیث و تفسیر کا درس جاری رکھا۔ مرزا غلام احمد قادیانی سے کامیاب مناظرہ بھی کیا۔ بعد میں دہلی تشریف لے آئے اور وہیں ۲۹ر جمادی الاولیٰ ۱۳۲۶ھ کو وفات پائی (بحوالہ سابق ص ۲۴۹)۔ مولانا کی یاد میں علامہ میمن کا عربی قصیدہ مجلة المجمع العلمي الهندي میمن نمبر ۲، ص ۴۲۶ میں شائع ہوا۔

۱۱؎ مولوی عبدالرحمٰن کے آباو اجداد کا تعلق کٹھہ مصرال تحصیل خوشاب (پنجاب) سے تھا۔ انھوں نے ابتداءً اپنے برادر بزرگ مولوی محمد سے پڑھا، پھر مولانا ظفر اللہ، مولوی عبداللہ چکڑالوی وغیرہ سے تعلیم حاصل کی۔ آپ نے ادب کی تعلیم ڈپٹی نذیر احمد سے حاصل کی۔ آپ نے اکتساب علم بھی دہلی سے کیا اور افادۂ علم کے لیے بھی دہلی کو منتخب کیا۔ تقریباً چالیس برس تک مدرسۂ علی جان، گھنٹہ گھر دہلی میں پڑھاتے رہے۔ اس کے بعد مدرسۂ صدر بازار میں استاد مقرر ہوئے۔ (بحوالہ سابق ص ۱۸۵)

مولوی عبدالرحمٰن کی صحیح تاریخ وفات معلوم نہ ہو سکی لیکن ان کا انتقال ۳۰ر اگست ۱۹۴۵ء سے کچھ ہی قبل ہوا۔ ڈاکٹر نبی بخش بلوچ نے علی گڑھ میں قیام کے دوران علامہ میمن کے اقوال اور ان کے بیان کردہ علمی نکات قلمبند کیے تھے۔ مذکورہ بالا تاریخ کی ڈائری میں وہ مولوی عبدالرحمٰن کے بارے میں علامہ میمن کے حوالے سے لکھتے ہیں: ''فرمایا کہ ہمارے استاد مولوی عبدالرحمٰن صاحب شاہ پوری کا انتقال ہو گیا۔ فرمایا کہ حدیث پر ان کی بڑی زبردست نظر تھی۔ علم سکھانے کا اتنا شوق تھا کہ ایک مرتبہ مجھے بخار ہو گیا تو تقریباً ایک میل خود چل کر آئے اور تقریباً ۱۴ صفحے صحیح بخاری کے خود پڑھا کر گئے۔ فرمایا کہ ہمیشہ ایک یا ڈیڑھ چپاتی کھانے پر کھایا کرتے تھے، اس سے زیادہ کبھی نہیں کھایا اور انھوں نے ۹۷ برس کی عمر پائی اور ابھی فوت ہوئے''۔ (بحوالہ ''محاضرات میمن'' از ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ، مجلّہ تحقیق، جامعہ سندھ شمارہ نمبر ۱۰-۱۱، ص ۱۲۹)

۱۲؎ دیکھیے حوالہ سابق از پروفیسر محمد محمود میمن، ص ۵۴۔

۱۳؎ علامہ میمن کی ریکارڈ شدہ یادداشتیں۔ میاں نذیر حسین محدث کے مفصل حالات، خدمات اور ان کے اعلیٰ اخلاق کے مختلف واقعات کے لیے ملاحظہ فرمائیے ''شمس العلماء'' از محمد حنیف شاہد، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی لاہور، ۲۰۰۶ء، ص ۳۳۷

۱۴؎ ڈپٹی نذیر احمد اردو کے اولین ناول نگار اور بے مثل انشا پرداز تھے۔ آپ ۶ر دسمبر ۱۸۳۶ء کو بجنور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم بجنور میں حاصل کی۔ اس کے بعد آپ دہلی آ گئے اور پنجابی کٹرے کی ایک مسجد میں

رہتے ہوئے بڑی محنت سے تعلیم حاصل کی۔ پھر آپ دلی کالج میں داخل ہوئے جہاں مولانا مملوک علی نانوتویؒ کے شاگرد خاص ہوئے۔ رسمی تعلیم سے فراغت کے بعد اپنی محنت اور لیاقت سے اعلیٰ مناصب پر فائز ہوئے۔ آپ کی معروف کتب میں توبۃ النصوح، فسانۂ مبتلا، بنات النعش وغیرہ شامل ہیں۔ آپ نے دلی کی محاوراتی زبان میں قرآن کا ترجمہ بھی کیا۔ آپ کا انتقال ۳ مئی ۱۹۱۲ء کو دہلی میں ہوا۔ تدفین درگاہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ میں ہوئی۔ (بحوالہ ''دلی میں دفن خزانے'')

۱۵؎ محاضراتِ میمن از ڈاکٹر نبی بخش بلوچ، ص ۱۱۷۔

۱۶؎ دیکھیے ''افاداتِ مولانا عبدالعزیز میمن'' از پروفیسر محمد سلیم، فکر ونظر اسلام آباد، مئی ۱۹۸۰ء، ص ۲۱۔

۱۷؎ ٹی وی انٹرویو بحوالہ سابق۔

۱۸؎ ''مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں، ص ۱۱۱۔

امیر حبیب اللہ خاں کے سامنے ڈپٹی نذیر احمد کی ذہانت اور شعر گوئی کے جس دلچسپ واقعے کا ذکر علامہ میمن نے کیا، اسے مرزا فرحت اللہ بیگ نے اپنی معروف کتاب ''نذیر احمد کی کہانی کچھ ان کی کچھ اپنی زبانی'' میں یوں بیان کیا ہے:

> ''امیر حبیب اللہ خان بقر عید کے دن دہلی میں تھے، اس روز جمعہ تھا، صبح کو بقرعید کی نماز عیدگاہ میں پڑھی اور جمعہ کی نماز جامع مسجد میں۔ شام کو سرکٹ ہاؤس میں دربار کیا۔ اسی دربار میں آٹھ یا نو دہلی کے ہندو امیر اور اسی قدر مسلمان مشاہیر بلائے گئے، ان میں ایک مولوی صاحب (ڈپٹی نذیر احمد) تھے۔ سرہنری میک موہن نے ان لوگوں کا تعارف امیر صاحب سے کرایا۔ جب مولوی صاحب کی باری آئی اور ان کی تعریف سرہنری نے کی تو امیر صاحب نے کہا ''آپ کو ان کی تعریف کرنے کی ضرورت نہیں، میں خود ان کی تصانیف بڑے شوق سے پڑھتا ہوں اور تقریباً سب کا ترجمہ بھی کرا چکا ہوں، دیکھنے کا اشتیاق تھا وہ آج پورا ہوگیا''۔ اس کے بعد باتوں ہی باتوں میں پوچھا ''آپ شعر بھی کہتے ہیں؟'' مولوی صاحب نے کہا، جی ہاں کہتا ہوں، مگر آج آپ کی تعریف میں اپنا نہیں دوسروں کا شعر سناؤں گا'' یہ کہہ کر متنبی کا یہ شعر پڑھا:
>
> عیدٌ و عیدٌ و عیدٌ صِرنَ مجتمعا

وجـــهُ الـحـبـيـب و يـوم الـعـيـد و الـجـمـعـا

موقع کے لحاظ سے یہ شعر اتنا برمحل ہو گیا کہ متنبی کو نصیب بھی نہ ہوا ہو گا۔ اور خاص کر حبیب کے لفظ نے شعر میں جان ڈال دی۔ دربار چمک اٹھا۔ امیر حبیب اللہ خاں نے اٹھ کر مولوی صاحب کو گلے سے لگا لیا اور اتنے بوسے دیے کہ مولوی صاحب گھبرا گئے۔ دوسرے روز جو انھوں نے اس واقعے کا ذکر ہم سے کیا، اس کو انھی کے الفاظ میں دہرانا اچھا معلوم ہوتا ہے۔ کہنے لگے ''بھئی میں تو شعر پڑھ کر مصیبت میں پھنس گیا۔ شعر پڑھنا تھا کہ یہ معلوم ہوا کہ کسی شیر نے آ کر مجھے دبوچ لیا۔ اس میرے شیر کا سوا گز چوڑا سینہ، میں ٹھہرا چھوٹے قد کا آدمی، اس نے جو پکڑ کر بھینچا تو ادھر تو ہڈیاں پلپلی ہو گئیں، ادھر دم گھٹنے لگا۔ اس کی گرفت سے نکلنے کی ہزار کوشش کرتا ہوں جنبش تک نہیں ہوتی۔ قسم خدا کی اس وقت تک ہڈیوں میں درد ہو رہا ہے۔ بارے خدا خدا کر کے گرفت ڈھیلی ہوئی تو میں ذرا علیحدہ ہوا۔ ابھی پوری طرح سانس بھی نہ لے پایا تھا کہ اس نے میرے گلے میں باہیں ڈال کر بوسے پر بوسہ لینا شروع کیا۔ بھلا مجھ بڈھے کو دیکھو اور امیر صاحب کی اس حرکت کو دیکھو۔ کچھ تعریف کا یہ طریقہ افغانستان ہی میں اچھا معلوم ہوتا ہو گا، مجھے تو مارے شرم کے پسینے چھوٹ گئے۔ وہ اللہ کا بندہ ذرا دم لیتا اور سبحان اللہ کہہ کر پھر لپٹ جاتا۔ لپٹتا اور لپٹتے ہی بوسے پر بوسہ لینا شروع کرتا۔ بیچارے دوسرے بھلے آدمی بیٹھے ہوئے کیا کہتے ہوں گے۔ جب میں نے اس مصیبت سے رہائی پائی تو میری ناک سے پسینہ اس طرح بہہ رہا تھا جس طرح کسی ٹوٹی صراحی میں سے پانی رستا ہے۔ نا بھائی نا، ایسے درباروں کو میرا دور ہی سے سلام ہے، کون شعر پڑھ کر اپنی ہڈیاں تڑوائے''۔ مولوی صاحب اپنی ہڈیاں سہلاتے جاتے اور یہ قصہ بیان کرتے جاتے تھے مگر ان کے چہرے سے معلوم ہوتا تھا کہ خوشی کے مارے دل کھلا جا رہا ہے اور سمجھ رہے ہیں کہ شعر کی داد اس طرح اور اس رنگ میں آج تک نہ کسی شاعر کو ملی ہے اور نہ ملے گی''۔ (دیکھیں 'نذیر احمد کی کہانی کچھ ان کی کچھ اپنی زبانی' ص ۱۰۳)

[۱۹] ''مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں'' ص ۱۱۰۔

۲۰۔ ''افادات مولانا عبدالعزیز میمن'' از پروفیسر سید محمد سلیم، ص ۲۲۔

۲۱۔ شیخ حسین بن محسن انصاری ۱۴ر جمادی الاولیٰ ۱۲۴۵ھ کو حدیدہ یمن میں پیدا ہوئے۔ صرف ۱۲ برس کی عمر میں قرآن حفظ کیا۔ حدیث کی تعلیم امام شوکانی کے صاحب زادے، امام صفی الدین سے حاصل کی اور سند حاصل کی۔ ۱۸۷۹ء میں بھوپال تشریف لائے اور وہیں تقریباً ۲۰ برس تک موتی مسجد میں حدیث کی تعلیم دی۔ آپ کے تلامذہ میں نواب محمد صدیق حسن خاں، مولانا وحید الزماں حیدرآبادی، مولانا حیدر حسن خاں ٹونکی، مولانا حکیم سید عبدالحئی، مولانا حبیب الرحمٰن شروانی جیسے مشاہیر وقت شامل تھے۔ حافظے کا یہ عالم کہ فتح الباری (شرح صحیح بخاری) کی تیرہ ضخیم جلدیں آپ کو حفظ تھیں۔ آپ کی سند حدیث نہایت عالی اور علمائے حدیث کے لیے وجہ افتخار سمجھی جاتی ہے۔ آپ کا انتقال ۱۱ر جمادی الاولیٰ ۱۳۲۷ھ کو بھوپال میں ہوا (بحوالہ ''گلزار میمن'' از یحییٰ خلیل عرب انصاری)۔

۲۲۔ اس سند کے مکمل متن کے لیے ملاحظہ فرمائیں مجلہ المجمع العلمی الهندی (میمن نمبر) ج ۱، ص ۳۰۔

۲۳۔ دیکھیے ''محاضرات میمن'' از ڈاکٹر نبی بخش خاں بلوچ، ص ۱۳۔

۲۴۔ علامہ میمن کی ریکارڈ شدہ یادداشتیں۔

باب نمبر ۳

قیامِ امروہہ و رامپور بحیثیت طالب علم

(۱۹۰۹ء تا ۱۹۱۳ء)

دہلی سے امروہہ روانگی اور قیام

علامہ میمن دورِ طالب علمی میں بھی خوب سے خوب تر کی تلاش میں کوشاں رہتے۔ دہلی میں مروجہ کتبِ درسِ نظامی نیز ڈپٹی نذیر احمد سے عربی ادب کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اواخر ۱۹۰۸ء میں وہ امروہہ تشریف لے گئے تاکہ وہاں رہ کر اپنی علمی تشنگی دور کریں۔ اس بارے میں پروفیسر محمود حسین صاحب لکھتے ہیں:

> ''۱۹۰۸ء کے اواخر میں انھوں (علامہ میمن) نے دہلی کو خیرباد کہا اور امروہہ تشریف لے گئے اور وہاں تقریباً ایک سال قیام کیا اور فقہ کے لیے خصوصی تعلیم حاصل کی''۔[1]

اوپر لکھا گیا کہ امروہہ میں علامہ میمن نے تقریباً ایک سال قیام کیا۔ حقیقۃً یہ قیام ایک سال سے کم تھا۔ وہ ۱۹۰۹ء میں امروہہ پہنچے اور ۱۹۱۰ء کے اوائل میں وہاں سے رامپور تشریف لے گئے۔ میمن کے قیامِ امروہہ کی تفصیل بہت کم دستیاب ہیں۔ وہاں انھوں نے کن کن اساتذہ سے کون کون سی کتب پڑھیں اس کی تفصیل اب تک کہیں نہیں ملی۔ البتہ مولانا احمد حسن محدث امروہوی سے ان کے تلمذ کا ذکر مولانا کے پوتے ڈاکٹر وقار احمد رضوی صاحب نے یوں کیا ہے:

''مولانا عبدالعزیز میمن سے میرا ایک تعلق یہ بھی ہے کہ وہ میرے دادا مولانا احمد حسن محدث امروہی[۲] کے شاگرد تھے اور انھوں نے میرے دادا کے قائم کردہ مدرسۂ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں تعلیم حاصل کی تھی۔ دورانِ حصولِ تعلیم وہ مدرسہ مذکورہ کے ہوسٹل میں رہتے تھے۔ مجھے یہ بات خود بھی نہیں معلوم تھی، یہ بات مجھے مولانا محمود احمد عباسی نے بتائی تھی اور انھوں نے ہی میرا تعارف ۱۹۷۳ء میں علامہ موصوف سے کرایا تھا''[۳]

اسی طرح علامہ میمن کے قیام امروہہ سے متعلق نصر اللہ خاں لکھتے ہیں:

''۱۹۰۸ء میں امروہہ آئے۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی کے شاگرد رشید، احمد حسن مرحوم سے استفادہ کیا''[۴]

ہماری تحقیق کے مطابق مولانا احمد حسن ؒ سے علامہ میمن کا تلمذ ثابت نہیں۔ اس کی چند وجوہات درج ذیل ہیں:

۱۔ نہ تو علامہ میمن نے کبھی ذکر کیا، نہ ان کے صاحبزادے یا ان کے کسی شاگرد نے ان کی روایت سے یہ بات لکھی کہ وہ مولانا احمد حسن کے شاگرد رہے۔

۲۔ ڈاکٹر وقار احمد رضوی نے یہ بات محمود احمد عباسی صاحب سے سنی تھی لیکن عباسی صاحب کے ذریعے علامہ میمن سے تعارف کے باوجود کبھی میمن صاحب نے ان کے جد امجد سے تلمذ کا ذکر نہ کیا حالانکہ رضوی صاحب سے اولین تعارف کے بعد علامہ میمن پانچ برس اور جیے اور اس دوران رضوی صاحب کی ان سے مسلسل ملاقاتیں ہوتی رہیں جیسا کہ اس مضمون میں رضوی صاحب آگے لکھتے ہیں:

''اس کے بعد میں اکثر ان کی خدمت میں بہادر آباد والی قیام گاہ پر حاضر ہوتا تھا۔ وہ مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوتے تھے اور مجھے ان کی شفقت سے دلی طمانیت ہوتی تھی۔ میں اکثر اپنی علمی تشنگی کو بجھانے ان کے پاس جاتا تھا اور اس بحر زخار سے مستفید ہوتا تھا''[۵]

۳۔ اس بارے میں سب سے اہم اور فیصلہ کن بات ڈاکٹر خورشید رضوی صاحب نے لکھی ہے جس

سے پتا چلتا ہے کہ قیام امروہہ کے دوران علامہ میمن کی مولانا احمد حسن صاحب سے ملاقات ضرور ہوئی لیکن وہ ان کے شاگرد نہیں تھے۔ڈاکٹر خورشید رضوی اس بارے میں لکھتے ہیں:

> ''صارم صاحب[۶] مجھے ان (علامہ میمن) کے کمرے میں لے گئے اور میرے ننھیالی جد مولانا احمد حسن محدث امروہوی کے حوالے سے میرا تعارف کرایا۔میمن صاحب نے مصافحہ فرمایا اور بتایا کہ وہ ایک زمانے میں امروہہ گئے تھے اور مولانا امروہوی سے ملے تھے''[۷]۔

ڈاکٹر خورشید رضوی،مولانا احمد حسن محدث امروہوی کے پڑنواسے ہیں۔راقم کی لاہور میں ڈاکٹر صاحب سے اس بارے میں گفتگو ہوئی تو انھوں نے یہی فرمایا کہ علامہ میمن نے مولانا احمد حسن امروہوی سے تلمذ کا کبھی ذکر نہیں کیا۔

مورخہ ۳؍اکتوبر ۲۰۰۵ءکو راقم الحروف نے ڈاکٹر وقار احمد رضوی صاحب سے اس بارے میں گفتگو کی تو انھوں نے فرمایا کہ علامہ میمن نے ڈاکٹر عطیہ خلیل عرب کے گھر انھیں انٹرویو ریکارڈ کرایا تھا جس میں بیان کیا تھا کہ انھوں نے مولانا احمد حسن سے استفادہ کیا ہے۔ڈاکٹر رضوی صاحب کے بقول انٹرویو کی کیسٹ اور مسودہ ڈاکٹر عطیہ خلیل صاحبہ کے پاس محفوظ ہے۔راقم الحروف کی ڈاکٹر عطیہ خلیل عرب صاحبہ سے متعدد ملاقاتیں ہوئیں جن میں تقریباً ہر ملاقات میں علامہ میمن یا علامہ خلیل عرب کا ذکرِ خیر ضرور ہوا اور انھوں نے بعض نادر چیزیں بھی پیشِ نظر کتاب کے لیے دیں لیکن کسی ملاقات میں مذکورہ کیسٹ یا انٹرویو کا ذکر انھوں نے نہیں کیا۔ایک سے زائد مرتبہ معلوم کرنے پر بھی انھوں نے یہی فرمایا کہ ایسا کوئی کیسٹ ان کے پاس نہ تھا اور نہ اب ہے۔ڈاکٹر وقار احمد رضوی صاحب نے اپنے مضمون میں اس انٹرویو یا کیسٹ کا کہیں ذکر نہیں کیا ہے۔

امروہہ سے رامپور اور قیام رامپور

علامہ میمن کی پوری زندگی اس حقیقت کو ظاہر کرتی ہے کہ انھوں نے ہمیشہ علم کو برائے علم حاصل کیا نہ کہ اسناد کے حصول کی خاطر۔ایامِ طالب علمی میں انھوں نے ایک پسماندہ

علاقے سے علمی سفر کا آغاز کیا اور اس عہد کے معروف علمی مراکز تک پہنچے اور کاملین سے فیض یاب ہوئے۔ اس عہد میں رامپور برصغیر پاک و ہند کا بہت بڑا علمی مرکز تھا۔ یہاں مدرسہ عالیہ جیسا ملک گیر شہرت کا تعلیمی ادارہ تھا جس کے صدر مدرس علامہ طیب عرب مکی [۸] تھے۔ جیسا کہ گزشتہ باب میں ذکر ہوا، قیامِ دہلی کے دوران ہی علامہ میمن کا رجحان عربی ادب کی جانب ہو چکا تھا۔ امروہہ سے رامپور روانگی کی اصل وجہ یہی تھی کہ امروہہ ان کے عزم و حوصلے کے لیے مناسب مقام نہیں تھا، وہ حصول علم کی خاطر کسی کامل کے متلاشی تھے اور یہ شخصیت رامپور میں علامہ طیب عرب مکی کی تھی جن سے وہ عربی ادب کی تعلیم حاصل کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ اوائل ۱۹۱۰ء میں علامہ میمن امروہہ سے رامپور پہنچے اور مدرسہ عالیہ رامپور میں داخلہ لیا۔ ان کے سفر رامپور اور قیام رامپور کی وجوہات پر شیخ نذیر حسین یوں روشنی ڈالتے ہیں:

> ''اس زمانے میں معقولات کا بڑا شہرہ تھا۔ قدیم فلسفہ اور منطق کی کتابیں پڑھے بغیر کوئی شخص صحیح معنوں میں عالم کہلانے کا مستحق نہیں سمجھا جاتا تھا۔ ان علوم کا سب سے بڑا مرکز مدرسہ عالیہ رام پور تھا۔ علامہ محمد طیب مکی صدر مدرس تھے جو بلند پایہ ادیب تھے۔ ان کی علمی شہرت کی وجہ سے نہ صرف ہندوستان بلکہ افغانستان اور ترکستان تک کے طلبہ رام پور کھنچے چلے آتے تھے۔ میمن صاحب نے رام پور جا کر علامہ طیب صاحب سے استفادہ کیا''[۹]۔

منشی فاضل اور مولوی فاضل کے امتحانات میں نمایاں کامیابی

قیامِ رامپور کے دوران ہی علامہ میمن نے ۱۹۱۱ء میں پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل اور اس کے دو برس بعد ۱۹۱۳ء میں اسی یونیورسٹی سے مولوی فاضل کے امتحانات دیے اور دونوں میں تمام طلبہ میں سب سے زیادہ نمبر حاصل کیے۔ اس کے علاوہ فلسفہ اور انگریزی زبان کی تعلیم بھی اسی زمانے میں حاصل کی۔

علامہ میمن نے اپنی ریکارڈ شدہ یادداشتوں میں سفر لاہور برائے شرکت امتحان مولوی فاضل، اس سے قبل امرتسر میں دو ماہ کا قیام اور مولوی فاضل کے امتحان میں نمایاں کامیابی کے حوالے سے فرمایا:

''۱۹۱۳ء کے جون میں لاہور آ کر مولوی فاضل کا امتحان دیا جس میں پوری یونیورسٹی میں فرسٹ کلاس فرسٹ آیا۔ مجھے یاد ہے میرا ریکارڈ چالیس برس تک رہا اور میرے جتنے نمبر اس عرصے میں کسی کو نہ ملے۔ مولانا اصغر علی روحی کے صاحبزادے ڈاکٹر صوفی ضیاء الحق کو اس کے چالیس برس بعد مجھ سے زیادہ نمبر ملے لیکن اتنے نمبر ملنے کی ایک وجہ یہ تھی کہ بعد میں بڑی رواداری کے ساتھ نمبر دیے جاتے تھے، ہمارے زمانے میں نمبر بڑی سختی سے دیے جاتے تھے۔ تقریباً دو ماہ تک میں نے امرتسر میں قیام کیا اور وکیل اخبار کے پرچے 'تہذیب الاخلاق' میں مضمون نگاری کی۔ یہیں مجھے ایک دوست نے اطلاع دی کہ مولوی فاضل میں دو عبدالعزیز بیٹھے تھے ان ہی میں سے ایک فرسٹ کلاس فرسٹ آیا ہے۔ یہ دوسرے عبدالعزیز خطیب جامع مسجد گوجرانوالہ تھے۔ میرے ان سے ۱۴ نمبر زائد تھے''۔

اس زمانے میں حصول علم اور پنجاب یونیورسٹی کے امتحانات میں شاندار کارکردگی کے حوالے سے پروفیسر محمد محمود میمن لکھتے ہیں:

''۱۹۰۸ء کے اواخر میں انھوں نے دہلی کو خیر باد کہا اور امروہہ تشریف لے گئے اور وہاں تقریباً ایک سال قیام کیا اور فقہ کے لیے خصوصی تعلیم حاصل کی پھر سوچا کہ امروہہ ان کے عزم اور حوصلے کے لیے نامناسب ہے اس لیے ۱۹۱۰ء میں رامپور چلے گئے اور رامپور ہی کے قیام کے دوران ۱۹۱۱ء میں پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل کا امتحان پاس کیا اور پوری یونیورسٹی میں اوّل آئے۔ ۱۹۱۲ء میں فلسفہ اور کچھ انگریزی پڑھنی شروع کی اور ۱۹۱۳ء کے جون کے مہینے میں لاہور آ کر مولوی فاضل کا امتحان دیا اور پوری یونیورسٹی میں اوّل آئے اور ریکارڈ رکھا جو بقول ان کے

The University of the Panj

ORIENTAL FACULTY.

SESSION 1913.

This is to certify that Abdul aziz (Asif) Reg. No. K. X. 89 son of Abdul Karim a private student of the Delhi District has passed the Maulvi Fazil (Honours in Arabic Language, Literature and Science) Examination of the Panjab University in First Division

He stood first in order of merit

Senate Hall
Lahore:
The 11th July, 1913

Registrar,
Panjab University

مولوی فاضل کی سند کا عکس۔ اس امتحان میں علامہ میمن نے تمام طلبہ میں سب سے زیادہ نمبر حاصل کیے اور یہ ریکارڈ چالیس سال تک کوئی نہ توڑ سکا

تقریباً چالیس سال تک قائم رہا اور یہاں سے پھر رامپور لوٹ گئے''۔[10]

درج بالا بیان سے پتا چلتا ہے کہ منشی فاضل کا امتحان علامہ میمن نے رامپور ہی میں ۱۹۱۱ء میں دیا اور ۱۹۱۳ء کے ماہ جون میں لاہور آکر مولوی فاضل کا امتحان دیا اور اپنی قابلیت کی وجہ سے دونوں امتحانوں میں اوّل بدرجہ اوّل (First Class First) آئے[11]

اس زمانے میں علامہ میمن شاعری سے بھی شغف رکھتے تھے۔ اس دور کے عربی اور فارسی کلام کے نمونے ہم نے پیش نظر کتاب میں شامل کیے ہیں۔ شاعری میں علامہ میمن ''اسیف'' تخلص کرتے تھے جیسا کہ مولوی فاضل کی سند میں نام کے آگے قوسین میں asif لکھا ہوا ہے۔

مدرسۂ عالیہ رامپور کے اساتذہ

علامہ میمن نے دورانِ قیامِ رامپور جن جن اساتذہ سے استفادہ کیا ان میں درج ذیل کا ذکر ان کے حالات میں ملتا ہے:

۱۔ علامہ فضل حق رامپوری[12]

۲۔ شیخ محمد طیب عرب مکی۔

۳۔ شاداں بلگرامی۔[13]

۴۔ مولوی عبدالعزیز۔

علامہ فضل حق رامپوری اور شیخ محمد طیب عرب مکی سے آپ نے عربی ادب میں استفادہ کیا جبکہ شاداں بلگرامی سے ادب فارسی کی تکمیل کی۔

اس زمانے میں علامہ میمن عربی کے علاوہ فارسی زبان میں بھی شاعری کرتے تھے اور ''اسیف'' تخلص رکھتے تھے۔ اس دور کی فارسی شاعری کا نمونہ ہمیں شاداں بلگرامی کی کتاب ''کشف المعظلات'' میں ملتا ہے جس میں انھوں نے شاداں مرحوم کو اپنا استاد لکھا ہے۔ مکمل نظم باب نمبر ۱۵ میں ملاحظہ فرمائیں۔ اس کے علاوہ علامہ میمن کا اہم خط بنام شاداں بلگرامی باب نمبر ۱۶ مطالعہ میں فرمائیے۔

رامپور سے لاہور

علامہ میمن جون ۱۹۱۳ء میں رامپور سے لاہور پہنچے۔ جیسا کہ اوپر ذکر آیا، لاہور آمد کی اصل غرض یہ تھی کہ پنجاب یونیورسٹی کے تحت مولوی فاضل کے امتحان میں شرکت کریں۔ اس دور میں علامہ شدید مشکل حالات سے گزر رہے تھے لیکن ہمت اور حوصلہ اس قدر تھا کہ اپنی منزل کی راہ میں کبھی ان حالات سے ہار نہ مانی۔ اس صورت حال کی وجہ سے آپ نے امرتسر کے معروف اخبار ''وکیل'' کے دفتر میں ملازمت حاصل کی۔ اسی اخبار کے دفتر سے ''تہذیب الاخلاق'' نامی رسالہ بھی نکلتا تھا۔ اس رسالے کے لیے آپ نے تقریباً ۲۰ یا ۲۲ روز تک کام کیا لیکن جلد ہی حالات نے ایسی کروٹ لی کہ ان کو مولوی فاضل کے امتحان میں نمایاں کامیابی کی اطلاع امرتسر میں ملی جس کے بعد وہ امرتسر سے لاہور پہنچے۔ اس کے بعد کی تفصیلات علامہ میمن نے اپنے ٹی وی انٹرویو میں یوں بیان فرمائیں:

> ''وکیل اخبار کے دفتر سے ''تہذیب الاخلاق'' جو سعید احمد خاں (علی گڑھ والے) نکالتے تھے، وہاں میں نے غالباً ۲۲ دن کے لگ بھگ کام کیا ہوگا اتنے میں مجھے اطلاع ملی کہ میں نے پنجاب یونیورسٹی سے جو مولوی فاضل کا امتحان دیا تھا، اس میں دو عبدالعزیز فرسٹ کلاس میں آئے ہیں۔ دونوں میں فرسٹ کون ہے یہ نہیں معلوم تھا۔ بعد کو مجھے لاہور سے یہ اطلاع آئی کہ تم ہی فرسٹ کلاس بھی ہو اور فرسٹ بھی ہو اور وہ دوسرے عبدالعزیز، اگر چہ بہت قابل آدمی ہیں لیکن شاید دس بارہ نمبر مجھ سے کم ہیں۔ پھر پنجاب یونیورسٹی نے مجھے بلایا اور کہا کہ تمہیں اسکالر شپ دیں گے، تم آئندہ اپنی تعلیم جاری رکھنا مگر اس زمانے میں موسمی بخار کا دور تھا اور میں بہ مشکل بیس بائیس دن لاہور میں رہا۔ اس عرصے میں ایڈورڈز کالج پشاور[۱۴] میں ایک مولوی صاحب استاد تھے جن کی پرنسپل سے کوئی کھٹ پٹ (اختلاف) ہوگئی اور پرنسپل صاحب نے ہمارے پرنسپل (وولنر[۱۵]) کو تار دیا کہ مجھے عربی فارسی کا ایک پروفیسر چاہیے۔ الغرض وہ مجھ تک نوبت آئی اور میرے

سلسلے میں تار کے ذریعے ان سے بات کی اور مجھے وہاں بلا لیا گیا اور میری تنخواہ وہاں ستر روپے مقرر کی گئی"۔

درج بالا بیان سے پتا چلتا ہے کہ اورینٹل کالج کے پرنسپل پروفیسر وولنر علامہ میمن کی قابلیت اور صلاحیت سے واقف تھے۔ فرسٹ کلاس فرسٹ آنے کی وجہ سے ہی انھیں تعلیمی وظیفے کی پیشکش بھی کی۔ علامہ میمن نے بیان کیا کہ موسمی بخار کی وجہ سے انھوں نے وظیفہ کی پیشکش نامنظور کی لیکن ایک اور وجہ اور اہم تر وجہ پیشکش کے عدم قبولیت کی ان کی کمزور معاشی صورتِ حال تھی۔ یہی وجہ ہے کہ نتیجے میں وولنر کی طرف سے انھیں ایڈورڈز کالج پشاور میں لیکچررشپ کی پیشکش ہوئی، انھوں نے اسے قبول کر لیا۔ انھیں توقع تھی کہ ان کی تنخواہ ۱۵۰ روپے ہوگی جبکہ اس دور میں لیکچرر کی تنخواہ ۷۵ روپے تھی جس کی تفصیل آگے بیان کی جائے گی۔ ایڈورڈز مشن کالج کی پیشکش کے بارے میں پروفیسر محمود میمن لکھتے ہیں:

> "ایڈورڈز کالج پشاور میں اس وقت عربی اور فارسی کے لیکچرار کی جگہ خالی تھی۔ مسٹر وولنر نے ابا حضور کے متعلق ایڈورڈز کالج پشاور کے پرنسپل کو تار کے ذریعے آگاہ کیا اور ابا حضور کو ہدایت کی کہ جلد پشاور پہنچ جائیں چنانچہ ۱۹۱۳ء کے آخر سے پشاور میں ملازمت کا آغاز کیا اور ۱۹۲۰ء تک وہیں ملازمت کی"[16]۔

حواشی

۱؎ ''والد محترم علامہ پروفیسر عبدالعزیز میمن مرحوم و مغفور: ایک عالم اور ایک انسان'' از پروفیسر محمد محمود میمن،

۲؎ مولانا سیّد احمد حسن محدث امروہوی برصغیر پاک و ہند کے نامور محدث تھے۔ آپ نے سند حدیث حضرت شاہ عبدالغنی محدث دہلوی سے حاصل کی تھی۔ آپ ۱۸۵۰ء میں پیدا ہوئے۔ آپ نے دینی تعلیم دارالعلوم دیوبند سے حاصل کی اور حضرت مولانا امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے بیعت ہوئے۔ جامع مسجد امروہہ میں آپ نے مدرسہ کی بنیاد رکھی وہیں تا عمر درس دیتے رہے۔ آپ کا انتقال ۱۹۱۲ء میں ہوا۔ تدفین جامع مسجد امروہہ میں ہوئی۔ (بحوالہ ''تذکرہ علمائے ہند'' ترجمہ محمد ایوب قادری)

۳؎ ''آفتاب علوم و معارف'' از وقار احمد رضوی، ماہنامہ سب رس کراچی، یادِ رفتگاں نمبر حصہ دوم، اپریل ۱۹۸۲ء، ص ۱۵۱۔

۴؎ ''کیا قافلہ جاتا ہے'' از نصر اللہ خاں، مکتبہ تہذیب و فن کراچی ۱۹۸۴ء، ص ۱۱۔

۵؎ آفتاب علوم و معارف از وقار احمد رضوی

۶؎ مولانا عبدالصمد صارم الازہری عربی زبان و ادب کے عالم، مصنف اور مترجم ہونے کے علاوہ ایک ماہر طبیب بھی تھے۔ آپ نے اورینٹل کالج لاہور میں طویل عرصے تک بطور استاد عربی خدمات انجام دیں۔ پیدائش: ۱۹؍ دسمبر ۱۹۱۸ء بمقام سیوہارہ (بجنور)، وفات: ۲۹؍ دسمبر ۲۰۰۳ء لاہور۔

۷؎ علامہ عبدالعزیز میمن از ڈاکٹر خورشید رضوی در کتاب ''تالیف'' ص ۵۴۔

۸؎ علامہ شیخ طیب عرب مکی کے بارے میں سیّد ابوالخیر مودودی لکھتے ہیں:

''عرب محمد طیب نوادر عالم سے ایک نادرہ تھے۔ علوم کا بہتا دریا، وطن مکہ تھا، نہ جانے ہندوستان کس طرح آ نکلے۔ مولوی فضل حق خیر آبادی (متوفی ۱۸۶۱ء) سے معقولات میں کمال حاصل کیا۔ نقلی علوم میں صاحب دستگاہ تھے۔ کتاب سے بے نیاز، ان کا علم ان کے سینے میں تھا۔ ادب میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ کلام جاہلیت پر اس قدر عبور تھا کہ گھنٹوں قصیدے پر قصیدے مسلسل سنے جائیے۔ پڑھنے کے انداز سے شعری تصویر کی عکاسی کر دیتے اور لہجے سے شعر کی بوئیں نمایاں کر دیتے۔ نکاتِ سخن بیان کرتے اور دادِ سخن دیتے۔ مماثل یا متماثل شعر سنانے کی لہر آ جائے تو گھنٹوں ہم رنگ و ہم معنی شعر سنے جائیے۔ جس محفل میں بیٹھ جاتے کسی کا چراغ نہ جلنے دیتے'' (نقوش ''ادبِ عالیہ نمبر'' ص ۴۳۳)

۹۔ مولانا عبدالعزیز میمن چند یادیں از شیخ نذیر حسین، ماہنامہ معارف اعظم گڑھ، جنوری ۱۹۷۹ء۔

۱۰۔ والد محترم علامہ عبدالعزیز میمن مرحوم و مغفور: ایک عالم اور ایک انسان از پروفیسر محمد محمود میمن۔

۱۱۔ مولوی فاضل میں نمایاں کامیابی پر پنجاب یونیورسٹی کی سند کا عکس ص 72 پر ملاحظہ فرمائیے۔

۱۲۔ علامہ فضل حق رامپوری ۱۸۷۸ء میں رامپور میں پیدا ہوئے۔ حفظ قرآن اور ابتدائی کتب رامپور ہی میں پڑھیں۔ حکیم عبدالکریم خان رامپوری اور مولانا لطف اللہ علی گڑھی سے کتب معقول و منقول اور حدیث و تفسیر کی تعلیم حاصل کی۔ بھوپال میں شیخ حسین عرب سے سند حدیث حاصل کی۔ اس کے بعد رامپور آ گئے اور مولانا عبدالحق خیر آبادی سے کتب معقولات پڑھیں۔ ۱۹۰۹ء یا ۱۹۱۰ء میں مدرسۂ عالیہ رامپور میں تقرری ہوئی۔ بعد ازاں مدرسے کے پرنسپل بنائے گئے۔ انتقال ۱۹۴۰ء میں ہوا۔ (تذکرہ کاملانِ رامپور)

۱۳۔ سید اولاد حسین شاداں بلگرامی ۱۸۶۹ء میں آرہ میں پیدا ہوئے۔ تین برس کی عمر میں خاندان کے ہمراہ بلگرام آ گئے۔ دادا سے فارسی کی تکمیل کے بعد ۱۸۸۲ء میں لکھنؤ آ گئے اور مزید تعلیم حاصل کی۔ ۱۸۹۰ء میں انگریزی مڈل کا امتحان پاس کیا۔ ۱۸۹۳ء سے مدرسی کا آغاز کیا۔ ۱۸۹۷ء میں پنجاب یونیورسٹی سے منشی عالم اور ۱۸۹۸ء میں اسی یونیورسٹی سے منشی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۰۱ء میں مدرسۂ عالیہ رامپور میں استاد فارسی مقرر ہوئے۔ ستمبر ۱۹۲۳ء تا ستمبر ۱۹۳۸ء اورینٹل کالج لاہور میں فارسی کے استاد رہے۔ اس کے بعد آپ رام پور چلے گئے جہاں ۱۷ جنوری ۱۹۴۸ء کو انتقال ہوا۔

آپ کی تصنیفات و تالیفات میں شرح نادرہ مع تصحیح، شرح مردخسیس مع ترجمہ و مقدمہ و فرہنگ، فرہنگ حاجی بابا مع سوانح، روح المطالب فی شرح دیوانِ غالب، حواشی دفترِ ابو الفضل، حواشی سیاحت نامہ ابراہیم بیگ وغیرہ شامل ہیں۔

۱۴۔ ایڈورڈز کالج پشاور صوبہ سرحد کا پہلا کالج ہے۔ اس کی ابتدا چرچ مشنری اسکول کی حیثیت سے ہوئی جو ۱۸۵۵ء میں کوہاٹی گیٹ اندرون پشاور شہر میں قائم کیا گیا تھا۔ یکم مئی ۱۹۰۰ء کو یہاں کالج کی کلاسوں کا آغاز کیا گیا۔ اسی موقع پر اسے سر ہربرٹ ایڈورڈز کے نام سے موسوم کیا گیا جو ۱۸۵۳ء تا ۱۸۵۸ء پشاور کے کمشنر رہے۔ ۷ رجنوری ۱۹۱۰ء کو کالج کی نئی اور خوبصورت عمارت کا افتتاح ہوا۔ یہ عمارت تاریخی اہمیت کے حامل علی مردان خان باغ کا حصہ تھا اور کالج کے قیام سے قبل اس مقام پر علی مردان خان کی شہزادی کی رہائش گاہ تھی۔ یہ تاریخی کالج اپنے قیام کی صد سالہ تقریبات ۱۴ راپریل تا ۳۰ راپریل ۲۰۰۰ء منا چکا ہے۔ بقول ڈاکٹر احمد خان صاحب، اس تاریخی کالج کا نام ۱۹۵۲ء تک 'ایڈورڈز مشن کالج' تھا، بعد ازاں

مشن کا لفظ نام سے خارج کر دیا گیا۔

۱۵؎ ڈاکٹر اے سی وولنر ۱۳ر مئی ۱۸۷۸ء کو سٹوفرڈ شائر (انگلستان) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم [illegible] حاصل کی۔ بارہ برس کی عمر میں کوئین الزبتھ گرامر اسکول میں داخل ہوئے۔ ۱۸۹۷ء میں [illegible] آکسفورڈ میں داخل ہوئے جہاں یونانی و لاطینی کے علاوہ [illegible] اور سنسکرت کی تعلیم بھی [illegible] ۱۹ اپریل ۱۹۰۳ء میں انھیں اورینٹل کالج لاہور کا پرنسپل اور پنجاب یونیورسٹی کا رجسٹرار مقرر کیا [illegible] دن سے اپنی وفات (۷ر جنوری ۱۹۳۶ء) تک مسلسل یہ فرائض انجام دیتے رہے۔ [illegible] اورینٹل کالج اور پنجاب یونیورسٹی کی تنظیم و ترقی کے سلسلے میں جو خدمات انجام دیں وہ [illegible] میں یادگار ہیں۔ ۱۹۲۸ء میں حکومت ہند نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی اصلاح و تنظیم کے لیے آپ [illegible] خدمات حاصل کیں (بحوالہ تاریخ یونیورسٹی اورینٹل کالج، مرتبہ غلام حسین ذوالفقار)۔

آج تک پنجاب یونیورسٹی (اولڈ کیمپس) کے سامنے اے سی وولنر کا مجسمہ محفوظ حالت میں موجود ہے۔

۱۶؎ "والد محترم پروفیسر عبدالعزیز میمن مرحوم و مغفور۔ ایک عالم اور ایک انسان" از محمد محمود میمن۔

باب نمبر ۴

قیامِ پشاور

(۱۹۱۳ء تا ۱۹۲۰ء)

پشاور آمد کی وجہ

علامہ میمن کے پشاور پہنچنے کی کچھ تفصیلات آپ پڑھ چکے۔ اس بارے میں مزید معلومات پروفیسر سید محمد سلیم کے مضمون سے ملتی ہیں، وہ علامہ میمن کا بیان یوں لکھتے ہیں:

"۱۹۱۳ء میں ایڈورڈز مشن کالج پشاور میں قائم ہوا۔ وہاں کے پرنسپل مسٹر مارٹن کو عربی زبان کے استاد کی ضرورت تھی۔ انھوں نے استاد کے لیے پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیع[1] پرنسپل اورینٹل کالج لاہور کو لکھا۔ میں (علامہ میمن) نے اسی سال مولوی فاضل کے امتحان میں اوّل پوزیشن حاصل کی تھی۔ مولوی محمد شفیع مرحوم نے میرا نام اور پتا ان کو بھیج دیا اور مجھے لکھا کہ پشاور چلے جائیں۔ میں وہاں پہنچا۔ مارٹن نے میرا انٹرویو لیا۔ اس نے پوچھا "کتنی تنخواہ لو گے؟" میں نے کہا "پندرہ روپیہ"۔ میرے ذہن میں اس وقت یہ بڑی رقم تھی۔ مارٹن نے کہا "نہیں ہم آپ کو ۷۵ روپے دیں گے"۔ اس وقت لیکچرار کی تنخواہ ۷۵ روپے تھی"۔[2]

درج بالا مضمون پروفیسر سید محمد سلیم مرحوم نے علامہ میمن کے انتقال (۲۷ر اکتوبر ۱۹۷۸ء) کے بعد لکھا تھا اور ان سے یہ واقعات قیام علی گڑھ کے دوران (۱۹۴۴ء) سنے تھے۔ اس اقتباس میں بعض واقعاتی اغلاط موجود ہیں جن کی تصحیح ضروری ہے:

ایڈورڈز کالج پشاور جہاں علامہ میمن نے ۱۹۱۳ء تا ۱۹۲۰ء عربی و فارسی کی تعلیم دی

۱۔ ایڈورڈز مشن کالج کے پرنسپل مسٹر مارٹن نے لیکچرار کے لیے مولوی محمد شفیع کو نہیں بلکہ مسٹر وولنر کو لکھا تھا۔

۲۔۱۹۱۳ء میں اورینٹل کالج کے پرنسپل پروفیسر مولوی محمد شفیع نہیں مسٹر وولنر تھے۔ اس وقت مولوی محمد شفیع صاحب کالج کے طالب علم تھے۔

درج بالا بیان سے ہمیں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ علامہ میمن گو کہ علمی طور پر بہت آگے جا چکے تھے لیکن سادگی اور معصومیت کا یہ عالم تھا کہ لیکچرار کی اسامی کے لیے صرف ۱۵ روپے بطور تنخواہ طلب کیے اور انھیں یہ بھی علم نہ تھا کہ لیکچرار کی تنخواہ ۷۵ روپے ہے۔

قیامِ پشاور کی بعض تفصیلات

راقم پیش نظر کتاب کی خاطر قیام پشاور کی تفصیلات معلوم کرنے کی غرض سے دو مرتبہ پشاور گیا۔ یہاں تک کہ مورخہ ۶ / اکتوبر ۱۹۹۸ء کو ایڈورڈز کالج کے وائس پرنسپل، لائبریرین و دیگر عملے سے بھی ملاقات کی لیکن افسوس، نہ تو وہاں کوئی علامہ میمن کے نام سے واقف تھا اور نہ ہی ایسا ریکارڈ موجود تھا جس میں علامہ میمن اور ان کے قیام کا ذکر ہوتا۔ اس کے بعد ایڈورڈز کالج کے پرنسپل سے مختصر خط و کتابت ہوئی اور صدر شعبہ عربی پشاور یونیورسٹی پروفیسر ڈاکٹر شیخ فتح الرحمٰن کی معیت میں اسلامیہ کالج پشاور کے کتب خانے بھی گیا لیکن افسوس ہے وہاں بھی سات سالہ قیام پشاور کی کوئی تفصیلات نہ ملیں۔ البتہ راقم نے ذاتی کوشش سے قیامِ پشاور کی درج ذیل تفصیلات حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کی:

۱۔ ایڈورڈز کالج میں علامہ میمن سے جن معروف شخصیات نے شرف تلمذ حاصل کیا ان میں تحریک پاکستان کے رہنما سردار عبدالرب نشتر کے علاوہ ارباب محمد عباس، مہر چند کھنہ اور خان عبدالغفار خان کے بھتیجے محمد یونس خان شامل ہیں۔

۲۔ بقول محمد عمر میمن صاحب علامہ میمن کو عربی کے ساتھ ساتھ اردو کے بھی ہزارہا اشعار یاد تھے خصوصاً غالب، اقبال، اکبر وغیرہ کے تقریباً پورے دواوین ان کے حافظے میں محفوظ تھے

حالانکہ کبھی انھیں اردو شاعری کی کتب پڑھتے نہیں دیکھا گیا۔ جب ان سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو فرمایا کہ پشاور میں قیام کے دوران گرمی بہت محسوس ہوتی تھی چنانچہ وہ روزانہ دوپہر بستر پر پانی چھڑک کر معروف شعراء کی کلیات پڑھتے۔ ان کا حافظہ اس قدر قوی تھا کہ جب ایک مرتبہ اشعار پڑھ لیتے تو وہ ذہن میں محفوظ ہو جاتے۔

۳۔ پروفیسر قدرت اللہ فاطمی مرحوم (وفات ۹ رنومبر ۲۰۰۳ء)، علامہ میمن کے علی گڑھ میں شاگرد رہے۔ انھوں نے علامہ میمن کے دورانِ قیام علی گڑھ، ان سے عربی پڑھی تھی۔ راقم الحروف کی چند برس قبل ان سے ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی اسلام آباد میں ملاقات ہوئی۔ وہاں انھوں نے علامہ میمن کے قیامِ پشاور کا یہ واقعہ سنایا۔

> ''علی گڑھ میں ایک مرتبہ دورانِ ملاقات میں نے انگریزوں کی تعریف کر دی۔ علامہ میمن نے فرمایا کہ تم تحریکِ مجاہدین کے رہنما مولانا عنایت علی عظیم آبادی کے نواسے ہو اور انگریزوں کی تعریف کرتے ہو؟ پھر علامہ میمن نے فرمایا کہ میں اپنے قیامِ پشاور کے دوران انگریزوں کے ظلم کا چشم دید واقعہ بیان کرتا ہوں۔ اس زمانے میں تحریک مجاہدین سے تعلق رکھنے والے دو آدمیوں کو پکڑا گیا پھر ایک گڑھا کھودا، اس میں چونا بھرا گیا، پھر پانی اور اس کھولتے ہوئے چونے میں سرِ عام انگریزوں نے ان مجاہدین کو ڈال دیا۔ یہ ان کا چشم دید واقعہ تھا۔''

دوسری شادی

قیامِ پشاور کا ایک اہم واقعہ علامہ میمن کی دوسری شادی ہے جو ۱۹۱۵ء میں ہوئی۔ اس بارے میں پروفیسر محمود میمن لکھتے ہیں:

> ''والد صاحب جس وقت ایڈورڈز کالج پشاور میں ملازم تھے اس وقت ان کی شادی ۱۹۱۵ء میں اپنی پھوپھی کی لڑکی زینب بائی سے ہوئی''۔[۳]

پشاور میں علمی مشاغل

قیام پشاور کے دوران علامہ میمن درس وتدریس کے علاوہ بقیہ وقت علمی مشاغل میں صرف کرتے تھے۔ان مشاغل میں عربی ادب کی کتب اور شاعری کا مطالعہ اور نادر قلمی نسخوں کی نقل حاصل کرنا شامل تھا۔اس بارے میں ۱۹۶۸ء میں عربی لُغت نگاری پر علمی خطبہ دیتے ہوئے اس دور میں نقل کی گئی ایک کتاب کا ذکر اس طرح کیا:

> ''اصمعی کی ایک کتاب''کتاب الوحوش'' ہے جو ویانا میں چھپی تھی۔قدیم زمانے میں وحشی جانوروں کی بابت اور یہ میں نے اپنے ہاتھ سے پشاور کے قیام کے زمانے میں نقل کی تھی اور یہ دقیانوسی نسخہ میرے ہاتھ کا لکھا ہوا آج سے پچاس برس پہلے کا میرے پاس موجود ہے''[۴]۔

اس کے علاوہ علامہ میمن نے اسی عرصے میں ایک اہم علمی خدمت یہ انجام دی کہ مولوی عبدالرحیم کی تیار کردہ اسلامیہ کالج کے مخطوطات کی فہرست کا اشاعت سے قبل مطالعہ کیا اور اس پر اپنی وسیع معلومات کی روشنی میں تصحیحات اور اضافات کیے۔علامہ میمن کے قلم سے لکھے یہ قیمتی نوٹس فہرست مخطوطات کے آخر میں شایع کیے گئے۔یہ فہرست ۱۹۱۸ء میں آگرہ سے طبع کرائی گئی تھی۔

یہی وہ زمانہ تھا جب علامہ میمن کی تحریری اور تصنیفی سرگرمیوں کا آغاز ہوا۔یہیں انھوں نے جدید مغربی طریقہء تعلیم کا بغور مطالعہ کیا۔عربی، فارسی ادب کے مطالعے میں اضافہ کیا،مصر کے رسالے الزھراء کے لیے عربی مضامین لکھے جو اس رسالے میں شائع ہوئے۔اس کے علاوہ لاہور سے شائع ہونے والے معروف علمی و ادبی رسالے ''مخزن'' کے لیے نہایت مفید سلسلہ مضامین ''آداب العربیہ'' بھی لکھا (یہ مکمل مضمون ملاحظہ فرمایئے باب نمبر ۱۵ میں)۔''آداب العربیہ'' ہماری معلومات کی حد تک علامہ میمن کا پہلا اردو مضمون ہے جو کسی معروف رسالے میں شائع ہوا۔نوے سال سے زائد عرصہ گزرنے کے باوجود آج بھی اس مضمون کی تازگی قائم ہے اور عربی زبان وادب کی تعلیم سے متعلق ان کے مشوروں سے آج بھی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔اس عہد میں ''مخزن'' کے ایڈیٹر علامہ تاجور نجیب آبادی[۵] تھے جنھوں نے اس مضمون سے قبل اپنا نوٹ

بہ ایں الفاظ لکھا:

''ذیل کا گرامی قدر مضمون جناب مولانا عبدالعزیز صاحب میمن پروفیسر مشن کالج پشاور کے رشحاتِ ادب سے ہے۔ مولانا موصوف عربی ادب سے بہت شغف رکھتے ہیں اور ان چند افراد میں سے ہیں جن پر دنیائے ادب فخر کر سکتی ہے۔ یہ مضمون پڑھ کر اہل علم فاضل ادیب کی وسعت معلومات، تبحر علمی اور مزاولتِ فنی کا اندازہ کر سکیں گے''۔[۶]

قیام پشاور کا دوسرا اہم کام پنجاب یونیورسٹی کے بی اے عربی نصاب کی شرح الزھر الجنی من ریاض المیمنی کا آغاز ہے۔ اس کا آغاز آپ نے ۱۹۱۷ء میں کیا تھا جیسا کہ آپ کے خط مورخہ ۱۳/ مارچ ۱۹۱۷ء بنام شاداں بلگرامی میں ذکر ہے۔ علامہ میمن کا یہ خط ملاحظہ فرمائیے باب نمبر ۱۶ میں اور اس کتاب کے مختصر تعارف کے لیے ملاحظہ فرمائیے باب نمبر ۱۱۔

قیام پشاور کے دور کی ایک اہم علمی خدمت

علامہ میمن کے قلم سے قیام پشاور کے زمانے کی ایک اہم علمی خدمت کتب خانہء اسلامیہ کالج میں محفوظ مخطوطات کی فہرست کی تصحیح اور اس میں اضافات ہیں۔ یہ فہرست مولوی عبدالرحیم لائبریرین اسلامیہ کالج پشاور نے بڑی محنت سے تیار کی تھی۔ اس میں دو ہزار سے زائد مخطوطات اور چھ سو اٹھاسی مصنفین کے حالات بڑی محنت سے لکھے۔ انھوں نے اشاعت سے قبل مسودہ علامہ میمن کو بغرض تصحیح و اضافات دکھایا۔ علامہ میمن نے ایک ایک اندراج کا بغور مطالعہ کیا اور اپنی وسیع معلومات کی بنا پر نہ صرف بعض اغلاط کی تصحیح کی بلکہ ضروری اضافات بھی کیے۔ یہ فہرست ۱۹۱۸ء میں آگرہ سے طبع کرا کے لباب المعارف العلمیّة کے نام سے شایع کی گئی۔ اس کے صفحات نمبر ۴۲۵ تا ۴۳۲ پر علامہ میمن کے اضافات و تصحیحات شایع کیے گئے جن کا عکس آئندہ صفحات میں پیش ہے۔ یہاں یہ نکتہ بڑا اہم ہے کہ اضافات و تصحیحات کرتے وقت علامہ میمن کی عمر تیس برس

سے بھی کم تھی لیکن تبحر علمی، اور وسیع معلومات ان صفحات کے حرف حرف سے ظاہر ہے۔

دار العلوم اسلامیہ پشاور صوبہ سرحدی

۴۲۵

ضمیمہ چہارم ۔ اس ضمیمہ میں وہ باتیں لکھی گئی ہیں جو مولوی عبدالعزیز صاحب راجکوٹی پروفیسر عربی ایڈورڈ مشن کالج پشاور نے مسودہ کیٹلاگ پر نظر ثانی کرکے ان کا اضافہ کرنا مناسب خیال کیا۔

حوالہ عدد مسلسل	اضافہ از طرف مولوی عبدالعزیز
(ب) ۸۸	عبدالملک بن جمال الدین بن عصام الدین الاسفرائنی۔ آپ بڑے پایہ کے مصنف تھے قریباً ۸ کتابیں آپ کی یادگار ہیں من جملہ ان کے حاشیہ شرح الجامی، المطول وغیرہ ہیں۔ سنہ ۱۰۳۷ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔
۳۸۱	فیروزآبادی کی لڑکی سے والی یمن نے شادی کی نہ کہ بر عکس۔
۳۸۴ و ۳۸۵	الدین الخالص علامہ ابن القیم کی تصنیف نہیں بلکہ نواب صدیق حسن خان کے اشارہ سے کسی ہندی عالم نے یہ مجموعہ مرتب کیا ہے۔
۱۱۶۵	شارح کا نام وزیر ابو بکر بن عاصم بن ایوب البطلیوسی الاندلسی ہے۔ ان کی شرح دیوان نابغہ بھی چھپی ہے جس پر لکھا ہے کہ ان کی وفات سنہ ۴۹۴ھ میں ہوئی لیکن یہ سراسر غلط ہے کیوں کہ اس کی شرح میں ابوالعلی فارسی وغیرہ کے اقوال کا حوالہ آتا ہے۔

حوالہ عدد مسلسل	اضافہ از طرف مولوی عبدالعزیز
۱۱۶۹	از شیخ جمال الدین عبدالرحیم بن الحسن الاسنوی جس کا سنہ ۷۷۲ھ ہجری میں انتقال ہوا
۱۱۷۴	یہ کتاب دیوان ابی نواس نہیں بلکہ "اخبار ابی نواس" ہے اور محمد بن المکرم مصنف لسان العرب المعروف ابن المنظور الافریقی الکاتب کی تصنیف ہے۔ اسمیں ابونواس کی مجالس و اخبار و اشعار کا تذکرہ ہے چوں کہ صاحب اغانی نے حالات ابونواس میں لکھا ہے کہ "میں یہاں صرف ابونواس اور اس کی محبوبہ جنان کی خبریں لکھتا ہوں کیوں کہ اس کے عام حالات پہلے لکھ آیا ہوں" حالانکہ اغانی میں اور کہیں اس کے حالات مذکور نہیں۔ اس لئے ابن منظور کو اس کے حالات جمع کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ آغانی کے مطبوعہ نسخہ میں ایک مقام پر لکھا ہے کہ "ابونواس کے حالات جمع کئے گئے ہیں"، اس کا یہ مطلب ہے کہ اور لوگوں نے اس کے حالات جمع کئے ہیں من جملہ

فہرست مخطوطات اسلامیہ کالج پشاور میں علامہ میمن کے قلم سے حواشی

حوالہ عدد مسلسل	اضافہ از طرف مولوی عبدالعزیز
	اُن کے ایک ابحفان ہے جس کی کتاب امریکہ میں چھپی ہے۔
١١٨٦	و بر حاشیہ زہر الآداب و ثمر الالباب از ابو اسحق ابراہیم بن علی الحصری القیروانی الشاعر۔ بڑے پایہ کے ادیب اور شاعر نکتہ سنج تھے۔ یاقوت حموی اس کے کلام کو ابو تمام کے کلام کے برابر سمجھتا ہے۔ الجواہر فی الملح والنوادر۔ یہ کتاب المصون وغیرہ اس کی تصنیف ہے۔ شہر منصورہ (تونس) میں سنہ ۴۱۳ھ یا سنہ ۴۵۳ھ میں علی اختلاف القولین وفات پائی۔
١١٨٧	مصنف اخوان الصفا ایک زمانہ تک راز سربستہ رہا۔ بقول بعض یہ کسی امام علوی کی اور بقول بعض کسی معتزلی متکلم کی تصنیف ہے۔ وزیر قفطی فرماتے ہیں کہ مجھے ایک عرصہ کے تجسس کے بعد اس خط سے جو امام ابو حیان توحیدی نے وزیر صمصام الدولہ کے خط کے جواب میں قریبا سنہ ۳۷۳ ہجری میں لکھا تھا معلوم ہوا کہ یہ اسی عہد کے کئی علماء کی

حوالہ عدد مسلسل	اضافہ از طرف مولوی عبدالعزیز
	تصنیف ہے جس میں سے ابو سلیمان محمد بن معشر البیستی یا مقدسی، ابو الحسن علی بن ہارون الزنجانی، ابو احمد مہرجانی، اور عوفی وغیرہ بھی ہیں۔ ان فلاسفہ نے اس خیال سے کہ شریعت کے حقائق عوام کے ہاتھوں بالکل مسخ ہو گئے اور اب اُن کی تطہیر فلسفہ کی عام فہم کہانیوں کے ذریعہ ہی کی جا سکتی ہے یہ رسائل لکھے۔ اور ان کی بہت سی کاپیاں کتب فروشوں میں تقسیم کر دیں اور اپنا نام ظاہر نہ کیا ابو حیان کہتے ہیں میں نے اپنے استاذ ابو سلیمان منطقی سجستانی کو کچھ رسائل دکھائے تو فرمانے لگے کہ یہ کوئی نئی کوشش نہیں۔ اس سے پیشتر بھی شریعت و علوم فلسفہ کو ملا دینے کی متعدد کوششیں کی گئیں جو ناکام و غیر مشکور رہیں۔ پھر آگے چل کر اُن مسائل سے تفصیلی بحث کی ہے۔
١١٨٩	شتریشی۔ ان کی وفات اپنے وطن شریش (اندلس) سنہ ۶۱۹ ہجری میں ہوئی۔ ابن الابار کہتے ہیں کہ بلنسیہ میں سنہ ۶۱۶ ہجری میں ان سے ملا اور شرح مقامات کی سماعت

سلسلہ نمبر حوالہ عبدالعزیز	اضافہ از طرف مولوی عبدالعزیز
	کی۔
	مختصر نوادر القالی۔ شرح الایضاح شرح الجمل وغیرہ ان کی تصنیف ہیں۔
۱۲۳۰، ۱۲۳۱	مُفضّل بن محمد بن یعلی الضبّی از قبیلہ بکر بن سعد بن ضبّہ الکوفی۔ مشہور ادیب اخباری اور لغوی ہے۔ منصور کے حکم سے مہدی کے لیئے مفضلیات لکھی۔ فراء اور ابن الاعرابی ان کے تلامذہ ہیں۔ ایک روز ہارون الرشید نے کہا کہ اگر مہدی کے متعلق کوئی اچھا سے اچھا شعر سناؤ تو یہ سولہ سو دینار کی انگوٹھی تمہاری۔ اس نے یہ شعر سنایا ؎ ینام باحدٍ مقلتیه ویتقی باخری المنایا فهو یقظان نائم ہارون نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ پھر ہارون الرشید کی ماں نے اسی قیمت پر اس سے انگوٹھی خرید لی۔ پھر انگوٹھی بھی دے دی اور دام بھی واپس نہ لیے۔ ایضاح۔ ابو طالب مفضل بن سلمۃ الکوفی ان کے علاوہ ایک اور ادیب ہیں۔

سلسلہ نمبر حوالہ عبدالعزیز	اضافہ از طرف مولوی عبدالعزیز
۱۲۳۲	محمود بن التلامیہ الترکزی الشنقیطی (افریقہ) تیرھویں صدی کے آخر میں امام اللغۃ والانساب اور خاتمۃ الادباء والمحدثین تھے۔ اسکار دوم شاہ سویڈن کے طلب کرنے پر سلطان عبدالحمید خان نے ان کو سٹاکھولم کی اورینٹل کانفرنس میں بھیجا۔ اس رحلت میں بہت کچھ اسی کی روئداد ہے۔ وہاں ایک قصیدہ میں اپنی علمی تحقیقات کا ذکر کیا جس میں سے ایک عمر کا منصرف پڑھنا ہے۔ وہ مدعی تھا کہ اس دعوے پر اس کے پاس ایک سو سے زائد شاہد ہیں مگر کبھی ان تمام کو پبلک میں پیش نہ کیا۔ مخصص ابن سیدہ اور قاموس کی اسی نے تصحیح کی ہے اور اپنی وسعت معلومات کی بنا پر ایک نہایت مہتم بالشان کام کو باحسن وجوہ انجام دیا ہے۔ سلطان عبدالحمید خان نے اس کو رہاں کے کتب خانہ کی نادر کتابوں کی تفتیش کیلیے اپنے خاص جہاز میں بھیجا تھا اور اسی طرح یہ آخری شخص ہے جس کو اس مرحوم قوم کے آثار سے

نمبر سلسلہ	اضافہ از طرف مولوی عبدالعزیز
	مستفید ہونے کا موقع ملا۔ اس کا پورا کتب خانہ بعد از وفات کتب خانہ ندویہ میں منسلک کر لیا گیا
۱۲۳۴	تصحیح مطبوعہ مصر پہلے یہ کتاب ایل یوچ نے مصنف کے اپنے نسخہ سے تیار کی پھر اب مصر کو اوائل قرن رابع کا ایک نسخہ مل گیا۔ اس کو مقابلہ کر کے چھاپا گیا ہے۔
۱۲۴۱	شیخو نے اس کتاب میں تمام عربوں کو اپنے زعم کے مطابق عیسائی بنا لیا ہے خود ایک عیسائی (یسوعی پادری) ہے کو اس بات کا اعتراف ہے۔ پھر طرفہ یہ کہ عرب [illegible] کل نقطہ دیتا ہو
۱۲۴۳	ابو الفتح محمود بن حسین الرملی کا لقب کشاجم ہے جس کا ۳۵۰ ہجری میں انتقال ہوا [illegible] ان کا کلام [illegible] کے [illegible] لکھتے ہیں کہ اس کو دیوان کشاجم کو [illegible] کرنے کو سے [illegible] تھا وہ اس ذات [illegible] ادب۔ وقائع [illegible] میں [illegible] تھے علاوہ [illegible] اور انعامات [illegible] رسائل الصابی و شعر کشاجم۔
۱۲۴۶	"لیس فی کلام العرب" پہلے یورپ میں چھپی تھی۔ از حسین بن احمد بن خالویہ جو ابوبکر ابن الانباری کے ارشد تلامذہ میں۔ سیف الدولہ کی مجلس میں ان کی بہت قدر تھی۔ متنبی سے ہمیشہ ان کی چھیڑ چھاڑ رہتی تھی۔ شرح المقصورۃ الدریدیہ وغیرہ ان کی تصانیف ہیں۔ حلب میں ۳۷۰ ہجری میں وفات پائی۔ شماخ بن ضرار الغطفانی مشہور صحابی ہیں اور سلامہ بن جندل ایک جاہلی شاعر کا نام ہے۔
۱۲۴۵	بلاغات النساء مطبوعہ مصر۔ از ابو الفضل احمد بن ابی طاہر الطیفور الکاتب جو ایک خطیب بلیغ تھے ۲۰۴ ہجری بغداد میں پیدا ہوئے کتاب بغداد جس کا چھٹا حصہ (احوال المامون) یورپ میں چھپ گیا ہے اور کتاب المنثور والمنظوم جس کا گیارھواں اور بارھواں حصہ لندن کے کتب خانہ میں ہے ان کی تصانیف ہیں۔ کتاب المعمرین۔ امام ابو حاتم سہل بن محمد سجستانی کی تصنیف ہے۔ مبرد اور ابن درید جیسے ائمہ علم لغت نے ان سے تلمذ کیا۔ ابو زید اصمعی ابو عبیدہ جیسے جلیل القدر علماء ان کے زمرۂ تلامذہ میں

نمبر فہرست	اضافہ از طرف مولوی عبدالعزیز
	منسلک ہیں۔ بڑے ادیب لغوی اور اخباری تھے سنہ ۲۸۶ ہجری یا سنہ ۲۸۵ ہجری بصرہ میں علے اختلاف القولین وفات پائی۔ یہ کتاب مصر میں چھپی ہے۔ اس سے پہلے یورپ میں چھپی تھی۔ مکتبہ ہذا میں یورپ کا مطبوعہ نسخہ بھی موجود ہے۔
۱۲۵۳	شمنی۔ علامہ جلال الدین سیوطی کے استاذ تھے۔ علامہ شمنی نے اس حاشیہ میں کوشش کی ہے کہ علامہ ابن الدمینی کے فاضلانہ اعتراضات کا جواب دیا جائے اور اپنے زعم میں ابن ہشام کے سر پر بڑا احسان کیا ہے لیکن حقیقت میں ان کے تمام اجوبہ نسیج العنکبوت سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے۔ رمضان المبارک سنہ ۸۰۱ ہجری میں بمقام اسکندریہ ان کی ولادت ہوئی
۱۳۳۲	بلاشبہ صاحب مغرب کی تصنیف ہے۔
۱۳۳۹	از مولانا سعد الدین تفتازانی۔
۱۳۴۰	یہ نسخہ جو مکتبہ ہذا میں موجود ہے کسی عرب کے ہاتھ کا ہے۔ ہندوستان میں اس سے بہتر نسخہ کہیں نہیں مل سکتا۔ اس کا مصنف ابو سعید نشوان بن سعید بن نشوان الیمنی الحمیری المعتزلی الفقیہ اللغوی الادیب الشاعر ہے۔ ان کے صاحبزادہ نے اس کو ایک جلد میں مختصر بھی کیا ہے جس کا نام ضیاء العلوم ہے۔ یاقوت حموی کہتے ہیں کہ انہوں نے یمن کے کئی مستحکم قلعے مسخر کر لیے تھے اور کوہ صبر کے باشندوں نے ان کو اپنا بادشاہ بنا لیا تھا۔ بروز جمعہ ۲۴ ذی الحجہ سنہ ۵۷۳ ہجری میں وفات پائی۔ مقام لیڈن میں ان کا القصیدۃ الحمیریہ (تعداد صفحات ۷۶ مع ترجمہ انگریزی و حواشی ۲۵ کی تعداد میں) سنہ ۱۸۶۹ء میں چھپا تھا۔
۱۳۴۶	ملا عبدالحکیم نے سیالکوٹ ہی میں ملا کمال الدین کشمیری سے تعلیم حاصل کی۔ جہانگیر کے عہد میں اپنے وطن ہی میں قوت لایموت پر گذارہ کرتے رہے مگر عہد شاہجہانی میں بزم آرائے مجالس شاہی ہوئے اور دو مرتبہ ان کو سونے میں تولا گیا اور وہ سونا انہی کو بخشدیا گیا۔ کئی گاؤں بطور جاگیر حاصل کیے اور اپنے وطن مالوف میں ہونہار

سلسلہ حوالہ نمبر	اضافہ از طرف مولوی عبدالعزیز
	فارغ البالی کے ساتھ تصنیف تالیف میں مشغول ہوئے۔ ۱۲ ربیع الاول ۱۲۶۶ھ ہجری میں بمقام سیالکوٹ اس کا انتقال ہوا۔
۱۳۵۲	تصحیح - مولوی ذوالفقار حسن صاحب بھوپالی مصنف المتکثر فی المونث والمذکر کی تصنیف ہے جو نواب صدیق حسن صاحب کے عہد کے مولوی ہیں۔ ابو یوسف یعقوب بن اسحٰق المعروف بابن السکیت مشہور لغوی نحوی مفسر اور اخباری تھے۔ فرّار، ابو عمرو الشیبانی ابن العرابی وغیرہ سے تعلیم حاصل کی۔ ابن العرابی کے بعد کوئی ان کے درجہ کا نہ تھا۔ متوکل خلیفہ کا ندیم تھا۔ ایک روز جبکہ معتز و موید فرزندان متوکل سامنے سے گزر رہے تھے متوکل نے پوچھا کہ تجھے یہ زیادہ پیارے ہیں یا حسن و حسین؟ اس نے کہا کہ "حسنین علیہما التحیۃ والثنا کا تو ذکر ہی جانے دیجئے قنبر جو حضرت علی کرم اللہ

سلسلہ حوالہ نمبر	اضافہ از طرف مولوی عبدالعزیز
	وجہ کا ایک غلام تھا وہ بھی ان سے کہیں بہتر ہے" متوکل سخت طیش میں آیا اور ترکوں کو حکم دیا کہ اس کا پیٹ کچل ڈالیں اس صدمہ سے وہ جانبر نہ ہو سکے اور پیر کے دن پنجم ماہ رجب ۲۴۴ھ ہجری ان کا انتقال ہوا۔ ان کی کتاب اصلاح مع تہذیب التبریزی مصر میں چھپی ہے۔ ابو زکریا یحییٰ بن علی بن الخطیب التبریزی نحو، لغت، اور ادب وغیرہ فنون عربیت کے امام مانے گئے ہیں مشہور ابی العلاء المعری کے شاگرد ہیں۔ اور عبدالقاہر الجرجانی ان کا تلمیذ ہے۔ بغداد کے مشہور عالم "نظامیہ کالج" میں مدرس ادبیات تھے۔ ان کی شرح القصائد العشر الطوال کلکتہ میں، (باہتمام ایشیاٹک سوسائٹی) شرح الحماسہ مصر و یورپ میں، اور تہذیب اصلاح منطق مصر میں چھپی ہے ۵۰۲ھ ہجری میں وفات پائی
۱۴۳۵	ابو محمد عبدالملک بن ہشام بن ایوب الحمیری

نمبر کشف الظنون	اضافہ از طرف مولوی عبدالعزیز
	المعاذری البصری النحوی نزیل مصر۔ تبیرۃ کے علاوہ شرح ما وقع فی السیر من الغریب، انساب حمیر و ملوکہا وغیرہ کتابیں ان کی تصنیف ہیں۔ امام شافعی کا قول ہے کہ ھو حجۃ فی اللغۃ۔ ۲۱۳ھ ہجری یا ۲۱۸ھ ہجری میں علی اختلاف القولین ان کا انتقال ہوا۔ ایڈورڈ فانڈیک امریکہ کا باشندہ تھا۔ اس کا باپ علم ریاضی میں مشہور تھا اور محیط الدائرہ (علم عروض) جس کو پنجاب یونیورسٹی کے ارباب حل و عقد نے امتحان مولوی فاضل کے لئے جزو نصاب مقرر کیا ہے اسی کی (فانڈیک کے باپ کی) تصنیف ہے۔
۱۵۳۳	ابو علی احمد بن محمد بن الحسن المرزوقی الاصفہانی۔ بڑا زبردست لکھنے والا ہے اور اس کی تصانیف سے بڑھ کر لکھنا مشکل ہے گو خود عربیت کے استاذ تھے لیکن مزید طلب علم کے خیال سے ابو علی فارسی کی شاگردی کی۔ ان کی شرح الحماسہ، تبریزی کی شرح حماسہ کا ماخذ ہے۔ اصبہان

نمبر کشف الظنون	اضافہ از طرف مولوی عبدالعزیز
	میں خاندان بویہ کے معلم رہے۔ ذی الحجہ ۴۲۱ھ ہجری میں اس کا انتقال ہوا۔ صاحب ابن عباد کا قول ہے کہ اصفہان سے تین آدمی ہونہار نکلے جولاہا۔ دُھنیا اور موچی۔ جولاہا مرزوقی، دھنیا ابو منصور بن ماشدہ، اور موچی ابو عبداللہ الخطیب الاسکافی۔
۱۵۵۵	المعجم فی آثار ملوک العجم فضل اللہ بن عبداللہ کی تصنیف ہے جس نے اسے اتابک نصرۃ الدین احمد بن یوسف شاہ حاکم طبرستان کے لئے ۷۱۰ھ ہجری میں لکھا۔ ایک فاضل کا قول ہے کہ یہ مشہور مؤرخ وصاف کے باپ تھے اور اس نے ۶۹۰ھ ہجری میں وفات پائی۔ واللہ اعلم بالصواب۔
۱۷۱۶	ملا محمود جونپوری فاروقی شیخ محمد افضل جونپوری سے تعلیم حاصل کی اور ۱۷ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہوئے۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنی زندگی میں کبھی کسی قول سے رجوع نہیں کیا (بالفاظ دیگر بھی

نمبر کشف الظنون	اضافہ از طرف مولوی عبدالعزیز
	کوئی ایسی غلط بات منہ سے نہیں نکالی جس کو بدلنے کی اس کو ضرورت محسوس ہوئی ہو۔) شاہجہاں بادشاہ کو رصدخانہ بنانے کی انہوں نے ترغیب دی تھی۔ شاہ شجاع بن شاہجہاں ان کے شاگرد تھے ۱۰۶۲ھ ہجری میں اس کا انتقال ہوا۔ ہمدرد استاذ کو

نمبر کشف الظنون	اضافہ از طرف مولوی عبدالعزیز
	ایسے فاضل شاگرد کے مرنے کا سخت رنج ہوا جس کے صدمہ سے چار دن بعد اس کا بھی انتقال ہو گیا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ کسی نے ان کے انتقال پر یہ تاریخی مصرعہ موزوں کیا ہے۔ مصرعہ ز محمود و افضل بگو آہ آہ

حواشی

۱۔ ڈاکٹر مولوی محمد شفیع ۶ راگست ۱۸۸۳ء کو قصور میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۰۰ء میں قصور سے انٹرنس اور ۱۹۰۴ء میں پنجاب یونیورسٹی سے بی اے کا امتحان درجہ اوّل میں پاس کیا اور عربی و فارسی میں یونیورسٹی میں اوّل آئے۔ ۱۹۰۵ء میں انگریزی میں ایم اے کیا اور ۱۹۰۶ء میں محکمہ تعلیم میں ملازمت حاصل کی۔ ۱۹۱۳ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے عربی کیا اور پوری یونیورسٹی میں اوّل آئے۔ ۱۹۱۵ء میں اسکالرشپ پر کیمبرج یونیورسٹی پہنچے اور وہاں عربی کی اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۱۹ء میں آپ واپس آئے اور پنجاب یونیورسٹی میں عربی کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ آپ نے ۱۹۲۱ء تا ۱۹۳۶ء اورینٹل کالج میں وائس پرنسپل اور ۱۹۳۶ء تا ۱۹۴۲ء پرنسپل و پروفیسر عربی خدمات انجام دیں۔ اس کے بعد آپ کالج سے سبکدوش ہوگئے لیکن علمی و تحقیقی خدمات کا سلسلہ جاری رکھا۔ ۱۹۵۰ء میں پنجاب یونیورسٹی نے آپ کی خدمات بطور مدیر اعلیٰ اردو دائرۂ معارف اسلامیہ حاصل کیں۔ اس وقت سے لے کر انتقال تک آپ اس عظیم علمی منصوبے کی تکمیل کے لیے تن دہی سے مصروفِ عمل رہے۔ آپ کی کتابوں میں فهارس العقد الفريد، ميخانهٔ عبدالنبی فخر الزمانی قزوینی، تتمه صوان الحكمة، مطلع سعدين، مكاتباتِ رشيدی، وامق و عذرا شامل ہیں۔ ڈاکٹر مولوی محمد شفیع کا انتقال ۱۴ مارچ ۱۹۶۳ء کو لاہور میں ہوا۔

۲۔ افاداتِ مولانا عبدالعزیز میمن از پروفیسر سید محمد سلیم۔ سہ ماہی فکر و نظر اسلام آباد، مئی ۱۹۸۰ء، ص ۲۳۔

۳۔ والد محترم علامہ عبدالعزیز میمن مرحوم۔ چند یادیں چند باتیں از محمد محمود میمن، ماہنامہ فکر و نظر، دسمبر ۱۹۷۸ء۔

۴۔ افاداتِ میمن (قسط سوم) از علامہ عبدالعزیز میمن، ماہنامہ اردو نامہ کراچی۔ شمارہ نمبر ۳۳۔ ص ۱۱۔

۵۔ شمس العلماء علامہ احسان اللہ خاں درانی المتخلص بہ تاجور نجیب آبادی نامور ادیب، شاعر اور اردو زبان کے مخلص کارکن تھے۔ آپ ۲ مئی ۱۸۹۳ء کو نینی تال میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم کے بعد دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور وہاں سے فضیلت کے امتحان میں کامیابی حاصل کی۔ آپ نے قیام لاہور کے دوران معروف ادبی رسائل مخزن، ہمایوں، ادبی دنیا اور شاہکار میں کام کیا۔ آپ کے تلامذہ میں ہری چند اختر، اختر شیرانی اور احسان دانش جیسے نامور شعراء شامل تھے۔ آپ کا انتقال ۳۰ جنوری ۱۹۵۱ء کو لاہور میں ہوا اور تدفین قبرستان میانی صاحب لاہور میں ہوئی۔

۶۔ ملاحظہ فرمایئے ماہنامہ مخزن لاہور، جون ۱۹۲۰ء۔

باب نمبر۵

پہلا قیامِ لاہور

(۱۹۲۰ء تا ۱۹۲۵ء)

علامہ میمن کی پوری زندگی حصولِ علم اور حصولِ کمال کی خاطر محنت و مشقت اور ذوق وشوق کی عجب داستان ہے۔ وہ تمام عمر خوب سے خوب تر کی تلاش میں رہے اور کسبِ کمال کر کے عزیزِ جہاں بن گئے۔ ایڈورڈز مشن کالج پشاور میں علامہ میمن نے سات سال تک بحیثیت مدرس عربی و فارسی خدمات انجام دیں۔ اس کے بعد انھیں اپنے بلند مقاصد کے حصول کے لیے وسیع تر میدان کی تلاش ہوئی۔ لاہور میں اس دور کے اہل علم وفضل سے ان کے تعلقات قائم ہو چکے تھے۔ لاہور اس عہد میں حقیقۃً شہرِ علم وحکمت تھا۔ ہر شعبے کے اصحابِ علم وفضل یہاں موجود تھے جن میں عربی زبان کے فضلاء میں مولانا اصغر علی روحی، مولوی محمد شفیع، مولانا سیّد طلحہ حسنی[1] وغیرہ شامل تھے۔

اورینٹل کالج میں ملازمت

علامہ میمن کو قیام پشاور کے دوران اطلاع ملی کہ اورینٹل کالج لاہور میں استادِ عربی کی اسامی خالی ہوئی ہے چنانچہ انھوں نے اس اسامی کے لیے درخواست دی۔ اس اسامی پر ان کا تقرر یکم اپریل ۱۹۲۰ء کو ہوا۔ اس بارے میں ''تاریخ یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور'' کے مرتب لکھتے ہیں:

> ''ادبیاتِ عربی کے نامور فاضل مولانا عبدالعزیز میمن راجکوٹ (کاٹھیاواڑ) میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے باقاعدہ کسی درس گاہ میں تعلیم حاصل نہیں کی۔ مختلف علماء کی خدمت میں رہ کر عربی کی تحصیل کی اور اپنی ذہانت اور محنت سے استعداد

اورینٹل کالج لاہور

میں اضافہ کیا۔ ڈاکٹر مولوی نذیر احمد کے بھی شاگرد رہے۔ اپریل ۱۹۲۱ء میں اورینٹل کالج لاہور میں ایک سو روپے ماہوار پر ایڈیشنل مولوی کی حیثیت سے ملازم ہوئے۔ چار برس تک تدریسی و تحقیقی خدمات سرانجام دینے کے بعد مولانا عبدالعزیز میمن ۱۹۲۵ء کے اواخر میں اورینٹل کالج سے چلے گئے اور علی گڑھ یونیورسٹی کے شعبۂ عربی میں استاد مقرر ہوئے'' [۲]

علامہ میمن کے قیام لاہور کے بارے میں پروفیسر محمد محمود میمن صاحب لکھتے ہیں:

''یکم اپریل ۱۹۲۰ء کو ان کا یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور میں بطور عربی لیکچرار تقرر ہوا اور ۱۳ر نومبر ۱۹۲۵ء تک لاہور میں قیام رہا''۔ [۳]

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اورینٹل کالج میں تقرر کی تاریخ محمد محمود میمن صاحب نے یکم اپریل ۱۹۲۰ء اور غلام حسین ذوالفقار صاحب نے اپریل ۱۹۲۱ء لکھی یہ ایک سال کا فرق کیسے ہو گیا؟ اس بارے میں عرض یہ ہے کہ محمود میمن صاحب نے یہ مضمون علامہ میمن کی ریکارڈ شدہ یادداشتوں کی مدد سے لکھا تھا۔ یہ یادداشتیں ۱۹۷۰ء میں تین کیسٹوں کی شکل میں ریکارڈ کروائی گئیں۔ اس وقت علامہ میمن کا حافظہ بہت قوی تھا اور انھیں واقعات، سنین، تاریخیں بخوبی یاد تھیں۔ اس کے برعکس ''تاریخ یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور'' کے مرتب غلام حسین ذوالفقار صاحب اور ڈاکٹر سیّد عبداللہ صاحب نے اسی کتاب میں اعتراف کیا ہے کہ یہ تاریخ نہایت عجلت میں تیار کی گئی [۴]۔ غلام حسین ذوالفقار صاحب نے مکمل تاریخیں بھی نہیں لکھیں محض ماہ اور سال کا ذکر کیا ہے۔ کہیں بھی بیان نہیں کیا کہ اس تاریخ کے لیے معاون مواد کہاں سے حاصل کیا گیا اور وہ کس حد تک مستند ہے؟ اس صورت میں ہماری نظر میں علامہ میمن کے تقرر کی درست تاریخ یکم اپریل ۱۹۲۰ء ہی بنتی ہے۔

قیام لاہور کی بعض تفصیلات

قیامِ لاہور کے ابتدائی زمانے سے متعلق پروفیسر محمد محمود میمن لکھتے ہیں:

''ابھی میں بچہ ہی تھا اور میری عمر تقریباً سات سال کی تھی، شاید ۱۹۲۳ء کا سال تھا کہ والد صاحب مجھے اپنے ہمراہ لاہور لے گئے۔ اس زمانے میں وہ

اورینٹل کالج لاہور میں عربی کے لیکچرار تھے۔ والدہ محترمہ نے بہت مخالفت کی کہ بچہ ابھی بہت چھوٹا ہے اور اسے اپنی ماں سے جدا نہ کریں مگر والد صاحب کا فیصلہ اٹل تھا اور انھوں نے کسی کی بات نہ مانی۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ میں ان کی نظروں سے دور راجکوٹ کی گلیوں میں عام لڑکوں کے ساتھ کھیل کود میں وقت ضائع کروں۔ انھیں مجھے بہتر سے بہتر طریقہ پر تعلیم دلانے کا شوق تھا اور یہ صرف اسی صورت میں ممکن تھا کہ میں ان کی نظروں کے سامنے رہوں۔ لاہور میں ہمارا قیام حضوری باغ میں تھا جو شاہی قلعہ اور شاہی مسجد کے درمیان واقع ہے۔ وہاں اس وقت لڑکوں کی رہائش کے لیے ایک اقامت گاہ تھی اور اسی میں ہم رہا کرتے تھے۔ والد صاحب نے بذاتِ خود مجھے ابتدائی تعلیم دی۔ جہاں تک مجھے یاد ہے میں نے ان سے اردو لکھنا پڑھنا سیکھا اور انھوں نے مجھے اسماعیل میرٹھی، الطاف حسین حالی اور علامہ اقبال کی کچھ نظمیں پڑھائیں۔ ایک سال بعد والد صاحب والدہ محترمہ کو بھی لاہور لے آئے اور ہم سب یعنی دو بھائی اور دو بہنیں ان کے ساتھ پرانی انارکلی لاہور میں رہا کرتے تھے۔ مجھے اس وقت کا لاہور اب تک بخوبی یاد ہے۔ ۱۳ر نومبر ۱۹۲۵ء کو ہم لوگوں نے لاہور چھوڑا''۔ ۵؎

مولانا سیّد طلحہ صاحب سے مصاحبت

علامہ میمن کے قیامِ لاہور کی بعض اہم تفصیلات ہمیں علامہ میمن کے شاگرد اور نامور مصنف و تاریخ داں ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی کے مضمون میں ملتی ہیں۔ وہ تحریر فرماتے ہیں:

''یہ ۱۹۲۱ء کی بات ہے جب آپ (علامہ میمن) اورینٹل کالج لاہور کے ہوسٹل واقع حضوری باغ نزد بادشاہی مسجد میں مقیم تھے اور مولوی سیّد طلحہ پروفیسر اورینٹل کالج کے اسی ہوسٹل کے سپرنٹنڈنٹ تھے۔ مولانا میمن قبل ازیں پشاور مشن کالج

سے وابستہ تھے اور کچھ عرصہ قبل ان کا تقرر اورینٹل کالج میں بطور معلّم ہوا تھا چنانچہ وہ عارضی طور پر بطور مہمان متذکرہ ہوسٹل میں مقیم تھے۔ میں اپنے دو رِ طالب علمی کے ساتھیوں فقیر اللہ اور ضیاء اللہ کے ہمراہ مولوی طلحہ کی سفارش پر آپ سے مقاماتِ حریری پڑھتا تھا۔ مولانا میمن صاحب کو حقہ نوشی کی عادت تھی اور ہم فخر سے ان کی چلم بھرا کرتے تھے۔ ہمیں معلوم ہوا کہ اپنے زمانہ طالب علمی میں وہ مولوی فاضل کے امتحان میں اوّل رہے تھے۔ دہلی میں حاجی سید محمد نذیر حسین دہلوی سے بھی آپ نے پڑھا تھا[1]۔ مولانا میمن ہماری خواہش پر ہمیں کتاب مقاماتِ حریری پڑھاتے تھے جبکہ اپنی خواہش پر وہ ابن حجر عسقلانی کی نخبة الفکر فی مصطلح اهل الاثر پڑھاتے تھے۔ اتفاق سے ہر دو حضرات مولانا میمن اور سیّد طلحہ غیر مقلّد تھے اور ہم نہایت شوق اور ذوق سے ان سے پڑھتے تھے۔ دورانِ تشریح وہ نہایت نازک اور اہم نکات بیان کر جاتے۔ اسی طرح تشریح کے دوران بیسیوں عربی اشعار پڑھ جاتے تھے۔

رمضان میں مولوی سیّد طلحہ بھاٹی دروازہ کی ایک مسجد میں قرآن سنایا کرتے تھے۔ مجھے فخر ہے کہ میں متواتر پانچ سال آپ کے ہمراہ نمازِ تراویح میں شامل ہوا۔ کبھی کبھی مولانا میمن بھی ساتھ دیتے۔ مولانا میمن اور سیّد طلحہ کی علمی نوک جھونک بھی ہوتی جس سے ہمیں بہت کچھ حاصل ہوتا۔ یہ انھی دنوں کی بات ہے، میں ایک روز مدرسۂ نعمانیہ پہنچا۔ وہاں مجھے کندی گراں گلی لاہور کے رہنے والے مولوی غلام محمد اور مولوی گل محمد مل گئے۔ انھوں نے بتایا کہ ان کے پاس چند نایاب کتابیں ہیں جنھیں فروخت کرنا چاہتے ہیں چنانچہ میں نے بارہ روپے میں "تفسیر کشّاف" مصنفہ علامہ زمخشری خرید لی اور مولوی طلحہ کو پیش کر دی۔ مولوی صاحب بہت خوش ہوئے۔ مولانا میمن صاحب نے اسی کے اندر خالی صفحے پر عربی زبان میں لکھ دیا کہ یہ کتاب "ابو عبداللہ" کے توسط سے خریدی گئی ہے۔ مولانا میمن مجھے ہمیشہ "ابو عبداللہ" کہہ کر مخاطب کرتے تھے"۔[2]

قیام لاہور کے دوران علامہ میمن اپنا زیادہ وقت پنجاب یونیورسٹی کے وسیع اور عظیم الشان کتب خانے میں صرف کرتے تھے۔اس دور میں یہ نادر کتب خانہ اولڈ کیمپس میں واقع تھا جو اورینٹل کالج سے محض چند قدم کے فاصلے پر ہے۔اسی زمانے میں علامہ میمن نے اپنے مطالعے کو وسیع سے وسیع تر کیا اور تحریری اور تصنیفی کاموں کو بھی آگے بڑھایا۔اس دوران ان کے عربی مقالات الزهراء اور اردو مقالات 'اورینٹل کالج میگزین' اور 'معارف' جیسے وقیع رسائل میں شائع ہوئے۔اس زمانے کی علمی خدمات میں فهارس اقليد الخزانه، الزهر الجنى من رياض الميمنى ، ابو العلاء وما اليه شامل ہیں جن کی تفصیلات باب نمبر ۱۱ میں ملاحظہ فرمائیے۔

نُزْهَةُ الْخَواطِر میں عدم شمولیت کی وجہ

ذکر آچکا کہ اس دور میں اورینٹل کالج میں مولانا سیّد طلحہ صاحب (مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے پھوپھا) بھی بحیثیت استاد عربی خدمات انجام دے رہے تھے۔اسی زمانے میں حکیم سیّد عبدالحیٔ صاحب [۸] (والد گرامی مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی) لکھنؤ میں اپنی عظیم الشان کتاب نزهة الخواطر کی ترتیب وتسوید میں مصروف تھے۔اس کتاب کی آخری جلد (آٹھویں) چودھویں صدی کے مشاہیر کے حالاتِ زندگی اور خدمات پر مشتمل ہے۔اس جلد میں ہمیں مولانا سیّد محمد طلحہ صاحب کے حالات تو ملتے ہیں لیکن علامہ میمن جیسے بین الاقوامی شہرت یافتہ عالم کے نہیں۔مزید حیرت اس بات پر ہوتی ہے کہ سیّد طلحہ صاحب کا کوئی کام کتابی شکل میں منظر عام پر بھی نہیں آیا۔اس کی اصل وجہ ہمیں مولانا ڈاکٹر عبدالحلیم چشتی صاحب کے ایک غیر مطبوعہ مضمون میں بہ ایں الفاظ ملتی ہے:

> ''مولانا سیّد عبدالحیٔ صاحب اس زمانے میں نزهة الخواطر کی آخری جلد لکھ رہے تھے۔مولانا سیّد طلحہ صاحب فرماتے تھے، انھوں (مولانا حکیم سیّد عبدالحیٔ) نے مجھ سے کئی بار کہا کہ مولانا عبدالعزیز میمن سے کہو اپنے حالات زندگی قلمبند کر کے ہمیں بھیجیں، ہم وہ نزهة الخواطر کی زینت بنائیں۔یہ غالباً ۲۵-۱۹۲۴ء کی

بات ہے۔ مولانا (سیّد طلحہ صاحب) فرماتے تھے میں مولانا میمن سے کہتا لیکن یہ وہ درخور اعتنا نہیں سمجھتے تھے۔ آخر میں نے ان سے کہنا چھوڑ دیا اور ہندو پاک کی ایک بین الاقوامی شہرت کی مالک شخصیت کا تذکرہ نزھۃ الخواطر جیسی عالمی شہرت کی کتاب کی زینت نہ بن سکا"۔[9]

اورینٹل کالج میں زمانہ تدریس کے دوران جن معروف حضرات نے علامہ میمن سے تلمذ کا اعزاز حاصل کیا، ان میں ڈاکٹر سیّد عبداللہ، مولانا امتیاز علی عرشی، ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ، ڈاکٹر عبداللہ چغتائی اور رزیڈاے بخاری شامل ہیں۔

علامہ میمن کے ان نامور تلامذہ کے حالات اور ڈاکٹر سیّد عبداللہ کے قلم سے اس دور کے بعض اہم واقعات کے لیے ملاحظہ فرمائیے باب نمبر ۱۳۔

ندوۃ العلماء لکھنؤ میں خطبات

اس زمانے میں علامہ میمن کی عربی دانی اور مہارتِ زبان و ادب کی پورے برصغیر میں شہرت ہو چکی تھی۔ مولانا سیّد سلیمان ندوی کی دعوت پر علامہ میمن نے ۱۸ ر اور ۱۹ ر جون ۱۹۲۵ء کو ندوۃ العلماء میں طویل علمی خطبات ارشاد فرمائے۔ مطبوعہ خطبات کے تعارف میں مولانا سیّد سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

"ہمارے ہاں قدماء کے درس کا عام طریقہ یہ تھا کہ مدرس خود مسئلہ پر زبانی تقریر کرتا تھا، طلبہ سنتے تھے اور یادداشت لکھتے جاتے تھے۔ اس طریقۂ درس کا نام املا تھا۔ آج کل یورپ کا طرز بھی یہی ہے اور عموماً ہندوستانی کالجوں میں بھی اسی کی تقلید ہوتی ہے۔ اس طریقے کا فائدہ یہ ہے کہ کم سے کم وقت میں الفاظ اور کسی خاص کتاب کی پابندی کے بغیر نفسِ مسئلہ حاضرین کے سامنے آجاتا ہے۔ طلبہ کا ذہن، عبارت، الفاظ اور ضمیروں کی الجھن میں نہیں پڑتا۔

ہم نے چاہا کہ دارالعلوم ندوہ کے جدید نصاب میں اس طریقۂ درس کو دوبارہ زندہ

کریں۔ ہم نے اپنے چند لائق دوستوں کو اس سلسلہ کے آغاز کے لیے خطوط لکھے تو سب سے پہلے ہمارے فاضل دوست مولانا میمن عبدالعزیز صاحب راجکوٹی ادیب اورینٹل کالج لاہور نے اس کے لیے سب سے پہلے آمادگی ظاہر کی اور ۱۸؍ جون ۱۹۲۵ء کو لکھنؤ آ کر انھوں نے ہمارے عزیز طلبہ کے سامنے دو دن، دو دو گھنٹے عنوانِ بالا پر املا کیا۔ اثنائے سخن اور آغازِ کلام میں انھوں نے طلبہ کو یورپ کی اس علمی جدوجہد سے مطلع کیا جو وہ ہمارے علوم وفنون کی حفاظت اور اشاعت میں کر رہا ہے۔ اس کے ساتھ عربی خواں طلبہ کو غیرت دلائی کہ وہ بلند ہمتی کے ساتھ ان خدمات کو ادا کرنے کے لیے کیوں اپنے کو آمادہ نہیں کرتے۔

خطیب ممدوح عربی ادب و تاریخ میں ید طولیٰ رکھتے ہیں اور اسی کے ساتھ قلمی کتابوں، یورپین مطبوعات اور علمائے یورپ کی کوششوں سے پوری طرح آگاہ ہیں اس لیے اس مضمون میں وہ پوری کامیابی حاصل کر سکے ہیں"۔[10]

یاد رہے علامہ میمن کی علمی فضیلت کا یہ اعتراف مولانا سیّد سلیمان ندوی نے ۱۹۲۵ء میں کیا جب علامہ کی عمر تقریباً ۳۷ برس تھی۔

علامہ میمن نے ان خطبات میں مشہور مستشرق مارگولیوتھ اور نکلسن کی ابوالعلاء معرّی سے متعلق تحریروں میں اغلاط کی نشان دہی کی اور اپنی رائے پیش کی۔ اس بارے میں فرماتے ہیں:

"میں یہاں خصوصیت کے ساتھ مارگولیوتھ اور نکلسن صاحبان کے مشترک اور مخصوص اغلاط ہی سے بحث کروں گا اور ناظرین اپنے طور پر یقین کرلیں کہ پورا یورپ کم وبیش انھیں اغلاط میں مبتلا ہے۔ مارگولیوتھ نے "رسائلِ معرّی مطبوعہ آکسفورڈ ۱۸۹۸ء کے شروع میں ایک زبردست پُرمغز اور پُرمواد مقدمہ نہایت متین لہجے میں لکھا ہے جس کی صدائے بازگشت نکلسن کی ہسٹری آف عربک لٹریچر، آرٹیکل سائیکلو پیڈیا آف اسلام، اور اسٹڈیز ان اسلامک پوئٹری میں ہے"۔[11]

اس کے بعد علامہ میمن نے ان دونوں معروف مستشرقین کی اغلاط کی تفصیلات بیان کی ہیں

اور اس سلسلے میں جو سرخیاں قائم کیں وہ یہ ہیں: مارگولیوتھ کے اغلاط۔ علمی کم مائیگی، تصحیفاتِ شنیعہ، بے دلیل دعوے، ناکافی تامّل اور سہل انگاری کے نتائج۔ نکلسن کے اغلاط، مارگولیوتھ اور نکلسن کے مشترکہ اغلاط۔

اس مفید اور معلومات افزا مضمون کا عربی ترجمہ جناب محمد عزیر شمس نے کیا جو مجلۃ المجمع العلمی الھندی کے میمن نمبر میں شائع ہو چکا ہے۔

اورینٹل کالج کے رفقاء

اورینٹل کالج میں اس زمانے میں ہر شعبے کے ماہرین علم وفضل موجود تھے۔ ان حضرات کی صحبت نے علامہ میمن کے علمی اور تحقیقی ذوق کے لیے مہمیز کا کام کیا۔ ان حضرات میں مولانا سیّد محمد طلحہ عربی میں، سیّد اولاد حسین شاداں بلگرامی اور ڈاکٹر شیخ محمد اقبال شعبہ فارسی میں استاد تھے۔ ان سب سے سوا مولوی محمد شفیع صاحب جیسے فاضل کالج کے وائس پرنسپل تھے۔ مولوی محمد شفیع صاحب ہی کے مشورے پر علامہ میمن نے عبدالقادر بغدادی کی کتاب خزانۃ الادب کا انڈکس اقلید الخزانہ کے عنوان سے تیار کیا جسے پنجاب یونیورسٹی نے ۱۹۲۷ء میں شائع کیا۔

اورینٹل کالج میں اختلافات

اورینٹل کالج کے قیام کا آخری زمانہ علامہ میمن کے لیے خوشگوار نہیں تھا۔ ان کے اختلافات کی زیادہ تفصیلات تو دستیاب نہیں لیکن ان کے عربی مضمون المکارۃ التی حفّ بھا اقلید الخزانہ میں کچھ تفصیل ملتی ہے۔ اس عربی مضمون میں علامہ میمن لکھتے ہیں:

"اسمع حدیثی فانہ عجیب   یضحك من شرحہ وینتحب

ترجمہ: میری انوکھی داستان سنو جو ہنسائے بھی اور رلائے بھی۔

میرے لاہور پہنچنے کے تھوڑے عرصہ بعد ہی پنجاب یونیورسٹی کے شعبۂ عربی کے پروفیسر مسٹر محمد شفیع نے گزارش کی کہ میں عبدالقادر بغدادی کی تالیف

خزانۃ الادب میں مذکور کتابوں کا اشاریہ (Index) ترتیب دوں اور یہ بھی کہا کہ مشہور متعصب مستشرق گولڈزیہر اس قسم کی کاوش کو کافی سراہا کرتا تھا چنانچہ میں نے خاصے تردد کے بعد یہ ذمہ داری قبول کی اور ۱۳۴۰ھ میں اس کو انجام مکمل کیا۔ اس کے بعد کچھ ایسے معاملات وقوع پذیر ہوئے جن کی بنا پر عموماً مولفین کا جذبۂ خدمتِ علمی ماند پڑ جاتا ہے اور وہ بددل ہو کر ہمت ہار بیٹھتے ہیں۔ بس اللہ ہی داد رسی فرمائے۔ ان باتوں کا ذکر کر کے میں قارئین کرام کا قیمتی وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔

میں نے اقلید الخزانہ کا مقدمہ بھی لکھا تھا مگر موصوف نے تیغ ڈالی کہ اس میں کانٹ چھانٹ کی جائے چنانچہ دفع شر کی غرض سے میں نے چند ایسی باتوں کو حذف کر دیا جن کو حذف کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں تھا۔ میں نے اپنی اس کاوش کو اقلید الخزانہ کا نام دیا لیکن موصوف اس کا مفہوم نہ سمجھ سکے چنانچہ اس کا نام بدل کر فہرست الخزانہ رکھنے کے درپے ہو گئے تاہم جب ان کا اعصابی و ذہنی تناؤ سکون پذیر ہوا تو انھوں نے ہتھیار ڈال دیے۔

اس کے بعد اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ میں نے لاہور سے کوچ کیا اور سات ماہ بعد (مارچ ۱۹۲۶ء میں) واپسی پر جب میں نے کتاب کی پروف ریڈنگ کر لی تو وہ ایک عرب نژاد فاضل دوست (ک۔م۔میترا) کے مطبع سے شائع ہوئی۔ انھوں نے مجھے رقعہ لکھا کہ مسٹر شفیع آپ کا تحریر کردہ مقدمہ ہرگز شائع نہ ہونے دیں گے بلکہ وہ اسے خاصا اصرار کر کے مجھ سے چھین کر لے گئے ہیں۔ میں نے اس بارے میں شفیع صاحب کو خط لکھا مگر ان کی جانب سے کوئی جواب نہ آیا۔ اس کے بعد میں نے اورینٹل کالج کے پرنسپل مسٹر وولنر سے مراسلت کی لیکن شفیع صاحب کے بہکائے میں آ کر انھوں نے بھی چپ سادھ لی۔ غالباً ایسا بعض سیاسی غلط فہمیوں کے سبب ہوا یا ان کے خیال میں میں نے مقدمہ میں اپنی ذاتیات کو شامل کر لیا تھا (یہاں آپ مقدمہ اصل شکل میں ملاحظہ فرما رہے ہیں) پھر میں نے مسٹر وولنر کو یہ

PUNJAB UNIVERSITY ORIENTAL PUBLICATIONS.

'IQLĪD AL-KHIZĀNA

OR

INDEX OF TITLES OF WORKS REFERRED TO
OR
QUOTED BY 'ABD-AL-QADIR AL-BAGHDĀDĪ
IN HIS KHIZĀNAT AL-ADAB.

PREPARED BY
M. 'ABD-AL-'AZĪZ MAIMAN,
FORMERLY ADDITIONAL MAULAVI
IN THE ORIENTAL COLLEGE, LAHORE.

1927.

PUBLISHED BY
THE UNIVERSITY OF THE PANJAB,
LAHORE.

اقلید الخزانہ مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی ۱۹۲۷ء کا سرورق

تک لکھا کہ یا تو وہ میرا تحریر کردہ مقدمہ شائع کریں یا یونیورسٹی کتاب کی اشاعت سے دستبردار ہو جائے اور میں کتاب کی طباعت کے اخراجات اپنی جیب سے برداشت کروں گا مگر انھوں نے اس کا بھی کوئی جواب نہ دیا۔ صاحبِ مطبع نے مجھے مطلع کیا کہ مسٹر شفیع آپ کی راہ میں روڑے اٹکا رہے ہیں اور لگتا یہ ہے کہ انھوں نے ہی مسٹر وولنر کو بہکایا ہے۔ میرے ایک دوسرے دوست نے صاحب مطبع کی زبانی بتایا کہ مسٹر شفیع کی نیت خراب ہوگئی ہے اور محسوس یہ ہوتا ہے کہ وہ فی الحال کتاب کو دبا کر بیٹھ جائیں گے حتیٰ کہ لوگ اسے بھول جائیں اور پھر کچھ عرصے بعد اسے اپنے نام سے شائع کریں۔ اب میرے پاس اس کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہ رہا کہ میں محترمی ڈاکٹر ضیاء الدین احمد (وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) کو مسٹر وولنر سے باقاعدہ مذاکرات کا مکلّف کروں۔ چنانچہ دونوں کے درمیان اس معاملے پر دو مرتبہ خط و کتابت ہوئی اور اس تمام کوشش کا حاصل یہ رہا کہ مسٹر شفیع، مسٹر وولنر کو جادۂ راہ سے گمراہ کرنے میں کامیاب رہے لیکن میں یہ سرکاری تحریر حاصل کرنے میں کامیاب رہا جس میں واضح طور پر یہ اعتراف موجود ہے کہ یہ کتاب میری ہی تالیف ہے اور یوں مجھے خاصا اطمینان ہوا''۔[۱۲]

اس کے بعد علامہ میمن تحریر کرتے ہیں کہ کتاب (فروری ۱۹۲۸ء میں) مقدمہ کے بغیر شائع ہوئی اور شفیع صاحب نے کتاب میں وارد مولفین کی فہرست انگریزی میں بقلم اقبال صاحب شائع کی جو اغلاط سے پُر تھی۔ اس پر طرہ یہ کہ مسٹر شفیع نے کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے بارہا یہ اعتراض کیا کہ کتبِ شرح کو میں نے حرف ہجاء کے مطابق ترتیب نہیں دیا۔ اس کے بعد علامہ میمن نے اعتراضات کا علمی جواب دیا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ علامہ میمن نے یہ بھی ذکر کیا کہ مسٹر شفیع نے محض ۱۷ صفحات میں ۷۵ فاش غلطیاں کی ہیں جن کی فہرست اسی مضمون میں مع رد لکھی ہے''۔ ان اغلاط کا رد لکھتے وقت علامہ میمن نے دو کالموں میں ایک طرف الغلط (غلط) اور دوسری طرف الصواب (اصل یا صواب) لکھ کر غلط و صحیح کو جدا جدا کر دیا ہے۔ اغلاط کی دُرستی کے بعد عبدالقادر بغدادی کے حالاتِ

زندگی بڑی محنت سے لکھے ہیں جو کتاب کے آٹھ صفحات پر مشتمل ہیں۔

اقلید الخزانۃ کی اشاعت اور اختلافات کے اسی واقعے کی مزید تفصیلات پروفیسر غلام نبی عارف صاحب نے اپنے معلومات افزا مضمون ''استاذِ عرب وعجم: عبدالعزیز میمن'' میں تحریر فرمائی ہیں۔وہ لکھتے ہیں:

''علامہ میمن نے اپنی کتاب 'اقلید الخزانہ'' لاہور میں شوال ۱۳۴۰ھ میں مکمل کی۔ اس کی طباعت اور اشاعت میں بہت سے تاخیری حربے کام میں لائے گئے تاکہ یہ عظیم تخلیق جلد منظر عام پر نہ آسکے۔اس سے علامہ کو ان لوگوں سے بدظنی پیدا ہوئی جن کے ذمے یہ کام سپرد کیا گیا تھا۔طویل عرصے کے بعد یہ کتاب طبع ہو کر بازار میں آئی۔مولوی محمد شفیع اور مسٹر وولنر پر وہ سخت خفا تھے۔ان کی وجہ سے جن پریشانیوں کا ان کو سامنا کرنا پڑا، اس کا اظہار وہ اپنے مکاتیب میں کرتے رہتے تھے جو اپنے ساتھیوں اور دوستوں کو لکھتے تھے۔

علامہ نے اپنے اس مقالے میں جو انھوں نے مجلۃ المجمع العلمی العربی دمشق میں اقلید الخزانہ کی مشکلات کے عنوان سے شائع کیا تھا، ان تمام لوگوں کا ذکر کیا ہے جن سے ان کو ذہنی اذیت پہنچی۔انھوں نے اپنے ایک دوست استاد محمد کرد علی کے نام ۱۲؍ مارچ ۱۹۲۸ء کو ایک خط لکھا۔اس میں وہ اپنے دلی الم کا ذکر کرتے ہیں جو اقلید الخزانہ کے سلسلے میں انھیں بعض لوگوں کے ہاتھوں پہنچا۔اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ میں دو نسخے اکیڈمی کی لائبریری کو بطور تحفہ پیش کرتا ہوں۔بعض ناشروں نے اس کتاب کو دوبارہ شائع کرنے کا مجھ سے وعدہ کیا ہے جس میں میرا تحریر کردہ مقدمہ بھی شاملِ اشاعت ہوگا اور یہ امر باعث مسرت ہوگا، اگر وہ اسے صحت اور عمدگی سے شائع کریں۔میں اس کے عوض ناشر سے صرف پچاس نسخے لینا چاہوں گا۔اے اللہ! زمانہ بڑا ستم ظریف ہے۔میں یہ مقالہ اور مقدمہ مجلۃ المجمع العلمی العربی دمشق اور مجلۃ الزہراء قاہرہ میں شائع کرانا چاہتا ہوں تاکہ پہلے کی طرح دوبارہ ذہنی اذیت میں مبتلا نہ ہو

جاؤں اور فائدے کی بجائے نقصان اٹھاؤں۔ کتاب کا ایک نسخہ اپنے مہربان دوست محب الدین الخطیب کے لیے بھیج رہا ہوں لیکن اپنے اس مہربان دوست سے امید کرتا ہوں کہ وہ اس کی اشاعت کا کسی اور مجلّے میں انتظام کر دیں گے۔ خدا جانتا ہے کہ میں نے اس کتاب کی تیاری اور اشاعت کے سلسلے میں کبھی چین نہیں لیا''۔[۱۳]

علامہ میمن ۱۹۲۵ء میں لاہور سے علی گڑھ منتقل ہو چکے تھے۔ ان کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ مارچ ۱۹۲۷ء میں وہ اقلید الخزانة کی پروف ریڈنگ کی غرض سے لاہور آئے تھے۔

حواشی

۱۔ مولانا سید طلحہ حسنی ۱۸۹۰ء میں ٹونک (راجستھان) میں پیدا ہوئے۔ آپ کا نسبی تعلق خانوادۂ حضرت سید احمد شہید سے تھا۔ ابتدائی تعلیم ٹونک ہی میں حاصل کی۔ ۱۹۰۰ء میں لکھنؤ آئے اور کئی برس تک دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تعلیم حاصل کی پھر ٹونک جا کر مدرسہ ناصریہ میں تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۱۶ء میں اورینٹل کالج لاہور میں استاد عربی مقرر ہوئے اور ۱۹۴۲ء میں سبکدوشی حاصل کی۔ ۱۹۴۸ء میں پاکستان ہجرت کی اور کراچی میں اقامت گزین ہوئے۔ دورانِ قیامِ کراچی آپ کا تعلق ادارۂ دار التصنیف، حب ریور روڈ سے رہا۔ آپ نے برس ہا برس کی محنت کے بعد عہدِ صحابہؓ کے تمدن اور معاشرت پر کتاب الحیاۃ فی القرن الاوّل لکھی جو افسوس ہے نامکمل و نامطبوع رہی۔ آپ کا انتقال ۲۵ ستمبر ۱۹۷۰ء کو کراچی میں ہوا۔ تدفین دارالتصنیف کے احاطے میں ہوئی۔

۲۔ تاریخ یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور از ڈاکٹر غلام حسین: ذوالفقار ص ۱۶۴۔

۳۔ ''والد محترم علامہ پروفیسر عبدالعزیز میمن مرحوم و مغفور: ایک عالم اور ایک انسان'' از پروفیسر محمد محمود میمن، ماہنامہ فکر و نظر، اسلام آباد، جون ۱۹۷۹ء، ص ۵۴۔

۴۔ اس کتاب کے بارے میں نامور محقق ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی صاحب نے راقم کے نام اپنے مکتوب مورخہ ۲۳ جنوری ۲۰۰۵ء میں تحریر فرمایا:

> ''تاریخ یونیورسٹی اورینٹل کالج کے بارے میں آپ کے خدشات صحیح ہیں۔ اس میں غلطیاں ہیں لیکن اس موضوع پر کوئی اور کتاب نہ ہونے کے سبب اسی کو غنیمت خیال کیا جاتا ہے۔ علامہ میمن کی طرح پروفیسر سید طلحہ کی ملازمت کی تاریخوں میں بھی غلطی ہے۔ حال ہی میں ڈاکٹر زاہد منیر عامر صاحب نے جامعہ پنجاب کی تاریخ دوبارہ لکھی ہے۔ امید ہے وہ بہتر ہوگی، ابھی شائع نہیں ہوئی ہے''۔

۵۔ ''والد محترم علامہ عبدالعزیز میمن مرحوم۔ چند یادیں چند باتیں'' از محمد محمود میمن، ماہنامہ فکر و نظر، اسلام آباد، دسمبر ۱۹۷۸ء، ص ۴۴۔

۶۔ یہ بات درست نہیں۔ علامہ میمن نے میاں نذیر حسین محدث سے پڑھا نہیں تھا بلکہ ان کے جنازے میں شرکت کی تھی جیسا کہ ہم باب نمبر ۲ میں بیان کر چکے ہیں۔

۷۔ ''مولانا عبدالعزیز میمن مرحوم۔ چند یادیں چند باتیں'' ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی، روزنامہ نوائے وقت

لاہور، ۹ نومبر ۱۹۷۸ء

۸۔ مولانا حکیم سیّد عبدالحیٔ ۲۲ دسمبر ۱۸۶۹ء کو رائے بریلی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی عربی و فارسی تعلیم رائے بریلی میں حاصل کی۔ اس کے بعد دو سال تک الہ آباد میں تعلیم حاصل کی پھر آپ بھوپال تشریف لے گئے۔ دو سال بعد آپ لکھنؤ تشریف لائے اور بڑی محنت سے مولانا امیر علی ملیح آبادی (صاحبِ تفسیر مواہب الرحمٰن) و دیگر بزرگوں سے کتب درسیہ پڑھیں۔ لکھنؤ سے فراغت کے بعد آپ دوبارہ بھوپال تشریف لے گئے اور شیخ محمد عرب سے ادب، شیخ حسین بن محسن یمانی سے حدیث و دیگر اساتذہ سے تحصیل علم کیا۔ ۱۸۹۴ء میں آپ نے ہندوستان کے معروف دینی و علمی مراکز کا دورہ کیا اور اس کا سفر نامہ ''ارمغانِ احباب'' (دہلی اور اس کے اطراف) لکھا۔ ۱۹۰۵ء تک آپ نے ندوۃ العلماء لکھنؤ میں مددگار ناظم اور ۱۲ اپریل ۱۹۱۵ء سے انتقال تک بطور ناظم خدمات انجام دیں۔ آپ کا سب سے بڑا علمی کارنامہ نزھۃ الخواطر (آٹھ جلدیں) ہے۔ اس کے علاوہ الھند فی العھد الاسلامی، العلوم والفنون فی الھند، گلِ رعنا و دیگر کتب و رسائل لکھے۔ آپ کا انتقال ۲ فروری ۱۹۲۳ء کو لکھنؤ میں ہوا۔ تدفین رائے بریلی میں ہوئی۔ عالم اسلام کی جید دینی و علمی شخصیت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی آپ کے فرزند تھے۔

۹۔ ''علامہ محمد عبدالعزیز میمن'' از ڈاکٹر عبدالحلیم چشتی (غیر مطبوعہ مضمون۔ لفظ محمد جزو اسم نہیں)

۱۰۔ ماہنامہ معارف اعظم گڑھ، ستمبر ۱۹۲۵ء

۱۱۔ ایضاً

۱۲۔ مکمل مضمون کے لیے ملاحظہ فرمایئے بحوث و تحقیقات مرتبہ: محمد عزیر شمس، ج ۱، ص ۴۴۔

۱۳۔ ''استادِ عرب و عجم: عبدالعزیز میمنی'' از پروفیسر غلام نبی عارف مجلّہ المعارف، لاہور، خصوصی شمارہ نمبر ۹

باب ٦

قیامِ علی گڑھ

(۱۹۲۵ء تا ۱۹۵۴ء)

علامہ میمن کی طویل علمی، تحقیقی اور تدریسی زندگی کا اہم ترین دوران کا تیس سالہ قیامِ علی گڑھ ہے۔اس باب میں ہم اس دور کی تفصیلات پیش کریں گے۔

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں تقرر کے لیے پہلی کوشش

علامہ میمن نے علی گڑھ یونیورسٹی میں تقرر کے لیے پہلی کوشش ۱۹۲۳ء میں کی تھی۔ یہ وہ موقع تھا جب مولوی خلیل احمد اسرائیلی کی وفات کے سبب شعبۂ عربی میں لیکچرر کی جگہ خالی ہوئی تھی۔علامہ میمن نے نہ صرف تقرر کے لیے درخواست دی بلکہ لاہور سے علی گڑھ تک سفر بھی کیا لیکن نامعلوم وجوہات کی وجہ سے تقرر نہ ہوسکا[1]

تقرر کے لیے دوسری کوشش

جب مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں شیخ عبدالحق حقی بغدادی کی وفات (۱۹۲۴ء) کے بعد ان کی جگہ خالی ہوئی تو اس کی اطلاع علامہ میمن کو بھی ملی۔اورینٹل کالج میں وہ پہلے ہی ناخوشگوار حالات

کا مقابلہ کر رہے تھے چنانچہ انھوں نے علی گڑھ یونیورسٹی میں تقرر کے لیے کوشش کی۔ اس تقرری کے لیے انھوں نے نواب عماد الملک سیّد حسین بلگرامی (وفات ۳ر جون ۱۹۲۶ء) اور مولانا حبیب الرحمٰن شروانی (وفات ۱۱ر اگست ۱۹۵۰ء) سے حیدر آباد (دکن) میں ملاقات بھی کی[2]۔ مولانا شروانی خود بھی عربی زبان و ادب کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے چنانچہ انھی کی خواہش پر علامہ میمن کا تقرر شعبۂ عربی میں ہوا۔ علامہ میمن شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے پہلے ہندوستانی صدر تھے۔ ان سے پہلے اس عہدے پر انگریز، جرمن مقرر ہوئے یا عرب۔

علی گڑھ میں تقرری کے حوالے سے جسٹس شیخ عبدالقادر (وفات ۹ر فروری ۱۹۵۰ء) نے علامہ میمن کو شملہ سے ۱۸ر ستمبر ۱۹۲۵ء کو لکھا:

مکرمی مولانا عبدالعزیز صاحب سلامت باشد۔ السلام علیکم

یہاں جناب صاحب زادہ صاحب[3] سے ملاقات ہوئی اور آپ کے متعلق گفتگو رہی۔ ان شاء اللہ امید پڑتی ہے کہ عنقریب اس اسامی پر کسی کا تقرر ہوگا جس کے لیے آپ نے کوشش کی تھی اور اغلب ہے کہ آپ کے نام ہی قرعۂ فال نکلے۔ آپ کو اگر یہ خط مل جائے تو براہِ مہربانی بواپسی مطلع فرمائیں کہ آپ کا تقرر ہو جائے تو آپ کب تک چارج لے سکیں گے۔

میرا خیال ہے کہ ان دنوں آپ وطن گئے ہوں گے۔ مگر اب کالجوں کے کھلنے کا وقت قریب ہے۔ خدا کرے کہ آپ آ گئے ہوں یا جلد آنے والے ہوں اور میرا خط آپ کو لاہور میں مل جائے۔ زیادہ خیریت۔

شملہ، ۱۸ر ستمبر ۲۵ء راقم عبدالقادر[4]

ایک موقع پر شعبہ عربی میں تقرر کے حوالے سے علامہ میمن نے اپنے شاگرد پروفیسر سیّد محمد سلیم سے فرمایا:

''۱۹۲۵ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں عربی کے لیے صدرِ شعبہ کی جگہ کے لیے درخواستیں طلب کی گئیں۔ آسامی کے لیے دو امیدوار تھے، میں اور پروفیسر

عابد احمد علی۔ وہ آکسفورڈ یونیورسٹی سے عربی میں ڈی فل تھے۔ ابن سکیت کی کتاب اصلاح المنطق کو انھوں نے ایڈٹ کیا تھا۔ سر سیّد احمد خاں سے بھی ان کی قرابت داری تھی۔ میرے پاس مولوی فاضل کے علاوہ کوئی ڈگری نہیں تھی۔ تقرری کمیٹی میں تین افراد تھے: ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد وائس چانسلر، ایک مستشرق پروفیسر کالے، صدر شعبۂ عربی ڈھاکہ یونیورسٹی اور مولانا سیّد سلیمان ندوی۔ دونوں خارجی ممبروں نے میری تائید کی۔ پروفیسر کالے نے کہا ''میمن کے مقابلے میں ڈاکٹر عابد احمد علی کی کوئی حیثیت نہیں''۔ اس جگہ پر میرا تقرر ہو گیا۔ مولانا سیّد سلیمان ندوی نے ''معارف'' اعظم گڑھ میں لکھا'' آج پہلا موقعہ ہے کہ علی گڑھ یونیورسٹی میں شعبۂ عربی کو ایک اہل اور مستحق آدمی کے سپرد کیا گیا ہے''۔ ۵

گزشتہ صفحات میں ہم ذکر کر چکے ہیں کہ علامہ میمن کے شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی میں تقرر کے جو مشاہیر خواہش مند تھے ان میں علامہ اقبال، مولانا حبیب الرحمٰن شروانی، علامہ سیّد سلیمان ندوی اور جسٹس سر شیخ عبدالقادر شامل تھے۔ ان تمام حضرات میں علامہ میمن کی نظر میں سب سے زیادہ مولانا حبیب الرحمٰن شروانی کی کوششوں کا دخل تھا۔ مولانا شروانی عربی و فارسی کا نہایت ستھرا ذوق رکھتے تھے اور حبیب گنج میں ان کا کتب خانہ ملک گیر شہرت رکھتا تھا۔ ۱۱ اگست ۱۹۵۰ء کو مولانا نے انتقال فرمایا۔ ان کی یاد میں اخبار ''جمہور'' علی گڑھ کا صدر یار جنگ نمبر شائع ہوا۔ اس نمبر کے لیے علامہ میمن نے مختصر پیغام بھیجا اور اس پیغام میں اپنے تقرر کا ذکر بھی کیا، لکھتے ہیں:

''هيهات لا يأتي الزّمان بمثله
ان الزّمان بمثله لبخيل

مرحوم کی علم دوستی کے افسانے ۱۹۱۰ء ہی سے سن رہا تھا مگر ۲۵ء میں حبیب گنج جا کر آپ کا کتب خانہ دیکھا۔ فلمّا التقينا صغّر الْخبرَ الْخُبْرُ۔ آپ نے میرے مضامین معارف (ابن رشیق و ابوالعلاء) دیکھ لیے تھے، اس لیے انتہائی اخلاق

سے ملے، اپنا کتب خانہ دکھایا اور اس کے عربی نوادر کے متعلق میرے تاثرات معلوم کیے جس کے بعد میں نے ''زیادات شعر المتنبی ''اور الاختیار شائع کیے۔ میرا علی گڑھ کا ۲۵ سالہ قیام و تعلق آپ ہی کی نظرِ انتخاب کا رہین ہے۔ ہر ملاقات میں آپ انتہائی خلوص کا اظہار فرمایا کرتے''۔[٦]

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں علامہ میمن کے تقرر اور مولانا شروانی کے اس سلسلے میں حتمی فیصلے کے بارے میں ہمیں ڈاکٹر ظفر الاسلام اصلاحی صاحب کے مضمون ''مولانا عبدالعزیز میمن اور علی گڑھ'' میں مفید تفصیلات ملتی ہیں، لکھتے ہیں:

''جولائی ۱۹۲۴ء میں مسلم یونیورسٹی میں شعبۂ عربی کے استاد مولانا عبدالحق حقی بغدادی کے انتقال پر ان کی جگہ تقرری کے لیے اشتہار شائع ہوا۔ مولانا (علامہ میمن) نے ۱۹ ستمبر ۱۹۲۴ء کو یونیورسٹی رجسٹرار (جناب عظمت الٰہی زبیری صاحب) کے نام درخواست بھیجی جو تعلیمی لیاقت، تدریسی تجربات، مطبوعات و دیگر علمی کاموں کی تفصیلات کے ساتھ سات صفحات پر مشتمل تھی۔ ۱۴ نومبر ۱۹۲۵ء سے شعبۂ عربی میں بحیثیت استاد مشارک (Reader/ Associate Professor) ان کی تقرری عمل میں آئی اور ۱۹ نومبر کے زمیندار اخبار (لاہور) میں اس کی خبر بھی شائع ہوئی۔ اس ضمن میں یہ ذکر اہمیت سے خالی نہ ہوگا کہ مذکورہ پوسٹ کے لیے اشتہار کی اشاعت کے بعد بہت سے امیدواروں نے درخواستیں بھیجیں۔ اس وقت کے وائس چانسلر صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب (۱۸۶۷-۱۹۳۰ء) نے تمام امیدواروں کی درخواستیں، ان کے تعلیمی ریکارڈ، تدریسی تجربات و علمی کاموں کی تفصیلات کے ساتھ حیدر آباد نواب حبیب الرحمٰن خاں شروانی صاحب کے پاس ان کے تاثرات کے لیے ارسال کیں۔ انھوں نے اپنی تفصیلی رپورٹ کے آخر میں لکھا کہ تمام امیدواروں میں سب سے بہتر و افضل مولانا عبدالعزیز میمن ہیں۔ اگر مولانا عبدالحق حقی بغدادی کے مقام پر ان کی تقرری عمل میں آئی تو وہ ان کے بہترین خلف ثابت ہوں گے''۔[٧]

مولانا شروانی کا نصیحت آمیز خط

۱۴/نومبر ۱۹۲۵ء سے علامہ میمن کا تقرر بحیثیت ریڈر ہوا۔ مورخہ ۱۵/نومبر ۱۹۲۵ء کو مولانا شروانی نے حیدرآباد دکن (جہاں وہ صدر الصدور اور ناظم امور دینیہ تھے) سے علامہ میمن کو خط لکھا جس میں ایک شفیق بزرگ کی حیثیت سے نہایت قیمتی مشورے تحریر فرمائے۔ وہ لکھتے ہیں:

"مکرمی ذو الفضائل۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ۷/نومبر کا مورخہ نامی نامہ پہنچا، ممنون یاد فرمائی ہوں، اس سے مسرت ہوئی کہ آپ کا تقرر مسلم یونیورسٹی میں ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ توفیق سعی بخشے اور سعی مشکور فرمائے۔

(۱) کوشش کیجیے کہ آپ کے طلبا میں ذوقِ اسلامی وعلمی پیدا ہو۔ اس کی وہاں نہایت کمی ہے بلکہ فقدان ہے۔

(۲) مولانا سید سلیمان اشرف سے اکثر نیازمندانہ ملیے۔

(۳) وہاں کی تلوین سے خود ملون نہ ہو جائیے اور دل کو علمی رنگ کا شائق بنائیے۔

ان شاء اللہ دسمبر کے اواخر میں ملاقات ہوگی۔ زوائد الدیوان آگئے، پیش نظر ہیں۔ ان شاء اللہ اجازت طبع عنقریب بھیجتا ہوں، امتحان کے بقیہ کل اجزا آ چکے، ان شاء اللہ ساتھ لاکر آپ کے حوالے کیے جائیں گے۔ اجرت کتابت ادا ہوگی۔ مولانا کھنکھنٹے کو پھر کھٹکھٹائیے گا۔ کتاب اچھی ہے نقل ہوجائے تو خوب ہو۔

(۴) پارٹی فیلنگ سے بہت سخت اہتمام کے ساتھ محترز رہیں۔ اسی طرح مذہبی مناقشہ سے۔

امید ہے آپ مع الخیر علی گڑھ پہنچ چکے، اسی لیے وہاں کے پتے سے خط بھیجتا ہوں۔

حیدرآباد۔ ۱۵/نومبر ۱۹۲۵ء نیازمند

حبیب الرحمٰن [۹]

علامہ میمن کی پوری زندگی اس بات کی گواہ ہے کہ انھوں نے ہمیشہ ان قیمتی مشوروں پر عمل

کیا۔ انھوں نے اپنی تمام صلاحیتیں علمی اشغال میں صرف کیں اور جامعات کی اندرونی سیاست سے ہمیشہ محترز رہے۔

مولانا سیّد سلیمان ندویؒ کی تحسین

علامہ میمن کے مسلم یونیورسٹی میں تقرری کے حوالے سے مولانا سیّد سلیمان ندوی نے ماہنامہ معارف اعظم گڑھ کے شذرات میں بہ ایں الفاظ اپنی مسرت کا اظہار فرمایا:

''مسلم یونیورسٹی میں مولوی عبدالحق صاحب مرحوم حقی کی وفات سے ایک عربی استاد کی جگہ خالی ہوئی تھی۔ اس کے لیے ان کے قائم مقام کی تلاش تھی۔ ہم کو خوشی و مسرت ہے کہ مسلم یونیورسٹی کے ارکان نے اس کے لیے ہمارے دوست مولانا عبدالعزیز میمن صاحب راجکوٹی کا انتخاب کیا ہے۔ یونیورسٹی کی یہ خوش قسمتی ہے کہ ایسا باکمال فرد اب اس کے احاطے میں ہے۔ ارکان نے اس موقع پر بے حد دانش مندی کو راہ دی کہ انگریزی یونیورسٹی کی سندوں یا صاحبِ زبانِ عرب کے نمائشی نام پر اہلیت، قابلیت اور فضل و کمال کو ترجیح دی''۔[10]

اسی طرح علی گڑھ میگزین کے ایڈیٹر بشیر الدین احمد صدیقی نے علی گڑھ میگزین ''جوبلی نمبر'' (۱۹۲۵ء) میں علامہ میمن کے تقرر پر ان الفاظ میں اپنی مسرت کا اظہار فرمایا:

''مولانا عبدالحق صاحب حقی بغدادی مرحوم کے بجائے عربی ڈپارٹمنٹ میں ایک نہایت قابل قدر اضافہ ہوا ہے۔ مولانا عبدالعزیز میمن صاحب ہمارے تعارف اور تحسین سے مستغنی ہیں۔ ان کا علمی ذوق اور ادب عربی میں ان کی عالمانہ تحقیق ان کو ان بلندیوں پر پہنچا چکی ہے جہاں لوگ بمشکل پہنچتے ہیں۔ مولانا کی مختلف اور متعدد عربی تصانیف مصر اور لاہور میں شائع ہو چکی ہیں اور باکمالانِ ادب سے خراجِ تحسین وصول کر چکی ہیں۔ ہم کو امید ہے ہماری یونیورسٹی مولانا کے تجرِ علمی سے مستفید ہوگی اور علی گڑھ کی فضا مولانا کے مزید اکتساباتِ علمی کی محرک ہوگی''۔[11]

مسلم یونیورسٹی جوبلی تقریبات میں شرکت

علامہ میمن کے علی گڑھ پہنچنے کے کچھ ہی عرصے بعد دسمبر ۱۹۲۵ء میں مسلم یونیورسٹی کی جوبلی تقریبات منائی گئیں۔ جوبلی تقریبات کا اصل مقصد یہ تھا کہ ایم اے او کالج کے قیام کے پچاس سال مکمل ہو جانے پر اس ادارے کی کارکردگی اور اس مدت میں مسلم قوم کی ترقی کے سلسلے میں اس نے جو خدمات انجام دی ہیں، ان کے نتائج کو قوم کے سامنے اس طرح پیش کیا جائے کہ لوگ اسے خود علی گڑھ آ کر ان کی عملی شکل اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں!!

جوبلی کی تقریبات میں علامہ میمن نے بھی حصہ لیا۔ انھوں نے مسلم یونیورسٹی اور اس کی خدمات کے بارے میں عربی میں ایک قصیدہ لکھا اور خود ہی اس کا ترجمہ کیا۔ یہ تاریخی قصیدہ 'علی گڑھ میگزین' کے جوبلی نمبر میں شائع ہوا۔ مکمل قصیدہ اور اس کا اردو ترجمہ ضمیمہ نمبر ۱۵ میں ملاحظہ فرمایئے۔

بوقتِ تقرری شعبۂ عربی کی صورت حال

گزشتہ صفحات میں ہم علامہ میمن کی تقرری کے سلسلے میں لکھا ہوا مولانا شروانی کا نصیحت آمیز خط پیش کر چکے ہیں۔ اس خط سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی کی صورت حال سے مولانا شروانی غیر مطمئن تھے۔ علامہ میمن نے تقرری کے بعد اس صورت حال کا مطالعہ کیا اور اس کی تبدیلی کے لیے اور معیارِ تعلیم میں بلندی کے لیے کئی اصلاحات کیں۔ اس بارے میں شیخ نذیر حسین لکھتے ہیں:

> "معیارِ تعلیم کی پستی کا یہ عالم تھا کہ ایم اے (عربی) کے کورس میں بائیبل کا عربی ترجمہ شامل تھا، میمن صاحب نے نصابِ تعلیم کی اصلاح کی، عربی ادب کی امہات کتب مثلاً الکامل (للمبرد) اور کتاب العمدہ (ابن رشیق) نصاب میں داخل کیں۔ شعبۂ عربی کا وقار ہندوستان اور بیرون ہندوستان میں قائم کیا اور

طلبہ میں صحیح علمی ذوق اور ملکۂ تحقیق پیدا کیا۔ ان کے درس و تدریس سے بہت سے مستعد طلبہ نے فائدہ اٹھایا''۔[13]

نصاب میں مفید اصلاحات

علامہ میمن نے علی گڑھ پہنچنے کے بعد عربی زبان کی تعلیم و تدریس کے معیار کو بلند کرنے کے لیے کوششیں کیں اس بارے میں ۱۹۶۸ء میں عربی لغت نگاری پر خطبات کے دوران نصاب میں داخل کی گئی مفید کتب کے حوالے سے بیان کیا:

''نظام الغریب ''ایک مختصری کتاب ہے جو یمن میں لکھی گئی تھی۔ میں نے یہ چاہا کہ عربی لغت کی کوئی شے تو ہونی چاہیے۔ اس کے بغیر عربی زبان آئے گی کیسے، تو میں نے کورس میں داخل کی۔ میں نے دیکھا کہ کسی طالب علم نے دلچسپی نہیں لی حالانکہ کورس میں داخل تھی۔ جب ہار گیا تو ''ادب الکاتب'' کا مختصر کیا تھا شیخ طاہر جزائری نے چھوٹا سا بالکل، میں نے اس کو داخل کیا، اس میں بھی دلچسپی نہیں لی۔ دیکھیے ہم ایسے زمانے میں آ گئے ہیں اور بایں ہمہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ہمیں عربی زبان آ جائے، کہاں سے آئے گی بھئی! جو راستہ ہے عربی سیکھنے کا اس راستے سے تو آپ ہزاروں میل دُور بھاگتے پھرتے ہیں''۔[14]

علی گڑھ میں علامہ میمن کی رہائش گاہ

علی گڑھ پہنچنے پر ابتدا میں یونیورسٹی کی حدود میں مکان نہ ملنے کی وجہ سے علامہ میمن نے ''حکیم کی سرائے'' میں کرائے پر مکان حاصل کیا اور اس میں رہائش اختیار کی۔ کچھ ہی عرصے بعد یونیورسٹی میں مکان مل گیا اور علامہ میمن وہاں منتقل ہو گئے۔[15]

۱۹۳۱ء میں علامہ میمن نے نابینا مدرسہ اور بنگالی کوٹھی سے کچھ ہی فاصلے پر بریلی لائن کے

قریب اپنی ذاتی کوٹھی تعمیر کرائی جس کا نام ''میمن منزل'' رکھا۔ یہ کوٹھی پروفیسر مجیدالدین (معاشیات)، پروفیسر محمد حبیب (تاریخ) اور پروفیسر محمد شریف (فلسفہ) کی ذاتی کوٹھیوں کے قریب محلّہ بدر باغ میں واقع ہے۔ علامہ میمن کی یہ تاریخی رہائش گاہ آج بھی اپنی اصل حالت میں علی گڑھ میں موجود ہے اور اس پر سنہ تعمیر ۱۳۵۰ھ/۱۹۳۱ء کا کتبہ موجود ہے [۱۶]۔

قیامِ علی گڑھ کی اہمیت

علامہ میمن کا تقرر ۱۴ر نومبر ۱۹۲۵ء کو شعبۂ عربی میں بحیثیت ریڈر ہوا۔ وہ دسمبر ۱۹۴۳ء میں پروفیسر مقرر ہوئے۔ پروفیسر مقرر ہونے سے قبل اوٹو اشپیز کے چلے جانے کے بعد شعبۂ عربی کی صدارت پر سرفراز ہو چکے تھے۔ وہ پہلے ہندوستانی تھے جنھیں شعبۂ عربی کی صدارت کا اعزاز حاصل ہوا ورنہ ان سے قبل اس منصب پر انگریز یا جرمن اساتذہ (جوزف ہارویز، ایس ٹریٹن، اوٹو اشپیز) ہی فائز ہوتے تھے۔

۳۱ر مارچ ۱۹۴۹ء کو علامہ میمن بحیثیت صدر شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے ریٹائر ہوئے۔ اس زمانے میں یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر ذاکر حسین خان تھے جنھوں نے علامہ میمن کی خدمات کے پیش نظر ایک سال کی توسیع دی جو ۳۱ر مارچ ۱۹۵۰ء کو ختم ہوگئی۔ اس کے بعد علامہ میمن تقریباً چار سال تک علی گڑھ میں رہے اور اپریل ۱۹۵۵ء میں ہندوستانی شہریت ترک کی اور کراچی منتقل ہوگئے۔

علامہ میمن کی زندگی کا یہ دوران کی علمی زندگی کا زرخیز ترین دور تھا۔ اسی دور میں انھوں نے عربی و اردو میں بہت سے تحقیقی و تنقیدی مضامین لکھے جو مجلّہ مجمع اللغة العربية بدمشق (سابقہ مجلّہ المجمع العلمي العربي)، معارف (اعظم گڑھ)، برہان (دہلی) میں شائع ہوئے۔ اسی دور میں ان کا تحقیقی شاہ کار ابو العلاء وما اليه اور سمط اللآلي و دیگر کتب شائع ہوئیں جن کی وجہ سے ان کی شہرت ہندوستان گیر سے بڑھ کر عالم گیر سطح تک پھیل گئی۔

علامہ میمن کے قیام علی گڑھ کی تفصیلات اور اس دور میں ان کے علمی کاموں کی اس قدر اہمیت

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا اسٹریچی ہال

ہے کہ صرف اسی دور پر ایک ضخیم کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ ہم یہاں ان کے معمولات، مشاغل، طلباء کو رہنمائی اور دیگر مصروفیات کی بعض اہم تفصیلات پیش کرتے ہیں۔

علی گڑھ میں روزمرّہ کے معمولات

قیامِ علی گڑھ کے دوران علامہ میمن کے روزمرہ کے معمولات کے بارے میں پروفیسر محمد محمود میمن صاحب اپنے مضمون ''علی گڑھ میں علامہ میمن کے روز و شب'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''ان دنوں بھی والد صاحب اپنے روزمرہ کے معمولات پر سختی سے کاربند رہتے تھے اور انھیں کسی مجبوری کے تحت بھی اپنے معمولات میں کسی قسم کی تبدیلی بہت شاق گزرتی تھی۔ زندگی ایک مشینی انداز میں رواں دواں تھی۔ صبح سویرے اٹھتے، ضروریات سے فارغ ہو کر وضو کرتے اور نمازِ فجر ادا کرتے۔ اس کے بعد تقریباً دو تین میل کی سیر کرتے۔ واپس آ کر فوراً ناشتا کرتے۔ ناشتے کے بعد حقہ پیتے اور کتب بینی یا تصنیف و تالیف میں لگ جاتے۔ اس وقت وہ اپنے کام میں اتنے زیادہ محو ہوتے کہ دنیا و مافیہا کی انھیں کچھ خبر نہ ہوتی۔ یونیورسٹی جانے کا وقت ہوتا تو والدۂ محترمہ انھیں ہوشیار کرتیں اور وہ اپنے مقررہ وقت پر یونیورسٹی پہنچ جاتے۔ دوپہر کے وقت بارہ بجے کے فوراً بعد ان کی واپسی ہوتی۔ کھانا کھاتے، کچھ دیر بعد ظہر کی نماز ادا کرتے، پلنگ پر لیٹے لیٹے حقے سے شوق فرماتے اور اخبار پڑھتے تا آنکہ نیند آ جاتی اور سو جاتے۔ دوپہر میں قیلولہ کی عادت تھی۔ تین اور چار بجے کے درمیان اٹھ بیٹھتے اور پھر تحقیقی کام میں مصروف ہو جاتے۔ نمازِ عصر ادا کرتے اور شام کی سیر کو نکل جاتے۔ سیر کے وقت عام طور پر کوئی نہ کوئی شخص (عموماً تلامذہ) ان کے ہمراہ ضرور ہوتا جسے وہ اس دوران اپنے علم سے فیضیاب کرتے۔ مغرب تک ان کی واپسی ہوتی۔ نماز ادا کرتے اور کچھ دیر بعد رات کا کھانا کھاتے، حقہ پیتے، افرادِ خانہ سے کچھ دیر باتیں کرتے، ریڈیو پر خبریں سنتے اور اس کے بعد

معمولی چہل قدمی کرتے ۔ عشاء کی نماز ادا کرتے اور اس کے فوراً بعد بتیاں گل کر دیتے ۔ رات کے وقت ہمیں پڑھنے لکھنے کی اجازت نہ تھی اور تاکید کی جاتی کہ سو جائیں''۔[17]

''میمن منزل'' علی گڑھ میں علامہ میمن کے کتب خانے، نیز طریقۂ مطالعہ و تحقیق کے متعلق محمد محمود میمن اسی مضمون میں لکھتے ہیں:

''میمن منزل میں والد صاحب کا ایک مخصوص کمرا تھا جسے گھر کے افراد ''کتابوں والا کمرا'' کہتے تھے۔ اس میں کمرے ہی کے ناپ کا مشرقِ وسطیٰ سے لایا ہوا ایک عمدہ قالین بچھا رہتا تھا اور ایک جانب زمین پر بیٹھ کر لکھنے کی پرانی وضع کی ڈھلوان میز رکھی رہتی تھی۔ کمرے کے چاروں طرف بغیر دروازوں کی کتابوں کی الماریاں تھیں۔ میرے اندازے کے مطابق کتابوں، قلمی نسخوں اور مسودات کی کل تعداد تین سے چار ہزار تک ہوگی۔ ان میں تقریباً تمام کتابیں عربی کی تھیں، چند ہی فارسی اور اردو کی تھیں اور وہ بھی بہت اہم اور نایاب قسم کی۔ اس کمرے میں بیٹھ کر والد صاحب مطالعہ اور تصنیف و تالیف کا کام کرتے تھے۔ ان کا مطالعہ بڑا تنقیدی ہوتا تھا۔ وہ ساتھ ساتھ حاشیے بھی ثبت کرتے جاتے تھے۔ کتب خانے کی ساری کتابیں ان کی پڑھی ہوئی تھیں اور ان پر حواشی تحریر تھے[18]۔ ان کے نزدیک مطالعہ برائے مطالعہ ایک بے معنی اور فضول کام تھا اور اسے وہ تضییع اوقات سمجھتے تھے۔ وہ فرماتے تھے کہ سرسری مطالعے سے انسان حقیقی علمی کام کے قابل نہیں رہتا''۔[19]

اسی دور میں عالم عرب کے علماء و فضلاء بھی اکثر علی گڑھ تشریف لاتے، ان کی ترجمانی کے فرائض علامہ میمن ہی انجام دیتے۔ اس بارے میں محمود میمن صاحب لکھتے ہیں:

''مشرقِ وسطیٰ کے اکثر سربرآوردہ حضرات اس درسگاہ کو دیکھنے اور اہلِ علم سے ملنے یونیورسٹی تشریف لاتے تھے، رامپور حامد ہال میں انھیں سپاسنامے پیش کیے جاتے تھے۔ یہ حضرات عربی میں خطاب کرتے تو ترجمانی کی ذمہ داری والد صاحب کو سونپی جاتی تھی اور وہ اس حسن و خوبی سے ان کی تقاریر کا ترجمہ پیش

کرتے تھے کہ ترجمہ اصل پر سبقت لے جاتا تھا اور لوگ سن کر عش عش کر اٹھتے۔ جو اُن سے ناآشنا ہوتے وہ بھی ان کو پہچاننے لگتے اور انھیں یہ علم ہو جاتا تھا کہ یہاں عربی کا ایک اتنا ممتاز عالم موجود ہے۔[20]

قیام علی گڑھ کے روزمرہ معمولات کے حوالے سے علامہ میمن کے نامور شاگرد ڈاکٹر نبی بخش بلوچ صاحب اپنے مضمون 'ایامِ علی گڑھ' میں تحریر فرماتے ہیں:

''استاذ ہمیشہ اپنے گھر کی ضروریات خود ہی بازار جا کر پوری کر لیتے ہیں اور سبزی گوشت وغیرہ خود ہی خرید کر کے لاتے ہیں۔ بندہ بھی کئی مرتبہ ان کے ہمراہ شہر جا چکا ہے۔ شہر کی لین دین میں بھی استاذ کا تجربہ وفہم دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔ اسی سلسلے میں کئی مرتبہ فرمایا: یہاں کئی لوگ اپنی جنٹلمینی کا شکار ہو گئے ہیں۔ میں اگر ان کی طرح رہوں اور نوکروں کے ہاتھ بازار کی سڑیل چیزیں منگوا منگوا کر کھاتا رہوں تو میری صحت چند دنوں میں تباہ ہو جائے گی اور میں کسی کام کا نہ رہوں گا۔ باقی رہی لوگوں کی میری طرف انگشت نمائی، اس کی مجھے کوئی پروا نہیں۔ کفارِ مکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہی اعتراض کیا کرتے تھے کہ یہ نبیؐ کیسے ہیں جو بازار میں خرید وفروخت کر رہے ہیں (مَا لِهٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ) لہٰذا میں تو نبیؐ کی سنت ادا کر رہا ہوں اور دیگر یہ کہ میں علی گڑھ والوں کی تعریف یا مذمت سے آگے نکل چکا ہوں''۔[21]

شان الحق حقی صاحب (وفات: ۱۱/اکتوبر ۲۰۰۵ء) بھی اس زمانے میں علی گڑھ میں زیر تعلیم تھے۔ وہ علامہ میمن کے حوالے سے اپنے مضمون ''کوئے آشنا'' میں لکھتے ہیں:

''ڈاکٹر علیم جو بعد میں وائس چانسلر ہوئے بڑے وجیہ و نستعلیق آدمی تھے اور اس وقت شعبۂ عربی میں لیکچرار تھے جہاں ہمارے جید عالم مولانا عبدالعزیز المیمنی ریڈر تھے اور جرمن پروفیسر اوٹو اشپیز عربی کے صدرِ شعبہ۔ مولانا کے ساتھ اس زیادتی کو اہل علم بہت محسوس کرتے تھے جو ان کے علمی مرتبے سے واقف تھے مگر یو پی گورنمنٹ نے یہ شرط لگا رکھی تھی کہ عربی کا صدرِ شعبہ کوئی مستشرق ہو گا تو وہ

اس کی تنخواہ دیں گے ورنہ نہیں۔ یونیورسٹی والوں نے بھی سوچا کہ چلو اس طرح مستشرقین کی ہمت افزائی ہو گی .... مولانا صدر شعبہ نہ تھے مگر ان کا بڑا احترام تھا۔ استادان سے اکثر ہدایت کے طالب رہتے۔ ایک دن ایک استاد مولانا کے پاس آئے کہ حضرت اس جملے کا مطلب سمجھ میں نہیں آ رہا کدرۃ المشارب سے کیا مراد ہوئی؟ مولانا نے ایک اچٹتی سی نظر صفحے پر ڈالی اور کہا: کدرۃ المشارب یعنی تلچھٹ۔

قدیم عربی ادب اور لغات مولانا کے خصوصی میدان تھے اور تمام عرب دنیا میں ان کی فضیلت کو مانا جاتا تھا۔ محاضرات کی مشہور عربی تصنیف ''امالی القالی'' کی شرح ''اللآلی'' مصنفہ ابو عبید البکری کے نادر نسخے کی دریافت، ترتیب و تحشیہ ان کا ایک معروف کارنامہ ہے''[۲۲]۔

مجلس مصنّفین کے اجلاس میں شرکت

سیّد الطاف علی بریلوی (وفات: ۲۴ر ستمبر ۱۹۸۶ء) نے ۲۵ر اگست ۱۹۴۱ء کو علی گڑھ میں مجلس مصنفین قائم کی جس میں ہر ماہ علی گڑھ اور بیرون علی گڑھ کے اہل علم اپنے نتائج تحقیق مقالات کی شکل میں پیش کرتے تھے۔ بعد میں ان مقالات پر نقد و تبصرہ ہوتا اور یہ سہ ماہی ''منصف'' میں اشاعت پذیر ہوتے۔ سیّد الطاف علی بریلوی نے اس رسالے کے بارے میں لکھا کہ ۱۴ر مئی ۱۹۴۶ء تک مجلس کے ۶۱ کامیاب جلسے اور ستمبر ۱۹۴۸ء تک ''منصف'' کے بائیس شمارے شائع ہوئے[۲۳]۔

علامہ میمن بھی مجلس مصنّفین کے رکن تھے اور اس کے جلسوں میں برابر شریک رہتے بلکہ بعض اجلاس علامہ میمن کی رہائش گاہ ''میمن منزل'' پر بھی ہوئے۔ عموماً جب علامہ میمن اجلاس میں شرکت کرتے تو صدارت کی درخواست انہی سے کی جاتی۔ ان میں سے دو جلسوں کا ذکر ڈاکٹر نبی بخش بلوچ صاحب نے بہ ایں الفاظ کیا:

''مجلس مصنّفین کے ایک جلسے میں مولانا طفیل احمد نے ''بابل قدیم'' پر مضمون

پڑھا۔نواب صدر یار جنگ صدر تھے۔ جلسہ حلیم صاحب کی کوٹھی پر ہوا۔ بابل کے صحیح تلفظ پر مضمون نگار نے کچھ لکھا تھا اور پڑھتے وقت حاضرین سے رائیں لی گئیں۔ جنابِ صدر ان کو "بابُل" بتانے لگے۔ شاید حلیم صاحب نے میمن صاحب کی رائے طلب کی۔ استاد صاحب نے کہا: میں حیران ہوں کہ بعد کی کتب میں سے حوالے دیے جارہے ہیں اور آپ مسلمان علماء ہیں۔ آپ کو تو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ لفظ قرآنِ پاک میں آیا ہے "ببابِلَ ھاروت وماروت" اور اس صریح ضبط کے بعد بحث کی کوئی گنجائش نہیں۔ استاذ کے اس محاضر پر سب حیران ہوئے۔ بعد میں صدر صاحب مضمون ختم ہونے سے پیشتر چلے گئے اور استاذ کو صدارت دی گئی۔ مضمون ختم ہونے پر استاذ نے اپنی محفوظات سے "بابل" اور اس کی حکومت اور حکام کے متعلق وہ وہ معلومات پیش کیے کہ حاضرین حیران رہ گئے۔ پروفیسر شریف صاحب نے تو استاذ کو اتنا بھی کہہ دیا کہ میمن صاحب آپ کے مقابلے میں ہم خود کو جاہل پاتے ہیں"[۲۴]۔

اسی مضمون میں مجلس مصنّفین کے ایک اور اجلاس اور وہاں علامہ میمن کے خطاب کے بارے میں ڈاکٹر بلوچ لکھتے ہیں:

"مجلس مصنّفین میں لکھنؤ کے ایک فاضل نے "خطاطی" پر مضمون پڑھا۔ سامعین پر اتنا اثر ہوا کہ مضمون نگار کے ہاتھ چومنے لگے گویا انھوں نے کوئی معجزہ کر کے دکھایا۔ استاذ صاحب کو جلسے کے وقت صدر بنایا گیا اور بعد میں سیکرٹری صاحب انھیں تکتے رہے کہ آپ اس مضمون پر ضرور کچھ کہیے تاکہ علی گڑھ کی لاج رہے۔ استاذ نے فرمایا کہ وہ اس موقع پر "علی گڑھ کی لاج" کی فکر میں پڑ گئے لیکن انھوں نے پیشتر یہ اطلاع بھی نہ دی کہ مجھے صدارت کرنی ہے۔ بہرحال مضمون ختم ہونے پر استاذ صاحب اٹھے اور پہلے ہی حاضرین کے سامنے عمادالدین کاتب کی کتاب[۲۵] پیش کی جہاں سے مضمون نگار نے معلومات حاصل کیے تھے۔ اس کے بعد استاذ نے "خطاطی" پر وہ تصریحات بیان کیے کہ بقول ڈاکٹر رفیق احمد خاں

''ہم سب مرعوب ہو گئے''۔استاذ نے بعض نکات پر تو مضمون نگار کی اصلاح بھی کر دی کہ ''ابن مقلہ کو خطِ نسخ کا موجد نہیں کہا جا سکتا کیونکہ اس کے پیدا ہونے سے بھی پہلے کی کتابیں خطِ نسخ میں موجود ہیں البتہ وہ اس خط کے مزین، محسن اور سب ہی کچھ تھے اور اس خط کو انھوں نے ہی کمالیت پر پہنچایا لیکن موجد نہیں''۔دوم یہ کہ ''مضمون نگار شیعہ ہونے کی وجہ سے عمر خیام کو ''عمرو خیام'' پڑھ رہے تھے۔ استاذ نے نہایت اچھے طریقے پر واضح کر دیا کہ ''تیس برس پہلے میں نے مولانا شبلی کی ایک کتاب غالباً شعر العجم میں ''عمرو'' دیکھا تھا لیکن اپنی کم علمی اور مولانا شبلی کی تصنیف کی وجہ سے میں نے اس لفظ کو یونہی رہنے دیا لیکن اس کے بعد آج تیس برس کے مطالعے میں میں نے ''عمرو خیام'' نہ کہیں دیکھا نہ کہیں سنا اور آج پہلا موقع ہے کہ میں اس لفظ کو پھر ''عمرو خیام'' سن رہا ہوں۔خود عمر خیام کا اپنا مصرع ہے:

ہم عمر خیامی، ہم عمر خطاب

اس کے بعد شک کی کیا گنجائش!

استاذ کے ان تصریحات نے سب حاضرین میں ہیجان پیدا کر دیا اور اب تک علی گڑھ میں استاذ کی اس فاضلانہ تقریر کا چرچا باقی ہے''۔[۲۶]

المَجْمع العِلمی العَربی کی رکنیت

علامہ میمن کو علی گڑھ آئے تقریباً سوا دو سال ہی ہوئے تھے کہ انھیں وہ اعزاز حاصل ہوا جو پورے برصغیر میں ان سے قبل صرف حکیم اجمل خاں مرحوم (وفات ۲۷ر دسمبر ۱۹۲۷ء) کو ہوا تھا۔ یہ اعزاز شام کے مشہور علمی ادارے المجمع العلمی العربی (دمشق) کی رکنیت ہے۔اس اکیڈمی کے بانی شام کے مشہور فاضل علامہ کرد علی تھے۔اس زمانے میں وہی اکیڈمی کے صدر بھی تھے۔انھوں نے اپنے دستخط سے علامہ میمن کو بذریعہ خط رکنیت کی اطلاع دی۔علامہ میمن کو اس

وقیع علمی ادارے کی رکنیت مورخہ ۲۸ رجنوری ۱۹۲۸ء کو پیش کی گئی[27]۔

اس بین الاقوامی شہرت یافتہ ادارے کی رکنیت کیا اہمیت رکھتی ہے اور کس پائے کے لوگوں کو رکنیت دی جاتی ہے، اس بارے میں مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

> ''اس علمی اکیڈمی کو مشرق وسطیٰ میں اوّلیت اور بعض حیثیتوں سے بڑی اہمیت حاصل تھی۔ اس کے بانی اور مستقل صدر شام کے مشہور فاضل و ادیب علامہ کرد علی تھے۔ اس کی رکنیت بہت بڑا علمی اعزاز سمجھا جاتا تھا جو نامور اور سربرآوردہ یورپین مستشرقین اور گنے چنے چند مشرقی فضلاء و ادباء کو حاصل تھا۔ مولانا میمن کے مضامین بڑی آب و تاب کے ساتھ المجمع العلمی کے سہ ماہی رسالے میں شایع ہوتے، وہ زیادہ تر فنی اور تحقیق ہوتے تھے۔''[28]

مستشرقین ہند کی کانفرنس منعقدہ لاہور میں شرکت

نومبر ۱۹۲۸ء میں لاہور میں مستشرقین ہند کی کانفرنس کا انعقاد ہوا جس میں علامہ میمن کو بھی دعوت دی گئی۔ اس موقع پر آپ نے اپنا عربی مقالہ ''اقدم کتاب فی العالم: جاویدان خرد'' (دنیا کی قدیم ترین کتاب: جاویدانِ خرد) پڑھا۔

عالمِ اسلام کا طویل علمی سفر

علامہ میمن کی زندگی کا یہ ایک روشن پہلو ہے کہ علم کی طلب میں انھوں نے ہر طرح کی مشقتیں برداشت کیں، طول طویل اسفار کیے، اس عہد کے کاملین زبان و ادب سے تلمذ اختیار کیا اور برصغیر کے علاوہ عالم اسلام کے بہترین کتب خانوں سے استفادہ کیا۔ ۱۹۳۵ء تک علامہ میمن کی عربی دانی کی شہرت ہندوستان سے نکل کر عالمِ عرب تک پھیل چکی تھی۔ وہ اس وقت تک ہندوستان کے تقریباً تمام اہم کتب خانوں کو کھنگال چکے تھے۔ اب انھیں خواہش ہوئی کہ عالم اسلام کے کتب خانوں سے استفادہ کریں اور وہاں موجود گوہر ہائے علمی سے اپنا دامن بھریں۔

اس کے علاوہ اس علمی سفر کی ایک اہم وجہ یہ بھی تھی کہ برسہا برس کی محنت کے بعد وہ اپنی تحقیق کا شاہکار سمط اللآلی کا مسودہ تیار کر چکے تھے۔ ہندوستان میں عربی کتب کے ناشرین نہ ہونے کے برابر تھے اس لیے انھوں نے فیصلہ کیا کہ عالم عربی کے علمی مرکز قاہرہ جا کر خود یہ کتاب اپنی نگرانی میں شائع کرائیں تاکہ اغلاط سے پاک کتاب شائع ہو۔

علامہ میمن نے یہ طویل علمی سفر ۱۶ر ستمبر ۱۹۳۵ء تا ۲۱ر جون ۱۹۳۶ء تک کیا[۲۹]۔ اس دوران جن جن ممالک میں کتب خانوں سے استفادہ کیا ان میں مصر میں قاہرہ، اسکندریہ کے علاوہ حلب، دمشق، بیت المقدس، بغداد، نجف اور استنبول کے کتب خانے شامل ہیں[۳۰]۔

استنبول کو عالمِ اسلام میں نوادر اور مخطوطات کی موجودگی کے لحاظ سے اولیت حاصل ہے۔ علامہ میمن نے استنبول میں جن جن کتب خانوں سے استفادہ کیا ان میں کتب خانۂ عمومیہ، کتب خانۂ اسماعیل صائب، کتب خانہ ولی الدین، کتب خانہ نورِ عثمانیہ، کتب خانہ کوپرولو محمد پاشا، کتب خانہ کوپرولو احمد پاشا شامل ہیں۔ ان تمام کتب خانوں کے نادر مخطوطات پر مشتمل یادداشت بھی لکھی جس کا ذکر المجمع العلمی الهندی میمن نمبر کے ص ۱۴۷ پر دیکھا جا سکتا ہے[۳۱]۔

علامہ میمن کی یہ علمی محنت ہی تھی کہ اس طویل سفر میں ۷۵ سے زائد کتب خانوں سے استفادہ کیا۔ اس سفر کے دوران جن جن مخطوطات سے استفادہ کیا ان میں سے بعض اہم مخطوطات کی تفصیل ''ماذا رأیت بخزائن البلاد الاسلامیه'' کے تحت لکھی[۳۲]۔

علامہ میمن کے اس سفر میں علمی اشغال کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ صرف ایک کتاب مجمل اللغة از علامہ ابن فارس لغوی کے بیس سے زائد قلمی نسخوں کا مطالعہ کیا جس میں پانچویں صدی ہجری و بعد کے نسخے تھے[۳۳]۔

اس زمانے میں اور اب بھی عالم عرب میں مصر کو علمی قیادت کا اعزاز حاصل تھا۔ علامہ میمن قاہرہ بھی گئے اور وہاں اپنے دوست احمد تیمور پاشا[۳۴] کے گھر محلہ درب السعادۃ میں قیام کیا[۳۵]۔ قاہرہ جانے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ اپنی برس ہا برس کی محنت کا ثمر سمط اللآلی کی طباعت کا انتظام کیا جائے۔

علامہ میمن نے قیامِ قاہرہ کے دوران نہ صرف کتب خانوں سے استفادہ کیا بلکہ اپنی وسیع

معلومات اور علمی استحضار کی وجہ سے بعض مستشرقین کی علمی معاونت بھی کی۔ ان میں مستشرق رِیٹر (Halmut Ritter) جو اس وقت دیوان ابی العتاھیہ ، دیوان مسلم بن ولید اور دیوان متنبّی پر تحقیقات کر رہا تھا، اس نے علامہ کے سامنے بعض تحقیقی مشکلات کا ذکر کیا جنھیں علامہ نے بآسانی حل کر دیا اور اس کے اشکالات کے جوابات دیے[۳۶]۔

اس کے علاوہ ایک انگریز جو ''اوراق بردی'' پر تحقیقی کام کر رہا تھا، علامہ میمن نے اس کی رہنمائی بھی کی۔ اس بارے میں انھوں نے اپنے خطبات افاداتِ میمن قسط نمبر ۳ میں فرمایا:

''مصر سے ایک کتاب نکلی ہے ''اوراق البردی''۔ بردی کے اوراق کے اوپر جو کتبے ہیں وہ سب نقل کیے ہیں۔ ایک انگریز ہے، اس کو مقرر کیا گیا تھا کہ وہ ان کو پڑھنے کی کوشش کرے اور میں بھی کبھی کبھی اس کے پاس بیٹھ جاتا تھا، جب وقت ملتا تھا، اور اس کی قرأت کو دیکھتا تھا اور اس کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ایک مرتبہ میں نے اس سے ایک آدھ کلمہ کے متعلق پوچھا بھی۔ میں نے کہا کہ اس کلمہ کو آپ نے کیا پڑھا، تو کہنے لگا: آپ بتایئے آپ نے کیا پڑھا، میں نے کہا، میں تو ابھی دیکھ رہا ہوں، پہلی مرتبہ اور آپ نے ایک ایک کلمہ کے اوپر نہ معلوم کتنے دن خرچ کیے ہوں گے، تو اس نے کہا: میں نے تو یوں پڑھا ہے۔ میں نے کہا! اچھا اور آگے پیچھے کے جو کلمے ہیں، ماسبق و مالحق، ان سب کو اگر آپ ملحوظ رکھیں تو فلاں کلمہ زیادہ موزوں نہیں ہوگا۔ تو ایک دم سوچنے لگا اور کہنے لگا، اچھا آج میں غور کروں گا۔ میں چلا گیا اور اپنے کام میں لگ گیا۔ پھر دوسرے دن وہ میری تلاش میں نکلا اور جب ملا تو کہنے لگا: تم نے تو بڑے کام کی بات بتائی تھی۔ میں نے کہا: واہ میرا تو کام اور ہے۔ تو کہنے لگا: چلو میری مدد کرو۔ میں نے کہا: میرا اپنا کام جو ہے یعنی سمط اللآلی کے سلسلے میں جو کام کر رہا ہوں وہ رہ جائے گا، اور میں نے معذرت کی۔ بہر حال اس کو مصری گورنمنٹ نے چھاپ دیا ہے۔ تو یہ جتنے ہیں، سب قدیم زمانے کے کتبے ہیں، عمرو بن العاص نے جب مصر فتح کیا تھا، اس زمانے کے کتبے ہیں''[۳۷]۔

ادارۂ معارفِ اسلامیہ کے اجلاس میں شرکت

دسمبر ۱۹۳۸ء میں لاہور میں ادارۂ معارفِ اسلامیہ کی تیسری کانفرنس منعقد ہوئی اس موقع پر علامہ میمن کو بھی مدعو کیا گیا۔ اس علمی مجلس میں آپ نے عربی مقالہ ''اسماء جبال تهامة وسكانها'' پڑھا۔ یہ کتاب عرّام بن الاصبغ اسلمی کی تالیف ہے اور علامہ میمن نے یہ نادر مخطوطہ حیدرآباد دکن کے کتب خانہ سعیدیہ میں دریافت کیا تھا[۳۸]۔

مولانا سورتی کے الزامات اور علامہ میمن کا جواب

علامہ عبدالعزیز میمن اور مولانا ابوعبداللہ محمد یوسف السورتی[۳۹] میں کئی مشترک خصوصیات تھیں۔ دونوں برصغیر پاک و ہند کے نامور عربی دان تھے، دونوں ہم وطن تھے، دونوں ایک ہی استاد شیخ محمد طیب عرب مکی کے شاگرد تھے اور دونوں ''اہل حدیث'' مسلک سے تعلق رکھتے تھے۔

علامہ میمن کی علمی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ سمط اللآلی ہے۔ یہ کتاب جب ۱۹۲۵ء میں قاہرہ سے چھپی تو اصحابِ علم وفضل نے اسے بہت سراہا خصوصاً عالم عرب کے علمی حلقوں میں اسے علامہ میمن کا عظیم کارنامہ قرار دیا گیا۔ یہ کتاب مولانا سورتی تک بھی پہنچی۔ کتاب کے مطالعے کے بعد مولانا سورتی مرحوم نے اس کتاب کے بارے میں چھ صفحے کا سخت خط علامہ میمن کو لکھا جس میں کتاب پر تنقید کے علاوہ اعزازی نسخہ نہ بھیجنے کی شکایت بھی تھی۔ علامہ میمن نے اس پر سکوت اختیار کیا۔ اس کے بعد ایک سخت مضمون بعنوان ''اما لي ابي علي القالي او السلآلي'' لکھا جو ماہنامہ معارف اعظم گڑھ کے اپریل مئی، جون ۱۹۳۸ء کے شماروں میں شائع ہوا۔

یہ مضمون اگر صرف علمی رنگ ہی میں ہوتا تو کوئی بات نہ تھی لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ مولانا سورتی نے اسے ذاتی تنقید کا رنگ دے دیا جس کی ان جیسے عالم سے توقع نہ تھی۔ مولانا سورتی کی تنقیدات میں سے چند یہ ہیں:

☆ شیخ مرحوم (شیخ طیب عرب مکی) سے میمن صاحب نے صرف منطق کے چند سبق پڑھے ہیں۔

☆ فاضل میمن اپنے لیے ''العاجز الغریب'' کا لفظ بہت پسند کرتے ہیں حالانکہ عجز سے شرع نے پناہ مانگنے کی تعلیم دی ہے اور غربت معلوم نہیں ہندی محاورے کے مطابق وہ بہت غریب یعنی فقیر ہیں جسے ہندی میں غریب کہتے ہیں۔

☆ تعجب بالائے تعجب ہے کہ میمن صاحب نے لغات وہ بھی لغاتِ عرب کو اپنا خاص مملوکہ مکان خیال کرلیا ہے یا اسے اپنا مفتوحہ علاقہ سمجھ لیا ہے کہ جسے چاہیں قبول کریں، جسے چاہیں رد کریں۔

☆ میمن صاحب نے یہ فیصلہ کیسے کرلیا کہ انھوں نے لغتِ عرب کا احاطہ کرلیا ہے یا ان کی مادری زبان ہے جس کی مادری زبان ہو وہ بھی کسی طرح ایسا دعویٰ نہیں کرسکتا۔انھیں کہاں سے اور کیوں کر یہ حق پہنچتا ہے کہ بڑے بڑے ائمہ لغت کی بات کو بلا تحقیق رد کردیں۔

☆ میمن صاحب خواہ مخواہ القالی کے حمایتی اور البکری کے دشمن بن گئے ورنہ ان کا قدیم دستور ہے کہ جب کسی کے حالات لکھتے ہیں یا کسی کی کتاب طبع کراتے ہیں تو اس کی حمایت میں کمی نہیں کرتے اور جہاں تک بن پڑتا ہے اسے معصوم ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

☆ کتاب (سمط اللآلی) کیا ہے اوّل سے آخر تک مدح وستائش ہے۔

☆ آٹھ برس کی مہلت کافی تھی نہیں تو مثل سابق ''ابوعبداللہ السورتی'' سے دریافت کرتے جیسا کہ پشاور سے کرتے تھے۔

☆ میمن صاحب اپنے استقصاء اور وسعتِ نظر کے بہت ہی مداح ہیں۔

☆ فاضل راجکوٹی عربی زبان کو بہت مکدر کر چکے اور کرتے جاتے ہیں۔تکدر سے بچانا ہر ایک مومن ومخلص اور ہر ایک ذی علم وعقل کا اہم ترین فرض ہے۔

☆ میمن صاحب یہ بتائیں کہ ان کے پاس اصول ولغت کی کتنی کتابیں ہیں اور ''افعال'' کے متعلق جو اہم کتابیں ہیں وہ انھوں نے دیکھی ہیں۔

☆ البکری نے اس جگہ ایک علمی غلطی کی ہے جس کی طرف فاضل میمن صاحب کا ذہن نہیں پہنچ سکا۔وہ تو ہمیشہ غلطی پکڑنے میں غلطی کرنا پسند کرتے ہیں،انھیں اصل اغلاط سے کیا سروکار؟

☆ ''سعد بن ہذیم'' کسی جگہ نہیں،یہ خاص فاضل میمن کی صناعت ہے۔

☆ یہاں میمن صاحب نے صحیح بخاری پر بھی ہاتھ صاف کر دیا اور اپنے کمالِ ادبی کو کمالِ حدیث اور کمالِ فن رجال سے مختلط کرنے کی بے کار سعی کی۔

☆ میمن صاحب نے ادب کی نادر کتابوں کی طرح جن کی روایت منقطع ہو چکی اور جن کے نسخے شاذ و نادر ملتے ہیں، صحیح بخاری کو بھی نایاب سمجھ لیا۔

☆ جسے عجائب سے دلچسپی ہو وہ ایسے ہی لغات بناتا رہتا ہے، صحیح کو باطل اور ضعیف و باطل کو قوی کر دینا بھی کمالِ فن ہے۔

☆ اپنی ذات پر اعتماد کس قدر ہو گیا ہے کہ لچر اور بے معنی بات کو خواہ اس کی کوئی سند نہ ہو اپنے خیال کے مطابق لکھ دینا کمالِ صناعہ شمار کر لیا ہے۔

☆ معلوم نہیں میمن صاحب نے لغت کی کتنی کتابیں یاد کر لی ہیں یا کتنے لغات پر انھیں احاطہ ہے کہ وہ ایسے بے معنی دعوے کی جرأت کرتے ہیں۔

☆ کاش یہ حاشیہ وہ نہ لکھتے تو اتنے اغلاط کا بار (؟) اپنے سر پر نہ لادتے۔

☆ اس قسم کے اشکال پر میمن صاحب کی وسیع نظر نہیں کام کر سکی۔ وہ تو تفصیح و رطب اشیاء کا تتبع کیا کرتے ہیں اور خوب محنت کر کے خود بھی تھکتے ہیں اور دوسروں کو بھی تھکانے کی فکر میں رہتے ہیں۔

☆ بڑے اخلاص و عجز سے میمن اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ آخر بہت سے مشکلات کے بعد یہ مہمان جو بمنزلۂ شیطان جمع کیا تھا، روانہ ہو گیا۔ اس فقرے سے ہمارے دوست کی مہمان نوازی کی شان ظاہر ہوتی ہے جو بے اختیار واقعہ بن کر ان کے زبانِ قلم پر آ گیا اور ہم سب احباب نے ان کے اس فقرے سے بڑا مزہ لیا''۔

علامہ میمن کے لیے یہ صورتِ حال قطعاً غیر متوقع تھی۔ ان پر طنز و تشنیع کے تیر اچانک کسی غیر نے نہیں بلکہ اپنے قریبی دوست اور ہم استاذ و ہم وطن نے برسائے تھے اور پھر مضمون ''معارف'' جیسے معروف رسالے میں شائع بھی کرایا۔ اس صورت حال کے بعد علامہ میمن نے لیے خاموش رہنا ناممکن ہو گیا اور جواباً انھوں نے ایک طویل مضمون بہ عنوان ''سمط اللآلی پر تنقید کا جواب'' لکھا جو رسالہ برہان، دہلی کی پانچ اشاعتوں دسمبر ۴۸ء تا اپریل ۴۹ء میں شائع ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا سورتی کی طرح اس مضمون میں علامہ میمن نے بھی اپنے قدیم دوست

پر طنز و تشنیع کے خوب تیر برسائے۔ اس طویل مضمون سے چند اقتباسات ہو بہو یہاں پیش کیے جاتے ہیں:

"وما کمد الحسّادُ شیئا اردتُ ولٰکنّہٗ من یزحم البحر یغرق

دلِ مضطر سے پوچھ اے رونقِ بزم میں آپ آیا نہیں لایا گیا ہوں

☆ (سورتی) اپنی تن آسانی اور ناسازگاریٔ مزاج سے مجبور تھے۔

☆ عاجز جب ۲۰ / جون ۱۹۳۶ء کو اپنی مصر و استنبول و شام و فلسطین و عراق کی رحلۃ علمیہ سے کامیاب واپس ہوا اور "سمط اللآلی" شائع کر دی تو کہیں سے ان باتوں کی بھنک نہ معلوم کس نیک بخت (شاید مدیر معارف) نے آپ کے سامع اجلال تک پہنچا دی۔ پھر کیا تھا اندر ہی اندر کوئی چیز چٹکیاں لیتی رہی جس کو آپ آخر ضبط نہ کر سکے اور باایں ہمہ "بسطة في الجسم" [40] کچھ ایسے دل تنگ ہوئے کہ ایک چھ صفحے کا خط دے گھسیٹا۔

☆ بیس سال سے میں نے کسی زندہ انسان پر تنقید نہیں کی، نہ کسی سے الجھا اور الحمدللہ باایں ہمہ مجھے کام کا میدان بہت فراخ نظر آیا۔

☆ آج میں برخلافِ عادت اس وادیٔ پرخار میں قدم رکھ رہا ہوں جہاں مجھے جبراً گھسیٹا گیا ہے۔

☆ ماشاءاللہ اگلا پچھلا کوئی عالم آپ کی نگاہِ نکتہ نواز میں نہیں جچتا۔ جب اور جس کو جی چاہے نہایت تمسخر آمیز انداز میں دھتکار دیتے ہیں۔

☆ مشتقد کی یہ پرانی عادت ہے جس کے جانے کا اب کوئی امکان نہیں کہ اوروں کی جو عبارتیں آپ کی کتاب میں کسی طرح بھی آ جائیں خواہ بر سبیل استطراد ہی کیوں نہ ہوں جب تک آپ ان کے قائل کو صریح گالی نہ دے دیں وہ آپ کے سر منڈھی جائیں گی۔

☆ چونکہ آپ

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی

کچھ ہماری خبر نہیں آتی

کو سیر علم و مصطلحات کی خبر نہیں اس لیے وہ اپنی طرح دوسروں کو بھی مجتہد دیکھنا چاہتے ہیں کہ یہ تیرا عجز ہے، یوں کیوں نہ کیا؟؟؟

☆ آپ کی تحریر کا یہ خاصہ ہے کہ خاطر عاطر کو جو بات گوارا نہ ہو، ہر چند کہ وہ جملہ مولفات میں موجود ہو مگر آپ کو بہر حال یہ حق پہنچتا ہے کہ جب چاہیں اس کے وجود سے انکار کر دیں اور جب چاہیں مان بھی لیں الغرض آپ چت پڑیں یا پٹ، جیت آپ ہی کی ہوگی۔

☆ آپ نے تو دیوان نعمان و بکر کو جو مستشرق کرنیکو کا کارنامہ تھا اپنا کر محض ہضم ہی نہیں کیا بلکہ عماد الملک مرحوم سے اس پر ایک رقم خطیر بھی وصول کی اور جمهرة کی بھی کچھ ایسی ہی درگت کی جس کا مرحوم نے یار جنگ وغیرہ احباب سے رونا بھی رویا تھا۔

☆ دوسروں کو کام کے لیے اور اپنے تئیں آرام کے لیے مخلوق سمجھنا آخر کہاں تک؟

☆ کیا جناب کا قلم تعمیری کاموں کے لیے خشک ہو گیا ہے اور دوسروں کے بنے بنائے کاموں کو تباہ کرنے کے لیے ہمیشہ رواں ہے۔

☆ آپ نے تو اپنا وطیرہ ہی ہر چلتی گاڑی میں روڑا اٹکانا اور خادمانِ علم کے منہ پر خاک اڑانا قرار دیا ہے۔

☆ میں نے ہر چند مآخذ کا ذکر السمط ص ۴ پر کر دیا ہے مگر وہ آپ کی نگاہِ خود بیں سے اوجھل رہے جو آپ نے اس قدر اغلاط کر ڈالے۔

☆ یہ ہے آپ کی لغت دانی (لغویت) ومن جاهل وهو يجهل جهله ۔

☆ یہ بیان کسی گجراتی کا نہیں بلکہ زبیدی کا جو قالی سے مخصوص تھے۔ ہر چند وہ آسمانِ حدیث ونحو کے ستارے ہی کیوں نہ ہوں مگر آپ سے دو زینے کمتر ہی تھے گو ان کے اساتذہ تیرہ سے زیادہ اور آپ کے اللہ اللہ خیر صلّا۔

☆ قالی قلا تو پھر ایسا ہی ہوا جیسے آپ کے سفر دہلی تا ٹونک میں گڑگانوں۔ تو کیا آپ بھی ادنیٰ ملابست کی وجہ سے گڑگانوی بن کر عمر بھر گڑ اڑایا کریں گے۔

☆ حیرت ہے کہ تحقیق کے یہ کچھ طویل وعریض دعوے اور اس پر فسٹ اسٹینڈرڈ کے بچوں کے برابر بھی جمع کرنا نہ آئے۔

☆ کتاب کی خوبی کی یہ تعریف آپ ہی کے ساتھ مخصوص ہے کہ ''جو ابو عبداللہ کے پاس ہو''۔ کیا اگر مل گئی تو آپ بیچ کھوچ کر پلاؤ نہ اڑائیں گے۔

☆ کیا قالی سورتی ہے اور ابن السکیت مسٹر کرنیکو؟ جو دیوان النعمان و بکر پر دن دھاڑے ڈاکا مارے! اجی یہ کارنامہ تو اپنے تک ہی محدود رکھیے! سلف کی بوسیدہ ہڈیوں تک نہ پہنچیے۔

☆ آپ سبع کا ترجمہ آٹھ کرتے ہیں اور وہ بھی تین بار۔ یہ ہے آپ کی لغویت جس کا ڈنکا چار دانگ عالم میں بجایا جاتا ہے۔

☆ جہل وسفاہت پر یہ دون کی لینا اللہ اللہ! وقاحت کی حد ہوگئی! کیا سچ مچ زمین ہند میں علماء کا قحط ہوگیا۔

☆ السمط آپ کے بس کا روگ نہیں۔ وہ کچے تاگے سے بنی ہوئی نہیں ہے، نہ اس کے مصنف نے کچی گولی کھیلی ہے، نہ اس نے کسی کے گاڑھے پسینے کی محنت پر دھاوا مارا ہے اور نہ وہ طلب زر وسیم کے لیے لکھی گئی ہے۔

☆ عاجز خاموش علمی خدمت کا قائل ہے، شرح ذیل میں قالی کی ۳۴ غلطیاں دکھائی ہیں مگر نقارہ نہیں پیٹا۔

☆ بیرونِ ہند کی دنیا ہمارا دل بڑھاتی ہے مگر اس بدنصیب ملک میں ہنوز صحیح علمی ذوق کا فقدان ہے اس لیے اس قسم کے حاسدانہ ومعاندانہ مقالات سے ہماری تواضع اور قدر افزائی کی جاتی ہے۔

☆ ''میمن اپنے کو عاجز اور غریب لکھتے ہیں حالانکہ عجز سے تو شرعاً پناہ مانگی گئی ہے اور غریب ہندی لفظ بمعنی فقیر ہے''۔ سنیے جناب جواب! اس اعتراض سے تو بیسیوں سال کی جمی ہوئی تمام اندرون آلائشیں باہر پھینک دیں۔

☆ یا سبحان اللہ! بخاری تو بڑی چیز ہے یہاں تو حدیث کی کسی کتاب تک کی نہ خبر ہے نہ دنیا کے قوانین کی، نہ عرف عام کی نہ رشیدیہ مناظرہ کی نہ معاجم لغت کی۔

☆ عالمِ اسلام میں ایسے معاندانہ مضامین کوئی نہیں پڑھتا۔ وہاں کاتب فوراً سے پیشتر رسوا ہو جاتا ہے البتہ چونکہ اردو داں پبلک کو عربی کا اتنا گہرا علم نہیں اس لیے وہ بطور تفکّہ اس مضمون کے محض رندانہ ریمارک کو پڑھ لے گی اور بس۔

☆ میں نے ہی جناب کو بوقت ورود سورت تقریباً سنہ ۱۹۰۰ء میں طلبِ علم پر آمادہ کیا تھا ورنہ جناب آج کل کاشتکاری ودکانداری کررہے ہوتے۔

☆ آپ کی چالاکی ملاحظہ ہو کہ مجھ سے شاہد مانگتے ہیں مگر چونکہ شاہد کتبِ صاغانی میں ہے اور وہ غیر مطبوع ہیں، یہاں پیش نہیں کیا جا سکتا۔

☆ آپ کی قرآن دانی کا تو یہ عالم ہے کہ سبع سنین دأبا کو آپ آٹھ سمجھے ہوئے ہیں۔

☆ آپ کی قاموس میں کچھ نہ کرنا بھی غلطی ہے مگر کیا اس طرح آپ خود جو تن آسانی اور ترکِ عمل کی غیر متحرک تصویر ہیں، سراپا غلط نہ ٹھہریں گے۔

☆ آپ کا یہ کہنا کہ سفیدیٔ لب دوسرے (مجازی) معنی ہیں، آپ کے لغت سے ناآشنا ہونے کی غمازی کرتا ہے۔ پھر اس کی اپنی ژولیدہ بیانی و آشفتہ سامانی (لکھے موسیٰ پڑھے خدا) سے جو تعلیل کی ہے وہ دماغ کا من گھڑت ڈھکوسلا ہے اور بس۔

☆ آپ نے تغلیط کی دھن میں کارِ شیاطین (عجلت) کیوں کیا۔

☆ لکھ آیا ہوں کہ انساب سے بڑھ کر تخلیط و تصحیف کہیں نہیں ملتی اور چونکہ مدار کتب ہے اس لیے جب متعدد اقوال ملیں تو پھر اخذ یا رد کا حلوا اڑانے کی جسارت کے لیے قدرے بے حیائی کی چاشنی درکار ہوگی۔

☆ رونا اس کا نہیں کہ یہ جہالت کا غیر متناہی سلسلہ ہے بلکہ اس پر تحکم بلا تفہم کا طرہ بھی اڑایا جاتا ہے۔ اللہ مسلمانوں کو اس لا دوا مرض سے محفوظ رکھے۔

☆ کیا کہوں! خود غلط! انشا غلط! املا غلط پھر جہالت کے ساتھ وقاحت۔ یہ تو تصنیف کی معصوم فضا کو حسد و عناد کی دھن میں نجس کر دینا ہے۔

☆ لاحول ولا قوۃ! کس برتے پر حدیث کو اپنا گھونسلا بنایا تھا جو اس پر بجلی گری:

قفس میں مجھ سے رودادِ چمن کہتے نہ ڈر ہمدم
گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو

☆ ہر مسلم کو کافر کہیے جب وہ یہ آیت پڑھے انا ربکم الاعلیٰ اور ایک عدد ردنا قل (اللہ پاک و نعوذ باللہ) پر بھی جڑ دیجیے، لاحول ولا قوۃ ہنوز ہند میں پیدا ہونے کے باوجود آپ نے یہ مثل نہیں سنی نقلِ کفر کفر نباشد۔

☆ آپ کا پورا ہذیان کرماد ن اشتدت به الريح في يوم عاصف اڑ گیا۔

☆ آخر یہ کیا علت ہے کہ جس کو چاہیں اور جب چاہیں بشرطیکہ آپ کے ہمسر نے اس کی کوئی چیز لی ہو بے دھڑک محض اس لیے رد کر دیں کہ تُو نے چونکہ فلاں سے لیا ہے اس لیے تیری وجہ سے اس کا رد کرنا بھی ضروری ہے۔ رہا قدماء کی تکفیر و تحمیق اور اس کی مؤلفات کی تحریف کرنا سو یہ آپ کا مخصوص فن ہے جس میں آج عالم میں آپ یکتائے بے ہمتا ہیں۔

☆ ایک فاضل محشی "لسان" تھے جنھوں نے اس اشکال کا حل کتنا خوبصورت ڈھونڈ نکالا اور ایک ہمارے ہند کے عرب عرباء ہیں کہ ۳۸ سال یوپی اور دہلی میں رہ کر بھی اردو نہ آئی پھر ناظرین خود ہی اندازہ کریں کہ ان کو ہند میں پڑے پڑے کہاں سے اور کیونکر اور کس راستے سے بلا استاد عربی آ گئی ہو گی۔

☆ کوئی اس گم کردہ راہ کو سنا دو کہ میمن نے لآلی شائع کی ہے نہ کہ امالی۔ اگر وہ امالی پر کام کرتا تو ایسی دو نہیں دو صد سے زائد خامیاں نکالتا پھر مجھے امالی کے محشی سے کیا سروکار؟ جو اس کی غلطی بھی میرے سر ہی منڈھی جائے۔

☆ "ہم سب احباب (؟؟؟) نے اس سے لطف لیا"۔ یہ بڑ کوئی لطیفہ ہے کیا؟ یہ تو باقی گزشتہ لطائف کی طرح ناظرین کو معلوم ہو گا۔ مجھے تو یہ معلوم ہے کہ آپ خود سراپا لطیفہ اور اعجوبۂ روزگار ضرور ہیں۔"

علامہ میمن کے اس تند و تیز مضمون کی آخری قسط رسالہ "برہان" بابت اپریل ۱۹۳۹ء میں شائع ہوئی۔ مولانا سورتی بھی بعد میں دہلی سے علی گڑھ منتقل ہو گئے تھے اور وہیں مورخہ ۷/اگست ۱۹۴۲ء کو ان کا انتقال ہوا[۱۴]۔ ہماری معلومات کی حد تک علامہ میمن کے اس وضاحتی بیان کے بعد مولانا سورتی نے بھی اپنا قلم روک لیا اور اس مضمون کے جواب میں کچھ نہ لکھا۔ شاید انھیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا جو انھوں نے ایک شدید تنقیدی و تنقیصی مضمون لکھ کر کی اور اپنے دوست کی ناراضگی مول لی۔ دوسری طرف اس کے بعد علامہ میمن کا دل بھی اپنے قدیم دوست سے صاف ہو چکا تھا اور وہ ہمیشہ اپنے تلامذہ اور اپنے احباب کے آگے مولانا سورتی کے محاسن و فضائل میں رطب اللسان رہتے۔ راقم الحروف سے متعدد حضرات نے بیان کیا کہ مولانا سورتی کے انتقال کے بعد علامہ میمن اکثر فرماتے کہ ہندوستان میں میری تحقیقی خدمات اور میری محنت کو سمجھنے والا وہی

ایک شخص تھا، اب اس کے جانے کے بعد زندگی کا لطف باقی نہ رہا۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ علامہ میمن اپنے کئی تلامذہ بشمول ڈاکٹر نبی بخش بلوچ اور ڈاکٹر مختار الدین احمد کو مولانا سورتی کی قبر پر لے گئے اور فرمایا: هٰذَا جَبَلُ الْعِلْم[42] (یہ علم کا پہاڑ ہے)۔

اس حوالے سے ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب راقم کے نام مکتوب مورخہ ۴، نومبر ۲۰۰۹ء میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''میمن صاحب نے خود بھی فاتحہ پڑھی اور مجھے بھی پڑھنے کو کہا۔ وہاں قبر کا کوئی نشان نہیں تھا، زمین وہاں پر بالکل برابر تھی، مولانا سورتی صاحب بڑے متصلب سلفی تھے۔ اس لیے انہوں نے (مولانا تمنا عمادی مجیبی پھلواروی، مدفون کراچی) کی طرح وصیت کی تھی کہ ان کی قبر کا نام و نشان نہ رہے۔ الاستاد چونکہ تدفین میں شریک تھے اور ان کا حافظہ بھی قوی تھا اس لئے یونیورسٹی کے قبرستان میں وہ جگہ جہاں مولانا سورتی مرحوم دفن تھے یاد تھی، کچھ عرصے کے بعد ایک دن جب میں مولانا سیّد سلیمان اشرف اور اپنے اساتذہ کی قبروں پر فاتحہ پڑھنے گیا تو مولانا سورتی مرحوم یاد آئے، میں نے وہ جگہ تلاش کی لیکن متعدد نئی قبریں زمین سے اُگ آئی تھیں اس لئے مولانا کے مدفن کا مجھے پتہ نہ چل سکا، کچھ دنوں کے بعد میں نے مولانا مرحوم کے صاحبزادے.........سورتی جو یہاں جنرل ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ میں کیمسٹری کے ریڈر تھے، درخواست کی کہ مجھے کسی دن چل کر مولانا کی قبر کی جگہ دکھا دیجئے لیکن اس کی کوئی صورت نہیں نکلی، عقائد ان کے بھی وہی تھے جو مولانا ئے مرحوم کے تھے انہوں نے اسے ایک فعل عبث سمجھا ہوگا۔
>
> میمن صاحب کو کبھی کبھی جب اچھے موڈ میں ہوتے تو اپنے دوست کو ''مولانا غبو غبد اللہ'' کہتے تھے لیکن ان کے علم اور علم سے

لگن کا اعتراف بھی کرتے تھے۔ کہتے تھے عربی مفردات کا بڑا ذخیرہ انہیں حفظ تھا۔ یہ بھی کہتے کہ جہاں انہیں عربی کی کوئی نایاب کتاب ملتی فوراً اسے نقل کرنے بیٹھ جاتے۔ ربعی کی کتاب ایک مستشرق نے یورپ میں چھاپ دی تھی یہ ہندوستان میں کمیاب تھی، انہیں کہیں ملی انھوں نے پوری کتاب نقل کرلی۔ یہ نسخہ میں نے مولانا سورتی کے صاحبزادے کے پاس دیکھا تھا۔ میری اور پروفیسر عبدالعلیم (جو مولانا سورتی کے شاگردوں میں ہیں) کی توجہ سے یہ نسخہ اب مولانا آزاد لائبریری میں محفوظ کردیا گیا ہے۔"

اس کے برعکس مولانا سید سلیمان ندوی (جو علامہ میمن کی نظر میں مولانا سورتی کے مضمون کے اصل محرک تھے) کے بارے میں اور ان کے زیر نظامت معروف علمی و تاریخی ادارے دارالمصنفین اعظم گڑھ کے بارے میں علامہ میمن کی رائے خاصی تنقیدی ہوگئی تھی [۴۳]۔ وہ اس پر ہمیشہ افسوس کا اظہار کرتے کہ اگر مولانا ندوی، مولانا سورتی سے یہ تنقیدی مضمون نہ لکھواتے تو انھیں اس کا سخت جواب نہ لکھنا پڑتا۔

اسی حوالے سے مولانا سورتی کے انتقال کے بعد ایک مرتبہ علامہ میمن نے اپنے شاگرد سیّد محمد سلیم صاحب سے فرمایا تھا:

"مولوی ابوعبداللہ میرا حریف تھا، میرا مد مقابل تھا۔ اس کے مرنے کے بعد اب جینے کا مزہ ہی نہیں رہا۔ پھر جریر کا یہ شعر پڑھ کر سنایا جس میں کہا گیا تھا کہ: "آگ کا شرارہ دو پتھروں کے رگڑنے سے جھڑتا ہے، تنہا نہیں۔ اب فرزدق مرگیا۔ اب میرا شناسا کون ہے؟" فرمایا: میرا بھی یہی حال ہے۔ مولوی ابوعبداللہ کے بعد اب بحث کا مزہ نہ رہا" [۴۴]۔

علامہ میمن اور مولانا سورتی کے باہمی تعلقات اور مولانا سورتی کے وقت آخر کے بارے میں ایک اہم واقعے سے راقم کو ڈاکٹر احمد خان صاحب (تلمیذ علامہ میمن) نے مطلع فرمایا۔ ایک مرتبہ علامہ میمن نے دورانِ گفتگو ان سے فرمایا کہ مولانا سورتی جب بستر مرگ پر تھے تو

علامہ میمن ان کی عیادت کی خاطر ان کے گھر گئے، دیکھا کہ مولانا سورتی لیٹے ہوئے سینے پر ایک کتاب رکھ کر پڑھ رہے ہیں۔مولانا سورتی کو اس عالم میں اور اس کیفیت میں کتاب پڑھتے دیکھ کر علامہ میمن بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ علم کا حصول اس طرح ہوتا ہے۔

علی گڑھ کے دورِ آخر میں بعض تلخ حالات

اب زیادہ تفصیل تو دستیاب نہیں لیکن قرائن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ لاہور کی طرح علی گڑھ میں بھی علامہ میمن کو بعض تلخ حالات کا سامنا کرنا پڑا۔اس صورت حال کی دو وجوہات میں سے ایک ان کی مدت ملازمت میں صرف ایک سال کی توسیع اور دوسری ان کے ذاتی مکان کی کم قیمت منجانب یونیورسٹی تھیں۔ذکر آ چکا کہ علامہ میمن شعبۂ عربی کی سربراہی سے ۳۱ر مارچ ۱۹۵۱ء کو ریٹائرڈ کر دیے گئے۔اس کے بعد ان کی مدت ملازمت میں محض ایک سال کا اضافہ کیا گیا جبکہ ڈاکٹر ہادی حسن (شعبۂ فارسی) اور پروفیسر محمد حبیب (شعبۂ تاریخ) کی ملازمتوں میں چار چار سال کا اضافہ کیا گیا۔اس کے علاوہ ان کی پنشن ۱۲۰۰ روپے کی بجائے ۸۰۰ روپے کر دی گئی۔ان تلخ حالات سے علامہ میمن دلبرداشتہ ہو گئے اور کراچی منتقلی پر مجبور ہو گئے حالانکہ ان کی دلی خواہش تھی کہ علی گڑھ میں مزید قیام کریں۔[45]

اس کے علاوہ انھیں علی گڑھ یونیورسٹی کے ارباب اختیار سے یہ بھی شکایت ہوئی کہ ان کے ذاتی مکان ''میمن منزل'' کی قیمت محض ۱۸ ہزار روپے لگائی گئی جبکہ اس سے قبل تین مرتبہ مکان کی قیمت ۲۵ ہزار لگائی جا چکی تھی۔مزید شکایت کی وجہ یہ بنی کہ ارباب یونیورسٹی نے ''میمن منزل'' کے نزدیک ہی واقع ''ولی منزل'' کی قیمت ۳۹ ہزار روپے ادا کی۔[46]

اسی حوالے سے ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب اپنے مکتوب مورخہ ۱۳ اپریل ۱۹۴۹ء بنام قاضی عبدالودود میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

> ''میمن صاحب کو ہندوستان کے سیاسی انقلاب اور علی گڑھ کے مقامی حالات نے مایوس اور افسردہ بنا دیا ہے''۔[47]

حواشی

۱۔ ''محاضراتِ میمن'' از ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ،تحقیق شمارۂ خاص نمبر ۱۱-۱۰ شعبہ اردو جامعہ سندھ ص ۱۳۱۔ علامہ میمن کا علی گڑھ کا یہ سفر اس لحاظ سے تاریخی تھا کہ اس سفر کے دوران انھوں نے ابوالعلاء المعری کی کتاب ''لـــزومیــات'' کا مطالعہ کیا اور فیصلہ کیا کہ وہ خود اس موضوع پر کتاب لکھیں گے چنانچہ چار ماہ کی قلیل مدت میں ابو العلاء وما الیہ لکھ ڈالی جس پر تمام علمی دنیا خصوصاً عرب علماء وفضلاء نے بہت تحسین فرمائی۔ابـو العلاء وما الیہ پر یہ کتاب آج بھی سند کا درجہ رکھتی ہے۔

۲۔ بقول ڈاکٹر نبی بخش خاں بلوچ صاحب اورینٹل کالج لاہور میں بعض مخصوص حالات (پیچھے ذکر آچکا) کی وجہ سے علامہ میمن شدید خواہشمند تھے کہ مسلم یونیوٹی علی گڑھ میں تقرر ہو جائے۔اس مقصد کی خاطر آپ نے نواب عماد الملک سیّد حسین بلگرامی (وفات ۳ جون ۱۹۲۶ء) کی شان میں قصیدہ لکھا اور حیدر آباد (دکن) کا سفر بھی کیا تھا۔نواب عماد الملک کو عربی زبان وادب سے بے حد محبت تھی۔وہ ادب عربی میں یکتائے روزگار تھے۔حیدر آباد میں عربی کتب کی تحقیق اور طباعت کے عالمی شہرت یافتہ ادارے دائـرۃ المعارف العثمانیہ کے وہی بانی تھے۔اس کے علاوہ وہ مردم شناس بھی تھے نیز قابل اور اہل افراد کی حوصلہ افزائی میں بڑے فراخ دل تھے۔بہت سے علمی ادارے اور علمی منصوبے انھی کی حوصلہ افزائی سے شروع ہوئے اور مکمل بھی۔نواب عماد الملک کی علمی سرپرستی کی تفصیلات مولوی عبدالحق کی کتاب ''چند ہم عصر'' اور مولانا سیّد سلیمان ندوی کی ''یادِ رفتگاں'' میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

علامہ میمن کی علی گڑھ میں تقرری کے لیے علامہ اقبال نے بھی مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر کے نام خط لکھا تھا۔اس خط کا ذکر علامہ میمن نے اپنی ریکارڈ شدہ یادداشتوں (۱۹۷۰ء) میں کیا ہے۔اس تاریخی خط کے عکس کے لیے ملاحظہ فرمائیں باب نمبر ۱۵۔

۳۔ صاحبزادہ آفتاب احمد خاں ۱۸۶۷ء میں شاہجہانپور میں پیدا ہوئے۔ابتدائی اور اعلیٰ تعلیم علیگڑھ میں پائی۔اس کے بعد کیمبرج یونیورسٹی سے بارایٹ لاء کیا۔۱۹۲۵ء میں علی گڑھ یونیورسٹی کے وائس چانسلر بنائے گئے۔آپ کا انتقال ۱۸ جون ۱۹۳۰ء کو ہوا۔

۴۔ رسالہ نقوش لاہور (مکاتیب نمبر)،ص ۳۲۴۔

۵ ''افاداتِ مولانا عبدالعزیز میمن'' از پروفیسر سید محمد سلیم سہ ماہی فکر ونظر اسلام آباد، مئی ۱۹۸۰ء، ص ۲۴۔

٦ ملاحظہ فرمایئے ہفت روزہ جمہور علی گڑھ ''صدر یار جنگ نمبر'' ۲٦ ستمبر ۱۹۵۱ء۔

۷ ''مولانا عبدالعزیز میمن اور علی گڑھ'' از ڈاکٹر ظفر الاسلام اصلاحی، در کتاب 'علامہ عبدالعزیز میمن۔حیات وخدمات' (مجموعہ مقالات) شعبۂ عربی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، ۲۰۰۳ء، ص ۱۳۷۔

۸ مولانا محمد یوسف کھٹکھٹے بمبئی میں نادر کتب کی تجارت کرتے اور ایک بڑے کتب خانے کے مالک تھے۔ان کا مختصر ذکر مولانا حکیم سید عبدالحئی نے ''یاد ایام یعنی مختصر تاریخ گجرات'' میں کیا ہے۔بمبئی یونیورسٹی لائبریری میں ان کا نادر کتب خانہ محفوظ ہے۔مولانا کھٹکھٹے اور ان کے ذاتی ذخیرۂ کتب کے بارے میں مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ فرمائیں ماہنامہ سپوتنک لاہور'' بمبئی کے مسلمانوں کی تاریخ'' بابت جولائی ۲۰۰٦ء، ص ۴۷

۹ رسالہ نقوش، مکاتیب نمبر ا، نومبر ۱۹۵۷ء، ص ۲٦۸۔

۱۰ ماہنامہ معارف اعظم گڑھ، دسمبر ۱۹۲۵ء، ص ۴۰۵۔

۱۱ علی گڑھ میگزین (جوبلی نمبر) ۱۹۲۵ء۔

۱۲ ملاحظہ فرمایئے 'معین بیتی' از ڈاکٹر سید معین الحق، ص 161

۱۳ ''مولانا عبدالعزیز میمن چند یادیں'' از شیخ نذیر حسین، ماہنامہ معارف اعظم گڑھ، جنوری ۱۹۷۹ء، ص ۵۰۔

۱۴ ماہنامہ اردو نامہ کراچی میں 'افاداتِ میمنی' قسط نمبر ۹، شمارہ 40

۱۵ ''علی گڑھ میں علامہ میمن کے روز وشب'' از محمد محمود میمن، سہ ماہی فکر ونظر اسلام آباد، فروری ۱۹۸۱ء، ص ۵۵۔

۱٦ ''مولانا عبدالعزیز میمن اور علی گڑھ'' از ڈاکٹر ظفر الاسلام اصلاحی، در علامہ عبدالعزیز میمن۔حیات وخدمات (مجموعہ مقالات) شعبۂ عربی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، ۲۰۰۳ء، ص ۱۳۷۔

ڈاکٹر ظفر الاسلام اصلاحی صاحب اس تاریخی مکان کے جائے وقوع کے بارے میں اس مضمون میں لکھتے ہیں:

''علی گڑھ میں مولانا میمن کی ساری یادگاروں میں بدر باغ میں ان کا تعمیر کردہ

مکان ''میمن منزل'' ہے۔شمشاد مارکیٹ کے جنوبی حصے میں عبدالقادر مارکیٹ کے بعد ''نورڈ رائی کلینز'' سے متصل جو سڑک بدر باغ کو جاتی ہے، کچھ ہی دور چلنے کے بعد داہنی طرف گلی میں مڑنے پر سامنے پچھم طرف یہ مکان نظر آتا ہے جو ریلوے لائن کے بالکل قریب ہے۔ ۲۳ رفروری ۲۰۰۳ء کو برادر مکرم پروفیسر رحیم اللہ صاحب (جو اسی محلّہ میں سکونت پذیر ہیں) کی رہنمائی میں ''میمن منزل'' دیکھنے کا اتفاق ہوا۔اس پر نصب کتبہ کے مطابق اس کا سن تعمیر ۱۳۵۰ھ/ ۱۹۳۱ء ہے''۔

پروفیسر محمود میمن نے مذکورہ بالا مضمون میں اس مکان کا سن تعمیر ۱۹۳۲ء لکھا ہے۔ غالباً انھوں نے یہ سن یادداشت سے لکھا اور انھیں سہو ہوا۔

۱۷ ''علی گڑھ میں علامہ میمن کے روز و شب'' از محمد محمود میمن سہ ماہی فکر ونظر اسلام آباد، فروری ۱۹۸۱ء، ص ۵۵۔

۱۸ علامہ میمن کے ان قیمتی حواشی سے مزین کتب اب مرکزی کتب خانہ سندھ یونیورسٹی جام شورو میں محفوظ ہیں۔افسوس ہے اب تک ان حواشی کو محفوظ کرنے کا کوئی انتظام نہیں کیا گیا۔

۱۹ علی گڑھ میں علامہ میمن کے روز وشب، ص ۵۸۔

۲۰ ایضاً ص ۵۸۔

۲۱ ''ایام علی گڑھ'' از پروفیسر نبی بخش بلوچ علی گڑھ میگزین، (خصوصی شمارہ) ۹۷-۱۹۹۵ء، ص ۲۱۸۔

۲۲ ''کوئے آشنا'' از شان الحق حقی علی گڑھ میگزین، ۹۷-۱۹۹۵ء، (خصوصی شمارہ)، ص ۸۸۔

۲۳ ''محاضرات میمن'' از ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ مجلّہ تحقیق جامعہ سندھ، شمارہ نمبر ۹-۸، ص ۱۲۵۔

۲۴ مجلّہ تحقیق جامعہ سندھ، شمارہ نمبر ۱۱-۱۰، ۹۷-۱۹۹۶ء، ص ۱۱۳۔

۲۵ ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب نے مولف کے نام اپنے مکتوب مورخہ ۴ نومبر ۲۰۰۹ء میں تحریر فرمایا کہ عماد الدین کاتب کی یہ کتاب خریدة القصر و جریدة اهل العصر تھی۔

۲۶ ''محاضراتِ میمن'' از ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ، تحقیق شمارۂ خاص نمبر ۱۱-۱۰ شعبہ اردو جامعہ سندھ۔

۲۷ دیکھیے مجلّہ المجمع العلمی الهندی (میمن نمبر) جلد دوم ص ۱۴۷۔

۲۸۔ المجمع العلمی العربی کی رکنیت کے حوالے سے ڈاکٹر ظفر الاسلام اصلاحی صاحب نے اپنے مضمون ''مولانا عبدالعزیز میمن اور علی گڑھ'' میں بڑی اہم بات لکھی ہے اور وہ یہ کہ:

> ''مجمع اللغة العربية دمشق (جو پہلے المجمع العلمی العربی کے نام سے مشہور تھا) بین الاقوامی شہرت کا حامل ایک قدیم ادارہ ہے۔اس کی رکنیت بہت بڑا اعزاز اور بالخصوص عالم عرب میں کسی کی علمی خدمات کے اعتراف کا واضح ثبوت سمجھا جاتا ہے۔اس کے سن قیام (۱۹۱۹ء) سے اب تک برصغیر ہندو پاک کے گیارہ حضرات اس کی اعزازی رکنیت سے نوازے گئے ہیں۔ ان میں چار یعنی مولانا عبدالعزیز میمن، پروفیسر مختار الدین احمد، ڈاکٹر عبدالحلیم ندوی و ڈاکٹر محمد اجمل اصلاحی مسلم یونیورسٹی (علی گڑھ) کے فضلاء یا اساتذہ میں سے ہیں۔مزید اہم بات یہ کہ مولانا میمن کے علاوہ بقیہ تین میں سے ایک ان کے عزیز شاگرد (ڈاکٹر مختار الدین احمد) اور باقی دو (ڈاکٹر عبدالحلیم ندوی اور ڈاکٹر محمد اجمل اصلاحی) ان کے شاگرد (ڈاکٹر مختار الدین احمد) کے شاگرد ہیں''۔

مذکورہ بالا چار حضرات کے علاوہ برصغیر پاک و ہند کے جن فضلائے زبان عربی کو اس ادارے کی رکنیت کا اعزاز حاصل ہوا ان میں حکیم اجمل خاں، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا محمد یوسف بنوری، ڈاکٹر محمد صغیر حسن معصومی، آصف علی اصغر فیضی، ڈاکٹر احمد خاں اور ڈاکٹر محمود احمد غازی شامل ہیں۔ڈاکٹر احمد خان علامہ میمن کے شاگرد داور ڈاکٹر محمود احمد غازی شاگرد کے بیٹے ہیں۔

اس موقع پر ایک تصحیح ضروری ہے۔مولانا ابوالحسن علی ندویؒ اپنی کتاب پرانے چراغ جلد۲ص ۲۳۷ میں لکھتے ہیں:

> ''اس وقت ہندوستان میں المجمع العلمی العربی دمشق کے دو ہی رکن تھے۔ایک حاذق الملک حکیم اجمل خاں اور دوسرے مولانا عبدالعزیز میمن''۔

حقیقت یہ ہے کہ حکیم اجمل خاں مرحوم کا انتقال ۲۷ردسمبر ۱۹۲۷ء کو ہوا اور علامہ میمن کو رکنیت کا اعزاز ۲۶رجنوری ۱۹۲۸ء کو عطا کیا گیا۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت پورے برصغیر میں صرف علامہ میمن ہی وہ واحد شخصیت تھے جنھیں حکیم اجمل خاں کے انتقال کے بعد اس اعزاز کا مستحق سمجھا گیا۔

۲۹؎ ایک موقع پر علامہ میمن نے اس طویل سفر کی وجوہات اپنے شاگرد پروفیسر سیّد محمد سلیم سے یوں بیان کیں:

''فرمایا! میں ۱۹۳۵ء میں عالم عرب کی سیاحت پر گیا تھا۔ اس وقت دو مقصد پیش نظر تھے۔ عربی ادیبوں سے تعلقات استوار کرنا اور عربی کتب خانوں کی سیر کرنا۔ دوسرے حمص کے گرم چشموں میں غسل کرنا۔ بات یہ تھی کہ بچپن سے میں نے اکڑوں بیٹھ کر کتابیں نقل کی ہیں۔ اب لکھتا بھی اسی طریقہ پر ہوں، اس وجہ سے میری کمر میں درد رہنے لگا۔ وہ درد بہت بڑھ گیا۔ میں نے لاہور اور کلکتہ میں ڈاکٹروں کو دکھایا مگر کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا۔ بعض عرب دوستوں کے مشورہ پر میں حمص کے گرم چشموں میں غسل کرنے کے لئے شام روانہ ہوگیا۔ وہاں ایک ہفتہ قیام کر کے روزانہ غسل کیا مگر کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا۔ فرمایا پھر میں قسطنطنیہ گیا۔ اس زمانہ میں درد شدید تھا، اس لیے وہاں کے بڑے ہسپتال میں داخل ہوگیا۔ وہاں ایک بوڑھا ترک ڈاکٹر تھا۔ اس کی عمر ۸۰ سال سے متجاوز ہوگی، اس نے بڑی محنت سے اور شفقت سے میرا معائنہ کیا، غالباً دو روز وہ معائنہ کرتا رہا بالآخر اس نے کہا کہ میری دانست میں آپ کو کوئی مرض لاحق نہیں ہے، ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ ایک پہلو پر کام کرنے سے ایک طرف تناؤ پیدا ہو گیا ہے۔ پھر اس نے کہا کہ دواؤں سے کچھ نہیں ہوگا، اس کا علاج چہل قدمی اور سیر ہے۔ اسی روز سے میں نے سیر شروع کر دی۔ پہلے روز کمر پر پٹکا باندھ کر مشکل سے چند قدم چل سکا تھا، اب میری عادتِ ثانیہ بن چکی ہے۔ صبح و شام دونوں وقت سیر کو جاتا ہوں اور میلوں چلتا ہوں۔ الحمدللہ اب تکلیف دور ہوگئی ہے''۔

ڈاکٹر مختارالدین احمد اپنے مکتوب مورخہ ۴؍نومبر ۲۰۰۹ء میں راقم کو تحریر فرماتے ہیں کہ علامہ میمن نے ایک مرتبہ ان سے فرمایا تھا کہ ڈاکٹر نے معائنے کے بعد ان سے کہا تھا: باطنك كالحديد یعنی تمھارے اعضائے رئیسہ فولاد کے مانند ہیں۔

واضح رہے کہ علامہ میمن کی پیدل چلنے اور صبح وشام کی سیر کی یہ عادت اس قدر پختہ تھی کہ زندگی کے آخری دن بھی انھوں نے صبح کی سیر کی جس کا ذکر آگے آئے گا۔

۳۰؎ مجلّه المجمع العلمی الهندی (میمن نمبر) جلد دوم، ص ۱۴۷۔

۳۱؎ ایضاً، جلد اول، ص ۲۸۳۔

۳۲؎ ایضاً

۳۳؎ افاداتِ میمن قسط نمبر ۸ از مولانا عبدالعزیز میمن، ماہنامہ اردو نامہ کراچی، شمارہ نمبر ۳۹، ص ۸۳۔

۳۴؎ احمد تیمور پاشا۔ مصر کے عالمی شہرت یافتہ عالم اور محقق تھے۔

۳۵؎ دیکھیے 'مولانا عبدالعزیز میمن راجکوٹی چند یادیں' از ظہور احمد اظہر، ترجمہ از مسعود الرحمٰن خان ندوی، رسالہ فکر ونظر علی گڑھ بابت جون ۲۰۰۱ء، ص ۸۴

۳۶؎ دیکھیے ''افاداتِ میمنی'' از مولانا عبدالعزیز میمن، ماہنامہ اردو نامہ، کراچی، شمارہ ۳۳، ص ۷۔

۳۷؎ دیکھیے ''افاداتِ میمنی'' از مولانا عبدالعزیز میمن، ماہنامہ اردو نامہ کراچی، شمارہ ۳۹، ص ۸۳۔

۳۸؎ روداد ادارۂ معارف اسلامیہ لاہور، ص ۲۶۵۔

۳۹؎ ابوعبداللہ مولانا محمد بن یوسف السورتی ۱۳۰۷ھ میں سورت کے گاؤں سامرود میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں ہی میں حاصل کی۔ بعد ازاں بمبئی اور اس کے بعد دہلی میں مزید تعیم حاصل کی۔ اس کے بعد حیدر آباد (دکن) پہنچے اور مولانا احمد جلیل مکی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ ۱۳۳۰ھ میں شیخ طیّب عرب مکی جب ندوۃ العلماء پہنچے تو مولانا سورتی بھی ان کے ساتھ لکھنو پہنچ گئے۔ بعد ازاں استاد کے ہمراہ رامپور پہنچے اور عربی ادب کی تکمیل کی۔ مولانا سورتی وسیع المطالعہ اور قوی الحافظہ عالم تھے۔ آپ نے جن معروف اداروں میں بحیثیت استاد عربی خدمات انجام دیں ان میں جامعہ ملّیہ اسلامیہ دہلی، جامعہ رحمانیہ بنارس، جامعہ رحمانیہ دہلی، دارالحدیث بمبئی شامل ہیں۔ آپ کا انتقال ۷/ اگست ۱۹۴۲ء کو علی گڑھ میں ہوا۔ (بحوالہ ''مولانا محمد سورتی'' از فرزانہ لطیف)۔

مولانا سورتی کے جامعہ ملیہ کے شاگردوں میں ڈاکٹر عبدالعلیم احراری اور قاضی محمد سعید (برادر خورد قاضی عبدالودود) شامل ہیں۔

۴۰؎ مولانا سورتی پستہ قامت اور خاصے بھاری جسم کے بزرگ تھے۔ اس بارے میں رئیس احمد جعفری اپنی معروف کتاب ''دیدوشنید'' میں لکھتے ہیں:

> ''مولانا محمد السورتی صاحب مرحوم ومغفور کی شبیہ مبارک اس وقت آنکھوں کے سامنے پھر رہی ہے۔ پستہ قد، ضرورت سے زیادہ موٹے، بڑی بڑی

آنکھیں، سینہ حدیث نبویؐ کا گنجینہ، دماغ لسانِ نبویؐ کا مرکز بسطة فی العلم والجسم کے صحیح مصداق''۔

۴۱؎ ''مولانا محمد یوسف سورتی'' از فرزانہ لطیف، گوجرانوالہ، ۱۹۸۸ء۔

۴۲؎ یہ بات ڈاکٹر نبی بخش خاں بلوچ صاحب اور پروفیسر سیّد محمد سلیم صاحب نے راقم سے متعدد مرتبہ فرمائی۔

۴۳؎ اس بارے میں بعض اشارات ڈاکٹر نبی بخش خاں بلوچ کے مضمون ''محاضراتِ میمن'' اور نصراللہ خاں کے مضمون ''پروفیسر عبدالعزیز میمن'' میں موجود ہیں۔

۴۴؎ ''افاداتِ مولانا عبدالعزیز میمن'' از پروفیسر سیّد محمد سلیم، ص ۲۲۔

۴۵؎ دیکھیے مجلّہ المجمع العلمی الھندی میمن نمبر ۱، ص ۴۱۴۔

۴۶؎ ایضاً، ص ۴۲۲۔

۴۷؎ دیکھیے مجلّہ تحقیق جامعہ سندھ، شمارہ ۱۳-۱۲، ص ۵۲۱۔

باب نمبر ۷

قیامِ کراچی

(۱۹۵۴ء تا ۱۹۶۴ء)

قیامِ کراچی کی وجوہات

گزشتہ باب میں ذکر آ چکا کہ ۳۱/ مارچ ۱۹۵۱ء کو علامہ میمن شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی علیگڑھ سے طویل عرصہ خدمات انجام دینے کے بعد سبکدوش ہو چکے تھے۔ علامہ میمن کے دونوں بڑے صاحب زادے محمد محمود میمن اور محمد سعید میمن تقسیم سے کئی سال قبل اجمیر جا چکے تھے جہاں محمود میمن صاحب ایک کالج میں لکچرار کے طور پر ملازمت کر رہے تھے، سعید میمن بھی وہیں جا چکے تھے۔ تقسیم کے بعد یہ دونوں بھائی اجمیر سے پاکستان منتقل ہو چکے تھے۔ اکتوبر ۱۹۵۴ء میں علامہ میمن اپنے صاحبزادوں سے ملنے کراچی تشریف لائے۔ اس زمانے میں ان کا پورا کتب خانہ اور اثاثہ علی گڑھ ہی میں تھا۔ کراچی پہنچ کر حالات نے کچھ ایسا رخ اختیار کیا کہ انھوں نے پاکستان منتقلی کا فیصلہ کر لیا۔ علامہ میمن نے اپنے انٹرویو شائع شدہ در ہفت روزہ ''اخبار جہاں'' مورخہ ۳۰/ ستمبر ۱۹۷۰ء[1] میں اس کی تفصیل یوں بیان کی:

> ''تقسیم ملک کے بعد بھارت میں میں نے جو سیاسی رنگ دیکھا وہ مسلمانوں کے لیے بہت مایوس کن تھا، ادھر لڑکے بالے پاکستان چلے آئے تھے۔ مجھے بھی بعض خانگی ضروریات کے پیش نظر ڈھائی ماہ کے لیے کراچی آنا پڑا۔ اس زمانے میں ڈاکٹر عبدالوہاب عزام[2] مرحوم پاکستان میں مصر کے سفیر تھے۔ ڈاکٹر صاحب

میرے مصر، بغداد اور علی گڑھ کے زمانے کے دوستوں میں تھے۔ پاکستان آ کر ان سے ملنا ہوا تو ان کو بڑی حیرت ہوئی کہ پاکستان کے لوگوں کو کچھ احساس ہی نہیں اور اتنے تجربے کا حامل شخص (علامہ میمن) بھارت میں بے کار پڑا ہے۔ وہ مجھے پاکستان آن بسنے کا مشورہ دیتے رہے اور میں اپنی معذوری ظاہر کرتا رہا۔ میرا استدلال یہ تھا کہ میرے کتب خانے کی منتقلی اور آئندہ زندگی گزارنے پر اطمینان ہوئے بغیر میں یکا یک کیسے نقلِ مکانی کر سکتا ہوں۔

بہر حال ڈاکٹر عزام مرحوم نے جناب ممتاز حسن[3] سے مل کر کوشش کی کہ پاکستان میں میرے لیے کوئی معقول سلسلہ بن جائے۔ اس وقت ڈاکٹر اے بی اے حلیم[4] کراچی یونیورسٹی کے وائس چانسلر تھے جو علی گڑھ میں میرے رفیق خاص بھی رہے تھے، لہٰذا ڈاکٹر عزام نے ان سے کہا کہ مجھے کراچی یونیورسٹی میں لے لیا جائے۔ حلیم صاحب نے کہا کہ جب تک ہم کراچی یونیورسٹی میں شعبہء عربی کھولنے میں کامیاب نہ ہو جائیں، اس وقت تک انتظار کرنا پڑے گا۔ لیکن عبدالوہاب عزام مصر تھے کہ اب میں پاکستان آن پہنچا ہوں تو یہیں رہ جاؤں لہٰذا ان کی کوششیں جاری رہیں۔ وہ اس وقت کے مرکزی وزیر تعلیم ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی[5] سے ملے، ان سے کہا کہ اب میمن صاحب پاکستان آ گئے ہیں تو ان کو ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہیے جبکہ خود ہمارے ہاں مصر میں بھی ایسے پائے کے آدمی شاید ہی ہوں گے۔ ان دنوں حکومتِ پاکستان سینٹرل انسٹیٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز کے قیام کے لیے منصوبہ بندی کر رہی تھی لہٰذا ۴، اکتوبر ۱۹۵۴ء سے مجھے انسٹیٹیوٹ میں ڈائریکٹر تعینات کر دیا گیا[6] اور اس ادارے کو قائم کرنے کی ذمہ داری مجھے سونپی گئی۔ میں اس اسامی کے ملنے پر راضی ہو گیا کیونکہ کتابوں کا دلدادہ تھا۔ سوچا اس ادارے کو نایاب ذخیرۂ کتب فراہم کر دوں گا اور میں اپنی ضعیفی میں دنیا کے جملہ جھنجھٹوں سے آزاد ہو کر ایک کٹیا پر پڑا رہا کروں گا اور ریسرچ کرنے والے طلبا میرے گھیراؤ میں رہا

کریں گے"۔

یہاں یہ ذکر کرنا ضروری ہے کہ اس نوزائیدہ اسلامی مملکت کی خدمت اور علمی و تحقیقی ادارے کی خاطر علامہ میمن نے بلا مشاہرہ، اعزازی طور پر ادارے کی سربراہی قبول کی تھی۔ وہ جب تک ادارے سے وابستہ رہے، بلا معاوضہ خدمت انجام دیتے رہے [7]۔

شعبۂ عربی جامعہ کراچی کی صدارت

علامہ میمن اکتوبر ۱۹۵۴ء سے ادارۂ تحقیقات اسلامی کے ڈائریکٹر کے منصب پر خدمات انجام دے رہے تھے۔ اوائل ۱۹۵۶ء میں جامعہ کراچی میں شعبۂ عربی قائم کیا گیا اور اس کی صدارت اور شعبے کو مضبوط بنیادوں پر قائم کرنے کی ذمہ داری علامہ میمن کو سونپی گئی۔ اس بارے میں محمد محمود میمن صاحب لکھتے ہیں:

> "اسی زمانے میں کراچی یونیورسٹی نے انھیں مجبور کیا کہ وہ عربی کی پروفیسر شپ اور صدرِ شعبہ کا عہدہ قبول کر کے یونیورسٹی کی عزت افزائی کریں چنانچہ وزارتِ تعلیم کی اجازت سے ۲رجنوری ۱۹۵۶ء سے انھوں نے اس درس گاہ کی ملازمت اختیار کی۔ والد محترم فرماتے تھے کہ یہ قدم انھوں نے اس لیے اٹھایا تھا کہ ادارہ اس وقت اپنی تشکیلی منزل میں تھا اور ایک کل وقتی ڈائریکٹر کے اخراجات کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا۔ انھوں نے عظیم قومی مفاد میں حکومت کو مطلع کیا کہ وہ ادارے کا کام بھی اعزازی طور پر پورے انہماک سے جاری رکھیں گے" [8]۔

اس بیان سے پتہ چلا ہے کہ علامہ میمن اس دور میں بیک وقت دو ذمہ داریاں ادا کر رہے تھے یعنی ڈائریکٹر ادارۂ تحقیقات اسلامی (بلا مشاہرہ) اور صدر شعبہ عربی جامعہ کراچی (با مشاہرہ)

مرکزی ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی کے لیے حصولِ کتب

اس وقت علامہ میمن کی علمی خدمات کے سبب عالم اسلام کے محققین وفضلاء ان سے بخوبی واقف ہو چکے تھے اور ان کی عزت کرتے تھے۔ وزارت تعلیم کے اربابِ حل وعقد بھی جانتے تھے کہ ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی کے لیے حصولِ کتب کے سلسلے میں علامہ میمن سے بہتر کوئی اور شخص نہیں اسی لیے یہ ذمہ داری انھیں سونپی گئی کہ ادارے کے لیے نادر کتب ومخطوطات حاصل کریں۔ علامہ میمن نے اس مقصد کے لیے عالم اسلام کے دو دورے کیے، پہلی مرتبہ وہ ۱۹۵۶ء میں حصولِ کتب کے لیے گئے۔ اس سلسلے میں انھوں نے 'اخبارِ جہاں' میں شایع شدہ مذکورہ بالا انٹرویو میں فرمایا:

> ''میرے ذہن میں بہت سی تجاویز تھیں کہ اس اسلامی ادارے کو کیسے قابلِ رشک ادارہ بنایا جائے گا۔ میں چونکہ چند ماہ کے لیے پاکستان آیا تھا، اس سلسلے کے بعد واپس بھارت چلا گیا اور حیدر آباد، بمبئی اور دہلی وغیرہ کا سفر کر کے عربی، فارسی اور اردو کے نوادرات فراہم کیے اور ۱۰ مارچ ۱۹۵۵ء کو مستقل طور پر کراچی واپس آ گیا۔ مجھے اس ادارے میں آئے بمشکل ایک سال گزرا تھا کہ کراچی یونیورسٹی نے مجھے پروفیسر شپ آفر کر دی اور میں نے اسے بوجوہ اوائل ۱۹۵۶ء منظور کر لیا لیکن سینٹرل انسٹیٹیوٹ کا کام اعزازی طور پر جاری رکھا۔ اسی سال میں نے مصر، شام، عراق وغیرہ ممالک کا سفر کر کے اپنے انتخاب سے انسٹیٹیوٹ کے لیے آٹھ دس بکس نادر کتابوں کے جمع کیے، ساتھ ہی پروفیسر حلیم صاحب کی فرمائش پر کچھ کتابیں یونیورسٹی لائبریری کے لیے لایا۔ ۱۹۵۷ء میں اپنے طور پر حج کرنے گیا لیکن اس دوران بھی چند نایاب کتب لے آیا تھا۔ یونیورسٹی میں تدریس کے کاموں کے ساتھ میں انسٹیٹیوٹ کو بنانے میں بھی مصروف رہا۔''[9]

ادائیگی فریضۂ حج

۱۹۵۷ء میں علامہ میمن نے اپنی اہلیہ کے ہمراہ فریضۂ حج ادا کیا۔ علامہ کی قدر افزائی کی خاطر سفر اور قیام و طعام کے تمام انتظامات حکومتِ سعودی عرب نے برداشت کیے تھے۔ ۴رجولائی ۱۹۵۷ء کو مکہ مکرمہ میں سعودی ادیب الشیخ عبداللہ المزروع نے علامہ میمن سے ملاقات کی اور ان سے مسلمانوں اور نوجوانوں کی خاطر نصیحت آمیز کلمات لکھوائے۔ علامہ میمن کی یہ نادر تحریر شیخ مزروع نے اپنی کتاب ''وصایا اساطین الدّین والادب والسیّاسة للشُبّان'' میں شائع کی[1]۔ اس کتاب میں علامہ میمن کے علاوہ مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی، مولانا سیّد سلیمان ندوی اور عالم اسلام کے دیگر کئی مشاہیر کے نصیحت آمیز کلمات انھی کی تحریروں میں شائع کیے ہیں۔

اس موقع پر ریاض سے شائع ہونے والے معروف ہفت روزہ ''الیمامہ'' نے مورخہ ۷رجولائی ۵۷ء کے شمارے میں علامہ میمن کی علمی خدمات کے اعتراف میں ایک مضمون شائع کیا اور سوالیہ انداز میں اس طرح ان کی خدمات کا اعتراف کیا ''دنیا میں کون قدر دانی اور قدر شناسی کا مستحق کون ہے بمقابلہ اس شخص کے جس نے اپنی ساری زندگی عربوں، ان کی زبان اور ان کے ادب کی خدمت میں بتادی؟''

آگے چل کر اخبار میں علامہ میمن کی خدمات کا ان بلند الفاظ میں اعتراف کیا گیا:

> ''عربی ادب کی میراث میں تکلیف دہ حد تک محنت طلب تحقیق اور مطبوعات کے اعتراف کا کون فرد مستحق اور لائق خراج تحسین ہوسکتا ہے بجز علامہ استاذ المیمنی کے جنھوں نے اس عظیم زبان وادب کی محبت کے سبب بہت زیادہ تکالیف اٹھائیں اور عربی زبان کے شاہکاروں کی تلاش میں سرگرداں رہے۔ انھوں نے ہندوستان ، ترکی، شام اور مصر وغیرہ کا سفر اختیار کیا اور عربی زبان کے نادر قلمی نسخوں اور دستاویزات کا کھوج لگایا اور انھیں حاصل کیا۔ یہ سب تکالیف انھوں نے اپنے ذاتی مفاد کے لیے نہیں بلکہ سب لوگوں کی بھلائی کے لیے برداشت کیں جن میں

ما أحرانا أن نقرأ الأمثال [illegible] إرشادا من قولنا مكررا

وقفت على ما كتبه من سبقني من العلماء الأجلاء من نصائح يجب أن تكون مثالا يحتذى به ونقتفي أثره وما مثلنا إلا مثل أعضاء أسرة [illegible] يتكلم واحد منا [illegible] ناحية من الأدواء التي مني بها العالم الإسلامي في هذه القرون الأخيرة ثم يأتي بما يراه من الأدوية التي يراها صالحة لمعالجة [illegible].

والأدواء على اختلافها إنما ترجع إلى شيء واحد وهو عدم الاكتراث وقلة المبالاة في الاشتغال بالعلوم العصرية والتهاون بها. فالداء موجود إذن!

والحاجة إلى العمل لا إلى إكثار الكلام والإسهاب في أوصاف العلل كما قد قيل [illegible] وإذا نظرنا إلى حالة جيلنا من هذه الناحية وجدناه لم يتقدم ولا خطوة. وإنما خطا شوطا بعيدا في تقليد الغرب في الإكثار من الكماليات التي لا تورث الأمن عندهم فبقينا عيالا عليهم وزدنا إلى أغلالنا أغلالا وإلى مشقتنا إيلاما فإنا لله!

ولئن كانت الدنيا ملأى أشكالا وفوائدها دولا يتداولها قوم بعد قوم فمن الذي يضمن لهذه البلاد أمثال هذه الموارد التي لم تكن في الحسبان والظنون فيا ليت قومنا والله حسيبهم يستغلون هذه الفرصة وينظرون معامل ومشاريع تفي بحاجة البلاد والعباد وتضمن لهم مستقبلا مجيدا وعزا عتيدا. لا أن يردوا بهذه الأموال الدائرة إلى خزائن أعدائهم من حيث لم يحتسبوا وتبقى أكفهم منها فارغة فراغ فؤاد أم موسى على ما قال الشاعر:

إنا إذا اجتمعت يوما دراهمنا ظلت إلى طرق المعروف تستبق
لا يألف الدرهم المضروب صرتنا لكن يمر عليها وهو منطلق

[illegible]

کتاب وصایا اساطین الدین والادب والسیاسة للشبان میں مندرج پیغام

عرب بھی شامل ہیں''۔

حصولِ کتب کے لیے مزید کوششیں

سفرِ حج کے بعد علامہ میمن شام کے مشہور علمی ادارے المجمع العلمی العربی کی دعوت پر دمشق تشریف لے گئے۔ علامہ میمن اس پورے سفر کے دوران ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی کو نہ بھولے اور اس کے لیے جس حد تک ممکن ہوا نادر و نایاب کتب حاصل کیں[11]۔

۱۹۵۷ء کے اسی دورۂ دمشق کے دوران پروفیسر محمد اجتباء ندوی (سابق صدر شعبۂ عربی الہ آباد یونیورسٹی) دمشق میں مقیم تھے۔ وہ علامہ میمن کی وہاں مصروفیات اور دمشق کے اہل علم سے ملاقاتوں کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''دمشق کی وزارتِ تعلیم و ثقافت نے وہاں کے معروف و قدیم کتب خانہ ظاہریہ کے عربی مخطوطات کی فہرست سازی کے لیے انھیں (علامہ میمن کو) ۱۹۵۷ء میں مدعو کیا تھا۔ دن میں اپنے کام میں مشغول رہتے، شام کو ہوٹل یرموک میں ان کی نشست ہوتی جس میں دمشق یونیورسٹی کے اساتذہ و طلبہ کے علاوہ ادیبوں، شاعروں اور اسکالروں کا ہجوم ہوتا۔ گویا ستاروں کے جھرمٹ میں ماہتاب عالم تاب نور افشاں ہوتا۔ زبان و ادب کے نکات و باریکیوں اور بہت سے پیچیدہ و گنجلک گوشے علامہ میمن صاحب کے ذریعے حل کیے جاتے تھے۔ ایک نشست میں اس دور کے ممتاز ادیب ڈاکٹر عز الدین تنوخی،[12] صدر شعبۂ عربی دمشق یونیورسٹی نے کوئی سوال کیا، زبان میں کوئی سقم تھا، علامہ میمن نے بھری محفل میں انھیں ٹوک کر کہا: ''عز الدّین انت تغلط'' (ارے عز الدین، تم غلط بول رہے ہو) اس جملے کو کئی بار دہرایا۔ آخر میں ڈاکٹر صاحب نے بڑی شرمندگی سے معذرت کی اور کہا کہ آپ ہمارے استاد ہیں، ہماری تصحیح کر دیجیے۔ استاد احمد راتب نفاخ[13] لیکچرر شعبۂ عربی، دمشق یونیورسٹی، قاہرہ یونیورسٹی سے اپنا ایم اے کا مقالہ جاہلی شاعر ابن الدمینہ سے متعلق تیار کر رہے تھے، انھیں ابن الدمینہ کا ایک

قصیدہ نہیں مل رہا تھا، علامہ میمن سے ذکر کیا، انھوں نے جواب دیا کہ میرے پاس ہے۔ استاد نفاخ نے وہ قصیدہ حاصل کر کے اپنا مقالہ مکمل کیا اور بعد میں وہ (دیوان ابن الدمینہ) کتابی شکل میں شائع ہوا"۔[14]

علامہ میمن کے انٹرویو مطبوعہ "اخبار جہاں" سے پتہ چلتا ہے کہ حصولِ کتب کے لیے دوسری مرتبہ انھوں نے ۱۹۵۸ء میں مسلم ممالک کا دورہ کیا۔اس بارے اپنے انٹرویو میں فرماتے ہیں:

"۱۹۵۸ء میں پھر انسٹیٹیوٹ کے لیے سفر کیا۔ بمبئی، پونا، تیونس، مراکش، استنبول، شام، عراق وغیرہ سے دوبارہ دس بارہ بکس نادر کتابوں کے لایا۔ان کتب کے حصول کے بعد میں کہہ سکتا تھا کہ انسٹیٹیوٹ کے پاس ایک خاصا کتب خانہ ہے اور انسٹیٹیوٹ کی کارکردگی کے لیے اب کوئی لائحہ عمل بنایا جائے گا مگر اکتوبر ۱۹۵۸ء کے مارشل لاء کے بعد سارا بنا بنایا کام خراب ہو گیا، مگر میں اپنے کاموں میں مشغول رہا اور تین طلبہ کو ریسرچ پر لگایا۔ان دنوں میں چاہتا تھا کہ پاکستان کے اس ادارے میں اسلام کا جملہ لٹریچر، ضروری اور نایاب مواد جمع ہو جائے کیونکہ مجھے یہ احساسِ شدید تھا کہ یہ اسلامی ملک یکا یک قائم ہوا ہے جہاں اعلیٰ اسلامی لٹریچر کا ہونا آئندہ نسلوں کے لیے بہت ضروری ہے اور ایک وقت ایسا آیا کہ ہم کہہ سکتے تھے کہ دنیا کا اچھا اسلامی لٹریچر انسٹیٹیوٹ میں جمع ہو گیا ہے کیونکہ میرے پیش نظر ایسی مثالیں بھی تھیں کہ ۱۹۴۸ء میں پورے کراچی میں مقدمہ ابنِ خلدون کا اچھا نسخہ نہیں ملتا تھا جسے ڈاکٹر داؤد پوتہ[15] بھی مہیا نہ کر سکے تھے"۔

علامہ میمن کے ان علمی دوروں کے دوران ان کی محنت اور مصروفیات کے بارے میں محمد محمود میمن صاحب لکھتے ہیں:

"انھوں نے ایران، عراق، شام، لبنان، ترکی، مصر، تیونس اور مراکش کا سفر اختیار کیا۔تنِ تنہا صبح سات بجے سے رات کے دس بجے تک کتب خانے کھنگالتے اور کتب فروشوں کے ہاں کتابوں کی تلاش کے سلسلے میں خاک چھانتے۔جس مقصد کے حصول کے لیے انھوں نے یہ دورے کیے تھے، اس میں انھیں غیر معمولی

کامیابی ہوئی اور تقریباً پچپن ہزار روپے میں پانچ چھ ہزار قیمتی کتابیں، قدیم قلمی نسخے، دستاویزات اور فوٹو اسٹیٹس حاصل کیے جو ان کی ذاتی سعی اور مرتبے کی وجہ سے انھیں بہت ہی کم قیمت پر دستیاب ہو گئے۔ ان کے کہنے کے مطابق اس وقت ان نوادرات کی قیمت کا اندازہ دو لاکھ سے اوپر تھا''[16]۔

ان دوروں کی خاطر تمام اخراجاتِ قیام وطعام حکومتِ پاکستان برداشت کر رہی تھی۔ اگر علامہ میمن چاہتے تو مہنگے سے مہنگے اور پر تعیش ہوٹلوں میں قیام کر سکتے تھے اور حکومت سے زیادہ سے زیادہ رقم حاصل کر سکتے تھے لیکن اپنی فطری سادگی، پاکستان سے محبت اور یہاں ایک اسلامی ادارے کے مضبوط بنیادوں پر قیام کی خاطر انھوں نے تمام موقعوں پر انتہائی سادگی سے گزر بسر کی اور اپنی پوری توجہ نادر کتب کے حصول پر مرکوز رکھی اور وہ بھی اپنے ذاتی تعلقات کی بنا پر نہایت کم قیمت پر لائے۔ ڈاکٹر محمد صابر صاحب (سابق صدر شعبۂ تاریخ اسلامی، جامعہ کراچی) ۱۹۵۸ء سے ۱۹۶۱ء تک استنبول یونیورسٹی میں .Ph.D کے طالب علم رہے۔ ان کے استنبول پہنچنے سے کچھ ہی قبل علامہ میمن وہاں سے نادر کتب و مخطوطات خرید کر اگلی منزل کی جانب جا چکے تھے۔ ڈاکٹر صابر صاحب جب استنبول پہنچے تو ان سے علامہ میمن کی سادگی کے بارے میں حبیب اللہ خان صاحب (اکاؤنٹینٹ پریس اتاشی، سفارت خانۂ پاکستان مقیم استنبول) نے بیان کیا:

''ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی کی خریداریٔ کتب کی خاطر سفارت خانۂ پاکستان کی جانب سے علامہ میمن کو مخصوص رقم پیش کی گئی تھی۔ وہاں قیام کے دوران علامہ میمن نہایت سادگی سے گزر بسر کرتے، کبھی ٹیکسی استعمال نہ کرتے، ہر جگہ بسوں میں آتے جاتے، کھانا بھی معمولی ہوٹلوں میں کھاتے۔ میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ حکومتِ پاکستان نے جو رقم دی ہے اس کو وہ پوری طرح خرچ نہیں کر رہے اس لیے ممکن ہے بقیہ رقم وہ خود رکھ لیں۔ جب انھوں نے اپنا کام مکمل کر لیا اور مطلوبہ کتب جمع کر لیں تو مجھے خاصی رقم واپس کی اور فرمایا کہ یہ ملک اور قوم کی امانت ہے۔ میں رقم لیتے وقت شدید حیران ہوا، اس لیے کہ میں خیال کرتا تھا کہ علامہ میمن پیسے بچا رہے ہیں اور قانونی طریقے سے جو رقم ملی ہے، اس میں سے بقیہ رقم

وہ خود رکھ لیں گے۔ انھوں نے مجھ (ڈاکٹر صابر صاحب) سے کہا کہ اگر پاکستان کو ایسے کفایت شعار مل جائیں تو اس ملک کی کایا پلٹ جائے''۔[۱۷]

جیسا کہ اوپر ذکر آیا، ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی کے لیے حصولِ کتب کی خاطر علامہ میمن بمبئی بھی گئے تھے۔ وہاں کی مصروفیات کے حوالے سے نامور مورخ اور سابق مدیر ماہنامہ انقلاب بمبئی، قاضی اطہر مبارک پوری صاحب لکھتے ہیں:

''۱۳۷۹ھ میں دنیائے ادب وعربیت کے مشہور عالم ادیب مولانا عبدالعزیز میمن راجکوٹی سے ملاقات ہوئی، معلوم ہوا کہ صابو صدیق انسٹیٹیوٹ شیفرڈ روڈ (بمبئی) میں 'عربی وفارسی' کے موضوع پر ان کا لیکچر ہے۔ دفترِ انقلاب سے قریب ہی یہ اسکول ہے۔ شام کو چار بجے میں اپنے کام سے فارغ ہوکر سادہ لباس میں لیکچر سننے کے لئے گیا، پورا ہال جدید تعلیم یافتہ لوگوں سے پُر تھا۔ پرنسپل شہاب الدین دسنوی نے مجھے ایک میز پر بیٹھا دیا اور خود بھی اس پر بیٹھے۔ لیکچر ختم ہونے پر لوگ میمن صاحب سے ملاقات کے لیے ٹوٹ پڑے۔ آخر میں دسنوی صاحب نے میرا تعارف کرایا۔ فوراً انھوں نے کہا کہ ''میں نے آپ کی کتاب رجال السند والھند پڑھی ہے (جو نئی نئی شائع ہوئی تھی) اور کہا کہ 'معارف' میں آپ کا مقالہ ''دولتِ سامانیہ سنجان'' بھی پڑھا ہے (یہ مقالہ معارف میں مارچ تا مئی ۱۹۵۹ء تین قسطوں میں شائع ہوا تھا) رجال السند والھند کے بعض اشعار کے بارے میں آپ کو بتاؤں گا۔'' یہ کہتے ہوئے میرا ہاتھ پکڑا اور سب سے یکسو ہوکر بات کرتے ہوئے موٹر پر بٹھایا اور اپنے ساتھ مینارہ مسجد کے عقب میں آفندی صاحب کے یہاں لیوا گئے جہاں وہ مقیم تھے (آفندی صاحب راشننگ آفیسر تھے)۔ وہ (علامہ میمن) پاکستان سے آئے تھے۔ کئی دن تک صبح وشام ان کے یہاں آنا جانا رہا۔ بڑی محبت اور خورد نوازی سے ملتے تھے۔ ان میں اہلِ علم کی شان تھی۔ تعلّی بھی بہت تھی۔ کہتے تھے کہ مجھے عربی کے دو لاکھ اشعار یاد ہیں۔ اپنے حریف مولانا ابوعبداللہ سورتی کا نام لیتے تو اخی رضی اللہ عنہ کہتے تھے۔ ہماری

طالب علمی کے زمانے میں جب ان کی شرح ''امالی'' ابوعلی قالی مصر سے شائع ہوئی تھی تو مولانا ابوعبداللہ سورتی نے اس پر ''معارف'' میں سخت تنقید کی اور مولانا راجکوٹی نے ''برہان'' میں اس کا جواب لکھا۔ دونوں ادیبوں کی نوک جھونک کا فیصلہ مولانا اعزاز علی صاحب نے کیا اور معاملہ ختم ہوا۔ باتوں باتوں میں مولانا نے بتایا کہ ''مقاماتِ حریری'' کا سب سے صحیح نسخہ وہ ہے جو ۱۲۶۳ھ میں لکھنؤ میں فارسی ترجمہ کے ساتھ چھپا ہے۔ یہ نسخہ میرے پاس موجود ہے۔ ان کا ارادہ کراچی میں ایک شاندار کتب خانہ قائم کرنے کا تھا۔ اسی زمانے میں احمد بھائی مرحوم نے ناسک کے مشہور عالم عبدالفتاح گلشن آبادی کا پورا کتب خانہ خرید لیا تھا جس میں بہت سے مخطوطات تھے۔ مولانا میمن بہت سے مخطوطات لے گئے جن میں فتاویٰ مولانا ہاشم تتوی کی جلدیں بھی تھیں۔ میں نے بھی اس کتب خانے سے کئی کتابیں حاصل کیں۔ کئی دنوں تک مولانا میمن کی مجالس سے علمی وادبی اور تاریخی فائدے حاصل ہوئے اور ان کو بہت قریب سے دیکھنے اور سننے کا اتفاق ہوا۔ میں نے اپنے بعض مضامین میں ان کے استفادات سے کام لیا ہے۔ اس وقت مجھے معلوم نہ تھا کہ وہ میرے نانا کے ساتھ مدرسۂ عالیہ رامپور میں مولانا شیخ محمد طیّب صاحب عرب مکی سے پڑھتے تھے''۔[18]

عالمی مذاکرۂ اسلامی زیرِاہتمام پنجاب یونیورسٹی میں شرکت

دسمبر ۱۹۵۷ء تا جنوری ۱۹۵۸ء پنجاب یونیورسٹی لاہور کے زیرِ اہتمام عالمی مذاکرۂ اسلامی (International Islamic Colloquium) کا انعقاد کیا گیا جس میں مشرق ومغرب کے چوٹی کے ماہرین اسلامیات ومستشرقین نے شرکت کی۔ اس علمی مذاکرے میں علامہ میمن نے بھی شرکت فرمائی، عالمِ عرب کے چوٹی کے علماء وفضلاء بھی شریک ہوئے۔ اس مذاکرے میں علامہ میمن کی مصروفیات بارے میں پروفیسر غلام احمد حریری نے لکھا:

''مجلس مذاکرہ کا آغاز ہوا تو بیرونی ممالک کے اکابر وفضلاء دور دراز ممالک سے تشریف لا کر لاہور کی زینت بنے۔ مصری فضلاء میں شیخ ابوزہرہ، عبدالوہاب عزام اور ڈاکٹر عبداللہ دراز (جنھوں نے لاہور ہی میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مشہور شامی محدث الشیخ بہجۃ البیطار سے بھی شرف ملاقات ہوا۔ لبنانی الاصل امریکی مستشرق ہٹی سے بھی ملاقات رہتی۔ میں نے محسوس کیا کہ یہ سب عرب علماء ومستشرقین مولانا میمن کی وسعتِ علم، تحقیق و تدقیق اور زبردست قوتِ حافظہ کے مداح تھے۔ جب کسی اجلاس میں مولانا میمن موجود ہوتے تو عرب فضلاء کی موجودگی میں قرعۂ صدارت مولانا کے نام نکلتا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ مولانا ایک اجلاس کی صدارت کر رہے تھے جس میں مختلف موضوعات پر بارہ مقالات پڑھے گئے۔ اس مجلس میں احقر نے بھی حضرت حسانؓ بن ثابت اور ان کی شاعری پر ایک مقالہ پیش کیا۔ مقالہ خوانوں میں عرب علماء بھی تھے۔ جب مقالہ خوانی ختم ہوئی اور مولانا صدارتی تقریر کے لیے کھڑے ہوئے تو آپ نے ایک ایک مقالے پر ناقدانہ تبصرہ کیا۔ دیوان حسانؓ سے متعلق آپ نے آدھ گھنٹہ تقریر کی اور بتایا کہ کس کس ملک کی کس کس لائبریری میں اس کے مخطوطے موجود ہیں۔ عرب علماء کے مقالات پر رواں دواں عربی میں اظہارِ خیال کیا اور ان کی لسانی غلطیوں کی نشان دہی کی۔ ان اغلاط کو خود عربوں نے بھی تسلیم کیا۔ میمن صاحب کی عربی تقریر کیا تھی، نادر علمی معلومات کا بحرِ زخار تھی اور شیخ ابوزہرہ کے پایہ کے علماء دم بخود تھے۔ عرب علماء کے ساتھ کسی مسئلہ پر جب بھی نوک جھونک ہوتی، میمن صاحب کا پلہ بھاری رہتا اور آپ ان کو اپنی بات منوا کر چھوڑتے۔ مجلسِ مذاکرہ میں اکثر بلادِ عرب کے جید افاضل اور نادرۂ روزگار علماء موجود تھے مگر میمن صاحب سے وہ یوں جھک کر ملتے جیسے ادنیٰ شاگرد اپنے استاد کے سامنے آداب بجالاتا ہے''۔[19]

مرکزی ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی میں علمی کاموں کی نگرانی

مرکزی ادارۂ تحقیقات اسلامی میں علامہ میمن کی کوشش سے جمع شدہ علمی ذخیرہ اور وہاں علمی تحقیقات اور علامہ میمن کی رہنمائی اور معاونت کے بارے میں محمد محمود میمن صاحب لکھتے ہیں:

''۱۹۶۰ء کے اوائل تک ادارے کے کتب خانے میں تقریباً پانچ چھ ہزار کتب کا ذخیرہ جمع ہو گیا تھا۔ انھیں صحیح طور پر ترتیب دیا گیا اور فہرستیں تیار کی گئیں اور اب یہ اس قابل ہو گیا تھا کہ اسلام پر کام کرنے والے حضرات کی تحقیقی ضروریات کو پورا کر سکے۔ ادارے میں اس وقت بجز والد محترم کے کوئی اور تحقیقی کام کرنے والا نہ تھا اور اس سلسلے میں مزید تقرریوں کی سخت ضرورت تھی۔ چونکہ تقرریاں چند مجبوریوں کے تحت نہ ہو پائی تھیں اس لیے ادارے کی لائبریری نے نجی علمی کام کرنے والوں اور یونیورسٹی کے طلباء کے تحقیقی کام میں مدد اور سہولت دینا شروع کر دیا تھا۔ اس کتب خانے نے پنجاب یونیورسٹی کے ایک استاد کو ان کے کام ''عربی ضرب الامثال'' پر قیمتی مواد فراہم کیا۔ اسی طرح علی گڑھ یونیورسٹی کے ایک طالب علم کو ان کے کام ''سیّد جمال الدین افغانی'' پر یہیں سے مواد ملا۔ جناب عبدالحلیم چشتی نے جن کا تعلق لیاقت نیشنل لائبریری سے تھا اور جن کے مضامین ''امام صغانی لاہوری۔ ان کی زندگی اور ان کے کارہائے نمایاں'' رسالہ معارف، اعظم گڑھ (ہندوستان) میں چھپے تھے اپنے کام کے سلسلے میں اسی کتب خانے سے استفادہ کیا تھا۔ ادارے میں جو حضرات تحقیق کی غرض سے تشریف لاتے تھے والد محترم ان کی مدد اور رہنمائی فرماتے تھے۔ انھوں نے کراچی یونیورسٹی کے طالب علم کے تحقیقی کام کتاب الزهرة میں اس کی رہنمائی کی اور اسی یونیورسٹی کے Ph.D. کے ایک طالب علم کے مقالے ''سلجوقی دور'' میں اس کی مدد فرمائی''۔[۲۰]

شعبۂ عربی جامعہ کراچی اور مرکزی ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی سے سبکدوشی

اس عہد میں علامہ میمن ضعیف العمری (ان کی عمر ستر سال سے زائد ہو چکی تھی) کے باوجود دو دو ذمہ داریاں ادا کر رہے تھے۔ اب انھوں نے فیصلہ کیا کہ پوری توجہ ادارۂ تحقیقات اسلامی اور وہاں تحقیقی کاموں پر صرف کریں گے چنانچہ ۳۱ ر مارچ ۱۹۵۹ء کو انھوں نے جامعہ کراچی سے اپنا تعلق منقطع کر لیا۔ کچھ ہی عرصے بعد ۱۸ ر جون ۱۹۶۰ء کو بعض مخصوص حالات کی وجہ سے مرکزی ادارۂ تحقیقات اسلامی سے بھی اپنا تعلق منقطع کرنے پر مجبور کر دیے گئے۔ ان مخصوص حالات کے بارے میں علامہ میمن نے اپنے مذکورہ بالا انٹرویو میں فرمایا:

> ''کچھ عرصے بعد یہ ادارہ انگریز کے زمانے کی پود کے حوالے کر دیا گیا جنھیں اسلام اور عربی زبان سے کوئی واقفیت ہی نہ تھی اور یہ اسلامی ادارہ رویتِ ہلال کے تنازعے برپا کرنے، نماز روزے بخشوانے کے شوقین اور سود کو جائز قرار دینے والوں کے ہاتھوں میں چلا گیا۔ انسٹیٹیوٹ کے بارے میں میرا یہ خیال تھا کہ اس ادارے سے یہ ملک علم و فضل اور تاریخ اسلام وغیرہ کا مخزن بن جائے گا اور اس اسلامی ملک کی ایک بڑی کمی پوری ہو جائے گی لیکن افسوس عالمِ اسلام میں اس ادارے کو کوئی اہمیت نہ مل سکی۔ میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ میرے زمانے میں جب یہ ادارہ ابھی نیا ہی تھا کہ باہر کی دنیا میں اس کا چرچا ہو گیا تھا''[۲۱]۔

علامہ میمن کی ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی سے علیحدگی کے حوالے سے ڈاکٹر عبدالحلیم چشتی صاحب کا بیان ذرا مختلف ہے۔ چشتی صاحب اس دور میں ادارے میں اسسٹنٹ لائبریرین تھے ان کا تقرر علامہ میمن ہی نے کیا۔ بقول ان کے علامہ میمن کا ذوق خالص تحقیقی تھا۔ یہ ادارہ ایک سرکاری ادارہ تھا اور حکومت کی اپنی ترجیحات ہوتی ہیں جو ضروری نہیں کہ اہلِ علم سے مواقف ہوں۔ دوسری وجہ یہ ہوئی کہ علامہ میمن کو عربی زبان و ادب پر بے شک غیر معمولی عبور حاصل تھا

لیکن دیگر شعبوں خصوصاً عہدِ جدید کے نئے نئے مسائل اور ان کے حل کے لیے ان کی صلاحیت اور ان کا علم ناکافی تھا اسی وجہ سے ان کے بعد پاکستان کے ایک نامور اسکالر ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی مرحوم کو ادارے کا ڈائریکٹر بنایا گیا[۲۲]۔

مرکزی ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی، علامہ میمن کے بعد

مئی ۱۹۶۶ء میں یہ ادارہ کراچی سے اسلام آباد منتقل کر دیا گیا۔ ساتھ ہی علامہ میمن کا شب و روز محنت کی سے جمع کردہ کتب خانہ بھی منتقل ہو گیا۔ آج کل یہ ادارہ فیصل مسجد، اسلام آباد کی عمارت میں قائم ہے اور وہیں یہ نادر و نایاب کتب خانہ بھی محفوظ ہے جس میں اس دوران گراں قدر اضافہ ہوا ہے[۲۳]۔

ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی سے سبکدوشی کے بعد تقریباً پانچ برس تک علامہ میمن نے کراچی ہی میں قیام کیا۔ وہ زیادہ وقت احباب سے ملاقاتوں، علمی مجالس میں شرکت اور اپنے کتب خانے میں کتب بینی میں صرف کرتے۔ گاہے بگاہے کراچی سے حیدرآباد (سندھ) کا سفر بھی کرتے جہاں ان کے دونوں بڑے صاحبزادے محمد محمود میمن اور محمد سعید میمن مقیم تھے۔ حیدرآباد میں قیام کے دوران وہاں کے اہلِ علم خصوصاً علامہ کے عزیز شاگرد ڈاکٹر نبی بخش بلوچ و دیگر اہلِ علم ان سے ملاقاتیں کرتے اور علمی استفادہ بھی کرتے۔

سفرِ بہاولپور

۱۹۶۳ء میں علامہ میمن نے مولانا محمد ناظم ندوی[۲۴] کی دعوت پر کراچی سے بہاولپور کا سفر کیا۔ مولانا ناظم صاحب اس دور میں جامعہ عباسیہ بہاولپور میں بحیثیت شیخ الجامعہ خدمات انجام دے رہے تھے۔ دورانِ قیامِ بہاولپور، علامہ میمن کے روزانہ توسیعی خطبات بعد نمازِ مغرب ہوتے جن میں اساتذہ کے علاوہ عمائدینِ شہر بھی شرکت کرتے۔ جناب فرید احمد ان خطبات میں شریک رہے۔ وہ ان خطبات اور ایک خطبے کے دوران ہونے والے واقعے سے متعلق لکھتے ہیں:

''علامہ عبدالعزیز میمن کو قریب سے دیکھنے کا اتفاق ۱۹۶۳ء میں جامعۂ اسلامیہ بہاولپور[25] میں ہوا۔ علامہ وہاں توسیعی لیکچرز دینے تشریف لائے تھے۔ علامہ نے وہاں بہت سی تقاریر کیں۔ روزانہ کوئی نہ کوئی موضوع ان کو دے دیا جاتا اور استاد گھنٹوں بے تکان بولتے تھے۔ ان کی تقریر کے دوران ایسا معلوم ہوتا تھا کہ علم و فضل کا ایک سمندر ہے جو ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ ایک ایسا سمندر جہاں سے علمی معلومات کا جوار بھاٹا ابل رہا ہے اور علامہ کے سامعین ان کی گفتار کے سحر سے گم صم دکھائی دیتے۔ ان دنوں کی بہت سی باتیں مجھے یاد ہیں۔ صرف ایک بات کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں تاکہ مادی وسائل کی کمی کا ہمہ وقتی شکوہ کرنے والوں کے لیے لمحۂ فکریہ بن سکے۔ جامعہ اسلامیہ بہاولپور کے دورانِ قیام میں علامہ میمن ہوسٹل میں روزانہ بعد نمازِ مغرب مخصوص سامعین کی ایک محفل میں کسی اہم موضوع پر تقریر کرتے تھے۔ ایک دن علامہ نے اندلس اور تیونس میں مسلمانوں کی علمی خدمات کے بارے میں بڑی معرکۃ الآرا تقریر کی۔ اس نشست کی صدارت مولانا احمد سعید صاحب کاظمی[26] کر رہے تھے۔ وہ علامہ کی تقریر سے بہت متاثر ہوئے اور اپنی صدارتی تقریر میں انھوں نے کہا جب میں حضرت علامہ کی تقریر سن رہا تھا تو میرے دل میں یہ احساس اجاگر ہوا کہ اے کاش ہمارے پاس بھی وسائل ہوتے تو ہم بھی حصولِ علم کے لیے دور دراز کا سفر کرتے، علمی نوادرات دیکھتے، اسلاف کی یادگاروں کی زیارت کرتے۔ بہرحال حضرت علامہ کی بیش بہا معلومات اور خیالات سن کر مجھے خوشی ہوئی۔''

علامہ کاظمی جب تقریر ختم کر چکے تو علامہ عبدالعزیز میمن پھر اپنی نشست سے اٹھے اور چند کلمات کہنے کی اجازت طلب کی۔ اسٹیج پر آئے اور فرمانے لگے:

''حضرات! ایک بات کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں اور وہ یہ کہ حصولِ علم کے لیے سرپھرے طالب علموں کی ضرورت ہوتی ہے اور ایسے افراد کے لیے مادی وسائل کی مشکلات کوئی اہمیت نہیں رکھتیں کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ علم کی لگن انسان

کی افتادِ طبع کو مشکل پسندی کا گرویدہ بنادیتی ہے۔ جب میں دہلی میں تھا تو اپنے جیب خرچ سے اور بعد کو اپنی ملازمت کی تنخواہ سے کچھ نہ کچھ ضرور پس انداز کرتا تھا۔ اور اگر میں بھی مالی وسائل کی کمی بیشی کا رونا لیے بیٹھتا تو شاید آج آپ کے سامنے آنے کے قابل نہ ہوتا''۔[۲۷]

دورانِ قیام جامعہ اسلامیہ عباسیہ میں علامہ کے خطبات کے علاوہ علمی محافل بھی منعقد ہوئیں۔ ان محافل کے حوالے سے فرید احمد لکھتے ہیں:

''جامعۂ اسلامیہ بہاولپور میں قیام کے دوران میں حضرت علامہ نے علمی حلقوں کو بہت متاثر کیا تھا۔ آج، جو لوگ ان تقاریر سے فیضیاب ہوئے تھے، حضرت علامہ کو یاد کرتے رہتے ہیں۔ میں نے ان دنوں جب علامہ صاحب کو پہلی مرتبہ دیکھا تو وہ چند اساتذہ کے ساتھ بیٹھے عربی زبان کے تلفظ پر بات کر رہے تھے کہ کس طرح زیر وزبر اور پیش کے سہو سے معانی بدل جاتے ہیں۔ علامہ عربی زبان کے تلفظ کی صحیح ادائیگی پر بہت زور دیتے تھے۔ انھوں نے اسی محفل میں ایک واقعہ بھی سنایا کہ ''ایک دفعہ مولانا ابوالکلام آزاد سے بات ہو رہی تھی تو میں نے محسوس کیا کہ مولانا نے ''خَلْدُوْن'' کو ''خَلِّدُوْن'' کہا۔ میں نے موقع کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے اس تلفظ کو درست کیا کہ یہ لفظ تو خالد سے ہے اور ''خَـــلْـــدُوْن'' ہے۔ مولانا نے کہا کہ ہاں ہاں درست ہے۔ پھر میں نے ''خَلِّدُوْن'' کی بات کی۔ مولانا مسکرائے اور کہنے لگے ''بھائی میری زبان پر کئی الفاظ غلط چڑھ گئے ہیں۔ میں زیادہ عرصہ بنگال کے علاقے میں رہا ہوں بلکہ بچپن کا زمانہ کلکتے میں گزرا اور بے بس ہوں''۔[۲۸]

حواشی

۱۔ ''اخبار جہاں'' میں شائع شدہ اس انٹرویو کا عکس جناب عقیل عباس جعفری کی عنایت سے حاصل ہوا جس کے لیے راقم ان کا مشکور ہے۔

۲۔ ڈاکٹر عبدالوہاب عزام (۱۸۹۴ـ۱۹۵۹ء) پاکستان میں مصر کے پہلے سفیر اور عربی زبان کے شاعر اور ادیب تھے۔

۳۔ جناب ممتاز حسن پاکستان کے نامور ماہر اقتصادیات اور سابق مینیجنگ ڈائریکٹر نیشنل بینک آف پاکستان تھے۔ وہ پاکستان کے کئی علمی و ادبی اداروں کے بانی اور اہل علم و تحقیق کے بڑے سرپرست تھے۔ آپ ۶ راگست ۱۹۰۷ء کو پیدا ہوئے اور وفات مورخہ ۲۸ راکتوبر ۱۹۷۴ء کو کراچی میں ہوئی۔

۴۔ پروفیسر اے بی اے حلیم اس سے قبل مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبہء تاریخ کے پروفیسر اور چیرمین اور اس کے بعد یونیورسٹی کے پرووائس چانسلر رہ چکے تھے اور علامہ میمن کی صلاحیتوں کے معترف تھے۔ آپ کا انتقال ۲۰ راپریل ۱۹۷۵ء کو کراچی میں ہوا۔

۵۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی ۲۰ نومبر ۱۹۰۳ء کو پٹیالی میں پیدا ہوئے۔ آپ نامور مورخ، ماہر تعلیم اور کراچی یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر تھے۔ تقسیم سے قبل آپ سینٹ اسٹیفنز کالج دہلی میں تاریخ کے استاد تھے۔ آپ نے پاکستان کے ابتدائی دور میں تین سال تک بحیثیت وزیر تعلیم بھی خدمات انجام دیں۔ مقتدرہ قومی زبان کے بھی آپ ہی بانی تھے۔ آپ کا انتقال ۲۲ جنوری ۱۹۸۱ء کو کراچی میں ہوا۔

۶۔ سہ ماہی فکر ونظر اسلام آباد بابت دسمبر ۱۹۷۸ء کے مطابق علامہ میمن نے ادارے میں ۱۴ راکتوبر ۱۹۵۴ء سے بحیثیت ڈائریکٹر خدمات کا آغاز کیا۔

۷۔ ملاحظہ فرمائیے ''ادارۂ تحقیقات اسلامی اور علامہ میمن'' از پروفیسر محمد محمود میمن، سہ ماہی فکر ونظر اسلام آباد، دسمبر ۱۹۸۰ء، ص ۴۶۔

۸۔ ایضاً

۹۔ ہفت روزہ اخبار جہاں کراچی، مورخہ ۳۰ ستمبر ۱۹۷۰ء۔

۱۰۔ یہ کتاب دار المنارہ جدہ سے ۱۹۹۲ء میں شائع ہوئی۔

۱۱۔ اخبار جہاں، بحوالہ بالا۔

۱۲۔ ڈاکٹر عزالدین تنوخی عربی زبان کے نامور محقق اور دمشق کی مشہور علمی اکیڈمی المجمع العلمی العربی کے

نائب رئیس تھے۔آپ کا انتقال ۱۹۶۶ء میں ہوا۔

۱۳۔ احمد راتب نفاخ شام کے نامور عالم، محقق اور شاعر تھے۔آپ کا انتقال ۱۹۷۴ء میں ہوا۔

۱۴۔ ملاحظہ فرمایئے ''علامہ عبدالعزیز المیمن راجکوٹی اور ان کی کتاب ابوالعلاء وما الیہ'' پروفیسر محمد اجتباء ندوی در ''علامہ عبدالعزیز میمن۔حیات وخدمات'' (مجموعۂ مقالات) ص ۲۶۸۔

۱۵۔ شمس العلماء ڈاکٹر عمر بن محمد داؤد پوتہ نامور عالم اور عربی دان۔آپ تمام عمر عربی زبان کے فروغ کے لیے کوشاں رہے۔آپ کا انتقال ۲۲ رنومبر ۱۹۵۹ء کو کراچی میں ہوا۔ڈاکٹر داؤد پوتہ کا عربی زبان میں لکھا خط بنام علامہ میمن ملاحظہ فرمایئے باب نمبر ۱۷ میں۔

۱۶۔ ''ادارۂ تحقیقات اسلامی اور علامہ میمن'' از پروفیسر محمد محمود میمن ،ص ۴۶۔

۱۷۔ ڈاکٹر محمد صابر صاحب (وفات ۸ نومبر ۲۰۰۹ء، کراچی) سے راقم کی مفصل ملاقات ۲۴ رفروری ۲۰۰۳ء اور اس کے بعد متعدد مواقع پر ہوئی۔

۱۸۔ ملاحظہ فرمایئے ماہنامہ ضیاء الاسلام اعظم گڑھ کا قاضی اطہر نمبر، اگست تا دسمبر ۲۰۰۳ء، ص ۱۱۶۔

۱۹۔ ''علامہ عبدالعزیز میمن کی یاد میں'' از پروفیسر غلام احمد حریری، ماہنامہ محدث لاہور، محرم الحرام صفر المظفر ۱۳۹۹ھ، ص ۶۱۔

۲۰۔ ''ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی اور علامہ میمن'' از پروفیسر محمد محمود میمن۔ص ۴۶۔

۲۱۔ ہفت روزہ اخبار جہاں کراچی، مورخہ ۳۰ رستمبر ۱۹۷۰ء۔

۲۲۔ ''علامہ محمد عبدالعزیز میمن'' از ڈاکٹر عبدالحلیم چشتی (غیر مطبوعہ مضمون۔یہاں یہ تصحیح ضروری ہے کہ علامہ میمن کے نام میں لفظ محمد شامل نہیں)

۲۳۔ اس ادارے میں راقم الحروف کا کئی مرتبہ جانا ہوا اور اس کے کتب خانے سے استفادہ کے مواقع بھی حاصل ہوئے کہیں علامہ میمن کا نام نظر نہ آیا۔۱۹۸۸ء سے کتب خانے کا نام ''ڈاکٹر محمد حمید اللہ لائبریری'' ہے۔کتب خانے کا یہ نام اس وقت رکھا گیا جب ڈاکٹر صاحب نے ادارے کو صدر پاکستان کی جانب سے پیش کردہ دس لاکھ روپے دیے عطا کیے۔ادارے میں راقم الحروف گزشتہ سال اس مقصد سے گیا کہ ممکن ہے علامہ میمن کی ذاتی فائل ادارے میں محفوظ ہو اور اس سے کچھ نئی معلومات حاصل ہو سکیں۔ادارے کے سربراہ (ڈائریکٹر جنرل) ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری صاحب نے بڑی شفقت اور محبت کا برتاؤ کیا اور ادارے کے عملے کے ذریعے علامہ میمن کی فائل کے حصول کے لیے معاونت فرمائی لیکن خاصی کوشش کے باوجود اس طرح کی کوئی فائل دستیاب نہ ہو سکی۔معلوم ہوا وہاں اب ایسی کوئی فائل محفوظ

نہیں جس میں درکار معلومات ہوں۔

۲۴۔ مولانا محمد ناظم ندوی عربی زبان وادب کے نامور عالم تھے۔آپ دسمبر ۱۹۱۳ء میں قصبہ علی نگر، بہار میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم گھر ہی پر حاصل کی۔۱۹۲۶ء میں مدرسۂ عزیزیہ (بہار شریف) میں داخل ہوئے۔۱۹۲۸ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخل ہوئے۔یہاں آپ کے قریبی احباب میں مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی، مولانا مسعود عالم ندوی، مولانا عبدالرحمٰن کاشغری ندوی اور مولانا ابواللیث اصلاحی ندوی شامل تھے۔یہاں آپ کو شیخ تقی الدین ہلالی سے تلمذ حاصل ہوا جس کی وجہ سے عربی زبان وادب میں مہارت حاصل ہوئی۔ندوۃ العلماء سے آپ نے ۱۹۳۲ء میں فضیلت کے امتحان میں کامیابی حاصل کی۔۱۹۳۴ء سے ۱۹۳۸ء تک آپ نے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل (گجرات) میں علامہ سیّد سلیمان ندوی کے مشورے پر بحیثیت استاد عربی خدمات انجام دیں۔۱۹۳۸ء تا ۱۹۴۸ء آپ ندوۃ العلماء میں عربی ادب کے استاد رہے اور مہتمم کے فرائض بھی انجام دیے۔اس کے بعد آپ پاکستان منتقل ہو گئے اور ۱۹۵۱ء تا ۱۹۶۳ء جامعہ عباسیہ بہاولپور میں بحیثیت شیخ الجامعہ خدمات انجام دیں۔۱۹۶۳ء تا ۱۹۶۴ء جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں استاد رہے۔۱۹۷۰ء میں کراچی منتقل ہو گئے۔مولانا ناظم ندوی کا انتقال ۹ جون ۲۰۰۰ء کو کراچی میں ہوا۔آپ عربی زبان کے ماہر ادیب، انشاپرداز اور شاعر تھے۔آپ کی کتابوں میں الرسالة المحمدية (ترجمہ خطبات مدارس) باقة الازهار، قصيدة رائية وغیرہ شامل ہیں۔مولانا محمد ناظم ندوی کے مفصل حالات، اور علمی خدمات کے لیے ملاحظہ فرمایئے راقم الحروف کا مضمون ''ندوہ کا درخشندہ ستارہ۔مولانا محمد ناظم ندوی'' ماہنامہ بانگِ حرا لکھنو، جولائی ۲۰۰۵ء

۲۵۔ اس زمانے میں اس جامعہ کا نام ''جامعہ عباسیہ'' تھا۔

۲۶۔ مولانا احمد سعید کاظمی نامور عالم دین، مدرس اور مدرسۂ انوار العلوم ملتان کے بانی تھے۔آپ کی ولادت ۱۹۱۳ء میں امروہہ میں ہوئی، انتقال ۴ر جون ۱۹۸۶ء کو ملتان میں ہوا۔

۲۷۔ ملاحظہ فرمایئے ''اسلاف کی آخری صدا بے آواز ہوگئی'' از فرید احمد، ماہنامہ سب رس کراچی، یادِ رفتگاں نمبر۲، اپریل ۱۹۸۲ء، ص ۱۴۔

۲۸۔ ایضاً

باب نمبر ۸

دوسرا قیامِ لاہور

(۱۹۶۴ء تا ۱۹۶۶ء)

عالمی عربی کانفرنس میں شرکت

ستمبر ۱۹۶۴ء میں یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور کے تحت عربی زبان کی ایک عالمی کانفرنس کا انعقاد کیا گیا۔ اس وقت کالج کے پرنسپل ڈاکٹر سیّد عبداللہ (علامہ میمن کے شاگرد) تھے۔ مدعوئین میں علامہ میمن کا نام سرِفہرست تھا چنانچہ علامہ میمن لاہور پہنچے اور کانفرنس میں بھرپور شرکت کی۔ اس وقت پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر پروفیسر حمید احمد خان (۱۹۰۳ء-۱۹۷۴ء) تھے جو علامہ میمن کے علمی مقام سے بخوبی واقف تھے۔ کانفرنس کے دوران ہی انھوں نے علامہ سے پرزور درخواست کی کہ اورینٹل کالج میں دوبارہ بحیثیت صدر شعبۂ عربی تشریف لائیں اور اپنے علم سے طلبہ کو فیضیاب کریں۔ علامہ میمن تقریباً پانچ سال سے کراچی میں مقیم تھے۔ گو کہ ضعیف ہو چکے تھے (عمر ۷۶ برس ہو چکی تھی) لیکن پروفیسر حمید احمد خاں کی درخواست کو قبول کیا اور چند روز بعد اہلیہ کے ہمراہ لاہور تشریف لے گئے اور باقاعدہ تدریس کا آغاز کیا۔ علامہ میمن لاہور تو آ گئے لیکن وہاں ایک تلخ واقعہ یہ ہوا کہ ان کے تقرر کے مسئلہ پر پروفیسر حمید احمد خاں اور ڈاکٹر سیّد عبداللہ کے درمیان اختلافات ہو گئے اور بطورِ احتجاج ڈاکٹر سیّد عبداللہ نے پرنسپل شپ سے استعفیٰ دے دیا۔

اس بارے میں ڈاکٹر ظہور احمد اظہر لکھتے ہیں:

"وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی پروفیسر حمید احمد خاں (وفات ۱۹۷۴ء) میمن صاحب کے قدر دانوں میں تھے اور یونیورسٹی سے دوبارہ ان کا رابطہ استوار کر کے عربی زبان وادب کے طلباء کو فائدہ پہنچانا چاہتے تھے۔ سوائے ان لوگوں کے جن کے مفاد ترقی وغیرہ مولانا کی آمد سے متاثر ہونے والے تھے، ہم جیسے علم کے طالب وائس چانسلر کے اس تاریخی فیصلے سے خوشی سے جھوم اٹھے۔ حیرت اور افسوس کی بات یہ تھی کہ ڈاکٹر سیّد عبداللہ مولانا کے ساتھ اپنی نیازمندی اور محبت کے باوجود وائس چانسلر سے صرف اس بات پر روٹھ گئے کہ اتنے اہم فیصلے کے بارے میں انھوں نے ان سے مشورہ کیا نہ پہلے سے اطلاع دی۔ آخر کالج کی پرنسپلی سے استعفیٰ دے دیا جو شکریہ کے ساتھ قبول ہو گیا"[1]

ایک دوسرے مقام پر ڈاکٹر ظہور احمد اظہر صاحب نے علامہ میمن کے تقرر اور ڈاکٹر سیّد عبداللہ کے استعفیٰ کے بارے میں مزید وضاحت سے لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"اس وقت پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر پروفیسر حمید احمد خاں مرحوم تھے۔ خان صاحب بڑے وضع دار انسان تھے۔ قومی حمیت ورثے میں پائی تھی۔ جوہرِ قابل کی سرپرستی ان کا شیوہ تھا۔ اسی طرح کند ذہنی اور نالائقی سے وہ ہمیشہ متنفر اور بیزار رہتے تھے۔ پاکستان عربی کانفرنس کے دوران انھیں مولانا عبدالعزیز میمن سے ملنے اور ان سے متعارف ہونے کا موقع ملا۔ سیّد صاحب کی طرح خان صاحب بھی اس وقت کی ضرورت کے پیشِ نظر شعبۂ عربی کے مستقبل کے بارے میں مطمئن نہیں تھے۔ وہ شعبۂ عربی کی صدارت اور پروفیسر شپ کے لیے کسی بلند و بالا علمی شخصیت کی جستجو میں تھے۔ خان صاحب مولانا میمن سے بے حد متاثر ہوئے۔ مولانا کے علم و فضل، قوتِ حافظہ اور تحقیقی کارناموں نے گویا پروفیسر حمید احمد خاں کو مسحور کر دیا تھا۔ دل ہی دل میں خان صاحب نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ پنجاب یونیورسٹی کے شعبۂ عربی کی کرسی صدارت کے لئے مولانا عبدالعزیز سے

بڑھ کر کوئی اور مستحق نہیں۔ خان صاحب عزم و ہمت اور قوتِ فیصلہ میں اپنا جواب آپ تھے۔ کسی سے پوچھے یا مشورہ کیے بغیر انھوں نے عربی کی کرسی مولانا میمن کو پیش کر دی جسے انھوں نے کافی تردد کے بعد قبول کیا۔

اگرچہ مولانا عبدالعزیز میمن ڈاکٹر سیّد محمد عبداللہ کے استاد تھے اور سیّد صاحب ان کا بے حد احترام بھی کرتے تھے اور مولانا میمن سے بھی میں نے سیّد صاحب کے بارے میں ہمیشہ کلمۂ خیر ہی سنا لیکن سیّد صاحب اس وقت اورینٹل کالج کے بااختیار پرنسپل تھے، شعبۂ اردو اور عربی کے صدر بھی تھے اور پنجاب یونیورسٹی کی سنڈیکیٹ کے ممبر بھی تھے۔ خان صاحب نے چونکہ سیّد صاحب کو اعتماد میں نہیں لیا تھا حالانکہ دونوں ایک دوسرے کے گہرے اور بے تکلف دوست تھے اس لیے سیّد صاحب کو اس کا بہت رنج ہوا اور خان صاحب سے ناراض ہو گئے اور ایسے ناراض ہوئے کہ اورینٹل کالج اور پنجاب یونیورسٹی سے بالکل روٹھ گئے۔ استعفیٰ دے کر گھر جا بیٹھے۔ اورینٹل کالج میں ایک بحران پیدا ہو گیا۔ کالج کے در و دیوار سب کو مایوس اور اداس نظر آنے لگے'' ۔[۲]

اس بیان سے پتہ چلتا ہے کہ پروفیسر حمید احمد خان کے ڈاکٹر سیّد عبداللہ کو اعتماد میں نہ لینے کی وجہ سے ایک تلخ صورت حال پیدا ہو گئی اور وہ استعفیٰ دے کر گھر جا بیٹھے۔ اس واقعے کے بارے میں راقم الحروف نے ڈاکٹر سیّد عبداللہ مرحوم کے نامور شاگرد ڈاکٹر ممتاز منگلوری مرحوم سے گفتگو کی تو انھوں نے فرمایا کہ استعفیٰ کی اصل وجہ علامہ میمن کا تقرر نہیں تھا بلکہ اورینٹل کالج کے بعض اساتذہ کے رویّوں کی وجہ سے پروفیسر حمید احمد خان اور ڈاکٹر سیّد عبداللہ کے درمیان ایک تناؤ کی کیفیت پہلے سے موجود تھی۔ انھیں حالات میں پروفیسر حمید احمد خان نے علامہ میمن کا تقرر کیا تھا۔ راقم الحروف کی رائے میں یہ بیان زیادہ قرین قیاس ہے کیونکہ بقول ڈاکٹر منگلوری مرحوم، ڈاکٹر سیّد عبداللہ ہمیشہ علامہ میمن کا ذکر انتہائی احترام سے کرتے تھے اور جب انھوں نے ۱۹۷۳ء میں رسالہ 'افکار' کراچی کے لیے قسط وار اپنی آپ بیتی لکھی تو اس میں دو مقامات پر علامہ میمن کا ذکر انتہائی احترام آمیز الفاظ میں کیا۔ ڈاکٹر سیّد عبداللہ مرحوم کی ان تحریروں کے بارے میں ملاحظہ

فرمایئے پیشِ نظر کتاب کا باب نمبر۱۳۔ ڈاکٹر سیّد عبداللہ پر اس کے بعد مسلسل دباؤ ڈالا گیا کہ استعفیٰ واپس لے لیں لیکن وہ اس پر راضی نہ ہوئے۔ کافی کوشش کے بعد وہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ کی سربراہی پر راضی ہوئے اور اس وقت سے انتقال تک اسی عہدے پر فائز رہے اور اپنی تمام صلاحیتیں پاکستان کی علمی تاریخ کے اس سب سے بڑے منصوبے پر صرف کر دیں[۳]۔

قیامِ لاہور کے معمولات

لاہور میں علامہ میمن دو سال تک مقیم رہے۔ وہ ہر اتوار کو عربی کتب کے معروف ناشر و تاجر خان عبید الحق ندوی صاحب کے المکتبۃ العلمیہ، واقع لیک روڈ تشریف لے جاتے جہاں لاہور کے دیگر اہلِ علم بھی جمع ہوتے اور علامہ سے ملاقات و استفادہ کرتے۔ ان محافل کی روداد ان میں شرکت کنندہ شیخ نذیر حسین نے یوں بیان کی ہے:

> ''ان (علامہ میمن) کا معمول تھا کہ ہر اتوار کو مولانا عبید الحق خاں ندوی کے مکتبہ علمیہ میں آجاتے تھے۔ عربی زبان و ادب سے شغف رکھنے والے اصحاب بھی ان سے ملنے وہیں چلے آتے تھے۔ راقم السطور بھی بالالتزام ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ یہ پُر لطف نشست دو ڈھائی گھنٹے جاری رہتی تھی اور علمائے سلف، ان کی نادر تصانیف، نواب صدیق حسن خاں کی علمی خدمات اور ہندوستانی محدثین کے کارناموں کے ذکر سے معمور رہتی۔ ان کی گفتگو کا دل پسند موضوع نادر علمی کتابیں تھیں جن کی تلاش اور جستجو میں انھوں نے دمشق، قاہرہ، قسطنطنیہ اور رباط کے کتب خانے چھان مارے تھے۔ قسطنطنیہ کے علمی خزائن، عجائب گھر اور سلاطین آلِ عثمان تک کے تاریخی آثار، وہ دل کش موضوع تھا جس پر وہ حاضرینِ مجلس کو گھنٹوں اپنی پُر لطف گفتگو سے لطف اندوز کرتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ انھوں نے سلطان ٹیپو کی سفارت کا حال سنایا جو سلطان نے خلیفۃ المسلمین کی خدمت میں مدد و اعانت کے لیے قسطنطنیہ بھیجی تھی۔ اس سفارت کو زیادہ پذیرائی نہ ہو سکی اور اس

کے ارکان قسطنطنیہ ہی میں مرکھپ گئے۔ میمن صاحب بتلاتے تھے کہ ان کا قبرستان آج بھی وہاں موجود ہے۔ اس مجلس میں وہ کبھی دل لگی اور تفنن ومزاح کی باتیں بھی کیا کرتے تھے۔ عالمِ عرب کے بیشتر فضلاء سے ان کے ذاتی تعلقات تھے اور وہ ان کا ذکر کرتے رہتے تھے۔ عربوں میں وہ شامیوں کی مہمان نوازی، نرم خوئی اور خوش اخلاقی کے بڑے معترف تھے۔ اسی طرح وہ اہل تونس کی تہذیب وشائستگی کے بڑے مداح تھے اور بتلاتے تھے کہ بیشتر تونسی ان مہاجروں کی اولاد ہیں جو اندلس کو خیر باد کہہ کر شمالی افریقہ میں پناہ گزیں ہو گئے تھے۔ وہ جامعہ زیتونہ کے شیخ الجامعہ طاہر بن عاشور کی بھی تعریف کیا کرتے تھے جو بڑھاپے میں بھی نواب صدیق حسن خاں کی طرح خوبصورت اور دیدہ زیب دکھائی دیتے تھے۔ شیخ طاہر بن عاشور نے قرآن مجید کی تفسیر **التحریر والتنویر فی التفسیر** کے نام سے لکھی ہے اور اس میں اعجاز القرآن سے خاص طور پر اعتناء کیا ہے۔ وہ جدید مصر کی فرعون پرستی سے سخت متنفر تھے۔ عرب قوم پرستی، جس کا مقصد عربوں کو غیر عرب ممالک سے دور رکھنا ہے، اسے خود عربوں کے حق میں مضر سمجھتے تھے۔ برخلاف اس کے وہ ترکوں کی علمی سرپرستی کے بے حد مداح تھے جن کی علمی سرپرستی کی بدولت اسلاف کے علمی خزانے تباہ ہونے سے بچ گئے۔ اسلامی ممالک کی دینی اور اصلاحی تحریکوں پر بھی ان کی نظر اچھی تھی۔''[4]

المکتبۃ العلمیہ کی انھی نشستوں میں بعض اوقات محمد کاظم سباق (تلمیذ مولانا مسعود عالم ندوی) بھی شریک ہوتے۔ راقم الحروف سے ایک ملاقات کے دوران انھوں نے فرمایا کہ ایک مرتبہ انھوں نے علامہ میمن سے دریافت کیا کہ کیا وہ پنجاب یونیورسٹی کے ایم اے عربی کے نصاب سے مطمئن ہیں؟ علامہ نے فرمایا: بالکل نہیں۔ کاظم صاحب نے علامہ سے کہا کہ اگر ایسا ہے تو وہ خود اس نصاب کو تبدیل کیوں نہیں کر دیتے کیونکہ ان سے بہتر اس کام کے لیے کوئی نہیں۔ اس پر علامہ نے جواب دیا: ''نصاب میں کل سات مضامین ہیں۔ میں زیادہ سے زیادہ دو مضامین پڑھا سکتا ہوں، اگر نصاب تبدیل کر دیا جائے تو بقیہ مضامین کون پڑھائے گا؟''

علمی فیض رسانی کا ایک واقعہ

قیامِ لاہور کی انھی مجالس کے دوران علامہ میمن اپنے علم اور عربی زبان و ادب سے متعلق اپنی وسیع و عمیق معلومات سے حاضرین کو مستفید فرماتے۔ بعض اوقات جب عربی زبان کے مفردات کا ذکر چل نکلتا تو ایک ایک لفظ کا پس منظر، اس لفظ کی ابتدا، مختلف ادوار میں اس کے استعمالات، دورِ جاہلیت اور دورِ اسلام میں اس لفظ کی اہمیت کے بارے میں معلومات بہم پہنچاتے۔ اسی طرح کی ایک مجلس میں انھوں نے لفظ ''محراب'' کے بارے میں یہ معلومات افزا گفتگو فرمائی جسے پیرزادہ اقبال احمد فاروقی صاحب نے یوں نقل کیا:

> ''ہزاروں عربی الفاظ کی تاریخ میں سے انھوں (علامہ میمن) نے ایک دن لفظ ''محراب'' پر گفتگو کرتے ہوئے بتایا کہ یہ لفظ ''حرب'' (جنگ) سے نکلا ہے۔ عربوں کی جاہلی جنگوں میں میدانِ جنگ میں ایک مخصوص جگہ متعین ہوتی تھی جہاں سالارِ جنگ کھڑے ہوکر اپنے سپاہیوں کو ہدایت دیتا، حوصلے بڑھاتا، دشمن کے وار سے بچاتا، جنگجو دستوں کو جنگی حکمتِ عملی سے آگاہ کرتا اور دشمن کو للکارتا۔ قدیم عربوں کے ہاں اس مقام کا نام ''محراب'' تھا، یعنی حرب کا مقام اور جنگ کرنے کی جگہ۔ اسلام کی روشنیاں آئیں تو کئی دوسرے الفاظ کی طرح اس لفظ کو بھی میدانِ جنگ سے اٹھا کر مسجد میں لا رکھا گیا اور مسجد میں ''محراب'' کو مستقل جگہ دے دی گئی۔ پھر اس مقام پر ''سالارِ جنگ'' کے بجائے ''خطیب مسجد'' یا ''امام مسجد'' کو مقرر کر دیا گیا تاکہ وہ باطل قوتوں اور شیطانی حملوں کے خلاف اپنے مخاطبین کو آگاہ کرتا رہے اور جہاد کے لیے قوم کو تیار کرے، دشمن قوتوں سے بچائے۔ اسلام نے اس لفظ اور اس مقام کو اتنی اہمیت دی کہ ہمارے آقائے کریم مسجد نبویؐ میں اسی مقام پر کھڑے ہوکر اپنے جانباز صحابہ کو امر بالمعروف اور نهي عن المنكر سے آشنا فرماتے۔ سیدنا صدیق اکبرؓ اسی مقام پر کھڑے ہوکر

مسلمان لشکروں کی کمان اور اہلِ محبت کے اذہان کو سنوارتے۔اسی مقام کی طرف بڑھتے ہوئے سیّدنا عمر فاروقؓ شہید ہوئے اور اسی مقام کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے سیّدنا علی المرتضیٰؓ نے جام شہادت نوش کیا''[5]۔

پرائڈ آف پرفارمنس منجانب حکومتِ پاکستان

حکومتِ پاکستان کی جانب سے بھی علامہ میمن کی طویل علمی خدمات کے اعتراف میں ۵/ مئی ۱۹۶۶ء کو صدر ایوب خاں نے آپ کو پرائڈ آف پرفارمنس کا اعزاز دیا۔

اورینٹل کالج میں ریفرنس بہ اعزاز علامہ میمن

لاہور میں قیام کے آخری دنوں میں علامہ میمن کے اعزاز میں اورینٹل کالج لاہور میں ریفرنس بھی ہوا جس کی تفصیل سے ہمیں ڈاکٹر احمد خان صاحب نے مطلع کیا۔وہ فرماتے ہیں:

''۵ مئی ۱۹۶۶ء کو علامہ میمن کو اردو خدمات کے اعتراف میں حکومتِ پاکستان کی جانب سے تمغہء حسن کارکردگی عطا کیا گیا۔اس کی اصل وجہ یہ ہوئی کہ عربی خدمات پر تمغہء حسن کارکردگی موجود ہی نہیں تھا۔یہ تمغہ ملنے کے بعد اورینٹل کالج لاہور میں علامہ میمن کے اعزاز میں ایک علمی ریفرنس ہوا تھا جس میں دیگر حضرات کے تعریفی کلمات کے علاوہ ڈاکٹر صوفی ضیاء الحق مرحوم نے عربی میں علامہ میمن کی شان میں ایک قصیدہ بھی سنایا تھا جس میں علامہ میمن کی مدح کی گئی تھی اور ان کی علمی وتحقیقی خدمات کو سراہا گیا تھا۔''

مولوی شمس الدین سے تعلق اور ان کی دکان پر علمی گفتگو

لاہور میں قیام کے دوران علامہ میمن کا معمول تھا کہ مولوی شمس الدین کی دکان (زیر مسلم مسجد بیرون لوہاری گیٹ) ہر ہفتے جاتے۔مولوی شمس الدین مرحوم پاکستان کے تاجرانِ کتب کی تاریخ میں اپنی علمی فیض رسانی، مخطوطات اور نادر کتب کی معلومات کے حوالے سے منفرد

ترین تاجر کتب تھے۔ان کا انتقال مورخہ ۱۱ رجنوری ۱۹۶۸ء کو لاہور میں ہوا۔قیام لاہور کے دوران علامہ میمن کا معمول تھا کہ ہر ہفتے مولوی شمس الدین کی دکان پر ضرور جاتے جہاں نہ صرف نادر کتب و مخطوطات کا ذکر ہوتا بلکہ کئی اہل علم و تحقیق علامہ سے ملاقات کرتے۔مولوی شمس الدین کے انتقال کے تقریباً ایک ماہ بعد علامہ میمن کراچی سے لاہور پہنچے تو ان کی دکان پر بھی گئے۔وہاں علامہ میمن نے عالم اسلام کے چند نادر کتب کے تاجروں اور کتابوں کے بارے میں معلومات افزا گفتگو فرمائی۔خوش قسمتی سے یہ تقریر نہ صرف ٹیپ کی گئی بلکہ جناب محمد عالم مختار حق صاحب نے مولوی شمس الدین کے بارے میں اپنی کتاب 'نذر شمس' میں چھاپ بھی دی۔یہاں ہم اس اہم تقریر کے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں:

> ''میں نے قدیم کتابوں میں پڑھا ہے کہ تاجران کتب کی دکانیں اہل علم کی ایک مجمع علمی ہوا کرتی تھیں یعنی اکیڈمی ہوا کرتی تھیں جہاں مختلف المذاق اور مختلف خیال کے علماء جمع ہوا کرتے تھے اور ایک دوسرے سے تبادلہء خیال ہوا کرتا تھا۔میں نے ابن حزم کی بھی ایک تحریر دیکھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی شام کو تاجران کتب کی دکانوں پر جایا کرتے تھے۔ابن حزم خود بھی وزیر تھے اور بڑے وزیر کے بیٹے تھے چوتھی صدی ہجری کے آخر میں۔اہل علم کا مرکز ہمیشہ تاجران کتب کی دکانیں ہوا کرتی تھیں مگر آج کل کے تاجر کتب میں یہ جوہر نہیں۔''

اس کے بعد علامہ میمن نے قاہرہ کے ایک قدیم کتب کے تاجر کی سادہ دکان، اس کے اخلاق اور مہمان نوازی کے بارے میں فرمایا:

> ''محمد حامد رمضان المدنی محلہ صنادقیہ قاہرہ میں مولوی شمس الدین مرحوم کی طرح پرانی کتابوں کا تاجر تھا۔اس کے ہاں بھی عجیب عجیب چیزیں آتی تھیں اور اس سرعت سے نکل جاتی تھیں کہ دیکھنے والے دیکھتے رہ جاتے۔مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اس کے ہاں اتنا پرانا بنچ تھا کہ ایک کونے میں اگر ایک آدمی بیٹھے تو دوسری طرف والا قلابازی کھا کر نیچے گر جائے۔اتنا پرانا اور دقیانوسی کہ اسے دکان کے

باہر بھی اٹھانے کی نوبت نہیں آئی کیونکہ یہ جس زمانے میں رکھا گیا ہوگا اسی زمانے سے پڑا ہوگا۔ڈاکٹر عبدالوہاب عزّام (سابق سفیر مصر در پاکستان وسعودی عرب) جیسے اتنے بڑے فاضل آدمی روزانہ میری خاطر صنادقیہ آتے اور وہ اور میں اور کئی اور آدمی روزانہ اسی ٹوٹی پھوٹی تپائی پر بیٹھتے۔

ایک مرتبہ محمد حامد رمضان المدنی سے میں نے دو ایک رسالے خریدے جن کی قیمت تین تین یا چار چار قرش سے زیادہ نہیں ہوگی۔ یہ کل سات یا آٹھ قرش کی کتابیں ہوں گی۔ میں نے دیکھا کہ اس نے سات آٹھ یا نو دس قرش خیرات کر دیے اور چائے اور اس کے ساتھ لوازمات منگوا کر سب کھلا پلا کر چٹ کر دیے تو میں حیرت میں پڑ گیا۔اس پر وہ کہنے لگا کہ یہ تو کوئی چیز نہیں، میں تمھارے لیے ایک بڑی دعوت کرنے والا ہوں جس میں یہ چیز ہوگی اور وہ چیز ہوگی۔اتنا خلیق اور سلیم میں نے اس کو پایا باوجود اس کے کہ اس کی کمائی بھی مولوی شمس الدین کی طرح بہت تھوڑی تھی۔"

اس کے بعد علامہ میمن نے اپنے لڑکپن کا واقعہ سنایا جب وہ بغرض تعلیم دہلی میں مقیم تھے اور جامع مسجد کے سامنے قدیم کتابوں کے تاجروں کے ہاں جاتے تھے:

"میں جب لڑکپن میں دہلی آیا تو دہلی کے بہت سے خاندانوں کے آدمی اپنی کتابیں لے کر جامع مسجد کے سامنے نیچے بیٹھتے تھے۔مولوی عبدالرحمٰن جو مولوی شمس الدین فقیر کے صاحب زادے تھے وہ بھی اس بازار میں بیٹھا کرتے تھے۔میں اور مدرسہ طبیہ دہلی کے حکیم عبدالرحمٰن پنجابی پرانی کتابیں دیکھنے کے لیے اکثر ان کے ہاں ٹھہر جاتے۔ایک روز وہ مجھے کہنے لگے: صاحب زادے، تمھیں کتابیں الٹنے کا بڑا شوق معلوم ہوتا ہے؟ میں نے کہا: کچھ ہے تو سہی لیکن مجھے کچھ آتا جاتا نہیں۔وہ مجھے کہنے لگے: کچھ فکر نہ کرو مجھے خوشی ہوئی۔اگر تم کل آؤ گے تو میں تمھیں ایک قلمی کتاب دوں گا اور فکر نہ کرو، مجھے پیسے نہیں چاہییں۔چنانچہ اگلے روز وہ مشکوٰۃ شریف کا ایک نسخہ لائے جو بخط نستعلیق لکھا ہوا

تھا۔ اتنا پیارا تھا کہ میں تعریف نہیں کر سکتا اور میرا خیال ہے کہ وہ کم از کم ڈیڑھ دو سو سال پرانا ہوگا۔"

علامہ میمن نے اس کے بعد مولوی شمس الدین مرحوم کے حسنِ اخلاق اور مہمان نوازی کے بارے میں فرمایا:

"مولوی شمس الدین صاحب نے جو زمانہ پایا اور اس زمانے کے ساتھ جس خوبصورتی کے ساتھ انھوں نے نبھایا اور جو نتیجہ نکلا وہ ہم سب دیکھ رہے ہیں کہ بال بچوں کے پاس کچھ نہیں، اپنے پیچھے کچھ نہیں چھوڑ گئے، جو کماتے اس سے زیادہ اپنے دوستوں کو کھلا دیتے۔ میں ہمیشہ جب آتا تھا تو انھیں کچھ ملامت بھی کیا کرتا تھا کہ اس طرح کیسے زندگی گزرے گی؟ مگر انھوں نے کبھی پروا نہیں کی، مجھے کہتے: وقت چل جائے گا، کوئی بات نہیں۔"

اس تقریر کے آخر میں علامہ میمن نے مشہور جرمن مستشرق وستنفیلڈ کے قلمی مخطوطے اور شرح سبعہ معلقة از ابن کیسان کے مخطوطے کے حصول کا ذکر کیا ہے۔ یہ کتب انھیں حیدرآباد دکن کے پرانی کتب کے بازار سے دستیاب ہوئی تھیں[6]۔

حواشی

۱ ملاحظہ فرمایئے ''مولانا عبدالعزیز میمنی راجکوٹی۔ چند خوشگوار یادیں'' از ڈاکٹر ظہور احمد اظہر، تلخیص و ترجمہ مسعود الرحمٰن خان ندوی، ششماہی فکر و نظر علی گڑھ، جون ۲۰۰۱ء، ص ۷۸۔

۲ ملاحظہ فرمایئے ''میں، ڈاکٹر سیّد اور اورینٹل کالج'' از ڈاکٹر ظہور احمد اظہر، اورینٹل کالج میگزین، سیّد عبداللہ نمبر، ۱۹۸۷ء، ص ۷۳۔

۳ ڈاکٹر ممتاز منگلوری مرحوم سے راقم الحروف کی متعدد ملاقاتیں اگست ۲۰۰۹ تا جولائی ۲۰۱۰ء ان کی رہائش گاہ واقع شہیلیہ (نزد مانسہرہ) ہوئیں۔ ڈاکٹر صاحب نے مورخہ ۳۱ جنوری ۲۰۱۱ء کو شہیلیہ میں وفات پائی اور تدفین آبائی گاؤں 'منگلور' میں ہوئی۔ ڈاکٹر ممتاز منگلوری مرحوم کے حالات اور علمی خدمات کے لیے ملاحظہ فرمائیں 'ڈاکٹر ممتاز منگلوری کی یاد میں' از محمد راشد شیخ، ماہنامہ الحمراء لاہور، فروری ۲۰۱۱ء۔

۴ ''مولانا عبدالعزیز میمن، چند یادیں'' از شیخ نذیر حسین، ماہنامہ معارف اعظم گڑھ، جنوری ۱۹۷۹ء، ص ۵۳۔

۵ ملاحظہ فرمایئے ''وارثانِ محراب و منبر کی نذر'' از پیرزادہ اقبال احمد فاروقی۔ ماہنامہ جہانِ رضا، لاہور، ستمبر ۱۹۹۵ء، ص ۳۔

۶ ملاحظہ فرمایئے ''نذر شمس'' مرتبہ محمد عالم مختار حق، ص 217

باب نمبر ۹

قیامِ کراچی وحیدر آباد

(۱۹۶۶ء تا ۱۹۷۸ء)

لاہور سے کراچی واپسی اور قیامِ کراچی وحیدر آباد

علامہ میمن کی زندگی کا ایک روشن پہلو یہ بھی ہے کہ وہ تمام عمر اداروں اور جامعات کی اندرونی سیاست سے کنارہ کش ہو کر خالصتاً علمی و تحقیقی کام کرتے رہے اور اپنے شاگردوں کو بھی یہی نصیحت کرتے رہے۔ اورینٹل کالج میں تقرری کا کنٹریکٹ دو سال کا تھا جس کی تکمیل کے بعد جون ۶۶ء میں علامہ میمن واپس کراچی آ گئے۔ یہ گویا ان کی تدریسی زندگی کے دورِ آخر کا اختتام تھا۔

اورینٹل کالج کی ملازمت کی مدت کی تکمیل کے وقت علامہ میمن کی عمر تقریباً ۷۸ برس ہو چکی تھی۔ ان کی شہرت تمام عالم میں پھیل چکی تھی۔ اس طویل عمری میں بھی ان کی خدمات مصر، سعودی عرب اور ایران کی جامعات نے حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن ضعیف العمری کی وجہ سے علامہ میمن نے معذرت کر دی۔[1]

عربی لغت نگاری پر خطبات

جناب ممتاز حسن سابق گورنر اسٹیٹ بینک و منیجنگ ڈائریکٹر نیشنل بینک آف پاکستان

اہلِ علم کے بڑے قدر دان تھے۔ وہ علامہ میمن کی علمی خدمات کے مداح تھے۔ وہ علامہ سے ملاقات کرنے اکثر ان کے گھر تشریف لے جاتے اور خواہشمند رہتے تھے کہ علامہ کی علمیت سے زیادہ سے زیادہ لوگ فیضیاب ہوں۔ ۱۹۶۸ء میں انھوں نے علامہ میمن سے درخواست کی کہ ترقی اردو بورڈ (موجودہ اردو ڈکشنری بورڈ) جس کے وہ چیئر مین تھے، کے دفتر میں عربی لغت نگاری پر خطبات ارشاد فرمائیں اور اس موضوع پر اپنی وسیع معلومات سے حاضرینِ مجلس کو مستفید فرمائیں۔ علامہ میمن اس پر راضی ہو گئے اور عربی لغت نگاری کی تاریخ پر نہایت عالمانہ اور معلومات افزا خطبات ارشاد فرمائے۔ خطبات کے وقت علامہ کی عمر ۸۰ برس ہو چکی تھی مگر اس عمر میں بھی حافظے کا یہ عالم تھا کہ طویل نشستوں کے دوران محض حافظے کے سہارے یہ خطبات ارشاد فرماتے اور کسی لکھی ہوئی چیز سے مدد نہ لیتے۔ بعد میں ان خطبات میں سے چند کو ڈاکٹر سیّد محمد یوسف صاحب نے قلمبند کیا اور اردو لغت بورڈ کے ماہنامہ ''اردو نامہ'' میں یہ شائع ہوئے۔

افسوس ہے کہ ان خطبات کی تمام کیسٹیں اب دستیاب نہیں۔ ڈاکٹر سیّد محمد یوسف صاحب کی کوشش سے جو خطبات اردو نامہ میں چھپے وہ مکمل نہیں تھے۔ راقم الحروف اس سلسلے میں گزشتہ کئی برسوں سے کوشاں رہا لیکن نہ تو اردو ڈکشنری بورڈ اور نہ کسی اور جگہ سے ان کیسٹوں کا سراغ مل سکا۔

نزولِ قرآن کی کانفرنس میں شرکت

۱۹۶۸ء میں اسلام آباد میں وفاقی وزارت مذہبی امور اور ادارۂ تحقیقات اسلامی کے اشتراک سے جشن نزول قرآن کی چودہ سو سالہ تقریبات کے حوالے سے کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں چالیس علماء پاکستان سے اور چالیس بیرونی علماء مدعو تھے۔ پاکستانی علماء میں علامہ میمن بھی شامل تھے۔ اس موقع پر وہ کراچی سے اس کانفرنس میں شرکت کی غرض سے اسلام آباد گئے اور اس موقع پر خطاب بھی فرمایا۔

فہرست

١ - شرح مراح الارواح احمد بن علی بن مسعود

بخط سید عالم بن منبہ سنہ ١٠٨٩ھ
سہروالمصنف

٢ رسالۃ فی القراتعش
٣ - مقدمۃ فی العقائد
٤ - رسالۃ فی المغالطات العامۃ الورود
لاحب اللہ البہاری
٥ - رسالہ در حساب
٦ - ترجمہ لیلاوتی فارسی حساب

قومی عجائب گھر کراچی میں محفوظ ایک مخطوطے پر علامہ میمن کی قلمی تحریر

قومی عجائب گھر کی حصول مخطوطات کمیٹی کے لیے خدمات

جناب ممتاز حسن مرحوم ہی کی کوششوں سے قومی عجائب گھر کراچی میں محفوظ کرنے کے لیے طویل عرصے تک عربی، فارسی، اردو مخطوطات خریدے گئے۔ ان مخطوطات کی خرید سے قبل ماہرانہ رائے اور مخطوطے کی اہمیت کے تعین کی خاطر علامہ میمن کو بھی حصول مخطوطات کمیٹی Acquisition Committee میں ماہرانہ رائے کے لیے شامل کیا گیا تھا۔ علامہ میمن ہر مخطوطے کو ملاحظہ کرتے اور اس موضوع پر اپنے وسیع علم کی روشنی میں اپنی رائے تحریر فرماتے۔ قومی عجائب گھر کراچی میں محفوظ بہت سے مخطوطات پر علامہ میمن کی یہ آراء آج بھی دیکھی جا سکتی ہیں۔

دورِ آخر کی تفصیلات

علامہ میمن کی زندگی کے آخری سال کراچی میں گزرے۔ وہ بہادر شاہ ظفر روڈ بہادر آباد میں واقع ''میمن منزل'' میں اپنے وسیع کتب خانے سے استفادہ کرتے نیز آنے والوں سے ملاقات بھی کرتے تھے اور علمی گفتگو سے فیضیاب کرتے۔ ان کے دونوں بڑے صاحب زادے یعنی پروفیسر محمد محمود میمن اور محمد سعید میمن، حیدر آباد (سندھ) میں مقیم تھے جبکہ چھوٹے صاحب زادے محمد عمر میمن امریکہ جا چکے تھے۔ دونوں بیٹوں کی خواہش تھی کہ ضعیفی کے دنوں میں علامہ میمن کے لیے کراچی میں رہنا اور ساری ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانا مناسب نہیں اس لیے انھیں اب حیدر آباد منتقل ہو جانا چاہیے لیکن علامہ میمن کا یہی جواب ہوتا کہ ان کی لائبریری کا کیا ہوگا جس کے بغیر وہ زندہ نہیں رہ سکتے۔ مزید فرماتے کہ ان کے سارے دوست احباب اور خصوصاً وہ حضرات جنھیں عربی زبان سے لگاؤ ہے کراچی میں ہیں۔ اس کے علاوہ عالمِ عرب کے محققین اور علماء اکثر ان سے ملنے آتے ہیں جن کے لیے حیدر آباد پہنچنا بہت مشکل ہے۔ حیدر آباد منتقل ہونے سے وہ ان سب سے کٹ جائیں گے اور زندگی بے کیف ہو جائے گی [1]۔ چنانچہ مجبوراً بیٹوں کو خاموشی اختیار کرنی پڑتی۔

علامہ میمن نے زندگی کے اس دور میں بھی بڑی ہمت اور حوصلے سے ہر طرح کے حالات کا مقابلہ کیا۔ وہ اپنا سارا کام خود اپنے ہاتھوں سے انجام دیتے اور صدر کراچی کی مشہور ایمپریس مارکیٹ سودا سلف خریدنے خود ہی جاتے۔ لوگوں نے دیکھا کہ اگر بس میں رش ہوتا تو عربی زبان و ادب کا یہ بین الاقوامی شہرت یافتہ عالم عام مسافروں کی طرح بس کا ڈنڈا پکڑ کر بہادر آباد سے ایمپریس مارکیٹ تک کا سفر کھڑے کھڑے بھی کرتا۔ یہ تھی علامہ میمن کی اس عمر میں بھی سادگی اور جفاکشی[۳]۔

اہلیہ کی وفات

علامہ میمن کراچی میں اپنی اہلیہ کے ہمراہ میمن منزل میں مقیم تھے۔ ان کی اہلیہ محترمہ زینب بائی بلڈ پریشر کی مریضہ تھیں۔ ۱۷ر جنوری ۱۹۷۴ء کو ان پر اس مرض کا شدید حملہ ہوا اور وہ جسمانی اور دماغی طور پر معذور ہو گئیں۔ پروفیسر محمود میمن صاحب انھیں اپنے ہمراہ حیدرآباد لے گئے جہاں ۶ر مئی ۱۹۷۶ء کو انھوں نے وفات پائی[۴]۔ علامہ میمن نے اس کے بعد کا عرصہ کراچی ہی میں گزارا۔ ان میں خودداری کا مادہ بے انتہا تھا۔ بقول پروفیسر محمود میمن صاحب ان کے حیدرآباد منتقل نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ کسی صورت میں یہ تاثر نہ دینا چاہتے تھے کہ وہ اولاد کے محتاج ہیں[۵]۔ البتہ سال میں ایک دو مرتبہ بیٹوں کے پاس حیدرآباد ضرور جاتے۔

اہلیہ کے انتقال کے بعد بقیہ عرصہ علامہ میمن نے میمن منزل کراچی ہی میں گزارا۔ ان کے معمولات میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔ صبح سویرے اٹھتے، ضروریات سے فارغ ہو کر نماز فجر ادا کرتے اور اپنا ناشتہ خود ہی تیار کرتے۔ ناشتے کے بعد بڑے اہتمام سے حقہ تیار کرتے اور اس سے لطف اندوز ہوتے۔ دوپہر کا کھانا بارہ بجے کھا لیتے۔ ظہر کی نماز کے بعد ذرا دیر قیلولہ کرتے اور مغرب کی نماز کے بعد رات کا کھانا کھاتے۔ بعد عشاء سو جاتے۔ اس دور میں ان کی چھوٹی صاحبزادی محترمہ صفیہ میمن نے ان کی بہت خدمت کی۔ جب کبھی ان کی طبیعت ناساز ہو جاتی تو وہ علامہ میمن کو اپنے گھر واقع طارق روڈ، کراچی لے آتیں اور ان کی تیمارداری کرتیں[۶]۔

علامہ میمن کی عام صحت اور بینائی آخری عمر تک درست تھی۔ان کی عمر تقریباً نوے برس ہو چکی تھی۔اس طویل عمر میں وہ اخبار، بغیر چشمہ لگائے پڑھتے تھے۔اگر آخری عمر میں انھیں کوئی تکلیف تھی تو وہ جوڑوں کے درد کی تکلیف تھی جس کی وجہ سے وہ چلنے پھرنے سے کافی حد تک معذور ہو گئے اور افسوس کا اظہار کرتے کہ اس تکلیف کی وجہ سے چہل قدمی ان کے لیے مشکل ہو گئی لیکن پھر بھی وہ پیروں پر پٹیاں باندھ کر علی الصباح گھر سے بہادر آباد چورنگی تک چہل قدمی ضرور کرتے۔

۱۹۷۶ء میں علامہ میمن کے پوتے جاوید سعید میمن (ولد محمد سعید میمن) نے داؤد کالج آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی کراچی میں داخلہ لیا تو وہ علامہ میمن کے ساتھ ہی ''میمن منزل'' میں رہنے لگے۔راقم الحروف کی گزارش پر انھوں نے اس دور کے بارے میں یہ یادیں نوٹ کرائیں:

''۱۹۷۶ء میں میرے حیدر آباد سے کراچی منتقلی کے بعد سے علامہ میمن کی وفات تک شب و روز ان کا ساتھ رہا۔ جب کراچی سے حیدر آباد جانا ہوتا تو میں ہی انھیں لے کر جاتا۔ زندگی کا آخری رمضان میرے ہی اصرار پر انھوں نے حیدر آباد میں گزارا اور عید بھی وہیں کی۔تقریباً نوے برس کی عمر میں بھی ان میں قوتِ ارادی (Will Power) بے انتہا تھی۔اگر انھیں کوئی سہارا دینا چاہتا تو سختی سے منع کرتے۔روزانہ صبح پانچ بجے بیدار ہو جاتے اور مجھے بھی وہی اٹھاتے۔ وضو، نماز اور ہلکی ورزش کرتے پھر بہادر آباد چورنگی تک پیدل جاتے۔ میں نے انھیں کبھی صبح کی سیر کا ناغہ کرتے نہ دیکھا۔واپس آکر ناشتہ کرتے جس میں پنیر، شہد، انڈا، ڈبل روٹی، چائے وغیرہ لیتے۔پنیر کے بہت شوقین تھے۔ناشتے کے بعد مطالعے کے کمرے میں چلے جاتے اور تقریباً بارہ بجے تک وہیں مصروفِ مطالعہ رہتے۔البتہ آخری دنوں میں کتابوں سے کسی حد تک بے رغبتی کا اظہار کرنے لگے تھے۔بارہ بجے دھوراجی کالونی میں اپنے دوست عثمان صاحب کے ہاں چلے جاتے۔دوپہر کا کھانا اور ظہر کی نماز وہیں پڑھتے۔پھر کچھ دیر قیلولہ کرتے اور تقریباً ۳ بجے واپس آتے۔۳ بجے کے بعد گھر پر ہی رہتے۔رات کا کھانا نمازِ

مغرب کے فوراً بعد کھاتے۔ نمازِ عشاء کے فوراً بعد سو جاتے۔ رات کو نہ خود مطالعہ کرتے اور ہمیں بھی نصیحت کرتے کہ رات کو مطالعہ کرنے سے آنکھیں کمزور ہو جاتی ہیں۔ نوے برس کی عمر میں بھی ان کی بینائی اور جسمانی قویٰ مضبوط تھے''۔

حیاتِ مستعار کا آخری دن

۲۷؍اکتوبر ۱۹۷۸ء بروز جمعرات علامہ میمن کی حیات کا آخری دن تھا۔ بقول جاوید سعید میمن صاحب، اس دن بھی علامہ میمن نے اپنے معمولات حسب سابق انجام دیے۔ اسی طرح صبح کے معمولات انجام دیے اور دوپہر کو اپنے دوست عثمان صاحب کے ہاں گئے۔ تقریباً چار بجے شام گلے سے خرخر کی آواز آنے لگی اور پہلی مرتبہ انھوں نے ناسازیٔ طبع کا ذکر کیا۔ جاوید صاحب نے چائے بنائی اور علامہ نے چند گھونٹ پیے۔ اس کے بعد بیت الخلا کی حاجت ہوئی، جاوید صاحب سہارا دینے لگے لیکن منع کر دیا اور دیوار پکڑ پکڑ کر بیت الخلا گئے۔ واپسی میں ضعف طاری ہو گیا چنانچہ جاوید صاحب سہارا دے کر بستر تک لائے۔ اس کے بعد علامہ کی صاحبزادی صفیہ میمن انھیں اپنے گھر لے گئیں۔ ڈاکٹر کو بلایا جس نے تصدیق کی کہ نبض ڈوب رہی ہے۔ رات کو جاوید صاحب ساتھ ہی تھے انھوں نے دیکھا کہ تقریباً ساڑھے تین بجے گہری ہچکی آئی جس سے پورے جسم میں جنبش ہوئی اور جسم بے حس و حرکت ہو گیا۔ اگلے روز بعد نمازِ ظہر سوسائٹی قبرستان (واقع طارق روڈ) میں علامہ کا جسد خاکی سپرد خاک کیا گیا اور یوں عربی زبان و ادب کا یہ آفتاب عالم تاب جو نوے برس قبل گونڈل جیسے ایک غیر معروف قصبے میں طلوع ہوا تھا اور جس نے ساری زندگی شدید محنت و مشقت کر کے عربی زبان کی بے مثال خدمت کر کے خود عربوں میں بلند مقام حاصل کیا تھا، سوسائٹی قبرستان کراچی میں غروب ہوا۔

بقول جاوید صاحب تدفین میں تاخیر کی وجہ یہ ہوئی کہ بعض حضرات کا کہنا تھا کہ تدفین جامعہ کراچی میں ہو اور اس کے لیے کچھ تیاری بھی کر لی تھی لیکن کارپردازانِ جامعہ کی عدم دلچسپی کی وجہ سے یہ نہ ہو سکا۔

عربی زبان کی خدمت کے ثمرات

علامہ میمن نے تمام عمر کلامِ ربانی کی زبان یعنی عربی کی خاطر محنت کی۔شاید بارگاہِ الٰہی میں ان کی یہی محنت، خلوص اور عربی سے شیفتگی کو قبولیت کا درجہ عطا ہوا۔اس کے نتیجے میں انھیں زندگی میں وہ وہ نعمتیں عطا ہوئیں جو کم ہی کو نصیب ہوتی ہیں۔اس بارے میں ان کے شاگرد ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق تحریر فرماتے ہیں:

''میں علامہ کے حالات پر غور کرتا ہوں اور اس کے مقابلے میں دنیا کے حالات پر نظر کرتا ہوں تو یہی پاتا ہوں کہ اللہ کی نعمتوں میں سے کسی کو کچھ عطا ہوا ہے اور کسی کو کچھ، ساری نعمتیں یا بیشتر نعمتیں بہت کم کے نصیب میں آتی ہیں۔کسی کو علم ملا تو وہ دولت سے محروم رہا، کسی کو دولت ملی تو وہ علم سے بے بہرہ رہا۔بعض کو بہت ملا مگر اولاد سے محرومی رہی۔جہاں تک انسان کی عمر کا سوال ہے، یہی دیکھا گیا ہے کہ چند تو جوانی ہی میں اس دنیا سے چل بسے، کسی کو ادھیڑ عمر نصیب ہوئی، طویل عمر کم ہی لوگوں نے پائی۔

جہاں تک علامہ استاذی کا معاملہ ہے، یہ دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ موصوف کو سب کچھ ایک ساتھ مل گیا اور بھرپور ملا۔زندگی ملی تو اس کے ساتھ علم و ادب، ایمان، شہرت و دولت، اولاد سب کچھ ان کے مقدر میں لکھ دیا گیا۔عمر طویل ملی تو اس کے ساتھ صحت بھی عطا ہوئی اور دنیا میں کام کرنے کے قابل رکھا گیا۔سب سے بڑی نعمت جس نے علامہ کی دنیا و آخرت دونوں کو سنوارا وہ لغتِ عربی سے موصوف کا شغف ہے جو عرش کی زبان ہے۔غرض یہ کہ علم و ادب کی دنیا میں علامہ جلیل جس مقام پر فائز ہیں وہ بہت کم کے نصیب میں آیا ہے۔موصوف دنیا سے تو رخصت ہو گئے مگر اپنے بعد وہ حسنات چھوڑ گئے جو زبانِ حال سے یہی کہہ رہے ہیں:

ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما''[80]

علامہ میمن کے انتقال کے بعد ان کی یاد میں مطبوعات

علامہ میمن تو اپنی عمر طبعی پوری کر کے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔انھوں نے تمام عمر جس زبان کی تحصیل اور اس کی تحقیق و تدقیق میں صرف کی اس سے ہمارا مذہبی تعلق تو ہے لیکن علمی و ادبی تعلق نہیں۔حالانکہ اس حقیقت سے اہلِ علم بخوبی آگاہ ہیں کہ عربی زبان میں اردو کی طرح دین و ادب کی کوئی تفریق نہیں اور عربی میں قرآن و حدیث کی اگر دینی اہمیت ہے تو ادبی اہمیت بھی کچھ کم نہیں۔عالمِ عرب میں آج بھی علامہ میمن کا نام احترام سے لیا جاتا اور انکی علمی خدمات کا اعتراف کیا جاتا ہے جبکہ ہمارے ہاں صورتِ حال یہ ہے کہ عام لوگ تو کیا، جن اداروں سے ان کا تعلق رہا، وہاں بھی انھیں یاد کرنے والا کوئی نہیں۔پچیس سال سے زائد گزر چکے اب تک نہ تو ان کی سوانح شائع ہوسکی نہ ان کے نام پر کوئی کتب خانہ ہے، نہ کوئی ادارہ۔

اس کے برخلاف علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے علامہ میمن کو فراموش نہ کیا۔۸۶-۱۹۸۵ میں مجلہ المجمع العلمی الهندی، شعبہ عربی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی جانب سے دو ضخیم نمبر ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب کی زیرادارت شائع ہوئے۔اس کے بعد ۲۴/۲۵ فروری ۲۰۰۳ء کو اسی شعبے کی جانب سے علامہ میمن پر کل ہند سیمینار منعقد کیا گیا جس میں پڑھے گئے مقالات کا مجموعہ ''علامہ عبدالعزیز میمن۔حیات و خدمات'' شائع ہو چکا ہے۔

تیسرا اہم کام محمد عزیر شمس صاحب (جامعہ ام القریٰ، مکہ مکرمہ) نے کیا اور علامہ میمن کے تمام عربی مقالات اور بعض رسائل کا مجموعہ ''بحوث و تحقیقات'' کے عنوان سے دو جلدوں میں ۱۹۹۵ء میں بیروت سے شائع کرایا اور مفید حواشی بھی لکھے۔

اب تک اردو زبان میں علامہ میمن کی سوانح اور ان کی علمی خدمات پر کوئی کتاب نہیں لکھی گئی تھی۔الحمدللہ راقم الحروف نے اس موضوع پر پیش نظر کتاب کا آغاز تقریباً پندرہ برس قبل کیا اور اس کتاب کا اولین ایڈیشن جناب فیصل احمد بھٹکلی ندوی نے اپنے ادارے 'ادارۂ احیائے علم و دعوت' لکھنؤ سے مئی ۲۰۰۹ء میں شائع کیا۔یہاں یہ ذکر کرنا غیر مناسب نہ ہوگا کہ اشاعت سے تقریباً ایک برس قبل ہی یہ کتاب مکمل ہو چکی تھی۔

العدد المزدوج ۱-۲ — المجلد الحادي عشر

العدد الممتاز

عن

الأستاذ العلّامة عبدالعزيز الميمني رحمه الله

على مرور مئة عام على ميلاده

شوال ۱٤۰٦ ھ

يونيو ۱۹۸٦ م

مجلة المجمع العلمي الهندی کے میمن نمبر کا سرورق

علامہ میمنی کی یاد میں ہونے والے سیمینار میں پڑھے گئے مقالات کا مجموعہ

اولاد

علامہ میمن کی چھ اولادیں طویل عرصے تک حیات رہیں۔ان میں تین بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں۔ان چھ میں سے اس وقت صرف ڈاکٹر محمد عمر میمن حیات ہیں جو طویل عرصے سے امریکہ میں مقیم ہیں۔

علامہ میمن کے تمام بھائی ہندوستان ہی میں رہے اس لیے ان کی تمام اولادیں وہیں مقیم ہیں۔علامہ میمن کی اولاد کی مختصر تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) محمد محمود میمن: محمد محمود میمن صاحب علامہ میمن کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے۔آپ ۱۹۱۶ء میں راجکوٹ میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم لاہور اور علی گڑھ میں حاصل کی۔علی گڑھ یونیورسٹی سے ۱۹۴۲ء میں ایم اے (جغرافیہ) کی ڈگری حاصل کی۔اس کے بعد ٹریننگ کالج اجمیر میں ملازمت کی۔۱۹۴۷ء میں پاکستان منتقل ہو گئے اور سندھ یونیورسٹی (حیدر آباد) کے شعبۂ جغرافیہ میں استاد مقرر کیے گئے۔یہاں ترقی کرتے کرتے صدر شعبہ کے عہدے تک پہنچے اور ۱۹۷۸ء میں ریٹائر ہوئے۔بعد میں آپ حیدر آباد سے کراچی منتقل ہو گئے جہاں ۵/مارچ ۲۰۰۲ء کو آپ کا انتقال ہوا۔

(۲) محمد سعید میمن: ۱۹۲۰ء میں راجکوٹ میں پیدا ہوئے۔قبل تقسیم پونا اور اجمیر میں قیام رہا۔تقسیم کے بعد حیدر آباد (سندھ) منتقل ہو گئے اور تجارت سے وابستہ ہوئے۔حیدر آباد کے مشہور علاقے تلک چاڑی میں آپ کا ''میمن اسٹور'' تھا۔علامہ میمن جب کراچی سے حیدر آباد تشریف لے جاتے تو یہیں ان کی نشستیں ہوتیں۔آپ بھی بعد میں کراچی منتقل ہو گئے جہاں ۳/جولائی ۲۰۰۲ء کو انتقال ہوا۔

(۳) ڈاکٹر محمد عمر میمن: ۱۹۳۹ء کو علی گڑھ میں پیدا ہوئے۔تقسیم کے بعد پاکستان آ گئے جہاں ۱۹۶۰ء میں ایم اے (عربی) کی ڈگری حاصل کی۔۱۹۶۵ء میں امریکہ منتقل ہو گئے جہاں کیلیفورنیا یونیورسٹی سے ۱۹۷۱ء میں ڈاکٹریٹ کیا۔طویل عرصے سے آپ وسکانسن یونیورسٹی میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔

(۴) زبیدہ خاتون: ۱۹۱۸ء میں علی گڑھ میں پیدا ہوئیں۔ان کی شادی جناب علی محمد میمن سے ہوئی جو زرعی کالج پونا میں استاد تھے۔ان کا قیام پونا ہی میں رہا اور وہیں ان کی اولاد مقیم ہے۔ان کا انتقال ہو چکا ہے۔

(۵) سکینہ بانو: ۱۹۲۵ء میں پیدا ہوئیں۔ان کی شادی ڈاکٹر حبیب کوڈل سے ہوئی۔ان کا انتقال کراچی میں ۱۹۵۰ء کے کچھ ہی بعد ہوا۔

(۶) صفیہ میمن: یہ علامہ میمن کی سب سے چھوٹی اولاد تھیں جنھوں نے آخری دور میں اپنے والد مکرم کی بے حد خدمت کی۔ان کی پیدائش علی گڑھ میں ہوئی۔ایم اے (اردو) کی سند سندھ یونیورسٹی سے حاصل کی۔ان کی شادی ظفر محمود صاحب سے ہوئی جو حکومت پاکستان کے اہم ادارے سے وابستہ تھے۔صفیہ میمن کا انتقال ۱۶ رمئی ۱۹۹۴ء کو کراچی میں ہوا۔

حواشی

۱۔ دیکھیے ''والد محترم علامہ پروفیسر عبدالعزیز میمن مرحوم۔ ایک عالم اور ایک انسان'' از پروفیسر محمد محمود میمن، سہ ماہی فکر ونظر، اسلام آباد، جون ۱۹۷۹ء ص ۵۶۔

۲۔ ''والد محترم علامہ عبدالعزیز میمن مرحوم۔ چند یادیں چند باتیں'' از محمد محمود میمن، فکر ونظر، دسمبر ۱۹۷۸ء، ص ۴۹۔

۳۔ دیکھیے: ''اسلاف کی آخری صدا بے آواز ہوگئی'' از فرید احمد، ماہنامہ سب رس کراچی، یادرفتگاں نمبر دوم، اپریل ۱۹۸۲ء، ص ۱۴۳۔

۴۔ دیکھیے ''والد محترم علامہ پروفیسر عبدالعزیز میمن مرحوم ومغفور۔ ایک عالم اور ایک انسان''، ص ۴۹۔

۵۔ ایضاً۔

۶۔ بہ روایت جناب جاوید سعید میمن صاحب۔

۷۔ ایضاً۔

۸۔ دیکھیے ''استاذی محترم عبدالعزیز میمنی کی خدمت میں چند سال'' از پروفیسر سید رفیع الدین، در کتاب ''علامہ عبدالعزیز میمنی حیات وخدمات (مجموعہ مقالات)'' شعبۂ عربی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، ۲۰۰۳ء۔

باب نمبر۱۰

عربی زبان اور علامہ میمن

علامہ میمن کا تعلق جس علاقے سے تھا، وہ پس ماندہ اور علمی مراکز سے دور تھا۔ اسی طرح ان کے بزرگوں میں بھی کوئی علمی روایت نہیں تھی بلکہ ان کا پیشہ کاشتکاری اور تجارت ہی رہا۔ ایسے علاقے اور ایسے ماحول میں پرورش کے باوجود جیسے جیسے ان کی زندگی کا کارواں آگے بڑھتا رہا، عربی زبان وادب سے ان کا تعلق مضبوط سے مضبوط تر ہوتا گیا اور ان کا نام ہی استناد کی علامت بن گیا۔ آج تمام سہولتوں کے باوجود برصغیر پاک و ہند کا کوئی عالم اس مقام پر نظر نہیں آتا جہاں آج سے تقریباً اسی برس قبل علامہ میمن پہنچ چکے تھے۔ یہ ان کی لگن، سخت محنت اور تائید الٰہی تھی کہ وہ عربی زبان کے حوالے سے اس مقام تک پہنچے کہ بقول عبدالعزیز خالد

پکارتے تھے عرب بھی ابوالعرب اس کو ۔

عربی زبان سے تعلق کا آغاز اور درجہ کمال تک ترقی

علامہ میمن کی ابتدائی زندگی سے یہ ہرگز معلوم نہیں ہوتا کہ انھیں ابتدا ہی سے عربی سے تعلق تھا۔ جیسا کہ ذکر کیا گیا ان کے والد نے انھیں دینی تعلیم دینے کا فیصلہ کیا تھا اور ان کا ارادہ صرف یہی تھا کہ پہلی نرینہ اولاد کو دینی تعلیم دلائیں گے۔ بعد میں حالات کا رخ اس طرف ہو گیا کہ علامہ میمن کا تعلق عربی زبان سے قوی سے قوی تر ہوتا گیا گویا کہ بقولِ اقبال

کہ فطرت خود بہ خود کرتی ہے لالے کی حنابندی

یہ ذکر آچکا کہ جب علامہ میمن نے یہ محسوس کیا کہ ان کی عربی تعلیم صحیح نہج پر نہیں ہو رہی تو انھوں نے فصولِ اکبری کی متعدد شرحیں حاصل کیں، دقّتِ نظری سے ان کا بار بار مطالعہ کیا اور شب و روز کی محنت کے بعد محض ایک ماہ میں اس کتاب پر عبور حاصل کر لیا۔ یوں اپنی محنت سے وہ استعداد جس کے لیے تین سال درکار تھے محض ایک ماہ میں حاصل کر لی۔

ہماری معلومات کی حد تک علامہ میمن کا عربی زبان و ادب سے تعلق کا آغاز ڈپٹی نذیر احمد سے تلمذ سے ہوتا ہے۔ ذکر آچکا کہ ڈپٹی صاحب عربی زبان و ادب کا نہایت پاکیزہ ذوق رکھتے تھے اور ان سے علامہ میمن نے عربی ادب کی کئی کتب سبقاً سبقاً پڑھیں۔ ڈپٹی نذیر احمد کے بعد جس استاد نے ان کا عربی سے تعلق بہت مضبوط کیا وہ شیخ طیب عرب مکی تھے۔ شیخ طیب ہی نے ایک موقع پر اللآلی کے مخطوطے کا علامہ میمن سے ذکر کیا تھا جس پر انھوں نے بعد میں اس کتاب کو Edit کیا اور سمط اللآلی کے نام سے شائع کرایا۔

قیامِ رامپور کے دوران علامہ میمن نے فارسی زبان میں بھی مہارت حاصل کی۔ اپنی ریکارڈ شدہ یادداشتوں میں وہ بیان کرتے ہیں کہ اس عہد میں فارسی میں وہ کمزوری محسوس کرتے تھے چنانچہ ایک ہی سال میں اتنی مہارت حاصل کر لی کہ وہ پنجاب یونیورسٹی کے امتحان برائے منشی فاضل میں بیٹھے اور اوّل بدرجۂ اوّل رہے۔ ایڈورڈز کالج پشاور میں علامہ میمن طلبہ کو عربی کے ساتھ ساتھ فارسی بھی پڑھاتے تھے۔ اس دور کی ایک فارسی نظم بھی موجود ہے لیکن اورینٹل کالج لاہور، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور بعد میں ہمیشہ انھوں نے عربی ہی کی تعلیم دی۔

علامہ میمن کی عربی زبان میں مہارت اور شدید تعلق کے حوالے سے دمشق (شام) کی مشہور علمی اکیڈمی المجمع العلمي العربي (موجودہ مجمع اللغة العربية) کے صدر شاکر الفحام لکھتے ہیں:

> ''علامہ میمن عربی زبان کے اسرار و دقائق سے واقف تھے، اس کی سحر انگیزی اور اعجاز بیان کے راز داں تھے، اس کے علماء، شعراء اور اصحابِ لغت سے واقف تھے، عمر اسی زبان کی خدمت میں گزار دی۔ اس علمی وراثت کی تحقیق کو مقصد قرار دیا حتیٰ کہ ان کا حال عربی ادب کے عشق میں یہ ہو گیا کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں خود اپنے

وطن اور اپنے اہل وعیال میں اجنبی ہو گیا ہوں اور نفس عربوں کی طرف اور عربی کی طرف اس قدر مائل ہے کہ میں غیر عربوں میں اجنبیت محسوس کرتا ہوں''[1]

علامہ میمن نے ابتدا میں فارسی بھی پڑھائی نیز اردو شعراء کا مطالعہ بھی کیا لیکن بعد میں انھوں نے اپنی تمام صلاحیتیں عربی زبان کے نادر مخطوطات کی تحقیق اور عربی کے فروغ میں صرف کر دیں۔عربی زبان سے اِسی شدید تعلق کے بارے میں پروفیسر غلام نبی عارف لکھتے ہیں:

''عربی ادب سے محبت اور لگن ان کی روح پر غالب آ چکی تھی اور ان کے دل کی گہرائیوں میں گھر کر چکی تھی۔انھوں نے جنون سے بھی بڑھ کر عبادت کی حد تک لغتِ عرب سے عشق اور وارفتگی کا مظاہرہ کیا۔وہ اس کے دل دادہ اور اس کے رموز واسرار کے روشن دماغ ماہر تھے۔انھوں نے تمام زندگی عربی کے لیے وقف کیے رکھی اور اس کی خدمت کرتے ہوئے راہیٔ عالمِ بقا ہو گئے۔اس کے پہلو میں وہ سکون وراحت پاتے تھے اس لیے کہ انھوں نے اس کے سحر واعجاز کا صحیح ذوق پایا تھا۔وہ اس کی پہنائیوں میں غوطہ زن ہو کر حظِ وافر پاتے تھے۔عربی ادب کے علماء،شعراء اور ادباء کے متعلق وسیع معلومات رکھتے تھے۔پوری زندگی عربی ادب کے مطالعے میں گزار دی۔اس کی نشر واشاعت اور تحقیق وتفحص میں ہمہ وقت کوشاں اور سرگرم رہے۔وہ جن طلبہ میں علم کی سچی تڑپ پاتے،ان کی علمی وادبی ذخائر ومعادن کی طرف رہنمائی کرتے۔علم وادب سے تہی دامن مدعیان عربیت کو کھری کھری سناتے۔ان کی سطحی اور بے مغز عربی تحریروں میں اغلاط کی نشاندہی کرتے اور انھیں توجہ دلاتے کہ وہ حصولِ علم کی صحیح راہ اپنائیں۔انھوں نے عرب وعجم کے کسی ایسے ادیب کو کبھی معاف نہ کیا۔شہرت وناموری کے بھوکے ادیب ان کے قلم کی ضرب سے لرزاں رہتے تھے۔عربی ادب کی خاطر جو انھوں نے محنت ومشقت اٹھائی یہ انھی کا حصہ تھا۔اس ذوق وشوق میں کبھی سست روی نہ آنے دی۔عربیت سے عشق ومحبت اور وارفتگی نے ان کو اس مقام پر لا کھڑا کیا کہ وہ خود کو اپنے اہل وطن کے درمیان غریب الاھل والدیار (پردیسی) محسوس کرنے لگے''۔[2]

علامہ میمن کا عربی اسلوبِ تحریر

علامہ میمن کی عربی تحریریں نہایت اعلیٰ اسادبِ کی حامل ہیں جن میں وہ نامانوس اور مشکل الفاظ کثرت سے استعمال کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ عالمِ عرب کے چوٹی کے علماء وفضلاء نے ان کی تحقیق اور ان کے اسلوب کی ہمیشہ تحسین فرمائی لیکن ہمارے ہاں عربی زبان کا پست معیار ہونے کی وجہ سے ان کی تحریریں نامانوس ہی رہیں۔

علامہ میمن کے اسلوبِ تحریر کے حوالے سے پروفیسر محمد سلیمان اشرف (سابق صدر شعبۂ عربی دہلی یونیورسٹی) تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ دہلی میں قطر کے سفیر نے اہلِ علم حضرات کو مدعو کیا جس میں پروفیسر صاحب خود بھی شریک تھے۔ اس پروگرام میں معروف اہل قلم اور شاعر حسین النعمۃ بھی شریک تھے۔ ایک صاحب نے دورانِ گفتگو فرمایا: ''استاذِ کبیر شیخ ابوالحسن علی ندوی عربی زبان عربوں کی طرح لکھتے ہیں''۔ اس پر حسین النعمۃ فوراً گویا ہوئے:

''استاذ المیمنی جیسی عربی زبان خود عرب بھی نہیں لکھ پاتے''۔ یہی بات نامور عراقی محقق ڈاکٹر علی جواد طاہر نے اپنے مضمون ''العربية علىٰ قلم هندى ''میں لکھی تھی۔ یہ مضمون مجلة الفيصل (ریاض) بابت دسمبر ۱۹۸۵ء وجنوری ۱۹۸۶ء میں شائع ہوا تھا۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ خود علامہ میمن، مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی عربی تحریر کو بنظر تحسین دیکھتے تھے جیسا کہ ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی اپنی کتاب ''میرِ کارواں'' میں لکھتے ہیں:

> ''ہندوستان میں عربی کے سب سے بڑے سکالر جن کا لوہا مصر و شام کے اساتذۂ فن نے مانا ہے، وہ علامہ عبدالعزیز میمن تھے جن کی تصنیف سمط اللآلي، ابو العلاء وما اليه ادبِ عربی کے مآخذ میں شمار ہوتی ہے۔
> انھوں نے متعدد بار اپنی مجلسوں میں اس کا اظہار کیا عربی زبان لکھنے پر جو قدرت علی میاں کو ہے وہ اس ملک میں کسی کو حاصل نہیں''۔[۳]

علامہ میمن کے عربی زبان وادبی سے تعلق کے حوالے سے پروفیسر سیّد رفیع الدین لکھتے ہیں:

''انھوں نے اپنا قلبی اور ذہنی تعلق ایک ایسی لغت اور اس کے ادب سے جوڑ لیا جو عرش کی زبان ہے، لوحِ محفوظ کی زبان ہے، یہ وہ زبان ہے جس میں خالق اپنی مخلوق سے بات کرتا ہے یعنی قرآن کی زبان عربی ہے اور اسی لیے قرآن غیر مخلوق بھی ہے۔ اس سے بڑا عابد کون ہوگا جو اپنی زندگی کے اوقات کو عربی اور عربی ادب میں کمال حاصل کرنے کے لیے وقف کر دے''۔[۴]

اسی مضمون میں پروفیسر سیّد رفیع الدین علامہ میمن کے تقویٰ اور عبادت کا ایک منفرد پہلو پیش کرتے ہیں:

''اگر آپ علامہ کا تقویٰ ان کی نفلی عبادتوں اور روایتی اذکار میں دیکھنا چاہیں گے تو مایوس ہوں گے۔ انھوں نے اپنے ذکر و اذکار کا ایک دوسرا طریقہ اختیار کیا جو طریقۂ قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ وغیرہ سے جدا ہے۔ انھوں نے اپنا قلبی اور ذہنی تعلق ایک ایسی لغت اور اس کے ادب سے جوڑ لیا جو عرش کی زبان ہے، لوحِ محفوظ کی زبان ہے۔ یہ وہ زبان ہے جس میں خالق اپنی مخلوق سے بات کرتا ہے یعنی قرآن کی زبان عربی ہے اسی لیے قرآن غیر مخلوق بھی ہے''۔[۵]

علامہ میمن نے نہ صرف خود عربی زبان و ادب میں اعلیٰ درجے کی مہارت حاصل کی بلکہ اس علم سے اپنے تلامذہ اور اہل تعلق کو بھی فیضیاب کیا۔ اس کی تفصیل باب نمبر ۱۳ (تلامذہ) میں دیکھی جاسکتی ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں عربی زبان و ادب کے زوال کی وجوہات علامہ میمن کی نظر میں تھیں، جنھیں وہ اکثر اپنی نجی محافل میں انھیں بیان کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ہندوستان میں عربی ادب کے زوال کی وجوہات پر اپنے شاگرد پروفیسر سیّد محمد سلیم سے فرمایا:

''ہندوستان کی بدقسمتی یہ رہی کہ ان کے حصے میں ابن عقیل تو آیا نہیں ابن حاجب آ گیا۔ کہاں ابن عقیل کہاں ابن حاجب؟ ''کافیہ'' کوئی نحو سیکھنے کی کتاب ہے؟ پھر مزید ظلم یہ ہوا کہ کافیہ کی شرح ملّا جامی یہاں مقبول ہو گئی۔ ملّا جامی کوئی نحوی ہیں؟ اسی وجہ سے اہل ہند میں عربی زبان و ادب کا ذوق پروان نہ چڑھ سکا''۔[۶]

علامہ میمن کی نظر میں عربی زبان وادب میں مہارت حاصل کرنے کے لیے جن جن کتب کا مطالعہ ضروری ہے ان کا ذکر وہ اکثر اپنی نجی محافل میں کرتے تھے۔اس حوالے سے شیخ نذیر حسین لکھتے ہیں:

''مولانا میمن درسِ نظامی کے نصابِ تعلیم میں اصلاح و ترمیم کی ضرورت شدت سے محسوس کرتے تھے۔نحو میں کافیہ اور شرح ملّا جامی جیسی کتابوں کے بجائے الفیہ کی بعض شروح اور ابن ہشام کی کتابیں پسند کرتے تھے۔ابتدائی تعلیم کے لیے امام نووی کی ریاض الصّالحین کی سفارش کرتے تھے جس میں نورِ نبوت کے علاوہ ادبی چاشنی بھی پائی جاتی ہے۔اس کے علاوہ وہ سنن ابو داؤد کی کتاب الادعیہ اور ترمذی کی کتاب الزھد و الرقاق کے مطالعے کی بھی تاکید کیا کرتے تھے۔تفسیر جلالین کے بجائے جامع البیان کی افادیت کے قائل تھے۔ابن خلدون نے جن کتابوں کو اصولِ فنِ ادب قرار دیا ہے، ان کے متعلق انھوں نے الندوہ (دورِ جدید) میں میری محسن کتابیں کے عنوان کے تحت بڑا دلچسپ تبصرہ لکھا تھا[ے]۔ان کی یہ رائے تھی کہ الکامل (للمبرد) ایک مبتدی کے لیے زیادہ مفید ہے۔ادب الکاتب کو اقتضاب کے ساتھ پڑھا جائے تو انسان کو ایک محقق لغوی بنا سکتی ہے۔کتاب البیان و التبیین (جاحظ) میں فصیح نظم ونثر کے نمونے ان چاروں سے زیادہ ہیں اور نوادرِ لغت وشعر امالی القالی میں سب سے زیادہ ہیں۔ ان کے نزدیک حماسات میں ابوتمام کا دیوان الحماسۃ سب سے عمدہ اور بہتر ہے اور نقد الشعر کے لیے ابنِ رشیق کی کتاب العمدۃ بہترین کتاب ہے۔کہا کرتے تھے کہ الغریب المصنّف (ابنِ سلام) اور اصلاح المنطق (ابن السکّیت) وہ کتابیں ہیں جن کا یاد ہونا ایک ادیب کے لیے نہایت ضروری ہے''۔[۸]

عربی مخطوطات کے بارے میں وسیع معلومات

علامہ میمن مخطوطات کے بارے میں وسیع معلومات رکھتے تھے۔انھیں علم تھا کہ کون سا مخطوطہ کس زمانے کا اور دنیا کے کس کس کتب خانے میں محفوظ ہے۔وہ نہ صرف خود ان مخطوطات پر تحقیق کر کے انھیں شائع کراتے بلکہ دوسروں کو بھی اس کام پر مائل کرتے۔اس بارے میں علامہ کے شاگرد اور بانی مرکز حماية المخطوطات العربية اسلام آباد، ڈاکٹر احمد خاں راقم کے نام خط میں لکھتے ہیں:

> ''استاذی عبدالعزیز المیمنی عربی مخطوطات کے بارے میں بہت عمدہ معلومات رکھتے تھے۔انھیں یاد رہتا تھا کہ کون سا مخطوطہ میں نے کہاں دیکھا ہے۔اگر اس میں کوئی چیز اس کتاب کے دیگر نسخوں سے کم یا زیادہ ہوتی تو وہ بھی انھیں یاد رہتی تھی۔انھوں نے کئی مخطوطات کے وجود کے بارے میں پاک و ہند ہی نہیں بلکہ عرب علماء کی رہنمائی کی ہے۔مجھے انھوں نے کئی مرتبہ بتایا کہ عرب ممالک میں موجود کئی علماء کو میں نے مخطوطات کی تحقیق پر راغب کیا ہے۔انھیں کسی خاص کتاب کے مخطوطات کہاں کہاں دستیاب ہیں، یہ بھی بتایا مثلاً انھوں نے بتایا تھا کہ میں نے اپنے دوست عزالدین التنوخی کو کتاب الاتباع والمزاوجة لابی الطیب اللغوی اور الابدال و المزاوجة والمعاقبة والنظائر جن کا صرف ایک ہی نسخہ تھا، اطلاع دی اور مشورہ دیا کہ اسے ایڈٹ کریں چنانچہ انھوں نے بہت اچھے طریقے سے تحقیق کر کے مجمع اللغة العربية بدمشق سے غالباً ۱۹۶۱ء میں چھاپی تھی''۔[9]

ڈاکٹر احمد خان آگے بیان کرتے ہیں کہ مخطوطات کا علم عرب ممالک میں زندہ کرنے والے بھی دراصل علامہ میمن ہی تھے۔اس بارے میں وہ لکھتے ہیں:

> ''مخطوطات کی تحقیق کا علم انھی سے عرب و عجم کے کئی حضرات نے سیکھا ہے۔دواوینِ عرب جن کا وجود اب ختم ہو چکا ہے، انھیں ادب کی مطبوعہ اور خطی کتابوں

کی مدد سے زندہ کرنے کا فن استاذِ مکرم ہی نے شروع کیا تھا۔۱۹۵۰ء سے قبل کسی عرب، غیر عرب یا مستشرق نے کسی قدیم عربی شاعر کے اشعار کو دیوان کی صورت میں مختلف کتب سے مدون نہیں کیا۔علامہ المیمنی نے جب اس طرف علماء کی توجہ مبذول کرائی تو شام اور زیادہ تر عراق میں کئی علماء نے مفقود دواوین عرب کو زندہ کرنا شروع کر دیا۔اس بدعتِ حسنہ کا سارا کریڈٹ علامہ المیمنی کو ہی جاتا ہے۔"[۱۰]

علامہ میمن عربی مخطوطات کے بارے میں دیگر اہلِ علم اور اداروں کی بڑی فراخ دلی سے مدد کرتے تھے۔اس بارے میں شام کی وزارتِ ثقافت کے نام خط کا ذکر پروفیسر غلام نبی عارف نے یوں کیا ہے:

"علامہ میمنی کے پاس کوئی صاحبِ ذوق مشورہ لینے کے لیے آتا تو اسے نہایت خلوص سے اپنے مفید مشوروں سے نوازتے۔شام کی وزارتِ ثقافت کے جنرل سیکرٹری نے مخطوطات کے بارے میں ان سے جو سوالات کیے تھے ان کا انھوں نے مفصل جواب کتابی شکل میں ۲۲ رنومبر ۱۹۶۰ء کو بہادر آباد کراچی سے شائع کیا[۱۱]۔انھوں نے لکھا ہے کہ اہلِ ہند گزشتہ دور میں علوم لغت کی طرف بہت کم متوجہ ہوئے۔اہلِ ہند سے علامہ صغانی اور مرتضیٰ زبیدی بلگرامی جیسے لوگوں نے عربی علوم و لغت پر کتابیں تالیف کی ہیں وہ انھوں نے عرب ممالک میں آنے کے بعد تحریر کیں۔انھوں نے ان عربی مخطوطات کے بارے میں بتایا جو ہندوستان میں متفرق مقامات پر موجود ہیں مثلاً رام پور، بانکی پور، حیدر آباد، ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ اور بمبئی۔

پاکستان میں مخطوطات کی موجودگی کے متعلق لکھا کہ یہاں بہت کم مخطوطات ہیں۔انھوں نے کراچی اور میر پور (سندھ) کے کتب خانوں کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ یہاں مجھے صرف ابن الساعاتی کے دیوان کا ایک خطی نسخہ ملا ہے"[۱۲]۔

ایک نادر مخطوطہ اور علامہ میمن کی علمی خدمت

ستمبر ۲۰۰۲ء میں راقم الحروف کی جناب محمد عزیر شمس صاحب سے مکہ مکرمہ میں مفصل ملاقاتیں ہوئیں۔انھوں نے بڑی محنت سے علامہ میمن کے عربی مقالات بحوث و تحقیقات کے عنوان سے مرتب کیے اور بیروت سے شائع کرائے۔عزیر شمس صاحب نے عربی زبان وادب کا گہرا مطالعہ کیا ہے اور عالم عرب کے محققین وعلماء سے ان کے ذاتی روابط ہیں۔انھوں نے فرمایا کہ لغتِ عربی کی کتاب تحفة المجد الصريح في شرح الكتاب الفصيح کے انتہائی اہم اور مکمل مخطوطے کا ذکر علامہ میمن نے ایک تحقیقی مضمون میں کیا ہے نیز یہ بھی لکھا ہے کہ وہ اس مخطوطے کا پتہ اس محقق کو بتائیں گے جو اس کا حق ادا کرے گا۔یہ مخطوطہ علامہ میمن ۱۹۳۵ء میں دیکھ چکے تھے۔عالم عرب کے نامور محققین آج تک اس کی تلاش میں ہیں لیکن اب تک انھیں اس کا سراغ نہ مل سکا۔اس مثال سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مخطوطات کے حوالے سے علامہ کا علم کتنا گہرا اور وسیع تھا۔

عزیر شمس صاحب نے علامہ کی علمی اعانت کا یہ واقعہ بھی بیان کیا کہ دار الکتب المصرية قاہرہ میں کتاب شرح ما يقع فيه التصحيف و التحريف کا آدھا قلمی نسخہ محفوظ تھا۔ایک موقع پر علامہ میمن کو ایک قدیم کتب فروش کے ہاں اس کا بقیہ آدھا نسخہ مل گیا۔یہ نسخہ انھوں نے خرید لیا اور رجسٹرڈ ڈاک سے تحفتاً دارالکتب بھیج دیا جس سے مخطوطہ مکمل ہو گیا۔اس طرح ایک نادر مخطوطہ مکمل شکل میں محفوظ ہو گیا۔

تحقیق نصوص کا فن اور علامہ میمن

تحقیق نصوص کا فن جدید دور کی ایک اہم ادبی پیش رفت ہے۔اس فن کی مختصراً یہ تعریف کی جا سکتی ہے کہ کسی قدیم مخطوطے یا متن کا تنقیدی ایڈیشن اپنی وسیع معلومات کی مدد سے تیار کرنا۔اس فن کے معیار پر پورا اترنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔اس بحر کی شناوری کے لیے

عربی زبان وادب پر قدرت کے ساتھ ساتھ فن کے جدید اصولوں وضوابط کو ڈھنگ سے برتنے کی مشقتوں کا قدم قدم پر واسطہ پڑتا ہے۔

تحقیق نصوص کے فن اور اس میں علامہ میمن کے مقام ومرتبہ کے حوالے سے پروفیسر عبدالباری صاحب تحریر فرماتے ہیں:

> ''علامہ میمنی کی عربی زبان وادب سے متعلق علمی جولانگاہ کا اصل محور تحقیق نصوص کا فن تھا۔ جدید عربی ادب میں اصناف سخن کے تناظر میں بات کی جائے تو تحقیق نصوص کے فن میں علامہ میمنی کا شمار مسلم محققین کے درمیان نہ صرف برصغیر ہند بلکہ سارے عالم عربی میں اولین معماروں میں کیا جاسکتا ہے۔ بات صرف اتنی ہی نہیں، حقیقت تو یہ ہے کہ انھیں اس فن میں دور جدید کا عربی زبان وادب کی دنیا میں صف اول کا اور اعلیٰ ترین محقق بھی کہا جاسکتا ہے۔ عہد جدید کے نامور عربی ناقد ڈاکٹر ناصر الدین الاسد نے علامہ میمنی کو اعرف الناس بالمخطوطات و اوسع الناس اطلاعاً علی مصادر تراثنا و امہات کتبنا فی مختلف میادین المعرفۃ کہا ہے۔ تحقیق نصوص کے فن کے دوسرے عالمی شہرت یافتہ محقق محمود محمد شاکر نے کہا ہے کہ تحقیق میں مولانا میمنی کی سمط اللآلی سے بڑھ کر کوئی کتاب نہیں۔ ڈاکٹر شاکر فہام نے سمط اللآلی کو تاج اعمال التحقیق بتاتے ہوئے علامہ میمنی کے اسلوب تحقیق کو نئی اسلوب کے لیے منارۂ ہدایت قرار دیا ہے۔''[۱۳]

مفرداتِ قرآنی کی معلومات

اردو ادب کی طرح عربی ادب میں قرآن وحدیث ودیگر ادبی کتب کی تفریق نہیں۔ یہاں

قرآن وحدیث کی دینی حیثیت کے ساتھ ساتھ انھیں ادب کی اعلیٰ ترین کتب بھی قرار دیا گیا ہے۔ اس بارے میں علامہ میمن کی سوچی سمجھی رائے تھی جس کا اظہار بہت پہلے انھوں نے اپنے گراں قدر مضمون ''آداب العربیہ'' میں کیا تھا۔اس پہلو سے بعد میں مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی کی سربراہی میں رابطہ ادبِ اسلامی نے خاصا کام کیا۔علامہ میمن نے قرآن وحدیث کا بڑی گہرائی میں مطالعہ کیا تھا۔ڈاکٹر ظہور احمد اظہر اس بارے میں لکھتے ہیں:

> ''میں نے لغوی قرآنی مفردات کے معاملہ میں اپنے اساتذہ یا علمائے وقت میں کسی کو میمنی صاحب کی طرح باخبر نہ پایا۔اس موضوع پر ان کی معلومات بہت مستحکم اور وسیع تھیں۔میں نے تو جب بھی ان سے کسی غریب (نامانوس) لفظ کے بارے میں سوال کیا تو ہمیشہ یہی اندازہ ہوا کہ ان کا جواب قرآن میں اس لفظ کا مکمل احاطہ کیے ہوئے ہوتا ہے حالانکہ وہ معروف معانی میں حافظ قرآن نہیں لیکن پورے قرآن میں متعلقہ لفظ کے متعدد شواہد اور ہر موقع کے خاص معانی کے استحضار سے وہ مجھ کو حیرت میں ڈال دیتے تھے۔مجھ سے کئی بار کہا بھی:''حافظ صاحب! حفظ قرآن تم نے کیا ہے میں نے نہیں، لیکن میں تم سے زیادہ قرآن کے لغوی مفردات جانتا ہوں اور یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ متعلقہ لفظ قرآن میں وارد ہوا ہے یا نہیں اور اگر آیا ہے تو کتنی بار، کس پارہ اور کس سورت میں؟ نیز قرآن شریف یا اس کی فہرستِ آیات کی طرف رجوع کیے بغیر آیت کا حوالہ بتا سکتا ہوں''۔[۱۴]

عربی تلفّظ پر خاص توجہ

عربی زبان بولنے میں تلفظ کی خاص اہمیت ہے۔علامہ میمن تحریر کی طرح تقریر میں بھی عربی مہارت کا اظہار کرتے تھے اور نہ صرف صحیح تلفظ ادا کرتے بلکہ اگر کوئی غلط تلفظ ادا کرتا تو اس کی اصلاح بھی کرتے۔ایسا ہی ایک واقعہ جناب محمد عالم مختار حق صاحب تحریر فرماتے ہیں:

”مولانا شمس الدین مرحوم تاجر کتب نادرہ کی دکان پر اہل علم و فضل اکٹھے ہوتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ میمن صاحب بھی دکان میں سروقد کھڑے تھے۔ اب یاد نہیں میں نے یا کسی اور صاحب نے لفظ دَمشق (د پر زبر کے ساتھ) بول دیا۔ میمن صاحب کی سماعت سے جب یہ لفظ ٹکرایا تو گویا ہوئے کہ یہ دَمشق نہیں دِمَشق (د کے نیچے زیر اور م پر زبر) ہے اور اپنے موقف کی توثیق میں سعدیؔ کا یہ شعر پڑھا:

چناں قحط سالِ شد اندر دِمشق
کہ یاراں فراموش کردند عشق“ [15]

یاد رہے کہ یہ واقعہ علامہ میمن کے دوسرے قیام لاہور (۱۹۶۴ تا ۱۹۶۶ء) کا ہے۔ علامہ میمن کا معمول تھا کہ المکتبة العلمية (لیک روڈ) اور مولوی شمس الدین تاجر کتب نادرہ (زیر مسلم مسجد بیرون لوہاری دروازہ) ہر ہفتے جایا کرتے تھے۔

اسی طرح مولانا ابوالکلام آزاد سے گفتگو اور ان کے تلفظ کی اصلاح سے متعلق ایک علمی مجلس میں یہ واقعہ سنایا:

”ایک مرتبہ مولانا ابوالکلام آزاد سے بات ہو رہی تھی تو میں نے محسوس کیا کہ مولانا نے ”خَلْدُوْن“ کو ”خَلِدُوْن“ کہا۔ میں نے موقع کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے اس تلفظ کو درست کیا کہ یہ لفظ تو خالد سے ہے اور ”خَلْدُوْن“ ہے۔ مولانا نے کہا کہ ہاں ہاں درست ہے۔ پھر میں نے ”خَلِدُوْن“ کی بات کی۔ مولانا مسکرائے اور کہنے لگے ”بھائی میری زبان پر کئی الفاظ غلط چڑھ گئے ہیں۔ میں زیادہ عرصہ بنگال کے علاقے میں رہا ہوں بلکہ بچپن کا زمانہ کلکتہ میں گزرا اور بے بس ہوں“ [16]

علامہ میمن کے نامور شاگرد ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ نے عربی مخطوطات پر علامہ میمن کی معلومات کا یہ واقعہ متعدد مرتبہ راقم سے بیان فرمایا:

”معروف جرمن مستشرق ریٹر (Helmut Ritter) استنبول کے جرمن

انسٹیٹیوٹ کا ڈائریکٹر تھا۔ وہ ایک نادر عربی مخطوطے پر تحقیق کر رہا تھا۔ اس مخطوطے میں کئی مقامات ایسے تھے جو اس سے حل نہ ہو سکے تھے۔ اس نے کئی ماہرین سے رابطہ کیا لیکن کوئی بھی اس کی مدد نہ کر سکا۔ اسی دوران اس کے ایک ترک دوست نے (جو استنبول یونیورسٹی میں پروفیسر تھے) بتایا کہ ہندوستان سے عربی کے ایک عالم آئے ہیں ان سے رابطہ کیا جائے۔ ریٹر نے ان سے کہا کہ ان عالم صاحب سے کہیں کہ مکمل تیاری کر کے آئیں اور مخطوطے کو دیکھیں۔ ان صاحب نے جب یہ پیغام علامہ میمن سے بیان کیا تو انھوں نے فرمایا کہ انھیں کسی تیاری کی ضرورت نہیں ہے جب فرمائیں میں اس علمی خدمت کے لیے حاضر ہوں۔ علامہ میمن کی ریٹر سے ملاقات ہوئی اور دورانِ ملاقات ریٹر نے جب مخطوطے کے مذکورہ مقامات علامہ کے سامنے رکھے تو انھوں نے فرمایا کہ یہ کوئی مشکل مسئلہ نہیں بات صرف اتنی ہے کہ کاتب نے ان مقامات پر تحریف کر دی ہے اور ان مقامات کی درست عبارات یہ یہ ہیں۔ ریٹر یہ سن کر حیران رہ گیا اور اس نے کہا کہ آپ درست فرماتے ہیں لیکن یہ کیسے ثابت ہوگا کہ آپ کی بتائی عبارات ہی درست ہیں؟ علامہ نے فرمایا کہ یہ بات میں اپنے عربی زبان اور خصوصاً مخطوطات کے علم کی بنیاد پر کہہ رہا ہوں اگر آپ چاہیں تو کسی اور عالم سے تصدیق کرا لیں۔ چنانچہ ریٹر نے اس بارے میں علامہ میمن کی تائید کی''۔

حواشی

۱۔ دیکھیے ''علامہ عبدالعزیز میمن علماء کی نظر میں'' از پروفیسر سید احتشام احمد ندوی در کتاب ''علامہ عبدالعزیز میمنی حیات و خدمات (مجموعۂ مقالات) شعبۂ عربی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، ۲۰۰۳ء، ص ۲۱۔

۲۔ ملاحظہ فرمایئے ''استاذ عرب وعجم۔ عبدالعزیز میمن'' از پروفیسر غلام نبی عارف، رسالہ المعارف لاہور، خصوصی شمارہ نمبر ۹، س ن، ص ۵۴۔

۳۔ دیکھیے ''میرِ کارواں'' از ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی،

۴۔ ''استاذی محترم عبدالعزیز میمنی کی خدمت میں چند سال'' از پروفیسر سیّد رفیع الدین، ص ۶۔

۵۔ ایضاً۔

۶۔ دیکھیے ''افاداتِ مولانا عبدالعزیز میمن'' از پروفیسر سیّد محمد سلیم، فکر و نظر، اسلام آباد، مئی ۱۹۸۰ء، ص ۲۶۔

۷۔ فی الحقیقت یہ تبصرہ نہیں بلکہ ''میری محسن کتابیں'' کے عنوان سے مضمون تھا جو مولانا سیّد ابوالحسن علی ندویؒ کو املا کرایا تھا۔

۸۔ ''مولانا عبدالعزیز میمن چند یادیں'' از شیخ نذیر حسین، ماہنامہ معارف اعظم گڑھ، جون ۱۹۷۹ء

۹۔ مکتوب ڈاکٹر احمد خان بنام مؤلف مورخہ ۱۵؍جولائی ۲۰۰۵ء۔

۱۰۔ ایضاً۔

۱۱۔ یہاں مضمون نگار کو غالباً سہو ہوا۔ علامہ میمن نے اپنا کوئی مکتوب کتابی شکل میں شائع نہیں کیا۔ اغلباً یہ مکتوب کی تاریخ تحریر ہے۔

۱۲۔ ''استاذِ عرب وعجم: عبدالعزیز میمنی'' از پروفیسر غلام نبی عارف، المعارف لاہور، خصوصی شمارہ نمبر ۹، ص ۸۷۔

۱۳۔ ملاحظہ فرمایئے ''علامہ عبدالعزیز میمن اور علم محاضرات'' از پروفیسر عبدالباری، در کتاب 'نقوش وخطوط'، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ، ۲۰۰۵ء، ص ۷۷

۱۴۔ ''مولانا عبدالعزیز میمنی راجکوٹی۔ چند خوشگوار یادیں'' از ظہور احمد اظہر، مترجمہ مسعود الرحمٰن

خان ندوی، فکرونظر علی گڑھ، ص ۸۷۔

۱۵ مکتوب جناب محمد عالم مختار حق بنام مؤلف مؤرخہ ۱۲/اگست ۲۰۰۳ء۔

۱۶ دیکھیے ''اسلاف کی آخری صدا بے آواز ہوگئی'' از فرید احمد، ص ۱۴۲۔

باب نمبر ۱۱

علامہ میمن کی علمی و تحقیقی خدمات

علامہ میمن کا تمام علمی و تحقیقی کام نہایت اعلیٰ درجے کا ہے۔ انھوں نے اپنی زندگی عربی ادب کے قدیم ذخائر کی دریافت، ان پر تحقیق اور حفاظت کے لیے وقف کر دی تھی۔ انھوں نے نادر مخطوطات کی دریافت اور ان پر تحقیق و تدقیق کا خود کو عادی بنا لیا تھا۔ عربی مخطوطات کے حوالے سے ان کی معلومات کا یہ عالم تھا کہ عالمِ عرب کے علماء و محققین انھیں مخطوطات کا سب سے بڑا عالم سمجھتے تھے۔ ان کی تحقیقات اس قدر بلند پایہ ہیں کہ کم علم اور پست ذوق لوگ انھیں سمجھ نہیں سکتے۔ ان کی تحریروں کو سمجھنے کے لیے عربی زبان و ادب کی اونچی سطح تک رسائی لازمی ہے۔ ان کی معلومات کا یہ عالم تھا کہ وہ کئی نادر و نایاب مخطوطات کے بارے میں بہت سے اسرار اپنے سینے میں لے گئے اور دنیا ان کی معلومات سے مکمل طور پر آگاہ نہ ہو سکی۔

علامہ میمن کی تصنیفات و تالیفات

یہاں ہم تاریخی ترتیب سے علامہ میمن کی علمی و تحقیقی کتابوں کا مختصر تعارف پیش کرتے ہیں۔ ان میں سے مختصر کتابیں محمد عزیر شمس صاحب (مقیم مکہ مکرمہ) نے علامہ کے مقالات کے مجموعے بحوث و تحقیقات کے حصہ دوم میں شامل کر دی ہیں۔

(۱) الزهر الجنی من ریاض المیمنی: یہ اب تک دستیاب کتب میں علامہ میمن کی اولین کتاب ہے۔ یہ دراصل پنجاب یونیورسٹی کے بی اے (عربی) نصاب کی نہایت عالمانہ شرح
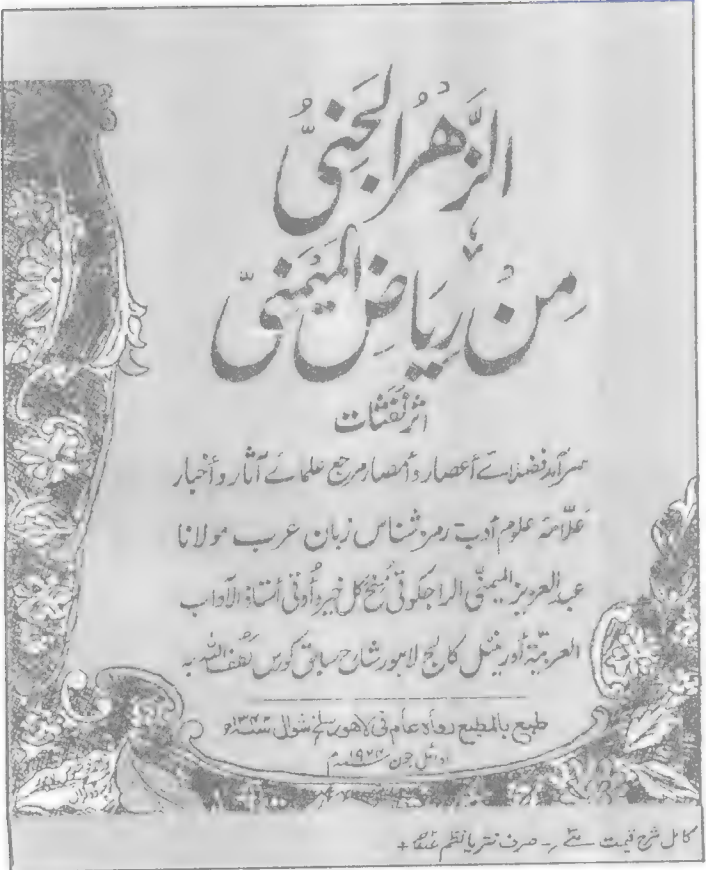
الزَّهرُ الجَنی
مِن رِیاضِ المَیمنی
اثرِ نفثاتِ
سرآمد فضلائے أعصار و أمصار مرجع علمائے آثار و أخبار
علّامۂ علوم أدب رمز شناس زبان عرب مولانا
عبد العزیز المیمنی الراجکوتی شیخ کل خیر و أوّلی أستاذ الآداب
العربیۃ اورینٹل کالج لاہور شارح سابق کورس نفعنا اللّٰہ بہ

طبع بالمطبع رفاہِ عام فی لاہور سلخ شوال ۱۳۴۲ھ
اوائل جون ۱۹۲۴م

کامل شرح قیمت ۔ صرف نثر یا نظم +

الزّھر الجَنی من رِیاض المَیمنی مطبوعہ لاہور ۱۹۲۴ء کے سرورق کا عکس

ہے جسے علامہ میمن نے بڑی محنت سے لکھا اور ۱۹۲۴ء میں لاہور سے شائع کرایا۔ اس کتاب پر جس قدر انھوں نے محنت کی اس بارے میں خود لکھتے ہیں:

> ”میں نے اس کتاب کو ہر عربی کے طالب علم کے لیے مفید بنایا ہے خواہ اس کو کسی امتحان سے سروکار نہ بھی ہو۔ اس لیے انساب، اغلاط و اوہام مصنفین، غریب لغات، تاریخی ترتیب، موانع وقلاع اندلس وغیرہ کی تحقیق میں جو میں نے کوششیں کی ہیں، ان پر میں داد چاہتا ہوں“۔[1]

ایک اور مقام پر علامہ میمن نے لکھا ہے کہ اس کتاب کی تیاری میں انھوں نے کم وبیش دوسو کتب سے استفادہ کیا تھا[2]

(۲) ابن رشیق القیروانی: علامہ میمن کی یہ محققانہ تالیف ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۹۲۴ء میں مطبع سلفیہ قاہرہ سے چھپی۔

(۳) النتف من شعر ابن رشیق و زمیله ابن اشرف القیروانیین: یہ کتاب قاہرہ سے ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۹۲۴ء میں چھپی۔

(٤) خلاصة السیر لمحب الدین الطبری: یہ کتاب ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۹۲۴ء کو قاہرہ سے شائع ہوئی۔

(٥) ثلاث رسائل: یہ کتاب علامہ میمن نے ۱۳۴۴ھ مطابق ۱۹۲۵ء کو تحقیق وتعلیق کے بعد قاہرہ سے شائع کرائی۔ اس میں درج ذیل تین نادر مخطوطات پر تحقیق کی۔

(۱) مقالة کلّا وما جاء منها فی کتاب الله لابنِ فارس

(۲) ما تلحن فیه العوام لکسائی

(۳) رسالة ابن عربی الی الفخر الرازی

(٦) ابو العلاء وما الیه: علامہ میمن کی یہی وہ معرکہ آرا کتاب ہے جس کی اشاعت کے بعد تمام عالم عرب میں ان کی عربی دانی اور علمی تفوق کی دھاک بیٹھ گئی۔ یہ کتاب عربی زبان کے مشہور نابینا شاعر ابوالعلاء المعرّی کے محققانہ حالات پر مشتمل ہے۔ اس موضوع پر اس کتاب سے قبل مشہور مصری مصنف ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی ذکری ابی العلاء چھپ چکی تھی۔ علامہ میمن نے اپنی

سلسلة دار المصنفين رقم ۳۹

وإني وإن كنتُ الأخيرَ زمانه
لآتٍ بما لم تستطعه الأوائل

أبو العلاء وما إليه

وهو كتابٌ حافلٌ بتاريخه وأخباره * جامعٌ للمباحث الدقيقة في حياته وآثاره * منبّهة على أوهام الشرق والغرب في فهم رموزه وأسراره

مما عُني بوضعه ووصفه ، وقام بجمعه ورصفه

الغريب عبد العزيز الميمني الراجكوتي الأثري الهندي
الاستاذ بجامعة علي كره الاسلامية في الهند
لطف الله به وكرمه

وطبع على نفقة جمعيه
دار المصنفين
في اعظم كره (الهند)

أشرف على طبعه
محب الدين الخطيب
منشيء مجلة الزهراء

المطبعة السلفية . القاهرة

علامہ میمنی کی معروف کتاب ابو العلاء وما الیہ کے پہلے ایڈیشن کا سرورق

کتاب میں ڈاکٹر طہٰ حسین اور معروف مستشرق مارگولیتھ نے ابوالعلا سے متعلق اغلاط کی نشاندہی کی۔اس کتاب کی اشاعت کے بعد عالم عرب کے علماء و محققین نے علامہ میمن کی تحقیق کو درست قرار دیا اور اعتراف کیا کہ علامہ میمن کی کتاب ڈاکٹر طہٰ حسین کی کتاب پر فوقیت رکھتی ہے۔اس کتاب کا پہلا ایڈیشن دارالمصنفین اعظم گڑھ کی جانب سے ۱۳۴۴ھ مطابق ۱۹۲۶ء میں المطبعة السلفية قاہرہ میں طبع ہوا۔

(۷) فائت شعر ابی العلاء ۔ابوالعلاء المعری کے وہ اشعار جو اس کے دیوان میں غیر موجود ہیں انھیں علامہ میمن نے مختلف کتب سے جمع کیا اور یہ کتاب ترتیب دی۔یہ کتاب مطبع سلفیہ قاہرہ سے ۱۳۴۵ھ مطابق ۱۹۲۶ء میں شائع ہوئی۔

(۸) رسالة الملائكة لابی العلاء المعرّی :اس نادر مخطوطے کی تصحیح و تحقیق کے بعد علامہ میمن نے قاہرہ سے ۱۳۴۴ھ مطابق ۱۹۲۶ء میں شائع کرایا۔

(۹) زيادات ديوان شعر المتنبی :عربی زبان کے مشہور عالم شاعر المتنبی کے وہ اشعار جو اس کے دیوان میں موجود نہیں، کا مجموعہ علامہ میمن نے کتب خانہ حبیب گنج سے حاصل کیا اور ۱۳۴۵ھ مطابق ۱۹۲۶ء میں مطبع سلفیہ قاہرہ سے شائع کرایا۔

(۱۰) اقليد الخزانة : عبدالقادر بغدادی کی مشہور عالم کتاب خزانة الادب کا انڈکس علامہ میمن نے ڈاکٹر مولوی محمد شفیع کی خواہش پر تیار کیا تھا۔یہ کتاب ۱۹۲۷ء میں اس وقت منظر عام پر آئی جب علامہ میمن لاہور سے علی گڑھ منتقل ہو چکے تھے۔اس کتاب کی خاطر علامہ میمن نے شدید محنت کی تھی اور خزانة الادب کے ان تمام مطبوعہ و قلمی نسخوں کی نشاندہی کی تھی جو ہندوستان و بیرونی ہند میں محفوظ ہیں۔علامہ میمن کی تیار کردہ اس کتاب کو تبدیل شدہ شکل میں شائع کیا گیا جس سے ان کے اختلافات ہوئے جس کی تفصیل گزشتہ صفحات میں آچکی ہے۔

(۱۱) اقدم كتاب فی العالم علی رأی او "جاويدان خرد" :دنیا کی قدیم ترین کتاب پر یہ مقالہ علامہ میمن نے مستشرقین ہند کی پانچویں کانفرنس منعقدہ لاہور میں ۲۳ نومبر ۱۹۲۸ء کو پڑھا۔ بعد میں اسے مجلّة المجمع العلمی العربی دمشق میں ۱۳۴۸ھ مطابق ۱۹۲۸ء کو شائع کرایا۔

لجنة التأليف والترجمة والنشر

الطرائف الأدبية

وهى مجموعة من الشعر تتألف من قسمين

القسم الأول يشتمل على :

ديوان الأفوه الأودى ، وديوان الشنفرى ، وتسع قصائد نادرة

والقسم الثانى يشتمل على :

ديوان ابراهيم بن العباس الصولى ، والمختار من شعر المتنبي والبحترى وأبى تمام

للامام عبد القاهر الجرجانى

صححه وخرّجه وعارضه على النسخ المختلفة وذيله

عبد العزيز الميمنى

أستاذ الأدب العربى بجامعه عليكرة بالهند

القاهرة

مطبعة لجنة التأليف والترجمة والنشر

١٩٣٧

الطرائف الادبیہ کا سرورق

(۱۲) کتاب المداخل : ابی عمر الزاہد کی یہ کتاب علامہ میمن کی تحقیق کے بعد ۱۳۴۸ھ مطابق ۱۹۳۹ء میں مجلّة المجمع العلمی العربی دمشق میں شائع ہوئی۔

(۱۳) نسب عدنان و قحطان : یہ بھی ابوالعباس مبرد کی کتاب ہے جس کا اصل مخطوطہ اغلاط سے پُر تھا۔ علامہ میمن نے اسے بڑی محنت سے مدون کیا اور یہ کتاب لجنة التالیف و الترجمة و النشر قاہرہ سے ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۹۳۱ء میں شائع ہوئی۔

(۱٤) ابواب مختارة من کتاب ابی یوسف یعقوب بن اسحاق الاصبهانی : یہ اہم مخطوطہ علامہ میمن نے خدا بخش لائبریری (پٹنہ) سے دریافت کیا اور ۱۳۵۰ھ مطابق ۱۹۳۱ء میں مطبع سلفیہ قاہرہ سے شائع کرایا۔

(۱۵) کتاب ما اتفق لفظه و اختلاف معناه من القرآن المجید : یہ ابوالعباس محمد بن مبرد کی کتاب ہے۔ علامہ میمن کو اس کتاب کا مخطوطہ خدا بخش لائبریری پٹنہ سے ملا جو بہت بھدے خط میں اور اغلاط سے پُر تھا۔ علامہ مرحوم نے اسے بڑی محنت سے مدون (Edit) کیا اور اسے ۱۳۵۰ھ مطابق ۱۹۳۱ء میں مطبع سلفیہ قاہرہ سے شائع کرایا۔

(۱٦) تعلیقات علی "لسان العرب" : عربی زبان کی سب سے بڑی مطبوعہ لغت لسان العرب از ابن منظور افریقی ہے۔ علامہ میمن کو یہ اعزاز حاصل تھا کہ دنیا بھر سے لسان العرب کی تصحیح کے لیے جو تین افراد چنے گئے ان میں آپ شامل تھے۔ لسان العرب کی ابتدائی جلدوں کی تصحیح اور تعلیقات پر مشتمل یہ کتاب ۱۳۵۰ھ مطابق ۱۹۳۱ء میں قاہرہ سے شائع ہوئی۔ اس کام میں علامہ میمن کے دوست پروفیسر کرینکو بھی شامل تھے۔

(۱۷) تصحیحات و تعلیقات علی خزانة الادب : خزانة الادب عبدالقادر بغدادی کی مشہور عالم کتاب ہے جس کے چار حصوں پر مشتمل علامہ میمن کی تصحیحات و تعلیقات ۱۹۲۸ء تا ۱۹۳۲ء قاہرہ سے چھپیں۔

(۱۸) کتاب اسماء جبال و تهامة : اس رسالے کا ایک خطی نسخہ علامہ میمن کو حیدر آباد دکن کے کتب خانہ سعیدیہ سے ملا تھا جسے آپ نے مرتب فرما کر پہلے اورینٹل کالج میگزین میں شائع کرایا۔ بعد میں اسے کتابی شکل میں قاہرہ سے عبدالسلام ہارون نے شائع کیا۔ اس کا سنہ اشاعت

۱۳۵۷ھ ہے۔ یہ کتاب حجاز وتہامہ کے جغرافیے پر قدیم ترین کتاب ہے۔

(۱۹) سمط اللآلی : یہ کتاب علامہ میمن کی علمی وتحقیقی زندگی کا سب سے بڑا شاہ کار ہے۔ علامہ ابن خلدون نے عربی ادب کی تحصیل کے لیے جن چار کتب کا ذکر کیا ہے ان میں (۱) ابو عبید بکری کی آلآلی فی شرح امالی (۲) جاحظ کی البیان والتبیین (۳) الکامل للمبرد اور (۴) ادب الکاتب لابن قتیبہ شامل ہیں۔ علامہ میمن نے لآلی فی شرح امالی کو سمط اللآلی کے نام سے ایڈٹ کیا۔ علامہ میمن نے دوران قیام رامپور الآلی کے مکہ مکرمہ میں محفوظ دو نسخوں کا ذکر اپنے استاد شیخ طیب عرب مکی سے سنا تھا۔ علامہ میمن نے مسلسل سات برس تک ان مخطوطوں پر محنت کی اور ۱۹۳۵ء میں خود قاہرہ جا کر کتاب کو اپنی نگرانی میں لجنۃ التالیف والترجمہ سے شایع کرایا۔ اس عظیم علمی کارنامے نے علمائے عرب کو بھی حیران کر دیا اور علامہ میمن کے علمی تفوق کی دھاک تمام اہل علم پر بیٹھ گئی۔

(۲۰) فهارس سمط اللآلي: سمط اللآلی کی اشاعت کے بعد علامہ میمن نے بڑی محنت سے کتاب میں وارد اسماء الشعراء اور فہرست القوافی والتراجم اور فہرست الامثال تیار کیں اور اس نام سے شایع کرائیں۔

(۲۱) الطرائف الادبية: علامہ میمن کی یہ کتاب لجنة التاليف والترجمه قاہرہ سے ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۹۲۷ء میں شائع ہوئی۔ عربی اشعار کا یہ مجموعہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں دیوان الافوہ الاودی اور دیوان الشنفری الازدی اور نو قصائد جبکہ دوسرے حصے میں دیوان ابراهیم بن العباس الصولي اور عبدالقادر جرجانی کا متنبیّ، بحتری اور ابوتمام کے اشعار کا انتخاب ہے۔ یہ کتاب علامہ میمن نے مصر وترکی کے کتب خانوں سے حاصل کردہ نادر و نایاب مخطوطات کی مدد سے تیار کی اور اپنے قیمتی حواشی سے مزین کیا۔

اس کتاب کا انتساب علامہ میمن نے صاحبِ کتب خانہ اور اپنے محسن مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانی کے نام بلند الفاظ میں کیا۔

(۲۲) دیوان سحیم بن عبدالحسحاس : اس اہم کتاب کا مخطوطہ علامہ میمن نے ۱۹۳۶ء

لجنة التأليف والترجمة والنشر

المجلد الآخر من

سمط اللآلي

ويحتوى على شرح الجزء الثانى من الأمالى ، وهو الخُمُسان الباقيان من

اللآلى فى شرح أمالى القالى

للوزير أبى عُبيد البكرى الأُونَبيّ

نسخه وصححه وحقق ما فيه وخرّجه ، وأضاف اليه

ذيل اللآلى فى شرح ذيل أمالى القالى

وملاحظات وتصحيحات على طبعة الدار من الأمالى

عبد العزيز الميمنى

أستاذ اللغة العربية بجامعة عليكره — الهند

مطبعة لجنة التأليف والترجمة والنشر
١٣٥٤ — ١٩٣٦

علامہ میمن کی علمی زندگی کا سب سے بڑا شاہکار سمط اللآلی کے پہلے ایڈیشن کا سرورق

میں استنبول سے حاصل کیا اور تدوین کے بعد دار الکتب المصریہ کو اشاعت کے لیے دیا۔ یہ کتاب طویل عرصے تک منتظر طباعت رہی اور ۱۳۶۹ھ مطابق ۱۹۵۲ء میں شائع ہوئی۔

(۲۳) دیوان حُمَیْدُ بن ثور الهلالی: حمید بن ثور الھلالی، صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ ان کے تین دستیاب قصائد اور متفرق اشعار کی تصحیح کے بعد علامہ میمن نے ۱۳۷۱ھ مطابق ۱۹۵۲ء میں اسے دار الکتب المصریہ سے شائع کرایا۔ یہ تمام کام انھوں نے علی گڑھ میں ۳۸-۱۹۳۷ء میں مکمل کر لیا تھا۔

(۲٤) کتاب الفاضل للمبرد: عربی زبان کے مشہور ادیب مبرد کی ایک معروف کتاب الکامل ہے جو عربی ادب کا خزانہ ہے۔ مبرد نے اسی طرز کی ایک اور کتاب الفاضل بھی لکھی جو بعد میں ناپید ہوگئی۔ علامہ میمن نے بڑی تلاش وجستجو کے بعد اس کتاب کا مخطوطہ استنبول سے دریافت کیا اور ایڈٹ کر کے ۱۳۷۵ھ مطابق ۱۹۵۶ء میں دار الکتب المصریہ قاہرہ سے شائع کرایا۔ یہ کتاب کراچی یونیورسٹی کے نصاب برائے ایم اے عربی میں شامل رہی ہے۔

(۲۵) المنقوص والممدود لفراء: اس کتاب کا مخطوطہ علامہ میمن کو کتب خانہ جامع مسجد بمبئی سے ملا جسے آپ نے تحقیق وتدقیق کے بعد ۱۹۵۶ء میں دارالمعارف قاہرہ سے شائع کرایا۔

(۲٦) الوحشیات: یہ ابوتمام طائی کی کتاب ہے جس کا مخطوطہ علامہ میمن کو استنبول سے ملا۔ اس پر آپ نے ۱۹۴۰ء میں تحقیق مکمل کی اور دار المعارف مصر کو بغرضِ اشاعت بھیجا۔ طویل انتظار کے بعد ۱۹۶۳ء میں یہ کتاب قاہرہ سے شائع ہوئی۔

(۲۷) التنبیهات علی اغالیط الرواۃ: یہ کتاب ابوالقاسم علی بن حمزہ البصری کی تصنیف ہے۔ اس کتاب کا مخطوطہ دار الکتب المصریہ قاہرہ سے دریافت کیا جس پر علامہ میمن نے اس قدر محنت کی کہ وہ خود لکھتے ہیں: ''اس کتاب میں میری محنت انتہا کو پہنچ گئی''۔ یہ کتاب طویل عرصے انتظار کے بعد ۱۹۶۷ء میں دارالمعارف قاہرہ سے شائع ہوئی حالانکہ اس کتاب کی تصحیح و تعلیق کا کام علامہ میمن ۱۹۳۹ء میں مکمل کر چکے تھے۔

دار الكتب المصرية
القسم الأدبي

ديوان حميد بن ثور الهلالي

وفيه بائية أبي دؤاد الإيادي

صنعة

الأستاذ عبد العزيز الميمني
رئيس قسم اللغة العربية بجامعة عليكره بالهند

القاهرة
مطبعة دار الكتب المصرية
١٣٧١ هـ — ١٩٥١ م

صحابی رسول اللہ ﷺ حضرت حمید بن ثور الھلالی کے دیوان کا سرورق جسے
علامہ میمن نے مرتب فرمایا

علامہ میمن کی غیر مطبوعہ کتب

علامہ میمن نے تمام عمر عربی زبان وادب کے نادر خزانوں کی تحقیق و تدقیق میں صرف کی۔ ان کی چند کتب جو زیور طباعت سے آراستہ نہ ہوسکیں ان میں درج ذیل شامل ہیں:

(۱) معجم الامثال السائرة والایام الدائرة والبنین والبنات والآباء والامهات والذوین والذوات: اس کتاب کی خاطر علامہ میمن نے عربی امثال حروفِ تہجی کے لحاظ سے سیکڑوں کارڈوں پر لکھ لیے تھے۔ بقول ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب، یہ اندراجات کتاب کی شکل اختیار نہ کرسکے۔ ڈاکٹر صاحب راقم کے نام مکتوب مورخہ ۳، نومبر ۲۰۰۹ء میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ سارے کارڈ علامہ میمن علی گڑھ سے روانگی کے وقت ڈاکٹر سیّد سلیمان اشرف (دہلی یونیورسٹی) کو دے گئے تھے یا ان کے پاس رکھوا دیے تھے۔ بعد میں علم نہ ہوا کہ ان کا کیا بنا۔

(۲) نظرة فی النجوم من "اللزوم"

(۳) نظرة علی دیوان شعری النعمان بن بشیر و بکر الدلفی: اس کتاب کے بارے میں ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب مذکورہ بالا خط میں تحریر فرماتے ہیں کہ نعمان بن بشیر اور بکر الدیلفی کے دواوین نواب عماد الملک نے چھپوائے تھے۔ اس پر کریٹیکل اور ہسٹوریکل نوٹس علامہ میمن نے لکھے تھے۔ یہ رسالہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی جانب سے شایع ہونے والا تھا لیکن نامعلوم وجوہات کی بنا پر شایع نہ ہوسکا۔

(۴) دیوان توبة من الحمیر ولیلی الأخلیة

(۵) دیوان کعب بن زهیر (بروایة الاحول) حضرت کعب بن زہیرؓ کا یہ دیوان دار الکتب العربی قاہرہ کو برائے اشاعت دیا لیکن چھپ نہ سکا۔

(۶) المستجاد من فعلات الاجواد للتنوخی

(۷) حاشیة ابن برّی وابن ظفر الصقلی علی درّة الغواص

علامہ میمن کا ذخیرۂ کتب

علامہ میمن نے تمام عمر کتابوں سے محبت کی۔ وہ محض کتاب خواں نہیں بلکہ صاحب کتاب اور کتاب شناس بھی تھے۔ مطبوعات کے علاوہ مخطوطات کا وسیع علم وہ اپنے بے مثال حافظے میں رکھتے تھے۔ ان کے عالم عرب کے علماء، محققین اور ناشرین سے ذاتی تعلقات تھے۔ یہی وجہ ہے کہ علی گڑھ میں قیام کے دوران وہ اپنی کوشش سے ایک نادر کتب خانہ بنا چکے تھے جس میں جدید و قدیم کتب کے علاوہ مخطوطات کا بھی کافی ذخیرہ موجود تھا۔ علامہ میمن کی تقریباً ہر کتاب پر ان کی مہر ''عبدالعزیز المیمنی'' موجود ہے۔

ہماری تحقیق کے مطابق علامہ کی ذاتی کتب کا بڑا حصہ متفرق مقامات پر اب بھی محفوظ ہے البتہ یہ بھی حقیقت ہے کہ ان سب کی مکمل فہرست سازی خاصا مشکل کام ہے۔

علامہ میمن کے کتب خانے کی مطبوعات میں خاص بات یہ ہے کہ ان کے تقریباً ہر صفحے اور ابتدائی و آخری سادہ صفحات پر علامہ کے قیمتی اشارات (Notes) پائے جاتے ہیں۔ یہ حواشی گویا ہیں علم و ادب کا نادر خزانہ ہیں لیکن افسوس اب تک کسی کو یہ توفیق نہ ہو سکی کہ انھیں یکجا کر کے محفوظ کر لیا جائے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ صحیح ذوقِ عربیت کی کمی ہے۔ علامہ خود اپنے تلامذہ سے فرماتے تھے کہ جب بھی کوئی نئی کتاب آتی ہے وہ اس پر اپنے حواشی لکھ کر گویا علم کی زکوۃ نکالتے ہیں۔ ان کتب میں علامہ کی تحریر سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ کون سی کتاب کس تاریخ اور کس شہر سے خریدی۔

راقم کی تحقیق کے مطابق علامہ کی کتب و مخطوطات درج ذیل مقامات پر محفوظ ہیں۔

(۱) کتب خانۂ جامعہ سندھ جامشورو:

سندھ یونیورسٹی جامشورو نے جنوری ۱۹۷۴ء میں علامہ میمن کا یہ ذخیرۂ کتب ڈیڑھ لاکھ روپے میں خریدا تھا۔ علامہ میمن کے قدردان ممتاز حسن مرحوم (سابق مینیجنگ ڈائریکٹر نیشنل بینک آف پاکستان) نے اس ذخیرے کے لیے تین لاکھ کی پیشکش کی تھی لیکن علامہ میمن نے ڈیڑھ لاکھ

میں اس لیے دیا کہ کتب ایک یونیورسٹی میں محفوظ ہو رہی تھیں جہاں ان سے استفادہ نسبتاً آسانی سے ہوتا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ اس وقت سندھ یونیورسٹی کے وائس چانسلر علامہ میمن کے عزیز شاگرد ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ تھے۔ انھی کی ترغیب پر علامہ میمن یہ ذخیرہ سندھ یونیورسٹی کو دینے پر رضامند ہوئے۔ اس ذخیرے میں عربی، فارسی اور اردو کی بہت سی مطبوعات کے علاوہ اہم مخطوطات بھی محفوظ ہیں۔ ہم یہاں ذخیرۂ میمن (جامعہ سندھ) کی چند اہم مطبوعات کے نام اس امید پر لکھ رہے ہیں کہ عربی زبان وادب کے بارے میں تحقیق کرنے والے اس علمی خزانے سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہو سکیں:

عربی کتب

⇦ دیوان الفرزدق، هیل، ١٩٠١ء. (هیل ایک مستشرق کا نام ہے)

⇦ دیوان القطامی، ١٩٠٢ء.

⇦ دیوان مسلم الانصاری، بمبئی، ١٨٩٢ء.

⇦ دیوان نابغة الذبیانی، پیرس، ١٨٩٩ء.

⇦ دیوان ابن هانی، بیروت، ١٩١٠ء.

⇦ دیوان ابی تمام، بیروت، ١٨٨٩ء.

⇦ دیوان الخنساء، القاهرة، ٨٨٨

⇦ ریاض الادب فی مراثی اسواء العرب، لویس شیخو، بیروت، ١٨٩٧ء.

⇦ ریاض النفوس، ابوبکر المالکی، القاهرة، ١٨٥١ھ.

⇦ الزهرات، عبدالرحمن کاشغری، ١٣٥٤ھ.

⇦ رسائل ابو العلاء المعرّی، بیروت، ١٨٩٨ء.

⇦ رسائل اخوان الصفا، حسین الهمذانی، لیپزك، ١٩٣٢ء

⇦ مثیر ساکن الغرام، النواب صدیق حسن خان، ١٢٨٩ھ.

⇦ السبائك للذهب، السویدی، بغداد، ١٢٨٠ھ.

- سبحة المرجان، آزاد البلجرامی، بمبئی، ۱۳۰۲ ھ.
- سیئر اعلام النبلاء ، الذهبی، قاهرة، ۱۹۵۵ء.
- اختصار سیرة ابن هشام، لیدن، ۱۸۶۰ء .
- شرح بانت سعاد، ابن هشام الانصاری، لیپزك، ۱۸۷۱ء.
- شرح معلّقة امری القیس، النحاس، ۱۹۷۶ء .
- قطر الندیٰ ، ابن هشام، بمبئی ، ۱۲۶۱ ھ .
- شرح السبع الطوال، الزوزنی، ایران، ۱۲۸۲ ھ.
- شرح دیوان المتنبّی، الواحدی، بمبئی، ۱۲۶۹ ھ.
- الشمائل النبویة، علی متقی، بمبئی ، ۱۳۰۳ھ.
- شمس العلوم، نشوان الحمیری، لیدن، ۱۹۱۶ء.
- شعر الاخطل، انطون صالحانی، بیروت، ۱۸۹۱ء.
- شعر النصرانیة (الجاهلیة) ،لوئیس شیخو الیسوعی، بیروت، ۱۸۹۰ء
- الشعر و الشعراء، ابن قتیبة، لیدن ، ۱۹۰۲ء .
- الصاحبی، ابن فارس، القاهرة، ۱۹۱۰ء.
- الصادح والباغم ، الهبّاری، بیروت، ۱۸۸۲ء
- الصلة، ابن بشکوال، مجریط، ۱۸۸۲ء .
- طبقات الامم، ابن صاعد الاندلسی، بیروت، ۱۹۱۲ء .
- مختصر طبقات الحفاظ للذهبی، السیوطی، گوتنگن، ۱۸۳۴ء .
- طبقات علماء افریقیة، ابو العرب، الجزائر، ۱۹۱٤ء .
- عجائب المقدور فی اخبار تیمور ، ابن عرب شاه، لاهور ، ۱۸۶۰ء .
- عجائب الهند، بزرك بن شهریار، القاهرة، ۱۹۰۸ء .
- العقد الفرید، ابن عبد ربّه ، القاهرة، ۱۹۱۳ء .
- عمدة الطالب فی انساب آلِ ابی طالب، احمد الدوری، بمبئی، ۱۳۱۸ھ

⇦ غرر الحکم و درد الکلم، الآمدی، ۱۲۸۰ھ .

⇦ فتوح الحبشة، عرب فقیه، پیرس، ۱۹۰۹ء .

⇦ فتوح الشام، الازدی، کلکته، ۱۸۵٤ ء.

⇦ فتوح الاسلام لبلاد العجم، الواقدی، القاهرة، ۱۸۹۱ء .

⇦ فوائد اللغة فی الفروق، الاب هندی، بیروت، ۱۸۸۹ء.

⇦ الفرج بعد الشدّة ، التنوخی، القاهرة، ۱۹۰۳ء .

⇦ فهرست، ابی بکر بن خیرالاشبلی، ۱۸۹٤ ء .

⇦ القسطاس المستقیم، الامام الغزالی، القاهرة، ۱۹۰۰ ء .

⇦ کتاب آراء اهل المدینة الفاضلة، الفارابی، ۱۹۰٦ء .

⇦ قصیدة لامیة العرب، الشنفریٰ، ۱۳۰۰ ھ .

⇦ الکامل، المبرد، لیپزك، ۱۸۷۰ء تا ۱۸۹۲ء .

⇦ کتاب الاضداد، الانباری، بریل، ۱۸۸۱ء .

⇦ کتاب العصا، اسامة بن منقذ، پیرس، ۱۸۹۳ء .

⇦ الکنز اللغوی فی الکسن العربی، اوغست هیفر، بیروت، ۱۹۰۳ء .

⇦ لزوم مالا یلزم، المعرّی، القاهرة، ۱۹۱۳ء .

⇦ لسان العرب، ابنِ منظور، بولاق بمصر، ۱۳۰۰ھ .

⇦ المبتکر فی بیان ما یتعلق بالمؤنث والمذکر، ذوالفقار علی، بھوپال، ۱۲۹۷ھ .

⇦ مجمع بحار الانوار، محمد طاهر الفتنی، نولکشور لکھنؤ، ۱۲۸۳ھ .

⇦ مجموع الادب، ناصیف الیازجی، بیروت، ۱۸۵۵ ء .

⇦ مجموع اشعار العرب، ولیم بن الورد، برلین، ۱۹۰۲ء .

⇦ دیوان الخرنق، بیروت، ۱۸۸۸ء .

⇦ محیط المحیط ، البستانی، بیروت ، ۱۸٦۷ء .

⇦ آثار البلاد و اخبار العباد، وستنفیلد، ۱۸٤۸ء .

⇦ اخبار الطوال، الدینوری، القاهرة، ١٩٦٠ء .

⇦ كتاب الاشتقاق، ابنِ درید، گوتنگن، ١٨٥٤ء .

⇦ الشهاب فی الشیب و الشباب، شریف مرتضیٰ ، قسطنطینیة، ١٣٠٢ھ.

⇦ الاعجاز و الایجاز، الثعالبی، قاهرة، ١٨٩٧ء .

⇦ الاعلام بأعلام بیت اللّٰه الحرام، قطب الدین الحنفی، مصر ، ١٣٠٣ھ.

⇦ كتاب الاغانی، ابو الفرج، الاصبهانی، مصر .

⇦ افعال ابن قوطیة، ابن قوطیة، بریل، ١٨٩٤ء .

⇦ الاقتضاب، البطلیوس، بیروت، ١٩٠١ء.

⇦ الالفاظ الكتابية، عیسیٰ الهمذانی، بیروت، ١٨٩٨ء .

⇦ الف لیلة ولیلة، ١٣٠٢ھ .

⇦ الالفاظ الفارسية المعربة، السیّد ادّی شیر ، بیروت، ١٩٠٨ء.

⇦ اماری صقلية، ابن الشجری، لیپزك، ١٨٥٥ء.

⇦ أنساب الأشراف، البلاذری، القاهرة، ١٩١٢ء .

⇦ كتاب بغداد، ابن طیفور، لیپزك، ١٩٠٨ء.

⇦ تحفة المجاهدین، المعبری، حیدر آباد الدكن .

⇦ الآثار النبوية، احمد تیمور باشا، القاهرة، ١٩٥٥ء .

⇦ تذكره الموضوعات، محمد طاهر الفتنی، بمبئی، ١٣٤٣ھ .

⇦ توجية النظر، طاهر الجزائری، القاهرة، ١٩١٠ء .

⇦ الثقافة الاسلامية فی الهند، عبدالحی حسنی، دمشق، ١٩٥٨ء .

⇦ الجواب الصحیح، ابن تیمية، مصر ، ١٩٠٥ء .

⇦ معجم البلدان، یاقوت حموی، القاهرة، ١٩٠٤ء .

⇦ دیوان لبید، بریل، ١٨٩١ء .

⇦ نبذه فی تاریخ الحراء الفصوی، پیرس، ١٩١١ء .

⇦ الوثائق السياسيّة، محمد حميد الله، القاهرة، ١٩٥٦ء .

فارسی کتب

⇦ بہارستانِ جامی، عبدالرحمٰن جامی، دہلی، ۱۹۰۰ء۔
⇦ تاریخ عالم آرای عباسی، اسکندر بیگ ترکمان، طہران، ۱۳۱۴ء۔
⇦ تاریخ فرشتہ، محمد قاسم فرشتہ، نولکشور، ۱۲۸۱ھ۔
⇦ تحفۂ اثناعشریہ، شاہ عبدالعزیزؒ، نولکشور، ۱۳۰۹ھ۔
⇦ تحقیق در رباعیاتِ خیام، حسین شجرہ، طہران۔
⇦ دریائے لطافت، انشا، لکھنؤ۔
⇦ انشای ابوالفضل، ابوالفضل، لکھنؤ، ۱۲۹۲ء۔
⇦ سفرنامۂ حکیم ناصر خسرو، ناصر خسرو، دہلی۔
⇦ کلیاتِ نثر غالب، غالب، نولکشور، ۱۲۸۵۔
⇦ منطق الطیر، عطار، بمبئی، ۱۲۶۲ھ۔
⇦ نل دمن، فیضی، نولکشور، ۱۹۳۰ء۔

اردو کتب

⇦ باغِ اردو ترجمہ گلستان، شیر علی افسوس، بمبئی ۱۲۸۷ھ۔
⇦ پرتگیزان مالابار، حکیم شمس اللہ، حیدر آباد دکن، ۱۹۳۸ء۔
⇦ تاریخ بغاوتِ ہند، کنہیا لال، نولکشور، ۱۸۸۹ء۔
⇦ تاریخِ کچھ و مکران، مرزا محمد کاظم، مراد آباد، ۱۹۰۵ء۔
⇦ رہنمایانِ ہند، نارائن پرشاد، علی گڑھ، ۱۹۱۲ء۔
⇦ زرتشت نامہ، منشی خلیل الرحمٰن، لاہور، ۱۹۰۴ء۔

⇦ سلاطین معبر،شمس اللہ قادری،حیدرآباد دکن،۱۹۳۵ء۔
⇦ ملیبار،شمس اللہ قادری،علی گڑھ،۱۹۳۰ء۔
⇦ ملیبار سے عربوں کے تعلقات،شمس اللہ قادری،حیدرآباد دکن،۱۹۲۹ء۔
⇦ یادِایام،سیّد عبدالحیٔ،علی گڑھ،۱۹۱۹ء۔
⇦ فلسفۂ اجتماع،عبدالماجد،لکھنؤ،۱۹۱۵ء۔

فہرست مخطوطات (ذخیرۂ میمن در جامعہ سندھ): ان مخطوطات میں سے کئی علامہ میمن کے خط میں ہیں۔

١. مجموعه (عربی) (i) الآیات الکبریٰ (ii) لوامع الدین (iii)الشهاب الثاقب.
٢. مجموعه (عربی) : (i) "کتاب الاضداد" الصغانی (ii)"ماجاء بالواو والباء من الافعال": ابن مالك (iii) "کتاب الاضداد" : ابن شحنه (iv) "کتاب مایؤنث ویذکر" : ابن شحنه (v) "کتاب المذکر والمؤنث": ابو الفتح جنی.
٣. مجموعه (عربی) : (i)"اسماء المغتالین": ابن حبیب (ii)"انسان العیون فی سیرة الامین المامون": علی برهان الدین .
٤. "المامون" (عربی): الحلبی .
٥. "کتاب تمام فصیح الکلام" (عربی):ابن فارس .
٦. "تنقیح مختصر الصحاح" (عربی): الزنجانی .
٧. "کتاب التیجان" (عربی): بن هشام.
٨. "حل الرموز و مفاتح الکنوز" (عربی): عزالدین.
٩. "الحماسة البصریه " (عربی): البصری .

١٠. "الحماسة البصريه" (عربی): البصری.

١١. "حماسة الخالديين " (عربی).

١٢. "حماسة الخالديين" (عربی).

١٣. "خاص الخاص" (عربی): الثعالبی.

١٤. "خلق الانسان" (عربی): ابن ابی ثابت.

١٥. "الدرة الفاخرة" (عربی): حمزة الاصفهانی.

١٦. "ديوان زهير" (عربی): زهير.

١٧. "الزبدة الفائدة" (عربی): النابلسی.

١٨. مجموعه (عربی) : (i) الهيكل المحسوس (ii) شرح خمريه ابن الفارض (iii) رسالة فی نسبة الجمع، ابن كمال باشا (iv) اقسام المجاز، ابن كمال باشا (v) علم آداب البحث (vi) طبقات الحنفيه، ابن قطلوبغا (vii) التقريب والتعجيم (viii) اللطائف الخمس (ix) الكناية والمجاز (x) دخول ولد لابنت فی الوقف، ابن كمال باشا.

١٩. "شرح فصيح ثعلب " (عربی).

٢٠. "شرح كشاف " (عربی): التفتازانی.

٢١. "الغريب المصنف" (عربی): ابن سلام.

٢٢. "الفصول المختاره" (عربی): الجاحظ.

٢٣. "فعلت و افعلت" (عربی): السجستانی.

٢٤. مجموعه (عربی) : (i)شعر ابی خراش الهذلی (ii) شعر ساعده بن جوئية الهذلی (iii)شعر المستنخل الهذلی (iv) شعر اسامة بن الحارث الهذلی.

٢٥. "كتاب المختار من المؤ تلف والمختلف " (عربی): ابو القاسم الحسن لآمدی.

٢٦. "مجالس ابی مسلم " (عربی).

۲۷. "مراتب النحويين" (عربی): عبدالواحد اللغوی.

۲۸. "مستقصی الامثال" (عربی): الزمخشری.

۲۹. "مفتاح غيب الجمع" (عربی) : صدر الدين القونوی.

۳۰. مجموعه (عربی): (i) المنتخب في محاسن اشعار العرب (ii) المسائل الحلبية، ابو علی الفارسی (iii) نصرة الثائر علی المثل السائر، الصفدی

۳۱. "كتاب فی اللغة" (عربی).

۳۲. "بياض" (عربی).

۳۳. "شعر سحيم" (عربی): عكسی.

۳۴. "كتاب فعلت و افعلت" (عربی): السجستانی (عكس).

۳۵. "اكبر نامه" (فارسی): ابو الفضل.

۳۶. "بياض" (فارسی): (مقيم و ماجد و دلشاد).

۳۷. "جواهر التفسير" الاول (فارسی).

۳۸. "جواهر التفسير" الثانی (فارسی).

۳۹. "روضة الاحباب" (فارسی): جمال الحسينی.

۴۰. "فواتح ميبذی شرح ديوان حضرت علیؓ" : ملا حسين ميبذی.

۴۱. "غنية الطالبين" مترجم (فارسی).

(۲) کتب خانۂ جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

علامہ میمن کے بڑے صاحبزادے پروفیسر محمد محمود میمن مرحوم نے مورخہ ۱۳/۶/۱۴۱۶ھ کو اس کتب خانے کو علامہ میمن کی ۲۹ کتب اور تین مخطوطات ہدیہ کیے۔ ان کتب میں علامہ میمن و دیگر مصنفین کی کتب ہیں جن میں سب سے قیمتی اور سب سے اہم سمط اللآلی کا وہ واحد نسخہ ہے

جس کے تقریباً ہر صفحے پر علامہ میمن کے قلم سے تصحیحات واضافات موجود ہیں۔ جناب محمد عزیر شمس (مقیم مکہ مکرمہ) کی شدید خواہش پر راقم نے اس اہم نسخے کا عکس انھیں فراہم کیا جسے وہ عالمِ عرب کے کسی معروف ناشر سے شائع کرانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

علامہ میمن کے کتب خانے کے یہ تین مخطوطات یہاں محفوظ ہیں:

(۱) التنبیهات علی ما فی غریب المصنف لأبی القاسم بن سلام.

(۲) التنبیهات علی اغالیط الرواة.

(۳) اللآلی المصنوعة فی الاحادیث الموضوعة.

(۳) کتب خانہ بیت الحکمت (ہمدرد لائبریری):

علامہ میمن نے اپنی زندگی میں کئی کتب اپنے چہیتے شاگرد ڈاکٹر سیّد محمد یوسف کو ہدیہ کی تھیں۔ ڈاکٹر صاحب کے انتقال کے بعد ان کا کتب خانہ، بیت الحکمت میں منتقل کیا گیا۔ ان تمام کتب میں علامہ میمن کی ذاتی کتب تلاش کرنا اس لیے مشکل ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی کتب منتشر کر دی گئیں یکجا Section کی صورت میں محفوظ نہیں۔

(۴) کتب خانہ ڈاکٹر محمد عمر میمن (امریکہ)

علامہ میمن کے صاحبزادے ڈاکٹر محمد عمر میمن طویل عرصے سے امریکہ کے شہر Wisconsin میں مقیم ہیں۔ علامہ میمن کے انتقال کے بعد ان کی موجود تمام کتب وہ امریکہ لے گئے تھے۔ مورخہ ۲۸ نومبر ۲۰۱۰ء کو راقم کی ڈاکٹر محمد عمر میمن صاحب سے فون پر گفتگو ہوئی۔ دیگر موضوعات کے علاوہ علامہ میمن کی کتب کا بھی ذکر ہوا۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ یہ کل سوسوا سو کتب ہیں اور تمام ان کے پاس امریکہ میں محفوظ ہیں۔ ان میں زیادہ تر کتب حوالہ مثلاً فتوح البلدان، الاعلام، نفح الطیب وغیرہ ہیں اور چند مخطوطات بھی ہیں۔ انھوں نے مزید فرمایا کہ اب تک ان کتب کی فہرست تیار نہیں ہوسکی اور ان کی خواہش ہے کہ یہ تمام کتب ملائیشیا کی کسی لائبریری

میں محفوظ کرادیں۔

عربی مقالات ودیگر تحریریں (بحوث و تحقیقات)

علامہ میمن کے عربی زبان میں لکھے مقالات، مقدمات ودیگر مفید تحریروں کا مجموعہ بحوث و تحقیقات کے عنوان سے محمد عزیر شمس صاحب (مقیم مکہ مکرمہ) نے مرتب فرمایا اور ۱۹۹۵ء میں دار الغرب الاسلامی، بیروت سے شائع کرایا۔ یہاں ہم اس مجموعے کی دونوں جلدوں کے مشمولات کی فہرست پیش کررہے ہیں۔

بحوث و تحقیقات جلد اوّل کے مشمولات یہ ہیں:

القسم الأول : (مقالات)

- العاجز عبدالعزیز المیمنی
- كتب أعجبتني
- الأمالي والنوادر للقالي. هما شيء واحد
- المفضليات صاحبها الأصلي
- بشار و الخالديان والشارح و معاصروه
- مقدمة شعر أبي عطاء السندي
- "جراب الدولة" رجل لا كتاب
- من نسب الى أمه من الشعراء
- أوهام المستشرقين في دراساتهم عن أبي العلاء المعري
- ماذا رأيت بخزائن البلاد الاسلامية؟
- من نوادر المخطوطات المغربية
- نوادر المخطوطات العربية (مذكرات الميمني)

بحوث وتحقيقات

تأليف

العلامة عبد العزيز الميمني

الجزء الأول

مقالات - نقد وتعريف

أعدها للنشر

محمد عزير شمس

تقديم

شاكر الفحام

مراجعة

محمد اليعلاوي

علامہ میمن کے عربی مقالات اور مختصر کتب کا مجموعہ بحوث و تحقیقات مرتبہ محمد عزیر شمس

- خزانة بانكى بور (بتنه) خير مكتبة فى بلاد الهند
- التعريف بجمعية دار المصنفين فى أعظم كرة –الهند
- المؤلف الحقيقى للمفضليات (بالانجليزية)

القسم الثانى: (نقد و تعريف)

- كتاب الأغانى: الجزء الأول. طبعة دار الكتب المصرية
- طرر على معجم الأدباء
- تصحيحات وتعليقات على لسان العرب
- النكت على خزانة الأدب
- نسخة تاسعة من ديوان ابن عنين
- نسخة فريدة من "نقائض جرير والأخطل" لأبى تمام
- التعريف بكتاب "التيجان"
- القصيدة اليتيمة ومن صاحبها ؟
- جلاء العروس أو نظرة على قصيدة العروس مرة أخرى
- عرّام بن الأصبغ السُلمى الأعرابى و كتابه "أسماء جبال تهامة"

الافصاح عن أبيات مشكلة الايضاح للفارقى (ولا: توجيه اعراب أبيات ملغزة الاعراب للرُّمانى)

- كتاب الابدال لحجة العرب أبى الطيّب اللغوى
- حول نسخة شرح أبى جعفر اللُّبلى على الفصيح
- العباب الزاخر واللباب الفاخر وطريقة نشره المثلى
- حول كتاب "تتمة اليتيمة" و "طبقات الشعراء" و "مناقب بغداد"
- كلمة فى "مناقب بغداد"
- أعلام الكلام و مقامة الانتقاد لابن شرف

بحوث و تحقیقات کی جلد دوم میں علامہ میمن کی تحقیق کے بعد شائع شدہ مختصر رسائل اوران کے مقدمات جمع کئے گئے ہیں۔اس جلد کے مشمولات کی فہرست یہ ہے:

(۱) مقالة "كلّا" وما جاء منها في كتاب الله، لابن فارس

(۲) كتاب "ما تلحن فيه العوام" للكسائى

(۳) رسالة الشيخ ابن عربى الى الامام الفخر الرازى

⇦ رسالة الملائكة، لأبى العلاء المعرى

⇦ فائت شعر أبى العلاء

⇦ زيادات ديوان شعر المتنبى

⇦ النتف من شعر ابن رشيق و زميله ابن شرف القيروانيين (ملحق فيه لمع من شعر أبى الفضل جعفر بن محمد بن أبى سعيد بن شرف الجذامى الأندلسى)

⇦ القصيدة اليتيمة لدوقلة المنبجى

⇦ الربيع بن ضبع الفزارى-- أخباره و شعره (من كتاب "التيجان")

⇦ أقدم كتاب فى العالم على رأى أو "جاويذان خرد"

⇦ كتاب المداخلات أو المداخل لأبى عمر الزاهد غلام ثعلب

⇦ أبواب مختارة من كتاب أبى يوسف يعقوب بن اسحاق الأصبهانى

⇦ كتاب "ما اتفق لفظه واختلف معناه من القرآن المجيد" للمبرد

⇦ نسب عدنان وقحطان، للمبرد

⇦ كتاب "أسماء جبال تهامة وسكّانها " لعرّام بن الأصبغ السُّلمى

⇦ السفر الأول من "تحفة المجد الصريح فى شرح الكتاب الفصيح" للّبلى (المقدمه)

⇦ المجلد الأول من كتاب "العباب الزاخر واللباب الفاخر" للصغانى

علامہ میمن کے اردو مقالات

علامہ میمن کی عربی تحریروں کی طرح ان کے اردو مقالات بھی تحقیقی نوعیت کے ہیں۔ اس کے علاوہ ان مقالات کی علمی سطح نہایت بلند ہے۔ ان اردو مقالات کی ایک اضافی خوبی علامہ میمن کی اردو انشاپردازی میں مہارت ہے۔ افسوس اس بات کا ہے کہ علامہ کے عربی مقالات و دیگر مفید تحریریں ۱۹۹۵ء میں بیروت سے بحوث و تحقیقات کے عنوان سے کتابی شکل میں شائع ہو چکی ہیں لیکن اب تک ان کے اردو مقالات مجموعے کی شکل میں شائع نہ ہو سکے۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ علامہ کے اردو مقالات کی ایک جامع فہرست تیار کر سکیں۔ اس کے بعد ان شاءاللہ انھیں مناسب ترتیب و تدوین و حواشی کے بعد شائع کیا جائے گا۔ اگر کوئی صاحب مزید اردو مقالات سے مطلع فرمائیں تو راقم ان کا ممنون ہوگا۔ (مؤلف)

(۱) ''آداب العربیہ'' ماہنامہ مخزن، لاہور، جون تا اگست ۱۹۲۰ء (۳ اقساط)

(۲) ''ابن رشیق اور المعز بن بادیس اور تاریخ قیروان کا ایک صفحہ''، ماہنامہ معارف اعظم گڑھ، مارچ تا مئی ۱۹۲۴ء (۳ اقساط)

(۳) کتب خانۂ جامع القرویّین (فاس)، ماہنامہ معارف اعظم گڑھ، جولائی ۱۹۲۴ء

(۴) ''ابوالعلاء معرّی اور معارضۂ قرآن'' ماہنامہ معارف اعظم گڑھ، فروری ۱۹۲۵ء

(۵) ''ابوالعلاء اور ابو منصور خازن دارالعلم'' اورینٹل کالج میگزین لاہور، فروری ۱۹۲۵ء

(۶) ''ابوالعلاء المعرّی اور گاندھی جی کا چرخہ''، ماہنامہ معارف اعظم گڑھ، مئی ۱۹۲۵ء

(۷) ''ابوتمام کی نقائض جریر و اخطل کا ایک واحد نسخہ اور ابوالعلاء کے ایک عزیز'' ماہنامہ معارف اعظم گڑھ، جون ۱۹۲۵ء

(۸) ''ابوالعلاء معرّی کے متعلق مستشرقین یورپ کی غلطیاں''، ماہنامہ معارف اعظم گڑھ، ستمبر

۱۹۲۵ء تا نومبر ۱۹۲۵ء (۳ اقساط)

(۹) ''گجرات کا ایک غیر معروف عربی سفرنامہ''، ماہنامہ زبان مانگرول، فروری ۱۹۲۷ء

(۱۰) ''اسلام کی بدنصیبی''، ماہنامہ زبان مانگرول، مارچ و اپریل ۱۹۲۷ء

(۱۱) ''علامہ ابن جوزی کے افکار یا ان کا روزنامچہ''، ماہنامہ معارف اعظم گڑھ، مئی ۱۹۲۸ء

(۱۲) ''ابن رشیق صقلیہ میں''، ماہنامہ معارف اعظم گڑھ، جولائی ۱۹۲۹ء

(۱۳) ''سمط اللآلی پر تنقید کا جواب''، ماہنامہ برہان دہلی، دسمبر ۱۹۳۸ء تا اپریل ۱۹۳۹ء (۵ اقساط)

(۱۴) ''میری محسن کتابیں'' در کتاب ''مشاہیر اہلِ علم کی محسن کتابیں'' مرتبہ: محمد عمران خان ندوی، ترتیب جدید و حواشی از فیصل احمد بھٹکلی ندوی

(یہ مضمون علامہ میمن نے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کو املا کرایا تھا جو سب سے پہلے رسالہ ''الندوہ'' لکھنو بابت نومبر ۱۹۴۱ء میں شائع ہوا)

حواشی

[1] ''الزهر الجنى من رياض الميمنى ''کے مفصل تعارف کے لیے ملاحظہ فرمائیں ''علامہ میمن کی ایک نادر اردو تالیف'' از محمد راشد شیخ در کتاب ''علامہ عبدالعزیز المیمنی۔ احوال و آثار (مجموعۂ مقالات)''، ص ۳۴۶۔

[2] ماہنامہ معارف اعظم گڑھ بابت اپریل ۱۹۳۸ء

[3] یہ معلومات جناب محمد عزیز شمس صاحب کی مرتبہ علامہ میمن کے مقالات پر مشتمل کتاب بحوث و تحقیقات سے ماخوذ ہیں۔

باب نمبر۱۲

عادات وخصائل

علامہ عبدالعزیز میمن کا تعلق ایک متوسط درجے کے خاندان سے تھا۔انھوں نے بڑی محنت اور جانفشانی سے عربی زبان وادب میں کمال حاصل کیا تھا۔انسان کی ابتدائی زندگی کے نقوش تا عمر اس کی شخصیت اور عادات پر مرتسم رہتے ہیں۔علامہ میمن کا بھی یہی معاملہ تھا۔باوجودیکہ انھوں نے بین الاقوامی شہرت حاصل کر لی تھی خصوصاً عالم عرب میں انھیں سند کا درجہ دیا جاتا تھا،ان کی زندگی انتہائی سادہ اور بے جا تکلّفات سے پاک تھی۔افسوس اس بات کا ہے کہ بعض لوگوں نے علامہ کی اسی سادگی کو بخل کا نام دیا حالانکہ حقیقت اس کے خلاف تھی۔ایسے لوگوں کے بارے میں عربی زبان کے معروف شاعر متنبّی کا یہ شعر صادق آتا ہے:

وإذا أتتك مذمّتی من ناقصٍ

فھی الشھادۃ بأنّی أنّی کامل

پیش نظر باب میں ہم علامہ میمن کی عادات اور شکل وشمائل سے متعلق بعض تفصیلات پیش کرتے ہیں۔

شکل وشمائل،لباس

علامہ میمن طویل القامت،گورے چٹے اور دبلے پتلے انسان تھے۔انھیں موٹاپے سے سخت نفرت تھی اور اسے وہ موت کہا کرتے تھے۔ابتدا میں وہ پوری داڑھی رکھتے تھے بعد میں قصر کرنے

لگے اور تا عمر یہی معمول رہا۔

لباس کے معاملے میں علامہ کی زندگی بے جا تکلفات سے پاک تھی۔گھر پر عموماً کرتا پاجاما پہنتے ،اگر باہر جانا ہوتا تو شیروانی پاجاما یا شیروانی اور میمن کٹ پتلون نما پاجاما استعمال کرتے۔سر پر طویل عرصے تک انھوں نے ترکی ٹوپی پہنی بعد میں ترکی ٹوپی اور جناح کیپ دونوں استعمال کرنے لگے۔

خوراک

علامہ میمن ہمیشہ متوازن غذا استعمال کرتے۔وہ مرغن غذا سے ہمیشہ پرہیز کرتے تھے۔دن میں گوشت کے ساتھ کم از کم ایک سبزی کا سالن ضرور استعمال کرتے۔رات کے کھانے کے ساتھ دودھ دلیا ضرور لیتے۔انھیں کوفتے،سری پائے،شامی کباب اور سیخ کباب پسند تھے لیکن ان غذاؤں میں وہ زیادتی کے قائل نہ تھے۔ان کا کھانے کے بارے میں ذوق یہ تھا کہ خواہ قلیل مقدار میں ہو لیکن عمدہ ہو۔دن میں وہ پھل اور شام کی چائے کے ساتھ نمکین اشیاء استعمال کرتے۔انھیں شہد،پنیر اور خالص گھی سے خاص رغبت تھی اور ان اشیاء کے حصول کے لیے احباب وتلامذہ کو بھی زحمت دیتے لیکن کسی حالت میں یہ چیزیں تحفتاً قبول نہ کرتے اور اصرار کر کے ان کی قیمت ادا کرتے۔دہی کی بہت تعریف کرتے اور اس کے استعمال پر زور دیتے۔شیرینی سے بھی انھیں بہت رغبت تھی خصوصاً گاجر،لوکی کا حلوہ اور امرتیاں انھیں بہت پسند تھیں۔پھلوں میں کیلا اور خاص طور پر خربوزہ انھیں بہت پسند تھا۔امرود اور آم بکثرت استعمال کرتے خصوصاً آم سے انھیں بے انتہا رغبت تھی۔آم ان کے نزدیک عمدہ ہوں خواہ تھوڑے ہوں۔بقیہ غذاؤں کے بارے میں بھی ان کا یہ اصول تھا۔وہ ڈالڈا گھی کے سخت خلاف تھے اور کہتے کہ یہ موت ہے[1]۔

خالص گھی کے حصول لیے علامہ میمن اکثر احباب اور شاگردوں کو زحمت دیتے لیکن ان کو قیمت ضرور ادا کرتے ورنہ قبول نہ کرتے۔علامہ میمن کے نامور شاگرد ڈاکٹر نبی بخش بلوچ جب بھی علی گڑھ سے سندھ آتے تو واپسی میں ان کے لیے خالص گھی کا انتظام کرتے۔خالص گھی کے بارے میں علامہ میمن کے دور علی گڑھ کے ایک شاگرد ایم ایم حسن نے اپنے مضمون "پروفیسر عبدالعزیز میمن

مرحوم" (مطبوعہ روزنامہ نوائے وقت لاہور، ۲۵ر اکتوبر ۲۰۰۶ء) میں علامہ میمن کا یہ دلچسپ واقعہ تحریر کیا:

"انھیں بناسپتی گھی سے سخت نفرت تھی چنانچہ جب وہ معاشرے کی برائیوں کا ذکر کرتے تو اس کے بعد یہ ٹیپ کا بند ضرور ہوتا "اور اندر ہی اندر بناسپتی گھی اپنا کام کیے جارہا ہے"۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے میں استاد محترم کے دولت خانے پر موجود تھا۔وہ میرے ساتھ محو گفتگو تھے۔اتنے میں کسی پھیری والے نے "خالص گھی" کا نعرہ بلند کیا تو وہ بے قابو ہو گئے اور طیش میں انھوں نے ڈانٹ کر کہا: جا جا، دفعان ہو۔کیوں جھوٹ بولتا ہے؟ بھلا ہمارے ایسے نصیب کہاں کہ خالص گھی ہمارے پاس خود چل کر آئے؟ اس کے حصول کے لیے تو بڑے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔"

سادگی و سخت کوشی

علامہ میمن کی پوری زندگی سادگی اور سخت کوشی و خودداری سے عبارت ہے۔انھوں نے تمام عمر بے جا تکلفات سے دور رہ کر اپنی پوری توجہ حصولِ علم اور عربی زبان میں کمال حاصل کرنے اور اس کے فروغ میں صرف کر دی۔دہلی میں ایامِ طالب علمی کے دوران انھوں نے زندگی کا سخت ترین دور گزارا لیکن طلبِ علم کا اتنا زیادہ شوق تھا کہ راہ میں آنے والی تمام رکاوٹوں سے وہ مردانہ وار گزرتے گئے۔تصور کریں کہ ایک بارہ سالہ بچہ جسے اس کے والد نے راجکوٹ جیسے دور دراز علاقے سے دہلی جیسے بڑے شہر میں بغیر کسی پیشگی انتظام کے بھیج دیا ہو اور جہاں اس کا نہ کوئی قریبی عزیز ہو، نہ رشتے دار، اسے کن کن مشکل مراحل کا سامنا کرنا پڑا ہوگا۔علامہ کے شاگرد پروفیسر سیّد محمد سلیم سے ایک موقع پر علامہ میمن نے بیان کیا کہ ابتدائی تعلیم کے دوران ایک عرصے تک انھوں نے صرف کھجور کی چٹائی پر سو کر گزارا۔کاپی خریدنے کے لیے پیسے نہ ہوتے تو سڑک کے کنارے یا دفاتر کے باہر پڑے ہوئے ردی کاغذات کو جمع کر کے ان پر درسیات لکھ لیا کرتے۔[2]

علی گڑھ میں قیام کے دوران بھی علامہ میمن کی سادگی اور سخت کوشی کا یہی عالم تھا۔ ایک موقع پر پروفیسر سیّد محمد سلیم مرحوم نے اس بارے میں راقم سے فرمایا کہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا ماحول ایسا تھا کہ وہاں پروفیسر حضرات کے ذاتی ملازمین ہی تمام کام کرتے اور یہ حضرات باہر بازار وغیرہ جانا معیوب سمجھتے تھے۔ بعض کے پاس اپنی ذاتی کاریں بھی ہوتیں۔ علامہ میمن کا معاملہ ان سب سے جدا تھا۔ وہ علی گڑھ میں ہمیشہ بائیسکل استعمال کرتے، روزانہ گھر سے یونیورسٹی بائیسکل پر یا پیدل آتے جاتے، اسی طرح سودا سلف خریدنے خود ہی بازار جاتے اور خریداری کے دوران بھاؤ تاؤ بھی کرتے۔ یہ بات وہاں لوگوں کو عجیب لگتی اور علامہ کے خلاف قصے گھڑے جاتے لیکن انھوں نے کبھی ان باتوں کی پروا نہ کی اور اپنے کام سے کام رکھا۔

علی گڑھ میں علامہ میمن کی سادہ زندگی سے متعلق ڈاکٹر نبی بخش بلوچ صاحب راقم کے نام اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں:

> ''افسوس کہ استاذ المیمنی کی ذاتی فضیلت اور اخلاقِ کریمانہ کو سمجھنے میں بعض لوگوں نے بخل بلکہ عناد سے کام لیا۔ (وہ) طبعاً شفیق اور کریم تھے۔ علی گڑھ کو چھوڑنے کے بعد میں جب بھی علی گڑھ جاتا تھا تو اپنے ہاں ٹھہراتے تھے۔ میاں بیوی دو ہی تھے لیکن خود ہی اپنے مکان میں رہتے تھے۔ میں نے نہیں دیکھا کہ ۱۹۴۵ء تا ۱۹۴۶ء کو انھوں نے مکان کا کوئی حصہ کرائے پر دیا ہو۔ مکان کا بیچ والا کمرہ ڈرائنگ روم تھا اور ساتھ ہی لائبریری والا کمرہ تھا۔ خاص مہمان بیچ والے کمرے میں بٹھائے جاتے تھے اور وہاں سے کتاب خانہ بھی دیکھ لیتے تھے۔ ڈرائنگ روم صاف ستھرا اور وسیع تھا۔ آراستہ نہیں تھا کہ یہ ایک بڑے عالم کا مکان تھا جہاں آراستگی پر علمی کام کے لیے آسانی کو ترجیح دی جاتی تھی...... استاد سائیکل پر آتے جاتے تھے اور وہ بہترین ساخت کی سائیکل ہوتی تھی۔ ایک دن فرمایا کہ میرے والد صاحب زندہ ہیں اور باوجود بڑھاپے کے ابھی تک سائیکل پر آتے جاتے ہیں (یہ ۱۹۴۵ء کی بات ہے) اس لیے بھی سائیکل مجھے پسند ہے اور پھر آنے جانے میں بھی آسانی ہوتی ہے، آدمی کسی کا محتاج نہیں ہوتا (گاڑیوں اور

ڈرائیوروں کے تکلفات کی طرف اشارہ کیا)۔استاد بہت ہی بے تکلف تھے اور
اس بات سے مستغنی کہ لوگ کیا کہتے ہیں"[34]۔

کراچی آمد کے بعد بھی باوجود طویل عمری علامہ میمن کی زندگی سادگی اور جفاکشی کا نمونہ رہی۔ان کا معمول تھا کہ بہادرآباد سے ایمپریس مارکیٹ تک بس میں سفر کرتے۔اگر بس میں کبھی بیٹھنے کو جگہ نہ ہوتی تو کھڑے کھڑے ہی یہ سفر کرتے۔ان کی زندگی تکلفات سے عاری تھی۔

حقہ نوشی

علامہ میمن کو حقہ نوشی کا آخر تک شوق رہا۔وہ ازراہِ مذاق فرماتے تھے کہ وہ شخص محقق بن ہی نہیں سکتا جو حقہ نوشی نہیں کرتا۔ان کی حقہ نوشی سے متعلق علامہ کے نامور شاگرد ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

"وہ (علامہ میمن) بھی حقے کے بڑے رسیا تھے جگہ جگہ سے عمدہ تمباکو منگواتے تھے، ایک بار میں تعطیلات میں وطن گیا تو شہر "گیا" کا جہاں کے تمباکو مشہور ہیں کچھ اعلیٰ درجے کا تمباکو ان کے لئے لے کر گیا۔انھوں نے پسند فرمایا لیکن اسے کسی اور جگہ کی تمباکو کی شاخ لگا کر استعمال کیا۔ ایک بار جب وہ پٹنہ میں میرے مکان ظفر منزل میں مقیم تھے انھیں واپسی کے وقت پٹنہ کا خمیرہ پیش کیا گیا انھیں یہ تمباکو بہت پسند آیا، خاصی مقدار میں علی گڑھ لائے۔"

البتہ یہ بھی حقیقت ہے کہ دیگر عادات کی طرح، حقہ نوشی میں بھی علامہ میمن سادگی، صفائی اور بے جا تکلفات کو ناپسند کرتے تھے۔علامہ میمن کی اسی سادگی اور بے تکلف کے بارے میں ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب اپنا چشم دید واقعہ تحریر فرماتے ہیں:

"میں نے شیشے کا عرب حقہ مصری ساخت کا، عرب جانے سے بہت پہلے علی گڑھ میں دیکھا ۱۹۵۰ء کے لگ بھگ۔میں "میمن منزل" میں حضرت

الاستاذ کے پاس بیٹھا ہوا لکھ پڑھ رہا تھا کہ ان کے چہیتے شاگرد ڈاکٹر سیّد محمد یوسف استاد سے ملنے آئے، وہ قاہرہ سے آئے تھے جہاں وہ یونیورسٹی میں تعلیم کی فرائض انجام دے رہے تھے۔ ان کے ہاتھ میں شیشے کا ایک خوبصورت سا ناریل کے وضع کا حقہ تھا جو وہ الاستاذ کے لیے بطور تحفہ لائے تھے۔ الاستاذ کہنے لگے بھئی یہ استعمال کے لئے نہیں ڈرائنگ روم میں منٹل پیس پر سجانے کے لائق ہے۔ پھر یوسف صاحب سے پوچھا کہ یہ کس قیمت کا ہے، یوسف صاحب۔ نے کچھ توقف کے بعد کہا ایک مصری پونڈ کا ہے، حضرت الاستاذ نے اس پر کہا: یوسف صاحب اس کھلونے سے تو بہتر تھا کہ آپ ایک پونڈ کی عربی کی ایک اچھی کتاب لیتے آتے۔''

سحر خیزی اور پیدل چلنے کی عادت

علامہ میمن ابتدائے عمری سے ہی سحر خیز تھے۔ وہ اوّل وقت (غلس) میں نماز فجر ادا کرتے اور اس کے بعد دو تین میل کی سیر کرتے۔ علی گڑھ میں ان کا معمول تھا کہ اپنے گھر سے پرانے قلعے تک روزانہ علی الصباح سیر کرتے۔ کراچی آمد کے بعد بھی انھوں نے تمام عمر اس معمول کو نہ چھوڑا۔ کراچی میں وہ میمن منزل (بہادر آباد) سے جیل چورنگی تک روزانہ پیدل سیر کرتے۔ حد یہ کہ زندگی کے آخری دن بھی انھوں نے صبح کی سیر نہ چھوڑی۔ وہ اپنے شاگردوں کو بھی یہی نصیحت کرتے کہ صبح وشام کی سیر کو اپنا معمول بنائیں اور اس کو ہرگز وقت کا ضیاع نہ سمجھیں۔ وہ یہ بھی نصیحت کرتے کہ صبح کی سیر انسان کی صحت عمدہ بناتی ہے جب کہ شام کی سیر عمدہ صحت کو برقرار رکھتی ہے۔

پروفیسر محمد محمود میمن صاحب لکھتے ہیں کہ دسمبر کے مہینے میں بھی جب صبح کے وقت کافی اندھیرا ہوتا وہ بچوں کو اٹھا دیتے اور اگر بچے اٹھنے میں تاخیر کرتے تو بلا تامل ان کے منہ پر پانی ڈال دیتے۔[1]

وہ صبح کی طرح شام کی سیر کے بھی قائل تھے۔ یہ وہ وقت ہوتا جب ان کے ساتھ کوئی نہ کوئی شاگرد سیر میں شامل ہوتا۔اس دوران وہ ہزار ہا قسم کی معلومات کے موتی بکھیرتے۔

علامہ میمن کی شام کی سیر اور اس دوران گفتگو کا نقشہ ڈاکٹر خورشید رضوی صاحب نے کچھ یوں کھینچا ہے:

"صورت یہ تھی کہ شام کا کھانا کھا کر میں ان کے ہاں جا پہنچتا۔ وہ بھی سیر کے لیے تیار ہوتے۔ مجھے اپنے ہمراہ لے کر سڑک پر نکل آتے۔ آدھ پون گھنٹہ چہل قدمی رہتی جس کے دوران وہ اپنے مخصوص انسائیکلوپیڈیائی انداز میں مختلف و متنوع موضوعات پر نہایت دلچسپ گفتگو فرماتے رہتے۔ کبھی استنبول اور مراکش کے کتب خانوں کی سیر دکھاتے، کبھی ڈاکٹر طٰہٰ حسین سے اپنی واحد مختصر ملاقات کا حال سناتے، کبھی ہندوستان کے بعض عربی کتبوں کا ذکر کرتے تھے جنھیں بڑی عرق ریزی کے بعد انھوں نے پڑھ ڈالا تھا، کبھی ایک عرب شاعر احمد صافی النجفی (غالباً یہی نام تھا) کا تذکرہ فرماتے جس نے رباعیاتِ خیام کا عربی میں بہت عمدہ منظوم ترجمہ کیا اور کبھی علی گڑھ کی یادیں تازہ کرتے۔ ان کا اندازِ گفتگو ان کی مجموعی شخصیت کی طرح برجستہ، بے تکلف اور تصنع سے پاک ہوتا تھا۔ جب کسی بات پر زور دینا ہوتا تو چلتے چلتے رک جاتے اور تھوڑی دیر کھڑے ہو کر گفتگو کرتے۔ کبھی عربی میں گفتگو شروع ہو جاتی کبھی اردو میں۔ آواز کا اتار چڑھاؤ کسی رکھ رکھاؤ کے بغیر موضوع کے نشیب و فراز کے ساتھ ساتھ چلتا"[5]۔

قوی حافظہ

اللہ تعالیٰ نے علامہ میمن کو بے مثل حافظہ عطا فرمایا تھا۔ نوے برس کی عمر میں بھی انھیں پونے لاکھ سے ایک لاکھ تک عربی اشعار یاد تھے۔ بچپن میں دورانِ طالب علمی انھوں نے جو جو کتب حفظ کیں ان کا ذکر آ چکا۔ اسی طرح قیامِ پشاور کے دوران ان کے اردو دواوین کے

۔ مطالعے اور حافظے میں رہنے کا ذکر ہم کر چکے ہیں۔ پروفیسر محمد محمود میمن اس بارے میں لکھتے ہیں:

''ابا حضور حیرت انگیز اور قابلِ رشک یادداشت کے مالک تھے۔ لاکھوں اشعار انھیں زبانی یاد تھے۔ مجھے بخوبی یاد ہے کہ انھوں نے ایک مرتبہ اپنے دوستوں کی محفل میں اشعار پڑھتے پڑھتے تقریباً ساری رات گزاری۔ اکثر حضرات ان کے پاس تحقیق کے سلسلہ میں حاضر ہوتے تھے تو وہ ان کو کتابوں، نادر قلمی نسخوں اور دستاویزات کے مصنّفین و مؤلفین کے نام مع ایڈیشن اور دنیا کی کن کن لائبریریوں میں وہ دستیاب ہیں بتلایا کرتے تھے۔ نادر قلمی مسودوں کے حوالہ جات پر انھیں غیر معمولی عبور حاصل تھا۔ ان کے مداح انھیں عربی کی چلتی پھرتی انسائیکلوپیڈیا کہتے تھے''۔[6]

اسی طرح پروفیسر رشید احمد ارشد (سابق صدر شعبۂ عربی کراچی یونیورسٹی) علامہ میمن کے حافظے کے بارے میں لکھتے ہیں:

''انھیں ہر موضوع پر سینکڑوں کتابوں اور ان کے مصنفوں کے نام ازبر تھے۔ انھیں نادر اور نایاب مخطوطات کا وسیع علم تھا اور وہ شعرائے جاہلیت اور اسلامی دور کے قصائد کے مکمل حافظ تھے۔ یہ میری چشم دید شہادت ہے کہ ایک دن شعبۂ عربی کے مرکز میں بیٹھے ہوئے ہم نے وہ مشہور شعر پڑھا جو محمد بن قاسم، فاتحِ سندھ اس وقت پڑھا کرتا تھا جبکہ وہ معزول ہونے کے بعد سلیمان بن عبدالملک کے عہد میں قید خانے میں محبوس تھا جس کا مفہوم یہ تھا: ''میری حکومت نے مجھے ناکارہ بنا کر ضائع (تباہ) کر دیا اور وہ ایسے بہادر اور جوان مرد کی خدمات سے محروم ہو گئی جو مردِ میدان تھا اور ملک کی سرحدوں کی حفاظت کیا کرتا تھا''۔[7]

ہم نے طالب علمی کے زمانے میں یہ شعر فتح سندھ کے حالات میں فتوح البلدان بلاذری میں پڑھا تھا مگر اس وقت تک ہمیں یہ معلوم نہ تھا کہ یہ شعر کس کا ہے اور یہ کس قصیدہ کا ایک شعر ہے۔ علامہ موصوف نے سنتے ہی نہ صرف شاعر کا

نام بتایا بلکہ مجموعۂ اشعار کی وہ کتاب منگوا کر جس میں یہ پورا قصیدہ موجود تھا، ہمیں دی اور معذرت کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ اگرچہ اب ان کا حافظہ بہت کمزور ہے تاہم کتاب کی مدد سے ہم ان سے یہ قصیدہ ازبر سن لیں چنانچہ ایک حافظ کی طرح وہ زبانی یہ قصیدہ مکمل سناتے رہے اور ہم کتاب کی مدد سے اسے سنتے رہے مگر ہمارے تعجب کی انتہا ہوگئی کہ کسی جگہ بھی وہ نہیں اٹکے اور نہ کوئی غلطی کی''۔[8]

حقیقت یہ ہے کہ علامہ میمن نے عربی ادب کے خزانے (مطبوعہ ومخطوطہ) اپنے حافظے میں محفوظ کر لیے تھے۔اگر کوئی ان کی مجلس میں کسی عرب شاعر یا مصنف کا ذکر چھیڑتا تو وہ اس کے متعلق معلومات کے دریا بہا دیتے۔نصر اللہ خاں اس بارے میں لکھتے ہیں:

''عربی زبان کے کسی شاعر کا ذکر چھیڑ دیجیے اور پھر آرام سے بیٹھے سنتے رہیے۔ کوئی موضوع لے لیجیے اور اب اس موضوع سے متعلق جتنی کتابیں ہیں ان کے نام، ان کے اقتباسات اور ان کے حوالے سنتے جایئے۔غرض کہ علامہ عربی ادب کا چلتا پھرتا انسائیکلوپیڈیا ہیں۔ جب عرب ملکوں کے علمی و ادبی حلقوں میں پاکستان کا نام لیا جاتا ہے تو یہ پوچھا جاتا ہے کہ کیا یہ وہی پاکستان ہے جہاں پروفیسر میمن رہتے ہیں''۔[9]

علامہ میمن کے حافظے کے بارے میں ڈاکٹر مختار الدین احمد تحریر فرماتے ہیں:

''مجھے اپنی زندگی میں ایشیا، عالمِ عرب اور یورپ میں کسی ایسے شخص سے اب تک ملنے کا اتفاق نہیں ہوا جس کے مستحضرات ان سے زائد ہوں اور جس کا حافظہ ان سے بہتر اور قوتِ یادداشت ان سے زیادہ مضبوط ہو۔ میں نے اپنی طالب علمی کے زمانے میں ایک بار ان سے پوچھا کہ آپ کو عربی کے کتنے شعر یاد ہوں گے؟ فرمایا ایک لاکھ کے لگ بھگ۔ایم اے کی کلاس میں وہ ہم لوگوں کو المبرد کی الکامل اور الجرجانی کے انتخاب کردہ متنبیؔ ،بحتری، ابوتمام کے اشعار کا درس دیا کرتے تھے۔بارہا ایسا ہوا کہ کتاب میں ایک شعر آیا اور انھوں نے پورا قصیدہ سنا دیا۔انتخاب کے بارے میں اکثر فرماتے: اس قطعے میں بہت اچھے

اشعار الجرجانی سے انتخاب میں رہ گئے اور پھر وہ اشعار فوراً سنا دیتے [10]۔

بعض اوقات علامہ میمن کی انسائیکلوپیڈیائی معلومات سے سننے والے پر گرانی کی کیفیت بھی طاری ہو جاتی۔ ایسا ایک مرتبہ ڈاکٹر معظم حسین کے ساتھ ہوا۔ اس بارے میں عبیداللہ قدسی کا بیان کردہ یہ دلچسپ واقعہ پڑھیے:

''ایک روز مولانا میمن میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ کتاب البخلاء کے اشعار حفظ سنا رہے تھے۔ ڈاکٹر معظم علی (جو ڈھاکہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر اور عربی کے پروفیسر تھے) آ گئے اور میمن صاحب کو دیکھ کر کہا'' آہا! مولانا آپ سے خوب ملاقات ہوئی۔ میں ایک بات آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں''۔ یہ کہہ کر بیٹھ گئے اور عربی کے ایک شاعر کے متعلق سوال کیا۔ مولانا نے حوالوں کے ساتھ بڑے محققانہ انداز میں پورا حال، اشعار اور کتابوں کے حوالے بیان کرنا شروع کیے۔ کچھ ہی دیر بعد معظم علی صاحب نے گھڑی دیکھی اور کہا: ''اوہو! مولانا خیال نہیں رہا، مجھے ایک جگہ جانا ہے''۔ مولانا نے بلند آواز سے کہا: ''بیٹھ جاؤ معظم علی، جب تمھیں علم کا شوق نہیں ہے تو پھر سوال کیوں کیا تھا؟'' [11]

علامہ میمن کے بھانجے عبدالرزاق عرفانی نے علامہ کے حافظے کا یہ واقعہ راقم کو سنایا:

کراچی میں قیام کے دوران ایک مرتبہ میرے دو دوست کسی نواب کا قرآنی مخطوطہ لے کر آئے اور مجھ سے کہا کہ علامہ میمن کو دکھا کر تصدیق کرواؤں کہ یہ اصلی ہے یا نقلی۔ یہ مخطوطہ ایک جھلی Parchament پر نہایت باریک خطِ نسخ میں لکھا ہوا تھا۔ جب ہم میمن منزل پہنچے تو اس وقت علامہ میمن طویل سیر کے بعد آئے تھے۔ انھوں نے بے نیازی سے پوچھا کہ کہو کیا بات ہے؟ ان صاحب نے مخطوطہ (جو رول (Roll) کیا ہوا تھا) ذرا سا کھولا ہی تھا کہ ایک نظر مار کر علامہ میمن نے کہا: اصلی ہے۔ پھر وہ گیٹ کے اندر جانے لگے لیکن دیکھا کہ دونوں حضرات بدستور کھڑے ہیں۔ یہ دیکھ کر علامہ میمن نے کہا: غالباً آپ کی تشفی نہیں ہوئی، اب اندر آؤ۔ ہم سب اندر ان کے کمرے میں گئے۔ علامہ میمن

تو جاتے ہی کونے میں بیٹھ گئے اور حقہ تیار کرنے لگے اور بیٹھے بیٹھے ہی ان صاحب سے کہا کہ چارپائی پر پورے مخطوطے کو پھیلا دو اور بالکل آخر کی عبارت محدب عدسہ (Eye glass) سے دیکھو جو قریب ہی رکھا ہے۔ جب انھوں نے آخری عبارت دیکھنی شروع کی تو علامہ میمن وہیں دور بیٹھے بیٹھے کہنے لگے: اب جو عبارت میں بولوں، دیکھو وہی لکھی ہے یا نہیں۔ چنانچہ وہ دور ہی سے عبارت بولنے لگے جس میں خطاط کا نام اور سنہ کتابت (ترقیمے کی عبارت) لکھی تھی اور یہ خطاط کس مکتبِ خطاطی School of Calligraphy کا ہے وغیرہ تفصیل بیان کی۔ وہ دونوں حضرات علامہ میمن کی یادداشت پر حیران ہو گئے کیونکہ علامہ دور بیٹھے بعینہ وہی عبارت بول رہے تھے جو عبارت اس مخطوطے پر لکھی ہوئی تھی۔ یہ واقعہ ستر کے عشرے کے اوائل کا ہے جب علامہ میمن کی عمر 82 سال سے زائد ہو چکی تھی۔

۱۹۶۴ء میں شعبۂ عربی، جامعہ پنجاب کی جانب سے عربی زبان کی بین الاقوامی کانفرنس کا انعقاد کیا گیا۔ علامہ میمن بھی مدعوئین میں شامل تھے۔ اس موقع پر عربی کے نادر مخطوطات کی نمائش کا انتظام بھی کیا گیا تھا۔ نمائش کے آغاز پر ہی علامہ میمن نے اپنی وسیع معلومات اور قوی حافظے کی دھاک حاضرین کے دلوں پر بٹھا دی۔ اس موقع پر ڈاکٹر ظہور احمد اظہر بھی موجود تھے وہ اس بارے میں لکھتے ہیں:

"منتظم نمائش نے اپنے تعارفی خطبہ میں مخطوط و مطبوع عربی کتب کے تاریخی ارتقاء کے ضمن میں کاغذ و سیاہی وغیرہ کی ترقی کا ذکر کیا لیکن بات کچھ جمی نہیں۔ حاضرین بھی کچھ بے اطمینانی محسوس کر رہے تھے۔ اچانک اس موضوع کے مردِ میدان میمن صاحب یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے لَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ (ترجمہ: باخبر کی طرح تم کو کوئی نہیں بتا سکتا۔ فاطر:۱۴) حاضرین ان کی طرف متوجہ ہو گئے اور مولانا نے عربی خط و خطاطین و مخطوطات، فن تالیف و مؤلفین و مؤلفات، صنعت ورق و وراقین اور کتب خانوں کی تاریخ وارتقاء وغیرہ کے متعلق

اتنی وسیع معلومات کا ڈھیر لگا دیا کہ بہت سے لوگوں نے کبھی سوچا بھی نہ ہوگا۔ حاضرین خطیب کو سننے میں محو تھے اور مجلس پر سناٹا چھایا ہوا تھا۔ یہ اس کانفرنس میں ان کے علمی سمندر کی بارش کا پہلا قطرہ تھا۔ پھر پورے تین دن تک یہ ابرِ کرم پورے زور و شور سے برستا رہا اور وہ پوری کانفرنس پر چھائے رہے، کئی جلسوں کی صدارت کی اور کئی بار اردو میں خطاب کیا'' [۱۲]۔

علامہ میمن کے قوی حافظے سے متعلق ڈاکٹر محمد عمر میمن نے راقم سے بیان کیا کہ ایک مرتبہ عالمِ عرب کے علماء وفضلاء کے درمیان علامہ میمن اپنی انسائیکلو پیڈیائی معلومات کا اظہار کر رہے تھے کسی نے سوال کیا: آپ کو آخر اس قدر اشعار کس طرح یاد ہو گئے؟ علامہ میمن نے مخاطب سے کہا! ''ذرا میرے سر کی طرف دیکھو، یہ کتنا بڑا ہے''۔ حقیقتاً علامہ میمن کا سر عام انسانوں کے سر کے سائز سے بڑا تھا لیکن یہ انھوں نے مخاطب سے ازراہ تفنن کہا تھا۔

حکیم سیّد محمود احمد برکاتی صاحب بیان کرتے ہیں کہ عمر کے آخری دور میں علامہ میمن اس بات پر کسی قدر افسوس کا اظہار کرتے تھے کہ ان کے ذہن میں جتنی معلومات محفوظ ہیں زمانہ اس سے استفادہ نہ کر سکا اور یہ کہتے تھے کہ میرے دماغ میں بہت کچھ محفوظ ہے، کاش مجھ سے کوئی میری زندگی میں لے لے۔

استغنا اور خودداری

ڈاکٹر محمد عمر میمن نے راقم سے علامہ میمن کی خودداری اور استغنا کا یہ واقعہ سنایا۔ ایک مرتبہ کراچی میں سعودی سفیر نے سفارتخانے میں بڑے پیمانے پر دعوت کا اہتمام کیا اور بہ اصرار علامہ میمن کو بھی دعوت دی۔ علامہ میمن کی ہمیشہ سے عادت تھی کہ دوپہر کا کھانا ٹھیک بارہ بجے کھا لیتے تھے۔ سفارت خانے میں کھانا 2 بجے ملا۔ اس روز علامہ نے کھانا تو کھا لیا لیکن سعودی سفیر سے واضح الفاظ میں معذرت کر دی کہ آئندہ وہ کھانا گھر سے کھا کے آئیں گے۔ نیز فرمایا کہ ملاقات سے انکار نہیں لیکن کھانے سے انھیں معذور سمجھا جائے۔

علامہ میمن کی بے غرضی کا یہ واقعہ ڈاکٹر عطیہ خلیل عرب صاحبہ نے راقم سے ایک سے زائد مرتبہ بیان کیا۔ایک مرتبہ وہ علامہ میمن سے ملنے میمن منزل بہادر آباد گئیں،ان کی گود میں ان کے کمسن صاحبزادے تھے۔علامہ میمن نے بڑی شفقت سے استقبال کیا اور گفتگو ہونے لگی۔کچھ دیر بعد علامہ میمن نے ڈاکٹر عطیہ کے بچے کو دیکھا اور باہر صحن میں گئے،ضعیف العمری کے باوجود اوپر چڑھ کر اپنے ہاتھوں سے شریفے توڑے اور بڑی محبت سے بچے کو دیے۔ابھی گفتگو جاری ہی تھی کہ ایک معروف شخصیت علامہ میمن سے ملنے آئی۔علامہ میمن نے ناگواری کا اظہار کیا اور ان سے بے ساختہ کہا کہ آپ کو فون کر کے آنا چاہیے،اس وقت میری بیٹی اور میرے شیخ (شیخ حسین عرب) کی پوتی مجھ سے ملنے آئی ہے،اس وقت میں کسی سے نہیں مل سکتا۔وہ صاحب معذرت کر کے چلے گئے لیکن ڈاکٹر عطیہ اکثر یہی فرماتی ہیں کہ ایک معروف شخصیت سے ملنے سے انکار اور میرے بچے کے لیے اوپر چڑھ کر شریفے توڑنا علامہ کی سادگی و بے غرضی کی مثال ہے۔

اسی طرح جناب لطف اللہ خان (جن کے پاس اردو آوازوں کا بہت بڑا ذخیرہ محفوظ ہے) دو مرتبہ ٹیپ ریکارڈر لے کر گئے مگر علامہ میمن نے صاف انکار کر دیا کہ وہ یہ کام نہیں کرائیں گے کیونکہ انھیں شہرت سے غرض نہیں۔

ایک ملاقات کے دوران علامہ میمن کے بھانجے عبدالرزاق معرفانی صاحب نے ان کے استغنا کا یہ واقعہ راقم کو سنایا:

> ''۱۹۷۴ء میں لاہور میں اسلامی سربراہی کانفرنس ہوئی۔اس موقع پر عالم اسلام کے تمام سربراہ شریک ہوئے اور ان سربراہوں کے ساتھ وفد میں دیگر حضرات بھی۔ان حضرات میں بعض نے اس وقت کے وزیر خارجہ سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ عربی زبان کے عالم علامہ عبدالعزیز میمن سے ان کی ملاقات کرائی جائے۔وزیر اعظم نے اپنے وزیر خارجہ کو کراچی بھیجا کہ علامہ میمن کو لاہور لے آئیں۔جب وزیر خارجہ،علامہ میمن سے اس مقصد کے لیے ملے تو انھوں نے صاف انکار کر دیا اور فرمایا: میں مانتا ہوں کہ ان حضرات کو مجھ سے مل کر خوشی ہوگی لیکن مجھے ان سے مل کر کوئی خوشی نہیں ہوگی کیونکہ ان کا علم سے کوئی تعلق نہیں۔اگر

وہ ملنا ہی چاہتے ہیں تو انھیں مجھ سے ملنے یہاں آنا چاہیے۔"

اندازِ تدریس

علامہ میمن نے زندگی کا طویل دور بحیثیت مدرس گزارا۔ پہلے ذکر کیا جا چکا کہ انھوں نے ۱۹۱۳ء میں ایڈورڈز کالج پشاور سے بحیثیت استاد عربی و فارسی اپنے کیریئر کا آغاز کیا تھا۔ افسوس ہے کہ طویل عرصہ گزر جانے کی وجہ سے ایڈورڈز کالج کے سات سالہ دور سے متعلق خاطر خواہ معلومات دستیاب نہیں۔ اس بارے میں راقم نے دو مرتبہ پشاور کا سفر بھی کیا اور ایڈورڈز کالج اور پشاور یونیورسٹی جانا بھی ہوا لیکن وہاں علامہ میمن کے بارے میں معلومات تو ایک طرف، کوئی ان کے نام سے بھی واقف نہ نکلا اور نہ ہی اس دور کا ریکارڈ وہاں محفوظ ہے۔ نہ ہی اس دور کے کسی شاگرد نے اس بارے میں کچھ لکھا۔

۱۹۲۰ء تا ۱۹۲۵ء علامہ میمن نے اورینٹل کالج لاہور میں بحیثیت استاد عربی خدمات انجام دیں۔ خوش قسمتی سے اس دور کے ان کے شاگرد ڈاکٹر سیّد عبداللہ اور ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی کی تحریروں میں کچھ معلومات دستیاب ہیں۔ ڈاکٹر سیّد عبداللہ لکھتے ہیں:

> "عربی جماعت کے استاد ملک کے ممتاز عالم اور ادیب مولانا عبدالعزیز میمن اور حضرت سیّد احمد بریلویؒ کے خانوادے کے ایک عالم سیّد محمد طلحہ تھے۔ مولانا میمن ابھی ابھی ایڈورڈز کالج پشاور سے لاہور لائے گئے تھے۔ عربی ادب پر عبور، شعرائے جاہلیہ کے کلام کا احاطہ، رموز زبان و قواعد کا علم، سبحان اللہ سبحان اللہ۔ مگر میں اس کم عمری میں پورا استفادہ نہ کر سکا تاہم ذہن میں ایک معیار قائم ہو گیا یعنی یہ معلوم ہو گیا کہ ہمالیہ کتنا بلند پہاڑ ہے۔
>
> میں ان بزرگوں کے زیرِ اثر عربی انشا پر قادر ہونے لگا۔ مضمون اچھا لکھ لیتا تھا اور انعام پاتا تھا۔ نصاب میں سبعہ معلقہ بھی تھا، امرؤالقیس کا معلقہ سارا یاد ہو گیا۔ معلقات کے بہت سے اشعار آج بھی یاد ہیں۔ بانت سعاد کا مزا ابھی بھی

آتا ہے۔ فقانیتک پر دل میں ولولہ اب بھی پیدا ہوتا ہے۔ جب پڑھانے والے عبدالعزیز میمن اور طلحہ ہوں تو پتھر بھی کیوں نہ پگھلیں گے''[13]۔

ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی بھی اس دور میں علامہ میمن کے شاگرد تھے۔ اس دور کی ابتدا میں علامہ میمن کا قیام مولانا طلحہ حسنی صاحب کے ہمراہ حضوری باغ نزد بادشاہی مسجد میں واقع اورینٹل کالج کے ہاسٹل میں تھا۔ اس ہاسٹل میں تدریس کے بارے میں ڈاکٹر چغتائی لکھتے ہیں:

''میں اپنے دو طالب علم ساتھیوں فقیر اللہ اور ضیاء اللہ کے ہمراہ مولوی طلحہ کی سفارش پر آپ (علامہ میمن) سے ''مقاماتِ حریری'' پڑھتا تھا۔ مولانا میمن صاحب کو حقہ نوشی کی عادت تھی اور ہم فخر سے ان کی چلم بھرا کرتے تھے۔ ہمیں معلوم ہوا کہ آپ اپنے زمانہ طالب علمی میں مولوی فاضل کے امتحان میں اوّل رہے تھے۔ دہلی میں مولانا حاجی سیّد محمد نذیر حسین دہلوی سے بھی آپ نے پڑھا تھا۔ مولانا میمن ہماری خواہش پر ہمیں کتاب ''مقاماتِ حریری'' پڑھاتے تھے جبکہ اپنی خواہش پر وہ ابن حجر عسقلانی کی ''نخبة الفكر في مصطلح اهل الاثــر'' پڑھاتے تھے۔ اتفاق سے ہر دو حضرات مولانا میمن اور سیّد طلحہ غیر مقلد تھے اور ہم نہایت شوق اور ذوق سے ان سے پڑھتے تھے۔ دورانِ تشریح وہ نہایت نازک اور اہم نکات بیان کر جاتے۔ اسی طرح تشریح کے دوران بیسیوں عربی اشعار پڑھ جاتے تھے''[14]۔

اس بیان سے پتہ چلتا ہے کہ علامہ میمن علمی فیض رسانی کے معاملے میں ابتدا ہی سے فراخ دل تھے۔ اسی وجہ سے انھوں نے کالج کے اوقات کے بعد ان تلامذہ کو نہ صرف پڑھانا منظور کیا بلکہ اپنی جانب سے ایک اور کتاب بھی پڑھائی۔

۱۹۲۵ء تا ۱۹۵۰ء علامہ میمن نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں بحیثیت ریڈر اور پھر صدر شعبہ عربی گزارا۔ حقیقتاً علامہ میمن کی علمی اور تدریسی زندگی کا یہی عہدِ زریں تھا۔ اس دور کے طالب علموں سے متعدد نے علامہ کے طریقۂ تدریس پر روشنی ڈالی ہے۔ ڈاکٹر ریاض الرحمٰن شروانی اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

''مولانا کا طریقۂ تعلیم دوسروں سے بالکل مختلف تھا۔ وہ اپنے طلباء میں صرف عبارت کا ترجمہ کر کے اس کا مفہوم سمجھانے پر ہی اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ شاگردوں میں زبان و ادب کو سمجھنے کا شعورِ سلیم پیدا کرنے کی کوشش کرتے تاکہ عربی ادب میں طلبا کا ذوق بیدار ہو جائے۔ چونکہ موصوف کثیر المطالعہ اور قوی الحافظہ تھے، وہ اپنے طلبا میں علم و معرفتِ علم کی ترقی کے لیے دیگر کتابوں کے حوالے دے کر ان کی استعداد بڑھاتے۔ ان کو بے شمار اشعار زبانی یاد تھے اس لیے جہاں سبق میں کوئی شعر آتا وہ اسی کی مناسبت سے دیگر شعراء کے متعدد اشعار بلکہ بعض اوقات پورا قصیدہ سنا دیا کرتے۔ عام طلباء جو یہ چاہتے کہ بس امتحان پاس کرنے کے لیے اشعار کا مطلب بیان کر دیا جائے، وہ اس طریقۂ تعلیم سے پریشان ہوتے، مگر جو طلباء عربی ادب سیکھنے میں واقعی رغبت رکھتے وہ نہایت توجہ سے ان رموز و معارف کو سمجھنے کی کوشش کرتے جو استاذ محترم بیان کرتے تھے ایک مرتبہ دورانِ سبق کلمہ ''بـرك'' آیا تو استادِ محترم نے اپنی کرسی سے اٹھ کر اور زمین پر بیٹھ کر اونٹ کے بیٹھنے کی کیفیت کو بیان کیا''۔[15]

علامہ میمن کا معاملہ عام اساتذہ کا سا نہ تھا جو محض طالب علموں کو امتحانات کی تیاری کے نقطۂ نظر سے پڑھاتے بلکہ وہ علم کو محض علم کی خاطر پڑھاتے تھے، کسی منفعت کی خاطر نہیں۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ خود انھوں نے بڑی محنت اور صبر سے علم حاصل کیا تھا اور وہ طالب علموں سے بھی محنت کی توقع رکھتے تھے۔ علمی فیض رسانی کے بارے میں ان کے کچھ اصول و قواعد تھے جن پر وہ سختی سے عمل کرتے۔ اس سلسلے میں ان کے شاگرد پروفیسر سیّد رفیع الدین اشفاق لکھتے ہیں:

''وہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں نہایت مستعد تھے اور جو بھی پڑھاتے نہایت پابندی سے پڑھاتے تھے مگر اپنے قریب اسی شاگرد کو آنے دیتے جس میں جوہر دیکھتے، کم استعداد رکھنے والے طلبہ پر اپنی محنت ضائع نہیں فرماتے۔ جب وہ اپنے کسی شاگرد میں جوہر دیکھ لیتے تو اسے ضرور پروان چڑھاتے اور اس میں اپنے اور غیر کا امتیاز نہیں کرتے۔ ان کے یہاں خوشامد کا گزر نہیں تھا جیسے عام طور پر لوگ

ترقی کا ذریعہ بتاتے ہیں۔انھوں نے نااہلوں کو بڑھانے کی ہمیشہ مخالفت کی اور انصاف کا خون نہیں ہونے دیا۔ان کا دامن ان گناہوں سے پاک ہے۔"[۶۱]

علامہ میمن ہمیشہ اس بات کے خواہش مند رہے کہ طالب علموں میں عربی زبان وادب کا معیار بلند سے بلند تر ہو۔محنتی طلبہ سے ان کے فراخ دلانہ معاملے کا ذکر اوپر آ چکا، سہل انگار طلبہ پر وہ برہم بھی ہوتے۔پروفیسر رفیع الدین اشفاق اس بارے میں لکھتے ہیں:

> "علامہ کو اپنے علم پر بڑا اعتماد تھا، ان کا علم حاضر تھا۔الکامل پڑھاتے تھے مگر انھیں گھر سے کتاب دیکھ کر آنے کی ضرورت نہیں تھی۔پڑھاتے تو کلاس میں سکتہ طاری رہتا۔ایک شعر کی وضاحت میں بے شمار اشعار پیش فرما دیتے۔موصوف کے پاس علم کا ایک خزانہ تھا جس سے فائدہ اٹھانے کے لیے بھی اعلیٰ سطح کی صلاحیت درکار تھی جو عام طور پر علامہ کے تلامذہ میں نہیں پائی جاتی تھی۔جب انھیں اس کا احساس ہوتا تو اس کے اثرات ان کے تلامذہ پر ظاہر ہو جاتے مثلاً کسی دن کسی شاگرد سے کچھ پوچھ لیا، خفا ہو کر بولے"ایم اے میں پڑھتے ہو اور اتنی سی بات نہیں جانتے"۔یہی غلطی ایک روز کسی اور طالب علم سے ہو گئی۔استاد خفا ہو گئے اور فرمایا:"حروفِ تہجی پڑھ کر آتے ہو اور میمن کے شاگرد بننا چاہتے ہو"۔مگر یہ ضرور ہے کہ اس خفگی کے باوجود جو بات طالب علم پوچھتا، اس کا جواب ضرور دیتے۔
>
> کلاس میں کسی کسی مسئلے پر بحث ہو جاتی تو اس بحث میں خود بھی شامل ہو جاتے اور طلبہ کی ہمت افزائی فرماتے۔ایک مرتبہ تقدیر اور تدبیر پر بحث ہو گئی، استاد محترم سنتے رہے۔کسی نے کچھ کہا، کسی نے کچھ۔آخر میں استادِ گرامی نے فرمایا:"متنبی کے اس شعر پر غور کرو، مسئلہ سمجھ میں آ جائے گا:
>
> فیا ایہا المنصور بالجد سعیہ
>
> و یا ایّہا المنصور بالسعی جدہ"[۶۲]

ایک عظیم استاد کی حیثیت سے علامہ میمن اپنے طالب علموں کے ساتھ شفقت کا برتاؤ

کرتے تھے۔ اگر کسی طالب علم کو نصیحت بھی کرنی ہوتی تو نہایت حکیمانہ انداز سے کرتے۔ اس بارے میں پروفیسر رفیع الدین اشفاق لکھتے ہیں:

''میں نے استادِ گرامی کو برملا کسی کو بُرا کہتے ہوئے کبھی نہیں سنا۔ اگر خفا بھی ہو جاتے تو اپنی خفگی کا اظہار نصیحت کے انداز میں فرماتے۔ ایک دفعہ شعبہ (عربی) میں کوئی بات ہوگئی، جو قصوروار تھے وہ ڈرے، مگر انھوں نے کتاب کھولتے ہوئے بس اتنا فرمایا: ''بہت سے نادان لوگ ایسے بھی ہیں جو اپنے نفع ونقصان میں تمیز نہیں کرسکتے''۔ پھر پڑھانا شروع کردیا۔ کوئی نہ سمجھ سکا کہ روئے سخن کس کی طرف ہے''[18]

پروفیسر سیّد محمد سلیم، بھی قیام علی گڑھ کے اسی دور میں علامہ میمن کے شاگرد رہے۔ وہ ان کے اندازِ تدریس سے متعلق لکھتے ہیں:

''مولانا عبدالعزیز میمن ایم اے کی کلاس کو ''ادب الکامل للمبرد'' سے باب الخوارج پڑھایا کرتے تھے۔ خارجیوں کی تاریخ، ان کی جنگیں، ان کا تقشف اور ان کا تقویٰ وہ کچھ اس انداز سے پڑھاتے تھے کہ خارجیوں کی تصویر آنکھوں کے سامنے گھومنے لگتی تھی۔ بعض شیعہ لڑکے عربی میں داخلہ اس اندیشہ سے نہیں لیتے تھے کہ میمن صاحب خارجی بنادیں گے۔ کبھی بھی دس بارہ سطروں سے زیادہ سبق نہ پڑھا جاسکا۔ کہیں نہ کہیں کوئی شعر آجاتا تو وہ اس کی ساری تاریخ بیان کردیتے تھے۔ کہیں کسی کتاب کا ذکر آگیا تو وہ اس کتاب کی مکمل تاریخ بیان کرتے تھے: کب لکھی گئی، اس کے نسخے کہاں کہاں پائے جاتے ہیں، وائنا (آسٹریا) میں ہے یا لائیڈن (ہالینڈ) میں ہے یا بوڈلین (انگلینڈ) میں ہے یا ایسکوریال (ہسپانیہ) میں ہے یا آیا صوفیہ (ترکی) میں ہے یا کہیں اور۔ پھر کس مستشرق نے اس کو اوّل اوّل شائع کیا، اس نے کہاں کہاں غلطی کی، پھر عرب ممالک میں اس کا کون سا ایڈیشن شائع ہوا ہے وغیرہ وغیرہ۔ وہ ان معلومات کا دریا بہاتے رہتے تھے اور گھنٹے کی وسعت اپنی تنگ دامانی کا اعلان کردیتی تھی''[19]

علامہ میمن کی یہ علمی فیض رسانی محض کلاس تک ہی محدود نہ تھی بلکہ ذہین اور محنتی طالب علموں کو وہ دیگر اوقات میں بھی فیض پہنچاتے اور ان کی علمی تشنگی دور کرتے۔ اس حوالے سے پروفیسر رفیع الدین اشفاق لکھتے ہیں:

''انھوں نے اپنے چوبیس گھنٹوں میں سے ایک وقت ایسا بھی نکال رکھا تھا کہ اس میں حاضری کے لیے اذنِ عام تھا۔ وہ روزانہ علی گڑھ کے قلعے کے اطراف دو تین میل دوڑ لگایا کرتے تھے جس میں ان کے ساتھ وہ طلباء بھی شامل ہوتے تھے جو علامہ سے اپنی مشکلات حل کرنا چاہتے تھے۔ اس عاجز کو اس تفریح میں اکثر استاد کے ساتھ ہو جانے کا موقع نصیب ہوا اور جو پوچھا اسے خوب سمجھایا۔ سوالات پر پابندی نہیں تھی کہ کیا پوچھیں اور کیا نہ پوچھیں۔ جوابات استاد کے پاس سب حاضر تھے۔ انھوں نے اپنی زندگی کے ایک ایک منٹ کا صحیح علمی مصرف نکال لیا اور اس تفریح کے وقت کو بھی ضائع نہیں ہونے دیا''۔[20]

پاکستان منتقل ہونے کے بعد علامہ میمن نے پہلے جامعہ کراچی اور اس کے کئی برس بعد اورینٹل کالج، جامعہ پنجاب میں عربی زبان کی تعلیم دی۔ اورینٹل کالج میں اس دور کے ان کے شاگرد، ڈاکٹر ظہور احمد اظہر، ان کے اندازِ تدریس سے متعلق لکھتے ہیں:

''یہ واقعہ ہے کہ میمن صاحب نے عربی شعر و نثر کے بہت سے ادبی جواہر پارے یاد کیے تھے، بعض دیوان وکلیات تو پورے کے پورے حفظ تھے جیسے دیوان المتنبّی، دیوان الحماسة لابی تمام اور معلقات اور مفضلّیات وغیرہ۔ درجے میں نصابی کتاب کبھی ساتھ نہ لاتے اور طلباء سے کہتے: کتابیں کھولو اور ایک طالب علم قصیدہ یا قطعہ کا پہلا لفظ پڑھے۔ پہلا لفظ یا مصرع پورا ہوتے ہی میمن صاحب کی باری آجاتی اور وہ پورا قصیدہ یا قطعہ محض اپنی یاد سے سناتے، اس کا تاریخی پس منظر بیان کرتے، ضروری تشریح و تنقید کرتے اور واپس دفتر چلے جاتے''۔[21]

مسلک اور عقیدہ

پہلے ذکر آ چکا کہ مولانا عبدالخالق کشمیری کے زیر اثر علامہ میمن کے والد اہلحدیث مسلک اختیار کر چکے تھے۔انھوں نے علامہ میمن کو دہلی کے اہلحدیث کے معروف مدرسے میں بغرض دینی تعلیم بھیجا تھا۔ان کے اساتذہ مولانا عبدالوہاب، مولانا محمد بشیر سہسوانی، مولانا عبدالرحمٰن وغیرہ بھی اہلحدیث ہی تھے۔علامہ میمن بھی تمام عمر مسلک اہلحدیث پر عامل ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ انھوں نے کبھی کسی دوسرے مسلک پر اعتراض نہیں کیا۔حقیقت یہ ہے کہ علامہ میمن نے تمام عمر نہ صرف دیگر مسالک کے مسلمانوں کا احترام کیا بلکہ ان کی تعریف بھی کی۔اس حوالے سے ان کے شاگرد ڈاکٹر احمد حسن لکھتے ہیں:

"علامہ عبدالعزیز میمن ہمارے دور میں پاکستان کے سب سے بڑے عربی زبان و شعر و ادب کے ماہر سمجھے جاتے تھے۔راقم الحروف کو موصوف سے جامعہ کراچی میں شعبۂ عربی میں چند دنوں استفادہ کا موقع ملا ہے۔آپ کو یہ سن کر تعجب ہوگا کہ موصوف حضرت شیخ بنوری کی عربیت سے بہت متاثر ہیں۔آپ نے مجھ سے خود بیان فرمایا کہ کبھی کبھی میں جمعہ وعیدین جامع مسجد نیوٹاؤن (کراچی) میں مولانا یوسف بنوری صاحب کے پیچھے پڑھتا ہوں۔مجھے ان کا خطبہ بہت پسند ہے جو وہ فصیح و بلیغ عربی میں برجستہ دیتے ہیں"[۲۲]۔

حق گوئی

علامہ میمن کی حق گوئی کا یہ واقعہ ڈاکٹر مختارالدین احمد تحریر فرماتے ہیں:

ایک بار وہ سفر دمشق کے موقع پر امام ابن قیم (۶۹۱۔۷۵۱ھ) کی قبر پر فاتحہ پڑھنے گئے لیکن قبر اور ماحول کی حالت زار دیکھ کر انھیں سخت رنج ہوا کہ اتنے بڑے جلیل القدر عالم اور مصنف کی قبر اس کس مپرسی کی حالت میں ہو۔وہ حالت

غیظ وغضب میں سوریہ (شام) کے مدیر اوقاف کے پاس چلے گئے اور اس تعلق کی بنا پر کہ دونوں ایک دوسرے اچھی طرح واقف تھے، ان کے اس اہمال وغفلت پر انھوں نے سخت تنقید کی۔ کہنے لگے: تم لوگوں نے اس شخص کی قبر کا حال یہ بنا رکھا ہے جس شخص کو خدا نے خود اپنے ہاتھوں سے بنایا (هٰذا رَجلٌ خلق اللّٰه بِیَدِهٖ)۔ شاید ان کی توجہ کا نتیجہ تھا کہ بعد کو ابن القیم کے مزار کی حالت درست ہوگئی اور جب میں نے برسوں بعد دمشق میں ان کی قبر کی زیارت کی تو دیکھا کہ سنگ مرمر پر نہایت خوبصورت نسخ میں کتبہ کندہ کرا کے نصب کر دیا گیا ہے[۲۳]۔

علامہ میمن کی عادت تھی کہ گفتگو کے دوران بے تکلفی کا مظاہرہ کرتے، جو ان کے دل میں ہوتا وہی زبان پر لاتے۔ اس حوالے سے عربی لغت نگاری پر ایک خطبے میں اونٹوں پر لکھی گئی کتب کے حوالے سے یہ واقعہ بیان کیا:

''اب عربوں کا یہ حال ہے کہ میں نے حج کے زمانے میں جدّے میں عربوں سے پوچھا تھا کہ اتنی کاریں ہوگئی ہیں تمہارے یہاں، اب ان اونٹوں کا کیا کرو گے؟ کہنے لگے سب کو کھا جائیں گے۔ میں نے کہا بہت بُرا جواب دیا اور بُرا صلہ دیا۔ انھوں نے تو تمھاری پوری لائف (Life) باوا آدم کے وقت سے آج تک بنا ڈالی ہے اور تمھیں کہیں سے کہیں پہنچا دیا اور تم ان کا یہ حشر کر رہے ہو؟''[۲۴]

تلامذہ پر شفقت

ایک شفیق استاد کی حیثیت سے علامہ میمن کا اپنے تلامذہ کے ساتھ شفقت اور محبت کا رویہ ہوتا تھا۔ ذکر آ چکا کہ علامہ میمن نے کس شدید محنت ومشقت سے علم حاصل کیا تھا چنانچہ وہ خود بھی اس بات کے خواہش مند رہتے کہ ان کے تلامذہ بھی محنت کام لیں اور اپنا مقام بنائیں۔ وہ نہ صرف علمی معاملات میں اپنے شاگردوں کی رہنمائی کرتے بلکہ دنیاوی معاملات میں بھی۔ البتہ یہ بھی حقیقت ہے کہ ان کی شفقت اور سرپرستی بعض اصول وقواعد کے دائرے میں رہ کر ہوتی اور اگر

طالب علم ذہین اور محنتی ہوتا تو وہ نہ صرف بھرپور رہنمائی کرتے بلکہ اپنا قیمتی کتب خانہ بھی اس کے حوالے کردیتے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ لکھتے ہیں:

''مطالعے اور تحقیق کے سلسلے میں مجھے استاذ المیمنی سے دو طرح کی رہنمائی حاصل ہوتی تھی۔ ایک تو وہ خود ہر مسئلے میں رہنمائی فرماتے تھے، دوم یہ کہ میری گزارش پر دوسرے فضلاء کو سفارشی خط لکھ کر دیا کرتے تھے کہ میری مدد فرمائیں۔ خود اپنی طرف سے ان کی کرم فرمائی تھی کہ انھوں نے مجھے اجازت دے رکھی تھی اور چابی میرے حوالے کردی تھی کہ میں ان کے ذاتی کتب خانے کو دیکھوں اور جی بھر کر استفادہ کروں''۔[۲۵]

ایک اور مقام پر اسی طرح علمی معاونت کے بارے میں ڈاکٹر بلوچ صاحب لکھتے ہیں:

''استاد صاحب طالب علم کی اتنی دل کھول کر امداد کرتے ہیں کہ کئی مشکلات آسان ہو جاتی ہیں اور ہمت وحوصلہ بڑھ جاتا ہے۔ آج خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ رامپور کتب خانہ سے استفادہ کرنے کا ارادہ ہے۔ استاذ صاحب نے فوراً تائید کی اور ساتھ لے چلے اور اپنی کوٹھی پر دو خط لکھے، ایک جناب سید بشیر حسین صاحب زیدی مدارالمہام ریاست رامپور اور دوسرا جناب امتیاز علی صاحب عرشی مہتمم کتب خانہ کو''۔[۲۶]

یاد رہے یہ اس دور کی بات ہے جب ڈاکٹر بلوچ صاحب علامہ میمن کی نگرانی میں Ph.D. کا مقالہ بہ عنوان السند تحت سیطرۃ العرب (سندھ زیر عرب) لکھ رہے تھے۔ مورخہ ۱۱/اگست ۱۹۴۵ء کی ڈائری میں ڈاکٹر بلوچ صاحب لکھتے ہیں کہ سندھ کے وزیر تعلیم پیر الٰہی بخش اور ڈاکٹر امیر حسن صدیقی پرنسپل سندھ مسلم کالج، کراچی کی جانب سے انھیں اسسٹنٹ پروفیسر کی حیثیت سے پیشکش کے خطوط آئے۔ ڈاکٹر بلوچ صاحب علامہ میمن کے مشورے کے بغیر کوئی قدم اٹھانا نہیں چاہتے تھے۔ جب علامہ میمن سے اس پیشکش کا ذکر کیا تو انھوں نے پیر الٰہی بخش کو ایک خط لکھا جس میں اصرار کیا کہ محض آٹھ ماہ بلوچ صاحب کو ان کی نگرانی میں رہنے دیا جائے تاکہ وہ تحقیقی کام مکمل کرلیں۔ افسوس ہے کہ یہ کام مکمل نہ ہوسکا اور ۲۴/اگست ۱۹۴۵ء کو ڈاکٹر امیر

حسن صدیقی کی جانب سے تقرری کا آرڈر آ گیا۔اس بارے میں اور علامہ میمن کی معاونت کے بارے میں بلوچ صاحب لکھتے ہیں:

''آج ڈاکٹر امیر حسن صاحب صدیقی کا خط مع اسسٹنٹ پروفیسر تقرری کا آرڈر پہنچا۔نماز کے بعد قبلہ استاذ صاحب کے سامنے رکھے گئے۔استاذ صاحب میرے یہاں (علی گڑھ میں) رہنے کو کراچی جانے پر ترجیح دیتے ہیں لیکن ساتھ ہی ساتھ یونیورسٹی والوں کی بے اعتنائی اور میری ضعیف مالی حالت کو استاذ صاحب نے قدرے محسوس کیا اور فرمایا کہ ''اچھا آپ جائیں''۔میں جانتا ہوں کہ جو صدمہ استاذ صاحب کی جدائی کی وجہ سے میں لے رہا ہوں۔افسوس کہ یونیورسٹی ایک شخص کو جو ڈیڑھ سو روپیہ نیز بخوبی چھوڑ دے بشرطیکہ پچاس روپیہ اطمینان سے مل جائیں، یہاں رہنے کا موقع نہیں دیتے۔حقیقت یہ ہے کہ یونیورسٹی کے پورے تکلیف دہ قیام میں صرف استاذ صاحب کا ہی سہارا رہا۔اس کے بغیر کام کرنا تو درکنار شاید جینا بھی مشکل ہو جاتا''۔[۲۷]

حقیقت یہ ہے کہ علامہ صاحب کا یہ شفقت اور محبت آمیز رویہ ہر محنتی اور قابل طالب علم کے ساتھ ہوتا۔ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب کے تقرر کے لیے انھوں نے ڈاکٹر معظم حسین صدر شعبۂ عربی، ڈھاکہ یونیورسٹی کو خط بھی لکھا تھا۔

ڈاکٹر مختار الدین احمد علامہ میمن کی علمی معاونت کے بارے میں راقم کے نام خط میں لکھتے ہیں:

''پی ایچ ڈی کا کام میں نے دو سال میں مکمل کر لیا تھا۔پہلے سال میں ہوسٹل میں رہا۔صبح سے دوپہر تک لائبریری کا کام کرتا تھا۔دوپہر سے رات اپنی ریسرچ کے کاموں میں مصروف ہوتا تھا۔استاذ مرحوم کے پاس میں تقریباً روزانہ حاضر ہوتا تھا۔انھوں نے میرے لیے دوپہر سے سہ پہر تک کا وقت مخصوص کر رکھا تھا۔میں الاستاذ کا ممنون تھا کہ انھوں نے اپنے آرام کا وقت مجھے دے دیا تھا''۔[۲۸]

اسی طرح علامہ میمن کے ایک اور نامور شاگرد ڈاکٹر خورشید احمد فارق تھے۔جنھوں نے

"زیاد ابن ابیہ" پر .Ph.D کیا۔ .Ph.D کے اس موضوع کے بارے میں خورشید صاحب نے ہی علامہ میمن سے درخواست کی تھی کہ وہ اسلام کے ابتدائی دور کا کوئی تاریخی موضوع منتخب کر دیں۔ چنانچہ علامہ میمن نے ان کی خواہش پر یہ موضوع دیا۔ علامہ میمن خورشید صاحب کو بے حد چاہتے تھے۔ تحقیقی کام کے دوران خورشید صاحب گرمیوں کی چھٹیاں علی گڑھ میں گزارتے۔ ایک سال علامہ میمن چھٹیوں کے دوران اپنا گھر خورشید صاحب کے سپرد کر گئے تاکہ وہ بآسانی اپنا کام مکمل کر سکیں۔ اس بارے میں ڈاکٹر غلام مرسلین لکھتے ہیں:

"ایک سال چھٹی ہونے سے پہلے میمن صاحب نے خورشید صاحب سے کہا کہ وہ چھٹیوں میں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ راجکوٹ جا رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ خورشید صاحب چھٹیوں کے ایام ان کے گھر پر گزاریں لہٰذا خورشید صاحب نے ان کے مکان پر چھٹیوں بھر رہ کر ان کے حکم کی تعمیل کی۔ اس طرح ایک عرصے تک ملنے جلنے سے میمن صاحب کو خورشید صاحب کی طبیعت کا خوب تجربہ ہو گیا تھا اور ان پر اعتماد بھی ہو گیا تھا۔ لہٰذا جب بھی وہ علی گڑھ سے باہر کہیں جاتے تو اپنا پورا سامان سے بھرا گھر خورشید صاحب کی نگرانی میں چھوڑ کر چلے جاتے تھے۔ علامہ میمن .Ph.D کے مقالے کی اصلاح ہفتہ میں ایک بار کرتے تھے جس سے انھیں خورشید صاحب کی علمی صلاحیت اور استعداد کا اندازہ ہو گیا تھا۔ خورشید صاحب کہا کرتے تھے کہ انھوں نے لوگوں کی زبانی سنا تھا کہ میمن صاحب کہتے تھے کہ انھیں اپنے دو شاگردوں پر بہت فخر ہے: ایک سیّد محمد یوسف اور دوسرے خورشید احمد فارق"[۲۹]۔

علامہ میمن کے نامور شاگرد ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق ان کی علمی معاونت کا یہ واقعہ بیان کرتے ہیں:

"علی گڑھ سے رخصت ہونے کے بعد استاد محترم سے میں پہلی بار اس وقت ملا جب کہ موصوف ۱۹۴۶ء میں آل انڈیا اورینٹل کانفرنس (All India Oriental Conference) میں شرکت کے لیے ناگپور تشریف لائے۔ میں

کانفرنس کے عربی شعبے کا معتمد تھا۔ اس وقت مجھے یہ سعادت حاصل ہوئی کہ علامہ کی صحبت میں تین دن گزارنے کا موقع مل گیا۔

دورانِ گفتگو علامہ نے دریافت فرمایا: ''صرف پڑھاتے ہو یا کوئی علمی و ادبی کام بھی کر رہے ہو؟'' جب میں نے عرض کیا کہ میں نعت پر تحقیقی کام کر رہا ہوں تو خوش ہوئے اور کیفیت خیز انداز میں بے شمار نعتیہ اشعار سنا دیے، پھر نعت کی فنی حیثیت پر بصیرت افروز لیکچر دیا۔ یہ تین دن میری زندگی کے نہایت قیمتی ہیں۔ علامہ کے لیکچر نے میری تحقیقی نظر ہی بدل دی اور وہ کام کیا جو کتابوں کے مطالعے نے نہیں کیا تھا۔ جب مقالہ مکمل شائع ہوا تو احباب نے دریافت کیا ''آپ کے مقالے کے حوالے کی کتابوں میں ایک بھی کتاب ایسی نہیں ہے جس سے معلوم ہو سکے کہ آپ نے مقالے کے خاکے کی تیاری میں اس سے مدد حاصل کی ہے''۔ میں نے عرض کیا ''یہ مواد مجھے میرے استاد، علامۂ جلیل عبدالعزیز المیمنی کے لیکچر نے فراہم کیا جو مجھے کتابوں میں بھی نہ مل سکا''۔[20]

۱۹۵۷ء میں پنجاب یونیورسٹی کی دعوت پر علامہ میمن لاہور پہنچے۔ لاہور آمد کا اصل مقصد بین الاقوامی مذاکرۂ اسلامی میں شرکت تھا۔ اس علمی مذاکرے میں شرکت کے لیے پروفیسر غلام احمد حریری بھی لائل پور (فیصل آباد) سے آئے۔ وہ علامہ میمن کی عربی زبان و ادب پر مہارت و شہرت کا ذکر سن چکے تھے۔ انھوں نے خواہش ظاہر کی کہ علامہ میمن سے شرف تلمذ حاصل کریں۔ اس حوالے سے وہ لکھتے ہیں:

''روزانہ مولانا کے ساتھ گھنٹوں ملاقات رہتی اور ان کے ادبی لطائف و ظرائف سے مستفید ہونے کا موقع ملتا۔ میری دلچسپی کو دیکھ کر مولانا بھی خصوصی شفقت فرمانے لگے۔ دورانِ گفتگو میں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ میں آپ کے ساتھ سلسلۂ تلمذ وابستہ کرنا چاہتا ہوں جس کی صورت یہ ہوگی کہ **کتاب العمدہ لابن رشیق** اور **عقد الفرید لابن عبد ربہ** کے بعض مقامات جو دورانِ مطالعہ میری سمجھ میں نہیں آئے، میں آپ سے سمجھنا چاہتا ہوں۔ آپ نے بخوشی اسے منظور

فرمایا اور چند نشستوں میں سب مشکلات حل کر دیں''۔[۳۱]

ذہین اور محنتی طالب علموں پر وہ اسی طرح شفقت کا برتاؤ رکھتے اور اگر کسی طالب علم میں عربی زبان سے صحیح تعلق دیکھتے تو اسے زیادہ سے زیادہ آگے بڑھاتے۔ انھی طالب علموں میں ڈاکٹر ظہور احمد اظہر بھی ہیں جنھوں نے علامہ کے دو سالہ قیامِ لاہور (۱۹۶۴ء تا ۱۹۶۶ء) ان سے بھرپور استفادہ کیا بلکہ ڈاکٹریٹ کا مقالہ بھی انھی کے مشورے سے لکھا۔ وہ اس بارے میں لکھتے ہیں:

> ''ایک دن اچانک گویا ہوئے: تم کسی موضوع کا انتخاب کر کے میری نگرانی میں پی ایچ ڈی کے لیے کیوں رجسٹر نہیں کرا لیتے؟ اپنے خوابوں کی تعبیر کا احساس کر کے خوشی سے جھومتے ہوئے میں نے عرض کیا: مولانا! عرصہ دراز سے یہی تو میری زندگی کی تمنا اور خواہش ہے، اگر یہ موقع مل جائے تو یقیناً میں اپنے آپ کو خوش بخت ترین انسان تصور کروں گا۔
>
> پھر موضوع بھی انھوں نے خود ہی طے فرما دیا اور مجھ کو محمد عبدالکافی الزوزنی کی حماسة الظرفاء من اشعار المحدثین و القدماء کے نادر مخطوطہ کی فوٹو کاپی عطا فرمائی۔ وہ مخطوطہ ان کو ترکی کے کسی ذاتی کتب خانہ میں ملا تھا۔ شاید وہ حماسة کے مجموعات میں تازہ ترین آخری دریافت تھی۔ الوحشیات اور ابوتمام طائی کی الحماسة الصغریٰ کے بعد میمن صاحب اس کو بارہویں حماسة شمار کرتے تھے اور میمن صاحب کی دریافت کردہ آخری تین حماسة کی مؤلفات میں سے وہ ایک تھی جس کی انھوں نے تحقیق کی اور ان کی حیات میں شائع ہوئیں''۔[۳۲]

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر مذکورہ بالا موضوع پر تو پی ایچ ڈی نہ کر سکے کیونکہ یہ بعد میں پتہ چلا کہ کراچی یونیورسٹی ایک طالبہ، ڈاکٹر سید محمد یوسف کی نگرانی میں اس موضوع پر کام کر چکی تھیں۔ اس طالبہ نے جس مخطوطہ پر کام کیا وہ بھی علامہ میمن ہی کا فراہم کردہ تھا۔ بالآخر ڈاکٹر ظہور احمد اظہر نے علامہ میمن کے مشورے سے القرط علی الکامل للمبرد پر .Ph.D کا کام مکمل کیا۔

اس تحقیقی کام کے دوران جوں جوں وقت گزرتا رہا، علامہ میمن کی شفقت اور سرپرستی میں

اضافہ ہوتا رہا۔اس بارے میں ڈاکٹر ظہور احمد اظہر لکھتے ہیں:

''وقت کے ساتھ حجاب اور تکلف کے پردے اٹھے تو میمن صاحب کے گھر آمد و رفت کے سلسلہ میں بھی اضافہ ہو گیا۔صبح و شام بلکہ رات بھی اطلاع یا بغیر اطلاع پہنچ جاتا تو خوش دلی سے استقبال کرتے بلکہ میری آمد سے راحت محسوس کرتے، تحقیقی کام سے متعلق مشکل سوالات کے جواب میں کوئی تردد و تکلف نہ ہوتا بلکہ عاریتاً کتابیں بھی مرحمت فرما دیتے جو ان کے نزدیک بہت بڑی بات تھی اور مستعار لینے والے کے لیے گویا علمی ذوق و اعتبار کی سند! لیکن مستعار کتابوں کو کبھی بھولتے نہ تھے، اس لیے کہ ان کو اپنی سعادت مند اولاد، مخلص اصدقاء و احباب کی طرح عزیز رکھتے تھے۔وقتِ مقررہ پر ان کی واپسی بھی ضروری تھی ورنہ یہ کہتے ہوئے یاد دلاتے ''پرانی کتاب واپس لاؤ کہ نئی کے مستحق ہو''۔

اسی مضمون میں، علامہ میمن کی مزید عنایات اور تحفۃً دی گئی کتب کے بارے میں ڈاکٹر ظہور احمد اظہر لکھتے ہیں:

''میمن صاحب کے پاس عرب علماء و فضلاء اور ناشرین کی طرف سے نئی کتابیں آتی رہتی تھیں، ان میں سے کئی انھوں نے مجھے بھی ہدیتاً دیں۔اسی طرح خود اپنی تالیفات میں سے ابو العلاء وما الیہ، الوحشیات لابی تمام، المقصور و الممدود للفراء، التنبیهات لعلی بن حمزة البصری عنایت فرمائیں۔الوحشیات کے پہلے طبع کا پہلا نسخہ آیا تو میں نے ایک رات کے لیے عاریتاً مانگا، تاثر سے بولے ''بلکہ تین رات کے لیے اس کو اپنے پاس مہمان رکھو، تین دن سے زیادہ میزبان کے ہاں مہمان کا قیام جائز نہیں۔میں نے اس نسخہ کا مطالعہ کر لیا ہے اور حاشیوں پر اس کے اغلاط کی تصحیح لکھ کر زکوٰۃ ادا کر دی ہے۔یہ میرا معمول ہے کہ جب بھی کوئی کتاب پڑھتا ہوں تو اس کی زکوٰۃ دے کر اس کا حق ادا کرتا ہوں۔یاد رکھو کہ کوئی مؤلف و محقق اپنی کتاب کے پہلے نسخے سے محروم ہونا پسند نہیں کرتا، خیر! لے جاؤ اور مطالعہ کر کے واپس لاؤ۔جب دیگر نسخے

آئیں گے تو ان میں سے ایک کے تم حقدار ہو گے لیکن یہ نسخہ قابلِ واپسی عاریتاً ہے جس کی ذمہ داری تمہاری گردن پر ہے'' ۳۳ے

اس سے پتہ چلتا ہے کہ کتابوں کے معاملے میں علامہ میمن اگر فیاض تھے تو محتاط بھی تھے۔

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر تحریر فرماتے ہیں کہ علامہ میمن کی شفقت اس حد تک بڑھی کہ مطبوعات ہی نہیں مخطوطات و دیگر قیمتی مواد بھی ان کے حوالے کر دیتے، وہ لکھتے ہیں:

''میرے ساتھ میمن صاحب نے کبھی کسی چیز میں بخل سے کام نہیں لیا خواہ اس کا تعلق ان کے علم سے ہو یا ان کی یادداشتوں میں مکتوب معلومات سے، یا بیرون ملک درآمد کردہ نادر مخطوطات کے تصویری نسخوں سے جن کے لیے انھوں نے اپنی جیب خاص سے بھاری مصارف کیے تھے، یا ان نفیس کتابوں سے جن کو وہ جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے'' ۳۴ے

اسی دور میں قیام لاہور کے دوران ڈاکٹر خورشید رضوی صاحب نے بھی عربی زبان و ادب میں علامہ میمن سے خوب استفادہ کیا۔ وہ علامہ کی شفقت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''عربی زبان و ادب سے میرے گہرے شغف کی بنا پر وہ مجھ پر خصوصی شفقت فرمانے لگے۔ امالی ابن درید کی ایک مائیکروفلم ان کے پاس تھی۔ میں نے دلچسپی کا اظہار کیا تو بے جھجک میرے حوالے کر دی۔ حیرت کی بات ہے کہ انھوں نے اس سلسلے میں کسی احتیاط کا مظاہرہ نہ کیا'' ۳۵ے

ڈاکٹر خورشید رضوی علامہ میمن کی شفقت اور تعلق خاطر کا ایک اور یادگار واقعہ یوں بیان کرتے ہیں:

''مجھے ان کی شفقت کا ایک اور واقعہ بھی یاد رہے گا۔ ایک روز شام کو معمول کے مطابق پہنچا تو کوٹھی کے ایک چھوٹے سے بغلی کمرے میں لیٹے حقہ پی رہے تھے۔ کہنے لگے بھئی اچھا ہوا آپ آ گئے۔ آپ سے ایک ضروری بات کرنا تھی، ہمارے ہاں شعبۂ عربی میں ایک لیکچرار کی اسامی خالی ہے، اس کے کئی امیدوار ہیں۔

حمید احمد خاں صاحب وائس چانسلر مجھ سے پوچھ رہے تھے کہ کیا کوئی مناسب آدمی مل گیا ہے؟ میں نے کہا: ایک آدمی نظر میں تو ہے مگر مشکل یہ ہے کہ وہ امیدوار نہیں ہے۔ انھوں نے کہا آپ اس کی پروا نہ کریں، اگر وہ رضامند ہو تو کوئی نہ کوئی صورت نکالی جا سکتی ہے۔ تو بھی میرا اشارہ آپ کی طرف تھا۔ اب آپ بتائیں کہ کیا آپ یونیورسٹی میں آنا پسند کریں گے؟ میں نے عرض کیا کہ سب سے پہلے تو آپ کے حسنِ ظن پر سراپا سپاس ہوں جو میرے لیے بہت بڑی سند کی حیثیت رکھتا ہے۔ تاہم دو ایک باتیں میرے لیے باعث تردد ہیں۔ ایک تو میں سرکاری ملازمت میں ہوں، وہ چھوڑنی پڑے گی۔ فرمایا: اس کی فکر نہ کریں، جو کچھ فوائد اس کے اب تک ہوئے ہیں وہ آپ کی تنخواہ میں شامل ہو جائیں گے۔ میں نے عرض کیا: ''دوسری بات ذرا نازک ہے، ہمارے ہاں یونیورسٹیوں کی فضا میں بالعموم سیاست کاری اور جوڑ توڑ کا غلبہ نظر آتا ہے اور میری طبیعت کو اس سے مناسبت نہیں''۔ یہ سنتے ہی لیٹے لیٹے اٹھ بیٹھے اور دوٹوک انداز میں فرمایا: ''یہ آپ نے بالکل ٹھیک کہا، یہ آپ کے بس کا روگ نہیں، مجھ ستر برس کے بوڑھے کا گزارا یہاں دشوار ہے، بھلا آپ کس کھیت کی مولی ہیں، نا بھئی نا آپ وہیں ٹھیک ہیں'' ۳۶

اس سے ثابت ہوا کہ علامہ میمن طلبہ وقریبی احباب کو ایمان داری سے مشورے دیتے اور ان کی ترقی کے خواہاں رہتے تھے۔ ان کا معاملہ ان اساتذہ کا سا نہیں تھا جو محض کلاس روم تک طلبہ سے تعلق رکھتے ہیں بلکہ کلاس سے باہر بھی وہ ان پر شفیق اور مہربان تھے اور ان کی صحت وعافیت کے خواہاں۔ اگر ان کا شاگرد بیمار ہوتا تو وہ خود چل کر اس کی اقامت گاہ یا ہوسٹل تک جاتے اور اس کی خیر وعافیت بھی پوچھتے اور قیمتی مشورے بھی دیتے۔ اس بارے میں ڈاکٹر نبی بخش بلوچ صاحب ۱۵ رمئی ۱۹۴۴ء کی ڈائری میں لکھتے ہیں:

''پرسوں سے میری طبیعت خراب تھی۔ آج جب کہ میں طبیہ کالج کو دوا لینے جا چکا تھا تو استاد صاحب بیمار پرسی کے لیے کمرے میں تشریف فرما ہوئے لیکن مجھے غیر

حاضر دیکھ کر واپس چلے گئے۔اس کے فوراً بعد میں واپس آیا۔استاذ صاحب کے متعلق معلوم ہوا کہ آئے تھے، میں نے سمجھا کہ ابھی استاذ صاحب شاید لائبریری میں ہوں گے اور میں فوراً وہاں پہنچا، استاذ صاحب موجود تھے، آپ نے صحت کے متعلق پوچھا۔اس کے بعد اور باتیں ہوتی رہیں'' [۳۷]

اسی طرح کا ایک واقعے کے راوی ڈاکٹر ریاض الرحمٰن شروانی ہیں۔اس بارے میں سلمیٰ شروانی لکھتی ہیں:

''مولانا اپنے شاگردوں سے نہایت شفقت اور خندہ پیشانی سے پیش آتے۔ایک دفعہ کا واقعہ انھوں (ریاض الرحمٰن شروانی) نے نقل کیا ہے کہ اپنے گھر جاتے ہوئے جب وہ آفتاب ہوسٹل سے گزرے اور بیماری کی وجہ سے اوپری منزل پر شیروانی صاحب کے کمرے تک نہ آسکے تو ان کو نیچے بلا کر خیریت پوچھی اور تب اپنے گھر کو گئے'' [۳۸]

علامہ میمن کی عادت تھی کہ ذہین اور محنتی طالب علموں کی نہ صرف بھرپور مدد کرتے بلکہ بلند الفاظ میں ان کی حوصلہ افزائی بھی کرتے۔عربی لغت نگاری پر ایک خطبے کے دوران دمشق کی ایک طالبہ کا ذکر کیا جس نے ابوعبید قاسم بن سلام کی کتاب مشکلات الحدیث پر بڑی محنت سے تحقیق کی تھی اس طالبہ کے بارے میں فرمایا:

''دمشق میں ایک لڑکی ہے نوجوان، وہ غالباً دس برس یا زیادہ ہو گئے ہوں گے اس کتاب کے پیچھے پڑی ہوئی ہے اور جب میں دمشق جاتا ہوں ضرور ملتی ہے اور وہاں ایک نسخہ تین سو کچھ اوپر ہجری ہے اس کتاب کا اور اس کے پیچھے اس نے اپنی جان لڑا دی ہے اور جتنی کتابیں غریب الحدیث پر لکھی گئی ہیں، ان تمام کتابوں سے اس نے مدد لی ہے اور دمشق کی حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ اس کتاب کو وہ چھاپے گی بھی چنانچہ اعلان بھی ہو چکا ہے۔خدا اس کو توفیق دے۔وہ اس کام کو مکمل کر چکی ہے اور کافی دن ہو گئے ہیں اور بہت ہی عالمانہ انداز سے کام کیا ہے، اس کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے اور میرا تو یہ خیال ہے دنیا کی مسلمان لڑکیوں میں وہ

سب سے اوّل رہے گی جس نے علم کے لیے اتنی جان پیل دی ہے''۔ [۳۹]

ڈاکٹر مختارالدین احمد صاحب نے اپنے مکتوب مورخہ ۳ نومبر ۲۰۰۹ء بنام راقم میں تحریر فرمایا کہ ان کے خیال کے مطابق یہ طالبہ سکینہ الشہابیہ ہوں گی جنھوں نے بعد کو مجمع اللغة العربية سے ابن عساکر کی تاریخ دمشق کے متعدد مجلّات شائع کیے۔

طلبہ کو مشورے

ذکر آچکا کہ علامہ میمن اپنے عزیز طلبہ کی علمی و عملی ترقی کے خواہاں رہتے تھے۔ ان کا تعلق نہ صرف استاذ کا بلکہ ایک شفیق بزرگ کا ہوتا۔ دورانِ سیر اور دورانِ ملاقات وہ اپنے عزیز طالب علموں کو نہایت قیمتی مشورے دیتے۔ ڈاکٹر نبی بخش بلوچ صاحب اس بارے میں علامہ کے اقوال نقل کرتے ہیں:

''استاد نے فرمایا کہ میں آپ کو علم کا ایک خلاصہ اور راز بتاتا ہوں، وہ یہ کہ:

۱۔ علم کو کتابوں کے مقابلے سے وسیع اور پختہ کرو، جو کچھ ہے وہ مقابلہ ہے بشرطیکہ مقابلہ غائر نظر سے کیا جائے، اس سے اصل حقیقت، مصنفوں کا علم میں درجہ، ان کی غلطیاں وغیرہ سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔

۲۔ کسی کتاب کو حقیر مت سمجھو اور ضرور اس کو دیکھو کیونکہ نسبتاً دوسری تصنیف سے گھٹیا ہو لیکن جس وقت و ماحول میں وہ لکھی گئی ہے، اس میں دوسری نہیں لکھی گئی۔ اس وجہ سے بہت سے فائدے اس کے مطالعے سے حاصل ہوں گے''۔ [۴۰]

طلبہ کو مشوروں کے بارے میں ڈاکٹر نبی بخش بلوچ نے ۲۶ر جنوری ۱۹۴۳ء کی علامہ میمن کی تقریر کے بعض نکات نقل کیے ہیں۔ یہ تقریر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں علامہ میمن کی پروفیسر کے عہدے پر تقرری کے موقع پر طلبہ کے سامنے کی گئی۔ طلبہ نے اس خوشی کے موقع پر علامہ میمن کے اعزاز میں چائے پارٹی کا اہتمام کیا تھا:

''۱۔ فرمایا: میں نے اپنی پچھلی ۲۹ سال کی زندگی میں کبھی کام کرنے سے گریز نہیں کیا، جس حالت میں رہا، خواہ تنخواہ تھوڑی تھی یا زیادہ، تصنیف کا کام لگاتار اسی

محنت سے کرتا رہا۔

۲۔فرمایا کہ علمی سلسلے کے آدمی میں ظاہری تکلفات کی کمی لازمی ہے۔اگر وہ اپنی ظاہری حالت، لباس، فیشن اور ہر جگہ آنے جانے اور ٹانگ اڑانے کی کوشش کرے گا تو چاہے اور کتنی ہی شہرت اس کو حاصل ہو جائے لیکن اس کو "علم" نہیں مل سکتا۔

۳۔فرمایا کہ میں نے کبھی خود کو عالم نہیں سمجھا۔اگر میں خود کو عالم سمجھتا تو یقیناً مجھ میں کام کرنے کی صلاحیت ختم ہو جاتی اور یہ ظاہر ہے کہ چاہے کوئی شخص کتنا ہی باخبر کیوں نہ ہو لیکن لازمی ہے کہ اس کی معرفات کے مقابلے میں اس کی مجہولات زیادہ ہوں گی تو بس اگر یہ حال ہے تو ہمیں کوئی حق نہیں کہ خود کو "عالم" تصور کر کے اپنی جستجو کو ختم کر لیں۔

۴۔ میں نے یہ کبھی نہیں مانا کہ کوئی خاص انسان مثلاً ایک گوری چمڑی والا علم میں زیادہ فضیلت حاصل کر سکتا ہے کیونکہ فطرت نے ہر انسان کو کافی دماغ و وسائل دیے ہیں کہ کام کرے۔فرمایا کہ آپ یہ کبھی مت سوچیں کہ علمِ عربی میں آپ کسی طرح یورپی مستشرقین سے کم ہیں، سب محنت کا پھل ہے۔یورپی مستشرقین علمِ عربی کو دو تین مقاصد کے لیے پڑھتے ہیں: ۱۔اپنے قومی استعمار کے لیے،۲۔علمی فائدے کے لیے ۳۔اس علم میں اپنی یادگار چھوڑنے کے لیے مثلاً مارغیولوث عربی کا عالم تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ کرسچین مشن کا بڑا لیڈر تھا۔اس مشنری کام کی خدمت کے لیے اس نے بڑے ناپاک الزام اسلام پر لگائے کیونکہ وہ جانتا تھا کہ چاہے یہ الزام جھوٹے ہوں تو کیا، صحیح ہوں تو کیا لیکن پڑھنے والے میری علمی طاقت کی وجہ سے ضرور اس کو وقعت دیں گے۔

۵۔فرمایا کہ انسان کو چاہیے کہ کام کرتا رہے۔آپ کو چاہیے کہ علم کے لیے خود کو وقف کر دیں اور اس خیال کو کبھی اپنے اندر نہ آنے دیں کہ آپ کو بڑی تنخواہ ملے یا آپ اونچے ہو جائیں یا لذیذ طعام کھائیں۔رزق اللہ پر ہے، ہر حالت میں کام کرتے جائیں"[۱۴]۔

اسی طرح ۷رنومبر ۱۹۴۳ء کی ڈائری میں ڈاکٹر بلوچ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''ایک دن فرمایا کہ علم کو علم کی خاطر پڑھیں، جس علمی کوشش میں دنیاوی مقاصد مضمر ہوتے ہیں وہ علم گندا ہو جاتا ہے۔فرمایا کہ میں نے علم کسی ذاتی مقصد یا غرض کے لیے کبھی نہیں سیکھا البتہ علم کے طفیل جو کچھ اللہ پاک نے دیا اس کو بخوشی قبول کر لیا۔

ایک دن فرمایا کہ اگر کوئی شخص کسی بھی فن میں گہرا اترے تو اس کو ماہرینِ فن کی غلطیاں بھی نظر آ جائیں گی۔اپنی مثال دی کہ چونکہ ادبِ عربی کے گوشے گوشے کو میں ٹٹول چکا ہوں لہٰذا ایسے بڑے امام ادب جیسے مفضل الضبی، ابوعلی قالی، ابوعبید بکری وغیرہ کی فروگزاشتیں نیز نظر آ گئیں''[۴۲]۔

علامہ میمن تمام عمر قابل رشک صحت کے مالک رہے۔وہ اس سلسلے میں اپنے شاگردوں کو بھی صحت مند زندگی گزارنے کے حوالے سے قیمتی مشورے دیتے۔اس بارے میں ڈاکٹر نبی بخش بلوچ لکھتے ہیں:

''استاذ صاحب نے فرمایا کہ جوانی میں جبکہ انسان شہرت نہیں حاصل کرتا، اس وقت تک اس کو خدمت کا معاوضہ بھی کم ملتا ہے، اس وقت چاہیے کہ وہ فوراً جو کچھ ملے، اپنی جان پر خرچ کر دے اور بچانے کا غم نہ پالے تاکہ اس کی صحت وغیرہ ٹھیک رہے۔جیسے جیسے دن گزرتے جائیں گے، اس کی شہرت بڑھتی جائے گی اور معاوضہ بھی زیادہ ملنے لگے گا، اس وقت نیز فاضل پیسہ بچانے کی فکر کرے''[۴۳]۔

یاد رہے کہ ڈاکٹر نبی بخش بلوچ صاحب نے علامہ میمن کے اقوال ان سے سن کر اپنی یادداشت کے نتیجے میں قلمبند کیے تھے اس لیے یہ حرف بہ حرف علامہ میمن کے الفاظ نہیں البتہ مفہوم یہی ہے۔پاکستان منتقل ہو جانے کے بعد بھی علامہ میمن کراچی سے اپنے بیٹوں کے پاس حیدر آباد (سندھ) جاتے رہتے تھے جہاں ان کے عزیز شاگرد ڈاکٹر نبی بخش بلوچ ان سے نہایت اکرام سے پیش آتے۔مورخہ ۱۱رجون ۱۹۵۶ء کی ڈائری میں بلوچ صاحب نے علامہ میمن کی نصیحت یوں درج کی:

''فرمایا کہ زندگی میں اگر کام کرنا ہو تو ان باتوں کا خیال رکھیں: عورت کے پیچھے نہ

پڑ جائیں، کھانے کے پیچھے نہ پڑ جائیں، زندگی میں غم آتے رہیں گے لیکن غم غلط کرنے کے راستے نکالیں اور دنیا بھر کا غم نہ پالیں۔ کھانے کے سلسلے میں شعر پڑھا اور لکھا

أفدت بهجران المطاعم صحة

فما بی من داء یخاف ولا جبن" للمعرّی [۴۴]

اسی طرح ڈاکٹر مختار الدین احمد صحت کے بارے میں علامہ میمن کی نصیحت لکھتے ہیں:

''وہ صحت کا بہت خیال رکھتے تھے۔ مجھے سمجھاتے تھے کہ صبح کی سیر ضروری ہے لیکن علی گڑھ والوں کی طرح شام کو بھی کمرے پر نہ رہیے، سیر کے لیے نکل جایا کیجیے۔ وہ یہ بھی فرماتے تھے کہ ہر وقت مطالعہ اور ہمہ وقت علمی باتوں میں مشغول نہیں رہنا چاہیے یعنی پاسبانِ عقل و دانش کو کبھی کبھی تنہا بھی چھوڑ دینا چاہیے''[۴۵]۔

اچھی صحت برقرار رکھنے اور پیدل چلنے کے فوائد کے بارے میں ایک مرتبہ علامہ میمن کا یہ قول ڈاکٹر احمد خان صاحب نے راقم سے بیان کیا:

''انسان کے جسم کے دو حصے ہیں، ایک دھڑ کا اوپر والا حصہ اور ایک نیچے والا۔ اوپر والے حصے کو تندرست اور ٹھیک رکھنے کے لیے جتنا نیچے والے حصے کو چلاؤ گے اتنا ہی اوپر والا حصہ تندرست اور ٹھیک رہے گا''

کتابوں سے محبت

علامہ میمن کو ایام طالب علمی سے ہی کتابوں سے شدید محبت تھی۔ انھوں نے اپنی ذاتی محنت اور وسیع تعلقات کی بنا پر ایک نادر اور قیمتی کتب خانہ قائم کر لیا تھا۔ وہ اپنا قیمتی وقت کتابوں کے ساتھ اور علمی و تحقیقی اشغال میں صرف کرتے۔ اگر ملک سے باہر جاتے تب بھی زیادہ سے زیادہ وقت کتب خانوں میں صرف کرتے۔ آج برصغیر پاک و ہند کا شاید ہی کوئی عالم اور محقق ہو گا جس نے علامہ میمن کی طرح نہ صرف برصغیر بلکہ عالمِ اسلام کے مختلف کتب خانوں سے استفادہ کیا ہو۔ علامہ میمن نے کن کن کتب خانوں سے استفادہ کیا تھا، اس کی کچھ تفصیل انھوں نے ہفت روزہ

اخبار جہاں کراچی کو انٹرویو میں یوں بیان فرمائی:

"میں نے برصغیر کے تقریباً سب ہی کتب خانے دیکھے ہیں جن میں سرکاری اور ذاتی کتب خانے شامل ہیں۔ساتھ ہی قسطنطنیہ کے ایک سو چھوٹے اور بڑے کتب خانے،مصر کا دار الکتب اور کتب خانہ الازھر،اسکندریہ کے کتب خانوں کے علاوہ بیت المقدس کا کتب خانہء خلدیہ (افسوس جو آج یہودیوں کے قبضے میں ہے)،دمشق کا کتب خانہء ظاہریہ اور بے مثال کتب خانہء مجمع العلمی العربی،بغداد کا کتب خانہء اوقاف،کتب خانہء کاظمیہ،تیونس کے کتب خانہء صادقیہ،کتب خانہء طاہر ابن عاشور۔لیکن ترکی کے کتب خانے بہت بھاری ہیں،انگورہ کا کتب خانہ بے مثال کتب خانہ ہے،اس کے بعد قسطنطنیہ کے کتب خانے ہیں۔ترکوں کو کتابیں جمع کرنے کا جنون تھا۔بڑا ظلم ہوگا اگر ترکی کے ان احسانات کو مسلمان فراموش کریں گے۔ترکی کے بادشاہوں کے علاوہ وزراء وغیرہ نے بھی،جب یہاں اسلامی جواہر پارے لٹ رہے تھے ان کو سینے سے لگایا،نادر کتابوں کی نقلیں رکھنے میں کوتاہی نہیں کی۔مجھے معلوم ہوا تھا کہ ہر رئیس اس زمانے میں کتابیں جمع کراتا اور جو کتابیں اس کو نہ مل سکتی تو وہ دوسرے کتب خانوں سے نقل کروا کر رکھتا۔اس قسم کے دس بارہ نقل شدہ نسخے جو گیارھویں صدی ہجری کے آس پاس کے ہیں ان کتب خانوں میں ملتے ہیں۔استنبول میں کوپرولو کو کتب خانہ اور انکی نسل میں احمد پاشا اور محمد پاشا کے کارنامے کس کو یاد ہوں گے،وہاں پرانے نسخے،بعض دستخط شدہ مسودے تصحیح شدہ بے حساب ملیں گے۔"[۴۶]

خوش مزاجی اور زندہ دلی

جن لوگوں نے علامہ میمن کی آنکھیں دیکھی ہیں وہ آج بھی ان کی معلومات افزا گفتگو اور پرلطف مجالس کا ذکر کرتے ہیں۔ دنیا کے زیادہ تر ذہین انسانوں کو فطری طور پر مزاح کا عنصر بھی وافر ملتا ہے، علامہ میمن کا بھی یہی معاملہ تھا۔ علامہ میمن کی زندگی سادگی کا نمونہ تھی، وہ تکلفات کو پسند نہیں کرتے تھے، اسی طرح ان کی گفتگو میں بھی بے تکلفی کی شان پائی جاتی اور اسی بے تکلفی کی وجہ سے گفتگو میں بعض ایسی باتیں بھی کہہ جاتے جو عام لوگوں کے لیے کہنا خاصا مشکل ہوتا ہے۔

علامہ میمن کے عزیز شاگرد ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ ان کی پرلطف مجالس کے حوالے سے قیامِ علی گڑھ کے دور کا ایک واقعہ یوں نقل کرتے ہیں:

> ''ان قریبی صحبتوں میں استاد کی گفتگو سن کر محسوس ہوا کہ وہ شگفتہ طبع کے مالک تھے اور ان کی غیر رسمی گفتگو میں اعلیٰ ظریفانہ انداز ہوتا تھا۔ ایک دن بدستور ہم قلعے کی طرف والے راستے پر جا رہے تھے، شدید گرمی کا دن تھا، شیروانی کے نیچے پاجاما پسینہ پسینہ ہو رہا تھا۔ اس وقت ہمارے سامنے ایک لالہ جی جا رہے تھے اور دھوتی لنگوٹی باندھے ہوئے تھے۔ دھوتی کا کنارہ ایک ہاتھ میں دبا رکھا تھا اور ہاتھ کو ہلاتے جاتے تھے جس سے دھوتی کے اندر کافی کشادگی آجاتی تھی۔ اس پر میں نے استاذ سے عرض کیا کہ قبلہ پاجامے کی نسبت دھوتی کافی کھلی ہوئی اور ہوادار ہے۔
> جواب میں تصدیق فرماتے ہوئے میسون بنت بحدل (اعرابی بیوی جس کو امیر معاویہ نے محل میں آرام سے رکھا تھا لیکن وہ اپنے بادیہ نشینوں کے ہوادار گھروں کو یاد کرتی تھی) کا مندرجہ ذیل شعر پڑھ کر کہا کہ یہ میسون بنت بحدل کے اس گھر کی مانند ہے جس میں ہوائیں چلتی رہتی ہیں:
>
> لبیت تخفق ارواح فیہ
> احبّ الی من قصر منیف ''[47]

مستشرقین کے بارے میں علامہ میمن بڑی سخت رائے رکھتے تھے۔ وہ نہ صرف ان کی

اغلاط،ان کے حربوں سے واقف تھے بلکہ اپنے تلامذہ کے آگے ان کی اغلاط کا ذکر بھی کرتے تھے۔ ڈاکٹر نبی بخش بلوچ صاحب نے راقم سے ایک ملاقات کے دوران فرمایا کہ علامہ میمن کی انھی گفتگوؤں سے ان کے اور دیگر تلامذہ کے دل سے مستشرقین کا علمی رعب دور ہو گیا۔ پی ایچ ڈی (ڈاکٹریٹ) کی ڈگری رکھنے والوں کے بارے میں ازراہِ مذاق علامہ اقبال کا مصرع ذرا تبدیل کر کے فرماتے:

اگر بہ اُو نہ رسیدی تمام پی ایچ ڈی است

نیز عموماً وہ یہ بھی فرماتے

دکتور دکاترہ خرّ و خچاچرہ

علامہ میمن کے علی گڑھ میں دورانِ قیام اردو نامور انشا پرداز مولانا محمد حسین آزاد کے پوتے آغا طاہر بھی وہیں مقیم تھے۔ان کی عادت تھی کہ اپنا نام مولانا آزاد کی نسبت سے ہمیشہ ''طاہر نبیرۂ آزاد'' لکھتے تھے۔علامہ میمن انھیں ازراہِ مذاق ''طاہر بٹیرۂ آزاد'' کہتے تھے۔اسی طرح علی گڑھ میں علامہ میمن کے مکان کے نزدیک پروفیسر حبیب (تاریخ دان) رہتے تھے لیکن بعض مخصوص خیالات کی بنا پر علامہ میمن کی ان سے ان بن رہتی تھی۔علامہ میمن ازراہ مذاق ان کا نام یوں لیتے: حبیب بروزنِ خبیث۔

ایک مرتبہ مستشرقین سے متعلق اپنے شاگرد پروفیسر سیّد محمد سلیم سے فرمایا:

''جرمن مستشرق فلوگل نے عربی ادب کی تاریخ لکھی ہے۔ساری عمر اس کو یہ بات معلوم نہ ہو سکی مشہور عربی شاعرہ کا خنساء (خائے منقوطہ) ہے حنساء (حائے حطی) نہیں ہے۔فرمایا: پروفیسر نکلسن نے اقبال کی مثنوی اسرار و رموز کا انگریزی ترجمہ کیا ہے۔ایک مقام پر اقبال کا مصرعہ ہے

چوں طفلے ز نے مرکب کند

(بچے ٹانگوں کے درمیان لکڑی ڈال کر گھوڑا بنا کر کھیلتے ہیں)

اقبال کا اشارہ اسی طرف ہے (انگریزی ادب میں بھی Wooden Horse کا تصور موجود ہے) مگر نکلسن نے ''زنے مرکب کند'' پڑھا اور بڑا گندہ مفہوم لیا۔وہ

نکلسن کو ہمیشہ یکے از نچاچرانِ انگلستان کے الفاظ سے یاد کرتے تھے۔ پروفیسر براؤن کے متعلق کہتے تھے کہ اس کو عربی کی ''ع'' بھی نہیں آتی۔ مارگولیتھ کو ''مار گولی'' کہتے تھے۔ ڈاکٹر طٰہٰ حسین کو بھی سخت سست کہتے تھے۔ اسلام کے دشمن اور ملاحدہ سے انھیں سخت نفرت تھی''۔[۴۸]

اسی مضمون میں پروفیسر سیّد محمد سلیم علامہ میمن کے قیامِ قاہرہ کے دو دلچسپ واقعات انھی کی زبانی بیان کرتے ہیں:

''میں قاہرہ کی گلیوں میں عبدالرحمٰن عزام بے سیکرٹری جنرل عرب لیگ کے ہمراہ جا رہا تھا۔ چند لڑکوں نے میرے اوپر کنکریاں پھینکیں، مجھے بڑا ناگوار گزرا مگر عبدالرحمٰن کھلکھلا کر ہنس پڑے، مجھے اور بھی حیرت ہوئی۔ انھوں نے بتایا کہ آپ کے سر پر ترکی ٹوپی ہے، آپ کے چہرہ پر داڑھی ہے، اس لیے یہ عرب بچے آپ کو یہودی سمجھ رہے ہیں۔ میں نے کہا: ہندوستان کے علماء تو یوں ناراض ہیں کہ یک مشت چار انگل سے ڈاڑھی کم ہے اور یہاں کے بچے لمبی ڈاڑھی کی وجہ سے یہودی سمجھ رہے ہیں، عجب معاملہ ہے۔ عرب علماء بہت چھوٹی ڈاڑھی رکھتے ہیں۔ میں جب تک قاہرہ میں رہا، جمعہ نئی مسجد میں پڑھتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک مسجد میں گیا، وہاں امام خطبہ دے رہا تھا، ننگی تلوار ہاتھ میں تھی، وہ کہتا تھا کہ جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی مخالفت کرے گا، میں اس کا سر قلم کر دوں گا اور لطف کی بات یہ کہ اس کی ڈاڑھی صاف تھی''۔[۴۹]

علامہ میمن کے مزاج میں تکلف نہیں تھا۔ وہ بے تکلفی میں اپنے تلامذہ کو دلچسپ واقعات سناتے جن میں دوسروں کے علاوہ خود ان کی زندگی کے واقعات بھی شامل ہوتے۔ ایک مرتبہ انھوں نے مطالعے کے دوران انہماک کا یہ دلچسپ واقعہ سنایا جسے پروفیسر سیّد رفیع الدین بیان فرماتے ہیں:

''ایک روز فرمایا: ''سمجھتے ہو کہ زندگی میں کامیابیاں اور بلندیاں یونہی خود بخود مل جاتی ہیں، اس کے لیے تن من دھن سب کچھ لگا دینا پڑتا ہے۔ اس میں انہماک ایسا

ہو کہ پھر دوسری باتیں انسان بھول جائے'' چنانچہ مثال کے طور پر اپنی محنت اور کوشش کا قصہ سنایا اور فرمایا: ''میں ایک روز کسی اہم مسئلے میں کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا، پیشاب کی حاجت ہوئی مگر انہماک ایسا تھا کہ میں اپنی جگہ سے اٹھ نہ سکا، آخر سمجھ لو کہ کیا ہوا ہوگا''[۵۰]

علامہ میمن روزمرہ گفتگو میں بھی علمی نکات کے ساتھ ساتھ دلچسپ فقرے اور دلچسپ واقعات بیان کرتے جن سے ان کی ذہانت اور حاضر جوابی کا مظاہرہ ہوتا۔ اسی طرح کا ایک واقعہ ڈاکٹر ظہور احمد اظہر بیان کرتے ہیں:

۱۹۶۴ء میں پنجاب یونیورسٹی کے زیرِ اہتمام عربی کانفرنس میں شرکت کرنے علامہ میمن پہنچے، کسی نے ان کے ہاتھ میں چھڑی دیکھ کر پوچھا: آپ نے بھی لٹھیا سنبھال لی؟ علامہ میمن نے فوراً یہ دلچسپ جواب دیا: نعم! العصا لمن عصٰی (ہاں! نافرمان کے لیے ڈنڈے کے طور پر)[۵۱]

علامہ میمن کے دوسرے قیام لاہور (۱۹۶۴ء تا ۱۹۶۶ء) کے دوران ڈاکٹر خورشید رضوی کو ان سے ملاقاتوں اور استفادے کے خوب مواقع حاصل ہوئے۔ وہ روزانہ شام کی سیر کے دوران ان کے ساتھ ہوتے اور علامہ کی انسائیکلوپیڈیائی معلومات سے مستفید ہوتے۔ یہاں ہم ڈاکٹر خورشید رضوی کے بیان کردہ علامہ میمن کی ذہانت، بذلہ سنجی اور زبان دانی کے بعض واقعات تحریر کرتے ہیں:

''ایک روز میں نے کسی کتاب کے بارے میں کہہ دیا کہ ''پڑھنے والی کتاب ہے''۔ اس پر ان کی طرف سے فوراً کچھ یوں جواب آیا ''ارے، ارے، یہ کیا کہا آپ نے۔ ارے بھائی آپ تو امروہے کے ہیں، کیا امروہے میں یہ اردو بولی جاتی تھی؟ ''پڑھنے والے'' تو آپ ہیں۔ کتاب ''پڑھنے والی'' کیسے ہوگئی؟ بھائی ''پڑھنے کی کتاب'' کہیے ''پڑھنے کے لائق'' کتاب کہیے وغیرہ وغیرہ''[۵۲]

ڈاکٹر خورشید رضوی علامہ میمن سے سنا ذہانت کا ایک دلچسپ واقعہ یوں بیان کرتے ہیں:

''کاتب اصفہانی عماد الدین نے ایک روز القاضی الفاضل عبدالرحیم کو گھوڑے پر

سوار دیکھا تو یہ عجیب جملہ بولا: ''سر فلا کبابك الفرس ''(جاؤ سدھارو، خدا کرے تمہارا گھوڑا لغزش نہ کھائے)۔ندرت یہ تھی کہ اس پورے جملے کو اگر الٹ دیں تب بھی یہی جملہ باقی رہتا ہے۔القاضی الفاضل نے خداداد فراست سے فوراً اس نکتے کو بھانپا اور برجستہ جواب دیا: ''دام علا العماد ''(خدا کرے عماد کی بلندی ہمیشہ قائم رہے)۔اس میں ایک طرف عماد اصفہانی کے لقب کی رعایت ہے، پھر عماد ستون کو بھی کہتے ہیں چنانچہ اس کی بلندی کی دعا میں ایک معنوی رعایت ہے۔علاوہ ازیں اس جملے کو بھی اگر الٹ دیں تو جوں کا توں رہتا ہے'' ۵۳ے

اندلس کے ایک قاضی صاحب کا یہ دلچسپ واقعہ علامہ میمن نے خورشید رضوی صاحب سے یوں بیان کیا:

''اندلس کے شہر لوشہ میں ایک قاضی صاحب تھے جن کی بیوی بڑی ذہین وفطین تھی۔ایک مرتبہ وراثت کا پیچیدہ مسئلہ عدالت میں پیش ہوا۔قاضی صاحب گھر آئے تو سوچ بچار میں غرق تھے۔بیوی نے پوچھا تو انھوں نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ یہ تمھارے سمجھنے سمجھانے کا معاملہ نہیں۔تاہم بیوی نے اصرار کر کے پوچھ ہی لیا اور پھر ایک معقول حل بھی پیش کر دیا۔قاضی صاحب حیران ہوئے اور آئندہ کے لیے کرسی عدالت کی پشت پر ایک دریچہ رکھوایا جس میں ان کی بیگم بیٹھ جاتیں اور اکثر مسائل میں قاضی صاحب ان کے مشورے سے مستفید ہوتے رہتے۔ایک روز ایک شاعر کا مقدمہ ان کی عدالت میں پیش ہوا۔اس نے جو یہ صورت حال دیکھی تو یہ شعر کہہ ڈالے:

بلوشة قاضٍ له زوجته　　　واحکامها فی الوریٰ جاریة

فیا لیته لم یکن قاضیا　　　وَ یالیتها کانت القاضیة

آخری مصرع میں آیتِ قرآنی کو جس بے ساختگی سے اقتباس کیا گیا ہے، محض خدا کی دین ہے'' ۵۴ے

علی گڑھ میں پروفیسر کرینکو علامہ میمن کے معاصر تھے۔ پروفیسر موصوف عربی ادب کے ماہر تھے لیکن عام زندگی میں غائب دماغ۔ علامہ میمن نے ان کے دو دلچسپ واقعات خورشید رضوی صاحب سے بیان کیے:

''اس شخص (کرنیکو) کو اپنا اور اپنے گردوپیش کا کچھ ہوش نہ تھا لیکن اگر یہ پوچھا جائے کہ فلاں سفر میں جریر نے کس درخت کے نیچے پیشاب کیا تھا تو یہ اسے یاد ہو گا۔ کہنے لگے کہ ایک روز ڈنر تھا، موسم سخت سردی کا تھا، میں نے دیکھا کہ پروفیسر کرنیکو دروازے سے داخل ہوئے اور حاضرین پر نظر دوڑائی۔ مجھے دیکھا تو سیدھے وہیں چلے آئے اور فی الفور عربی ادب پر گفتگو شروع کر دی۔ کھانا ختم ہو گیا، لوگ اٹھ گئے مگر پروفیسر صاحب کو اپنی باتوں میں کچھ خبر نہ ہوئی۔ بالآخر میری تحریک پر اٹھے اور باہر آئے، یہاں سخت سردی کے باوجود کھلے آسمان تلے کھڑے ہو کر پھر گفتگو شروع کر دی۔ اتنے میں ملازم اندر سے ایک اوورکوٹ لے کر آیا کہ یہ کسی کا پڑا رہ گیا ہے۔ پروفیسر کرنیکو نے اس کی طرف مطلق توجہ نہ دی مگر میں سمجھ گیا کہ ہو نہ ہو یہ کوٹ انھی کا ہے۔ چنانچہ ان سے کہا کہ غور فرمایئے کہیں یہ کوٹ آپ کا تو نہیں؟ اس پر ایک نگاہِ غلط انداز اس پر ڈالی اور مگر پہچان نہ سکے۔ پھر کچھ سوچ کر فرمایا: ہاں یہ میرا ہو سکتا ہے کیونکہ آج سردی خاصی ہے اور میری بیوی میرا بہت خیال رکھتی ہے۔ ممکن نہیں کہ اس موسم میں اس نے مجھے اوورکوٹ کے بغیر آنے دیا ہو۔ اسی اثنا میں ملازم ایک فیلٹ ہیٹ بھی اٹھا لایا، اسے بھی پروفیسر کرنیکو نے اسی استدلال پر قبول کیا''[۵۵]۔

اسی طرح پروفیسر کرنیکو کی غائب دماغی کا یہ دلچسپ واقعہ بھی پڑھنے کے قابل ہے:

''میمن صاحب بتاتے تھے کہ کرنیکو کی بیوی واقعی ان کا بہت خیال رکھتی تھی۔ گرمیوں کی چھٹیوں میں میم اور صاحب دونوں غالباً شملے کی سیر کو چلے گئے۔ چھٹیاں ختم ہونے کو آئیں تو پروفیسر صاحب فوراً علی گڑھ واپس آئے اور درس و تدریس کا آغاز کرنے کے لیے بیتاب ہو گئے جبکہ بیگم گرمی کی شدت کے پیش نظر

چندے اور قیام کرنا چاہتی تھیں، پروفیسر صاحب نے کہا: ٹھیک ہے میں چلتا ہوں تم کچھ دن بعد چلی آنا۔ بیگم نے کہا: مجھے فکر ہے، تم سفر میں اپنا سامان بھی سنبھال سکو گے یا نہیں۔ اس پر پروفیسر صاحب نے اسے اطمینان دلایا۔ مگر وہ انھیں خوب جانتی تھی، خود گاڑی میں سوار کرانے آئی، سیٹ ریزرو کرادی، کپڑے غسل خانے میں لٹکا دیے اور بار بار کہا کہ دیکھو اسی سلیپنگ سوٹ میں اتر کر نہ چلے جانا، جب علی گڑھ نزدیک آئے تو کپڑے بدل لینا۔ سامان بار بار دکھایا کہ یہ رکھا ہے بھول نہ جانا۔ پروفیسر صاحب ہر بار اس کی تاکید کا جواب یہ کہہ کر دیتے رہے کہ ڈیئر تم قطعاً فکر نہ کرو، میں سب سنبھال لوں گا۔ الغرض وہ غریب رخصت ہوئی اور پروفیسر صاحب غالباً طلبہ سے اپنی ملاقات اور اپنے لیکچر کے موضوعات میں مستغرق جب علی گڑھ پہنچے تو اسی شب خوابی کے لباس میں ملبوس، بیک بنی و دوگوش سیدھے گھر تک چلے گئے۔ نوکر چاکر صاحب کی واپسی کے انتظار میں کوٹھی کے لان وغیرہ درست کر رہے تھے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ بیگم ہمراہ نہیں اور صاحب سلیپنگ سوٹ پہنے چلے آرہے ہیں تو ان کا ماتھا ٹھنکا۔ حواس باختگی سے واقف تھے۔ لپک کر پوچھا: صاحب، سامان کہاں ہے؟ فرمایا: ''ادھر ٹرین میں''۔ انھوں نے عرض کیا ''صاحب ٹرین تو جا چکی ہوگی'' کہا ''تو کیا ان لوگوں نے سامان نہیں اتارا ہوگا؟''[۵۶]

گفتگو کی طرح دورانِ تقریر بھی علامہ میمن حاضرین کی ضیافتِ ذوق کی خاطر کوئی دلچسپ جملہ یا دلچسپ واقعہ بیان کرتے جس سے ان کے مزاج کی شگفتگی اور بذلہ سنجی کا مظاہرہ ہوتا۔ ''عربی لغت نگاری'' پر علامہ میمن نے ۱۹۶۸ء میں کراچی میں نہایت عالمانہ خطبات ارشاد فرمائے۔ یہ خطبات جناب ممتاز حسن کی درخواست پر ارشاد فرمائے تھے۔ ممتاز حسن مرحوم کئی زبانوں کے ماہر تھے جن میں عربی بھی شامل ہے۔ وہ علامہ میمن کا بے حد احترام کرتے تھے۔ پہلے خطبے کے آغاز میں ممتاز صاحب نے عربی لغت نگاری کے حوالے سے چند سوالات پوچھے اور علامہ میمن کو خطاب کی دعوت دی۔ اس پر علامہ میمن نے اس جملے سے خطبے کا آغاز کیا:

''میرے محترم حضرتِ ممتاز صاحب! قبل اس کے کہ ان سوالات کے جوابات شروع کروں، آپ کا شکریہ ادا کروں گا کہ مغربی پاکستان میں جہاں عربی قریب قریب مٹتی جا رہی ہے، وہاں آپ ایک ٹمٹماتا چراغ نہیں بلکہ ایک روشن چراغ بلکہ ایک بجلی کا چراغ ہیں اور آپ کو ان چیزوں سے دلچسپی ہے ورنہ مجھے تو اندیشہ تھا کہ پاکستان میں عربی کا خاتمہ ہی سمجھنا چاہیے! الحمدللہ''[۵۷]۔

اسی خطبے میں عربی زبان میں دخیل الفاظ کے بارے میں معلومات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

''عربی میں حبشی الفاظ بہت ہیں چنانچہ یہ شیطان جو ہے، جو ہمیں اتنا یاد آتا ہے، یہ بھی عربی زبان کا لفظ نہیں ہے، یہ بھی وہیں سے آیا ہے۔ اس کے علاوہ پچاسوں لفظ ہیں''۔

اسی طرح ایک خطبے کے دوران ابنِ منظور کے حوالے سے یہ لطیفہ سنایا:

''دو دوست جا رہے تھے، ساتھ ساتھ۔ راستے میں ایک لم تڑنگ آدمی نظر آیا، بہت لمبا تھا، چھت سے باتیں کر رہا تھا تو ایک نے کہا یار کسی طرح اس کو اگر ابنِ منظور دیکھ لیتے تو اس کو بھی مختصر کر ڈالتے۔ اس لیے کہ انھوں نے اغانی کو مختصر کیا ہے اور تاریخ خطیب بغدادی کو مختصر کیا ہے اور اللہ جانے اور کتنی کتابیں ہیں''[۵۸]۔

علامہ میمن کے پسندیدہ اہلِ قلم

عربی اردو اور فارسی ادبیات کا علامہ میمن نے وسیع مطالعہ کیا تھا۔ ان میں جن جن اہلِ قلم کے بارے میں انھوں نے مختلف اوقات میں پسندیدگی کا اظہار کیا یا ان کے محاسن بیان کیے وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ابوالعلاء المعرّی

ابوالعلاء المعرّی میمن صاحب کا پسندیدہ شاعر ہے اور اس پر ان کی تصنیف ابو العلاء و ما الیہ نے عرب دنیا میں انھیں بلند مقام عطا کیا یا یوں کہہ لیجئے کہ سمط اللآلی کے علاوہ ان کی ادبی شہرت کا انحصار اسی تصنیف پر ہے۔ بقول علامہ میمن، معرّی نے اپنی شاعری میں چاند کو صرف نون سے تشبیہ دی ہے وہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے۔ چاند اور نون کے درمیان مشابہت کے بارے میں نابینا بھی جانتا ہے کہ نون گول ہوتا ہے لیکن سقط الزند کے جس نونیہ قصیدہ میں معری نے ستاروں کی تعریف کی ہے وہ ایسا تحیر انگیز واقعہ ہے جس کی مثال اس سے پہلے کسی دوسرے نابینا شاعر مثلاً الاعشیٰ اور بشار کے ہاں نہیں ملتی۔ اس کا سبب وہ یہ بتاتے ہیں کہ معری کی قوت متخیّلہ بہت قوی تھی"۔[۵۹]

۲۔امام صغانی

امام صغانی علامہ میمن کی نظر میں اعلیٰ پائے کے لغوی تھے۔ عربی زبان کی معروف لغت لسان العرب کے مؤلف ابن منظور کے بارے میں علامہ میمن کی رائے یہ تھی کہ وہ اعلیٰ پائے کے لغوی نہیں تھے اور انھوں نے لسان العرب میں چار کتابیں جمع کر دی ہیں جبکہ امام صغانی کی لغت العباب الزاخر و اللباب الفاخر علامہ میمن کی نظر میں عربی کی اعلیٰ ترین لغت ہے۔ علامہ میمن اس لغت کے مخطوطے کی مائیکرو فلم ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی کے لیے استنبول سے لائے تھے۔ بعد میں اس کی ڈاکٹر پیر محمد حسن مرحوم نے تدوین کی اور اب یہ لغت '' ے سے شائع ہو رہی ہے۔

ان حضرات کے علاوہ علامہ کے پسندیدہ اہل قلم میں ابوبکر دمامینی، اوحد الدین بلگرامی، محمد بن احمد یمینی الشروانی، مفتی صدرالدین آزردہ، ڈپٹی نذیر احمد، مولوی فضل حق رامپوری اور مفتی عنایت احمد کاکوروی شامل تھے۔[۶۰]

۳۔مرزا غالب

مرزا غالب علامہ میمن کے پسندیدہ اردو شاعر تھے۔ایک موقع پر غالب کے بارے میں ڈاکٹر نبی بخش بلوچ سے فرمایا:

”جو غالب کو شاعر نہیں مانتے وہ خود لاشیئ ہیں۔غالب نے اردو زبان کو ایک خاص اسلوب و وقار دیا جو آج تک مروج ہے۔ غالب کا شعر خیالات کی گہرائی، الفاظ کی بندش اور ترکیب میں بے مثال ہے“۔[۶۱]

اسی موقع پر غالب اور متنبّی کے درمیان یوں موازنہ کیا:

”میں سمجھتا ہوں کہ اردو زبان میں غالب کی وقعت، عربی زبان میں متنبّی سے زیادہ ہے۔متنبّی کو عربی ادب سے ہٹا لیجیے، کوئی فرق نہیں آئے گا لیکن غالب کو اردو زبان سے ہٹانے پر زبان کی پوری عمارت زمین پر آن پڑے گی“۔[۶۲]

۴۔ابن درّاج القسطلی

ایک جگہ میمن صاحب نے اندلس کی عربی شاعری کو خراج تحسین پیش کیا ہے اور بالخصوص اندلسی شاعر ابن درّاج القسطلی کی شاعری کے بارے میں بہت اعلیٰ وارفع رائے ظاہر کی ہے۔اسے انھوں نے ملك الشعراء الاندلسية کہا ہے اور لکھا ہے ”ابن حزم اس کی شاعری کے اعلیٰ معیار کا قائل تھا اور میں بھی اس کے شعری اسلوب کی تعریف کرتا ہوں۔وہ متنبیّ کا ہم عصر تھا اور بعض لوگوں نے ان دونوں کی شاعری کا موازنہ کیا ہے لیکن میرا عقیدہ ہے کہ اس کا اسلوب متنبیّ کے اسلوب سے زیادہ خوبصورت تھا کیونکہ وہ تکلف اور تصنع سے مبرا تھا جبکہ متنبیّ کے وہاں بسا اوقات تصنع پایا جاتا ہے“۔[۶۳]

کفایت شعاری

علامہ میمن کی سادگی اور سادہ طرز زندگی کا ذکر اوپر آ چکا۔یہاں ہم ان کی زندگی کے اس

پہلو کا ذکر کریں گے جس کی وجہ سے معاندین نے انھیں طرح طرح سے بدنام کیا اور ان کی غیبت کر کر کے ان سے متعلق طرح طرح کے واقعات مشہور کیے۔ واقعہ یہ ہے کہ علامہ میمن نے زندگی کا ابتدائی عرصہ انتہائی عسرت اور تنگ دستی میں گزارا تھا لیکن یہ مشکلاتِ راہ کبھی ان کے راستے کی رکاوٹ ثابت نہ ہو سکیں۔ ماہرین نفسیات کا کہنا ہے کہ انسان کی ابتدائی زندگی جس طرح گزرے تمام عمر پر اس کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔ علامہ میمن کی بعد کی زندگی بھی ان اثرات سے خالی نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ وہ اسراف اور فضول خرچی کے سخت خلاف تھے اور اسے مسلمانوں کے لیے انتہائی نقصان دہ خیال کرتے تھے، سادہ غذا اور سادہ طرزِ رہائش پسند کرتے تھے۔ تمام عمر انھوں نے اپنی محنت اور صلاحیت سے رزقِ حلال کمایا اور اسی سے اپنی اولاد کی پرورش کی اور انھیں اعلیٰ تعلیم دی۔ علامہ میمن کے بارے میں جس جس نے بھی لکھا، یا راقم سے جس جس کی ملاقاتیں ہوئیں ایک واقعہ بھی بیان نہیں کیا جا سکتا کہ انھوں نے زندگی میں کبھی کسی کی بے جا طرف داری کی ہو، عدل و انصاف کے تقاضوں سے انحراف کیا ہو یا کبھی رزقِ حلال نہ کمایا ہو۔ انھوں نے ہمیشہ اہل اور محنتی طلبہ کی سرپرستی کی اور نا اہلوں کو بڑھانے کی مخالفت کی اور انصاف کا خون نہ ہونے دیا۔

علامہ میمن کی کفایت شعاری کے حوالے سے جو جو باتیں مشہور کی گئیں، وقت نے انھیں غلط ثابت کر دیا۔ حقیقت یہ ہے وہ اہل اور قابل لوگوں کی نہ صرف سرپرستی کرتے تھے بلکہ ان کی بھرپور مدد اور حوصلہ افزائی بھی کرتے تھے مثلاً برصغیر کے نامور عالم دین اور عربی دان مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی ۱۹۴۶ء میں لکھنؤ سے علی گڑھ گئے اور علامہ میمن سے "میری محسن کتابیں" پر مضمون کی درخواست کی۔ ساتھ ہی اپنی مرتبہ کتاب "مختارات من ادب العرب" بھی علامہ میمن کو پیش کی۔ علامہ میمن نے مولانا علی میاں کے مقدمے پر نظر ڈالی اور فرمایا "مولوی صاحب آپ عربی بہت خوبصورت لکھتے ہیں"۔

اس کے ساتھ یہ حقیقت بھی اہم ہے کہ علامہ میمن نے کبھی گھٹیا سطح پر اتر کر دنیا نہیں کمائی۔ جو لوگ ان کے سادہ طرزِ زندگی اور کفایت شعاری کو بخل کا نام دیتے، وہ کبھی ان کے منہ نہیں لگے اور تمام عمر علمی خدمت کرتے رہے۔ ایک موقع پر جب ڈاکٹر ظہور احمد اظہر نے اس بارے میں ان سے پوچھا تو فرمایا:

''جھوٹ بولتے ہیں، حقیقت نہیں جانتے۔ میں بخیل نہیں ہوں لیکن یہ بات صحیح ہے کہ میں اپنے علم و مال اور کتابوں کی سخاوت صرف انھی لوگوں پر کرتا ہوں جو اس کے اہل اور صحیح معنوں میں مستحق ہوں۔ ان میں سے کسی چیز کو بھی ہر چلتے پھرتے آدمی کے لیے ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ اسی پر حسبِ ضرورت خرچ کرتا ہوں جو اس کی قدر جانتا ہو، علم کے جھوٹے دعوے داروں کو اپنی کتابیں نہیں دیتا اور نا اہلوں پر علم کی فیاضی بھی نہیں کرتا۔ کیا تم کو زہیر کا قول یاد نہیں؟

ومن یصنع المعروف فی غیر اهله

یعد حمده ذمّا علیه ویندم

(ترجمہ: نااہلوں کے ساتھ جو بھلائی کرے گا، اس کا قابلِ تعریف کارنامہ اس پر مذمت بن کر لوٹے گا اور وہ پشیمان ہوگا)''[۶۴]

علامہ میمن کی سادگی اور بے تکلف زندگی کے حوالے سے نامور عالم اور عربی زبان و ادب کے ماہر مولانا ابوالحسن علی ندوی نے جو لفظ استعمال کیا وہ بہت خوب ہے۔ جب وہ ۱۹۴۶ء میں علی گڑھ گئے تو علامہ میمن نے نہ صرف ان کو اپنی تعلیمی زندگی سے آگاہ کیا بلکہ اپنی پسندیدہ کتابوں سے بھی۔ اس کے علاوہ علامہ میمن نے ان کی دعوت بھی کی۔ جب وہ واپس ندوۃ العلماء لکھنو پہنچے تو وہاں انھوں نے یہ فرمایا کہ 'علی گڑھ میں مولانا میمن کے اقتصادی ہونے کی بڑی شہرت تھی'۔ اقتصادی ہونا کے معنی ہیں فضول خرچی اور اسراف سے بچنا اور یہ مستحسن عادت ہے۔ اسی طرح علامہ میمن کے دور علی گڑھ کے شاگرد پروفیسر سیّد محمد سلیم مرحوم سے جب بھی راقم کی اس موضوع پر گفتگو ہوئی انھوں نے یہی فرمایا کہ اصل معاملہ ترجیحات کا تھا۔ علی گڑھ میں دیگر پروفیسر حضرات کے پاس نوکر چاکر ہوتے اور بعض کے پاس اپنی گاڑیاں بھی تھیں۔ علامہ میمن اپنا ہر کام خود کرتے اور آنے جانے کے لیے بائیسکل استعمال کرتے۔ بازار سے سودا سلف بھی خود ہی لاتے۔ یہ بات علی گڑھ کے ماحول میں نئی اور لوگوں کے لیے باعث حیرت تھی اور بعض لوگ

عجیب عجیب باتیں بناتے لیکن علامہ میمن کبھی ان باتوں کی پروانہیں کرتے بلکہ اپنے کام سے کام رکھتے تھے۔

مالی اور علمی امداد کی نادر مثال

علامہ میمن نے سادہ طرزِ زندگی اور کفایت شعاری کے نتیجے میں جو کچھ کمایا، آخری عمر میں وہ صحیح مصرف میں خرچ کیا۔ عام طور پر لوگ جو کچھ کماتے ہیں اس کا فائدہ محض اپنی اولاد تک محدود رکھتے ہیں، علامہ میمن نے اپنی محنت سے کمائی ہوئی دولت کا وہ مصرف تلاش کیا جس کی مثال نہ صرف اس عہد میں بلکہ ماضی میں بھی مشکل ہی سے ملے گی۔ انھوں نے اواخر عمری میں اپنی گاڑھے پسینے کی کمائی عربی زبان کی ترویج کے لیے مدارس و جامعات کو دی۔ اس بارے میں پروفیسر محمد محمود میمن لکھتے ہیں:

> ''تدریسی محکمے سے تعلق رکھتے ہوئے اور بہت ہی سادہ زندگی گزار کر انھوں نے اچھی خاصی رقم پس انداز کی جو وفات سے قبل جس زبان کے طفیل انھوں نے رزقِ حلال کمایا تھا، اس کی ترویج اور تعلیم کے سلسلہ میں مختلف اداروں کو عطیات کے طور پر دے دی۔ میرے علم میں یہ رقم تقریباً پانچ لاکھ روپے بنتی ہے۔ جن اداروں کو انھوں نے عطیات دیے ان کے نام یہ ہیں: ندوۃ العلماء لکھنؤ (ہندوستان)، پنجاب یونیورسٹی لاہور، مدرسۂ پنج پیر صوابی تحصیل مردان۔ کچھ رقم انھوں نے جامعہ کراچی کو بھی دی جس سے ایم اے عربی میں ہر سال اوّل آنے والے امیدوار کو ایک طلائی تمغہ دیا جاتا ہے جو ان کے نام سے موسوم ہے''[65]۔

علامہ میمن مالی امداد کے اس معاملے میں برصغیر سے باہر کے اداروں کو بھی نہ بھولے۔ دمشق کی مشہور المجمع العلمی سے ان کا ۱۹۲۸ء سے تعلق چلا آرہا تھا، انھوں نے اسے بھی عطیات دیے۔ اس بارے میں ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب راقم کے نام مکتوب میں لکھتے ہیں:

"دولاکھ روپے مجمع العلمی العربی دمشق کو بطور عطیہ دیا۔ اسے بعض نادر مخطوطات اور اپنے ہاتھ سے نقل کیے ہوئے بعض نوادر جن پر ان کے قیمتی حواشی و تعلیقات درج تھے، پیش کیے"[٦٦]۔

علامہ میمن نے ایک خط مورخہ ۲ فروری ۱۹۷۷ء کو المجمع العلمی العربی دمشق کے سربراہ استاد حسنی سبح کے نام لکھا جس میں مجمع العلمی کو دولاکھ روپے پیش کرنے کا ذکر موجود ہے جس سے یہ اکیڈمی علمی کاموں کو آگے بڑھائے۔

اس سب کے علاوہ جب حدیث کی مشہور کتاب مصنف عبدالرزّاق شائع ہوئی تو پچاس ہزار روپے خرچ کر کے اس کے بہت سے نسخے خریدے اور عربی مدارس اور یونیورسٹیوں میں مفت تقسیم کیے۔[٦٧]

یاد رہے لاکھوں روپے کی یہ رقم ۱۹۷۳/۱۹۷۴ء کی ہے جب روپے کی قیمت آج سے کئی گنا زیادہ تھی۔

حواشی

۱۔ دیکھیے ''علامہ عبدالعزیز میمن'' از خورشید رضوی در کتاب ''تالیف''، ص ۶۵۔

۲۔ ''علامہ عبدالعزیز میمنی عربی زبان و ادب کے مجدد و محقق'' از ڈاکٹر محمد سمیع اختر در کتاب ''علامہ عبدالعزیز میمنی حیات و خدمات (مجموعہ مقالات)''ص ۱۷۴۔

۳۔ مکتوب ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ بنام مؤلف مورخہ ۲۰ رجون ۲۰۰۲ء۔

۴۔ ''والد محترم علامہ عبدالعزیز میمن مرحوم۔ چند یادیں چند باتیں'' از محمد محمود میمن، ص ۴۵۔

۵۔ علامہ عبدالعزیز میمن از خورشید رضوی، در کتاب ''تالیف''، ص ۵۵۔

۶۔ ''والد محترمہ علامہ پروفیسر عبدالعزیز میمن مرحوم و مغفور۔ ایک عالم اور ایک انسان'' از پروفیسر محمد محمود میمن، ص ۵۶۔

۷۔ یہ شعر کچھ یوں ہے:

أضاعوني وايَّ فتى اضاعوا
ليومِ كريهة وسدادِ ثغرِ

۸۔ ''علامہ عبدالعزیز المیمنی'' از پروفیسر رشید احمد ارشد۔ ماہنامہ قومی زبان کراچی، جنوری ۱۹۸۲ء

۹۔ ''پروفیسر عبدالعزیز میمن'' از نصر اللہ خان در کتاب ''کیا قافلہ جاتا ہے'' مکتبۂ تہذیب و فن کراچی، ۱۹۸۴ء، ص ۹۔

۱۰۔ علامہ عبدالعزیز میمن حیات و خدمات (مجموعۂ مقالات)، ص ۳۷۔

۱۱۔ پروفیسر عبدالعزیز میمن از نصر اللہ خان۔

۱۲۔ ''مولانا عبدالعزیز میمن راجکوٹی۔ چند خوشگوار یادیں'' از ظہور احمد اظہر، ص ۸۷۔

۱۳۔ ''آپ بیتی'' از ڈاکٹر سیّد محمد عبداللہ، ماہنامہ قومی ڈائجسٹ لاہور، ۱۹۸۶ء

۱۴۔ ''مولانا عبدالعزیز میمن مرحوم۔ چند یادیں چند باتیں'' از ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی، روزنامہ نوائے وقت لاہور، ۶ نومبر ۱۹۷۸ء۔ جیسا کہ ذکر آ چکا علامہ میمن کا میاں نذیر حسین محدث سے تلمذ ثابت نہیں۔

۱۵۔ ''مولانا عبدالعزیز المیمنی۔ تلامذہ کی نظر میں'' از سلمٰی شروانی در کتاب ''علامہ عبدالعزیز میمنی حیات و خدمات (مجموعۂ مقالات)''ص ۲۶۳۔

۱۶۔ ''استاذی محترم عبدالعزیز میمنی کی خدمت میں چند سال'' از پروفیسر سیّد رفیع الدین، ص ۴۔

۱۷ ایضاً۔

۱۸ ایضاً۔

۱۹ ''افاداتِ مولانا عبدالعزیز میمن'' از پروفیسر سید محمد سلیم، ص ۲۶۔

۲۰ ''استاذی محترم عبدالعزیز میمنی کی خدمت میں چند سال''، ص ۴۔

۲۱ ''مولانا عبدالعزیز میمنی راجکوٹی۔ چند خوشگوار یادیں'' از ظہور احمد اظہر، ص ۸۳۔

۲۲ دیکھیے ''علامہ سیّد محمد یوسف بنوری۔ زمانۂ طالب علمی کے چند تاثرات'' از ڈاکٹر احمد حسن، رسالہ خدام الدین لاہور، علامہ بنوری نمبر، ص ۲۱۹۔

۲۳ دیکھیے ''علامہ عبدالعزیز میمن حیات وخدمات (مجموعۂ مقالات) ص ۳۸۔

۲۴ دیکھیے ''افاداتِ میمنی'' قسط نمبر ۳، ماہنامہ اردو نامہ کراچی، شمارہ نمبر ۳۳، ص ۱۰

۲۵ دیکھیے ''محاضراتِ میمنی'' از ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ، رسالہ تحقیق شمارہ ۱۱-۱۰، شعبۂ اردو، سندھ یونیورسٹی ۹۷-۱۹۹۶ء

۲۶ ایضاً۔

۲۷ ایضاً۔

۲۸ مکتوب ڈاکٹر مختار الدین احمد بنام محمد راشد شیخ، مؤرخہ ۲۷ جنوری ۲۰۰۳ء۔

۲۹ دیکھیے ''پروفیسر عبدالعزیز میمن کے ایک عزیز شاگرد۔ پروفیسر خورشید احمد فارق'' از ڈاکٹر غلام مرسلین درکتاب ''علامہ عبدالعزیز میمن حیات وخدمات'' (مجموعۂ مقالات)، ص ۲۰۹۔

۳۰ دیکھیے ''استاذی محترم عبدالعزیز میمنی کی خدمت میں چند سال'' از پروفیسر سید رفیع الدین، ص ۹

۳۱ ''علامہ عبدالعزیز میمن کی یاد میں'' از پروفیسر غلام احمد حریری، ماہنامہ محدث لاہور، محرم، صفر ۱۳۹۹ھ، ص ۶۱۔

۳۲ ''مولانا عبدالعزیز میمن راجکوٹی، چند خوشگوار یادیں'' از ظہور احمد اظہر، مترجمہ مسعود الرحمٰن خان ندوی ''فکر ونظر'' علیگڑھ، جون ۲۰۰۱ء، ص ۴۷۔

۳۳ ایضاً۔

۳۴ ایضاً۔

۳۵ ''مولانا عبدالعزیز میمن'' از ڈاکٹر خورشید رضوی درکتاب ''تالیف'' ص ۵۳۔

۳۶ ایضاً۔علامہ میمن کی عمر اس وقت ستر نہیں بلکہ چھتر تا اٹھتر برس ہو چکی تھی۔

۳۷ ''محاضرات میمنی'' از ڈاکٹر نبی بخش بلوچ، مجلّہ تحقیق، جامعہ سندھ شمارہ ۱۱، ص ۹۱۔

۳۸ ''مولانا عبدالعزیز میمن۔ تلامذہ کی نظر میں'' از سلمیٰ شروانی در کتاب ''علامہ عبدالعزیز میمن حیات و خدمات'' (مجموعہ مقالات) ص ۳۵۶۔

۳۹ دیکھیے ''افاداتِ میمنی'' قسط نمبر ۳، ماہنامہ اردو نامہ کراچی، شمارہ نمبر ۳، ص ۱۲۰

۴۰ محاضراتِ میمنی از ڈاکٹر نبی بخش بلوچ۔

۴۱ ایضاً۔

۴۲ ایضاً۔

۴۳ ایضاً۔

۴۴ ایضاً۔

۴۵ مکتوب ڈاکٹر مختار الدین احمد بنام محمد راشد شیخ مورخہ ۲۷ر جنوری ۲۰۰۳ء۔

۴۶ ہفت روزہ اخبارِ جہاں کراچی، موخہ ۳۰ ستمبر ۱۹۷۰ء، ص ۹

۴۷ ''محاضراتِ میمنی'' از ڈاکٹر نبی بخش بلوچ۔

۴۸ ''افاداتِ مولانا عبدالعزیز میمن'' از پروفیسر سید محمد سلیم، ماہنامہ فکر و نظر اسلام آباد، مئی ۱۹۸۰ء۔

۴۹ ایضاً۔

۵۰ ''استاذی محترم عبدالعزیز میمن کی خدمت میں چند سال'' از پروفیسر سیّد رفیع الدین، در کتاب ''علامہ عبدالعزیز میمن حیات وخدمات (مجموعۂ مقالات) شعبۂ عربی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، ۲۰۰۳ء، ص ۱۔

۵۱ ''مولانا عبدالعزیز میمن راجکوٹی، چند خوشگوار یادیں'' از ظہور احمد اظہر، مترجمہ مسعود الرحمٰن خان ندوی

۵۲ ''مولانا عبدالعزیز المیمنی'' از ڈاکٹر خورشید رضوی، در کتاب ''تالیف''

۵۳ ایضاً۔

۵۴ ایضاً۔

۵۵ ایضاً۔

۵۶ ایضاً۔

۵۷ ''افاداتِ میمنی قسط نمبر ۱'' از مولانا عبدالعزیز میمن، اردو نامہ کراچی شمارہ نمبر ۳۱۔

۵۸ ''افاداتِ میمنی قسط نمبر ۷'' از مولانا عبدالعزیز میمن، اردو نامہ کراچی، شمارہ نمبر ۳۸، ص ۱۲۴۔

۵۹ ''محاضرات میمنی'' از ڈاکٹر نبی بخش بلوچ۔

۶۰ ایضاً۔

۶۱ ایضاً۔

۶۲ ایضاً۔

۶۳ ایضاً۔

۶۴ مولانا عبدالعزیز میمن۔چند خوشگوار یادیں'' از ظہور احمد اظہر، ترجمہ مسعود الرحمٰن ندوی۔

۶۵ ''والد محترم علامہ پروفیسر عبدالعزیز میمن مرحوم ومغفور: ایک عالم اور ایک انسان'' از پروفیسر محمد محمود میمن۔

۶۶ مکتوب ڈاکٹر مختار الدین احمد بنام محمد راشد شیخ مورخہ ۲۷ر جنوری ۲۰۰۳ء۔

۶۷ ''مولانا عبدالعزیز میمن چند یادیں'' از شیخ نذیر حسین، ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ، جنوری ۱۹۷۹ء۔

باب نمبر ۱۳

تلامذہ

بحیثیت منفرد استاد

جس طرح درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے اور جس طرح چراغ سے چراغ جلتا ہے بعینہٖ ایک عظیم استاد کا علمی تسلسل اس کے تلامذہ کے ذریعے جاری رہتا ہے۔ اس پہلو سے اگر ہم علامہ میمن کی شخصیت کا جائزہ لیں تو ان کی حیثیت اساتذۂ کبار میں بالکل منفرد نظر آئے گی۔ ان کے جن جن شاگردوں نے ان سے فیض اٹھایا وہ عمر بھر اس بات کے معترف رہے کہ ان کی علمی اور تحقیقی خدمات میں ان کے عظیم استاد کی تربیت کا اہم دخل ہے اور جو شاگرد ماشاء اللہ بقید حیات ہیں وہ بھی اس کے معترف ہیں۔

علامہ میمن نے تمام عمر عربی زبان کی خدمت کی اور ان کے شاگردوں نے ان سے تحقیق کے گُر سیکھے۔ ماضی و حال کا کون ایسا استاد ہے جس کے چھ شاگرد برصغیر پاک و ہند کی معروف یونیورسٹیوں کے صدر شعبۂ عربی ہوئے۔ یہ اعزاز صرف علامہ میمن ہی کو جاتا ہے۔ ان شاگردوں میں ڈاکٹر مختار الدین احمد (سابق صدر شعبۂ عربی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، سابق وائس چانسلر جامعہ اردو علی گڑھ، سابق وائس چانسلر مظہر الحق عربی فارسی یونیورسٹی پٹنہ)، ڈاکٹر خورشید احمد فارق (سابق صدر شعبۂ عربی دلّی یونیورسٹی)، پروفیسر ڈاکٹر سیّد رفیع الدین اشفاق (سابق صدر شعبۂ عربی و فارسی و اردو ناگپور یونیورسٹی)، ڈاکٹر سیّد محمد یوسف (سابق صدر شعبۂ عربی کراچی یونیورسٹی) ڈاکٹر ظہور احمد اظہر (سابق صدر شعبۂ عربی پنجاب یونیورسٹی) ڈاکٹر سیّد احمد (سابق صدر

شعبۂ عربی پٹنہ یونیورسٹی)اور ڈاکٹر ریاض الرحمٰن شروانی (سابق صدر شعبۂ عربی کشمیر یونیورسٹی سری نگر) اور ڈاکٹر سیّد سلیمان اشرف (سابق صدر شعبۂ عربی دہلی یونیورسٹی) شامل ہیں۔ ان حضرات کے علاوہ علامہ کے تلامذہ میں ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ اپنی علمی اور تحقیقی خدمات کی بنا پر پاکستان کی دو یونیورسٹیوں یعنی سندھ یونیورسٹی جام شورو اور بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کے وائس چانسلر بنے۔

علامہ میمن کی علمی فیض رسانی کا ایک اور پہلو بڑا اہم ہے۔ دمشق کی مجمع اللغة العربية (سابقہ المجمع العلمي العربي) کی رکنیت ایک بہت بڑا اعزاز بالخصوص عالمِ عرب میں علمی و تحقیقی خدمات کے اعتراف کا واضح ثبوت سمجھا جاتا ہے۔ اس کے قیام (۱۹۱۹ء) سے اب تک برصغیر پاک و ہند کے صرف گیارہ افراد کو اس کی اعزازی رکنیت عطا کی گئی ہے۔ ان گیارہ میں سے چار یعنی علامہ عبدالعزیز میمن، ڈاکٹر مختار الدین احمد، ڈاکٹر عبدالحلیم ندوی اور ڈاکٹر محمد اجمل اصلاحی کا تعلق علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے رہا۔ اہم بات یہ ہے کہ ان چار میں سے ایک علامہ میمن کے عزیز شاگرد (ڈاکٹر مختار الدین احمد) اور باقی دو (ڈاکٹر عبدالحلیم ندوی اور ڈاکٹر محمد اجمل اصلاحی) ڈاکٹر مختار الدین احمد کے شاگرد ہیں[1]۔ ڈاکٹر عبدالحلیم ندوی نے ڈاکٹر مختار الدین احمد کی نگرانی میں النویری پر تحقیقی کام کر کے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ ڈاکٹر محمد اجمل اصلاحی نے ایم۔اے میں ڈاکٹر مختار الدین احمد کے زیر ہدایت ڈیسرٹیشن لکھا، ان سے الاستاذ شاکر الفحام رئیس مجمع اللغۃ العربیۃ (دمشق) کی ایک کتاب کا اردو ترجمہ کرایا اور حواشی لکھوائے۔ ان حضرات کے علاوہ پاکستان سے ڈاکٹر احمد خان بھی علامہ کے شاگرد اور المجمع العلمي العربي دمشق کے رکن ہیں۔

اس سے پتہ چلا کہ علامہ میمن کا علمی فیض نہ صرف ان کے شاگردوں تک پہنچا بلکہ شاگردوں سے آگے بھی۔ اسی طرح علامہ میمن کے شاگرد ڈاکٹر خورشید احمد فارق تھے۔ فارق صاحب کے شاگرد ڈاکٹر نثار احمد فاروقی مرحوم (وفات ۲۸ رنومبر ۲۰۰۴ء) تھے۔ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی صاحب موجودہ عہد میں نہ صرف اردو زبان و ادب کے نامور محقق اور عالم تھے بلکہ انھوں نے عربی زبان و ادب کی بھی بیش بہا خدمات انجام دیں اور طویل عرصے تک رسالہ ثقافة الهند

دہلی کے ایڈیٹر رہے۔ چند برس قبل جب وہ لاہور تشریف لائے تو راقم سے انھوں نے خود فرمایا تھا کہ ڈاکٹر خورشید احمد فارق صاحب سے عربی زبان وادب میں انھوں نے فیض اٹھایا ہی ہے لیکن علامہ میمن سے بھی وہ تقسیم کے بعد گاہے بگاہے استفادہ کرتے رہے ہیں۔

اب ہم علامہ میمن کے تلامذہ کے حالات لکھیں گے۔ تلامذہ کو ہم نے دو گروہوں میں تقسیم کیا ہے یعنی وہ تلامذہ جنھوں نے علامہ کی نگرانی میں تحقیقی کام کیا Ph.D. کیا یا M.A میں پڑھا۔ اس کے بعد ہم ان تلامذہ کا تذکرہ لکھیں گے جنھوں نے کسی درجے میں علامہ سے پڑھا اور ان سے فیض اٹھایا۔

ڈاکٹر سیّد محمد یوسف

ڈاکٹر سیّد محمد یوسف مرحوم، علامہ میمن کے عزیز ترین شاگرد تھے۔ ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب لکھتے ہیں کہ انھوں نے عمر بھر نہ یوسف صاحب ایسا شاگرد دیکھا جو اپنے استاد پر اس طرح والہانہ فدا ہو اور نہ علامہ میمن جیسا شفیق استاد دیکھا جو اپنے شاگرد سے بے پناہ محبت کرتا ہو اور اسے اپنے بچوں سے زیادہ عزیز رکھتا ہو۔[۲]

سیّد محمد یوسف ۲۱ر مئی ۱۹۱۶ء کو بھوپال میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم والد ماجد سیّد احسان حسین کی زیرنگرانی بھوپال کے مدرسۂ احمدیہ اور مدرسۂ جہانگیریہ میں حاصل کی۔ ہائی اسکول اور انٹرمیڈیٹ کے امتحانات اجمیر بورڈ سے اور بی اے آگرہ یونیورسٹی سے کیا۔ ۱۹۳۷ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبۂ عربی کے سالِ اوّل میں داخل ہوئے۔ اس وقت علامہ میمن صدرِ شعبہ تھے۔ ۱۹۳۹ء میں امتیاز کے ساتھ ایم اے عربی کی سند حاصل کی اور اپنے شعبے میں اوّل آئے۔ انشا کے پرچے میں علامہ میمن (جو اپنی سخت گیری کے لیے مشہور تھے) نے انھیں سو میں سے سو نمبر دیے کیونکہ پورے پرچے میں ایک جگہ بھی قلم رکھنے کی گنجائش نہیں تھی۔ ایم اے میں نمایاں کامیابی کے بعد انھوں نے علامہ میمن کی نگرانی میں مھلب ابن صفرہ پر ڈاکٹریٹ کے لیے مقالہ لکھا۔ ان کے ممتحن ڈاکٹر عظیم الدین احمد (سابق صدر، شعبۂ عربی پٹنہ یونیورسٹی) تھے جنھوں نے اپنی رپورٹ

میں ان کی بے حد تعریف کی۔ڈاکٹر یوسف علامہ میمن کی نگرانی میں ڈاکٹریٹ کرنے والے پہلے طالب علم تھے۔اسی طرح انھیں یہ بھی اعزاز حاصل تھا کہ وہ شعبۂ عربی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے پہلے پی ایچ ڈی تھے۔

۱۹۴۲ء تا ۱۹۴۷ء ڈاکٹر یوسف نے شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی میں بحیثیت لیکچرر خدمات انجام دیں۔ ۱۹۴۷ء تا ۱۹۵۳ء وہ بحیثیت لیکچرر اسلامیات، اردو، تاریخ و ثقافت، فواداوّل یونیورسٹی قاہرہ میں رہے۔۱۹۵۳ء تا ۱۹۵۹ء انھوں نے بحیثیت صدر شعبۂ عربی سیلون یونیورسٹی خدمات انجام دی۔۱۹۵۹ء تا ۱۹۶۳ء وہ کراچی یونیورسٹی میں ریڈر اور پھر صدر شعبۂ عربی رہے۔وہ نیشنل یونیورسٹی ملائشیا (کوالالمپور) میں شعبۂ اسلامیات کے وزیٹنگ پروفیسر بھی رہے۔۱۹۷۶ء تا ۱۹۷۸ء وہ صدر شعبۂ اسلامیات جاس (Jos) یونیورسٹی نائیجیریا میں رہے۔اسی یونیورسٹی کے کسی کام کے سلسلے میں وہ بذریعہ لندن کراچی آرہے تھے کہ ۲۲ر جولائی ۱۹۷۸ء کو آکسفورڈ سٹریٹ لندن میں قلب کا اچانک حملہ ہوا اور راہیٔ ملکِ عدم ہوگئے۔

ڈاکٹر سیّد محمد یوسف کے انتقال کے وقت علامہ میمن کراچی میں مقیم تھے۔اپنے عزیز ترین شاگرد کی وفات کا صدمہ انھوں نے ضعیف العمری میں بڑی ہمت سے برداشت کیا۔ان کے انتقال کے محض تین ماہ بعد علامہ میمن بھی راہیٔ ملکِ عدم ہوگئے۔

ڈاکٹر سیّد محمد یوسف کی عربی کتب میں الاشباہ والنظائر للخالدیین (۲ جلدیں)، الالفاظ الهنديه المعربة، كتاب الانوار و محاسن الاشعار، شرح ما يقع فيه التصحيف والتحريف شامل ہیں۔ان کی اردو کتابوں میں جیتا جاگتا (ترجمہ حیّ بن یقظان)، تاریخ التاریخ (ترجمہ) اندلس تاریخ وادب اور برگِ نخیل (مجموعۂ مقالات) شامل ہیں۔ان کتب کے علاوہ ان کے علمی اور تحقیقی مقالات پاک و ہند کے علاوہ دمشق، رباط، قاہرہ، کوالالمپور وغیرہ کے جرائد ورسائل میں شائع ہوئے۔

علامہ میمن کے بڑے صاحبزادے محمد محمود میمن مرحوم نے راقم الحروف سے متعدد مرتبہ فرمایا کہ علامہ میمن، ڈاکٹر یوسف سے بے حد محبت کرتے تھے اور اکثر فرماتے کہ یوسف میرا شاگرد نہیں، میرا بیٹا ہے اور میرے نام کو یہی زندہ رکھے گا۔

انتقال سے کچھ قبل ڈاکٹر سیّد محمد یوسف نے علامہ میمن کی سوانح ''میرے شیخ'' کے نام سے قلمبند کرنے کا آغاز کیا تھا جو نامکمل رہی[3]۔ راقم الحروف نے ڈاکٹر محمد یوسف صاحب کے اہل خانہ، ہمدرد لائبریری اور دیگر کئی مقامات پر اس کتاب کے حصول و استفادہ کی کوشش کی لیکن کہیں اس کتاب کا سراغ نہ ملا۔

ڈاکٹر خورشید احمد فارِق

ڈاکٹر خورشید احمد فارق مارچ ۱۹۱۶ء میں بریلی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد مولانا محمود حسن دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل اور مولانا حسین احمد مدنی کے ہم جماعت تھے۔ ابتدائی تعلیم بریلی اور اٹاوہ میں حاصل کی۔ جولائی ۱۹۳۷ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں بی اے میں داخلہ لیا اور عربی بطور اختیاری مضمون لیا۔ عربی بطور مضمون لینے کی اصل وجہ یہ تھی کہ انھیں تاریخ اسلام، اس کے ابتدائی محرکات اور اکابر کی سیرت کے مطالعہ و تحقیق کا بچپن سے شوق تھا اور اس شوق کی تکمیل عربی زبان کی تحصیل کے بغیر ممکن نہ تھی۔

جولائی ۱۹۳۹ء میں خورشید صاحب نے ایم اے عربی میں داخلہ لیا۔ اس وقت علامہ میمن صدر شعبۂ عربی تھے۔ ایم اے میں فرسٹ ڈویژن حاصل کرنے کے بعد ۱۹۴۱ء میں علامہ میمن کی زیر نگرانی تاریخ اسلام کے ایک بطل جلیل، عراق کے گورنر زیاد ابن ابیہ (متوفی ۵۳ھ) پر پی ایچ ڈی میں داخلہ لیا۔ موضوع کے انتخاب کے لیے انھوں نے علامہ میمن سے درخواست کی تھی کہ اسلام کے ابتدائی دور کا کوئی تاریخی موضوع منتخب کر دیں۔ اس موضوع پر آپ نے علامہ میمن کی زیر نگرانی شب و روز محنت کی اور پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ انھوں نے یہ مقالہ انگریزی زبان میں لکھا تھا۔ اس تحقیق کے دوران ریسرچ کی مبادیات اور طریقۂ کار پر رہنمائی کے لیے تقریباً ہر ہفتے علامہ میمن کے گھر جاتے۔ مقالہ مکمل ہونے کے بعد مقالہ سنانے علامہ میمن کے پاس جاتے تھے۔ علامہ میمن، خورشید صاحب کی علمی محنت کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور ان پر اتنے شفیق تھے کہ جب کبھی علی گڑھ سے باہر کہیں جاتے تو پورا گھر ان کی نگرانی میں چھوڑ جاتے۔

پی ایچ ڈی کرنے کے بعد خورشید صاحب نے کچھ عرصے شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں بحیثیت لیکچرار خدمات انجام دیں۔ وہ ۱۹۴۲ء میں اینگلو عربک کالج دہلی میں بحیثیت لیکچرار چلے گئے۔ ۱۹۵۳ء میں شعبۂ عربی دہلی یونیورسٹی سے بحیثیت ریڈر منسلک ہوگئے۔ یہیں ۱۹۶۹ء میں پروفیسر و صدر شعبۂ عربی مقرر ہوئے اور ۱۹۸۵ء میں اسی یونیورسٹی سے ریٹائر ہوکر علی گڑھ منتقل ہوگئے اور ۱۹۹۹ء تک علمی کاموں میں مصروف رہے۔ ان کا انتقال ۵ نومبر ۲۰۰۱ء کو تقریباً ۸۵ برس کی عمر میں علی گڑھ میں ہوا۔

ڈاکٹر خورشید احمد فارق تمام عمر تاریخ اسلام کے کسی نہ کسی موضوع پر تحقیق و تالیف میں خاموشی لیکن مستقل مزاجی سے منہمک رہے۔ ان کی عربی تصانیف درج ذیل ہیں: تاریخ الردة مقتبس از كتاب الاكتفاء مصنفه الكلاعی البلنسی (دہلی ۱۹۷۰ء)، الرسائل الرسمية لعمر بن الخطاب، كتاب المنمق لابن حبيب البغدادی (دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد ۱۹۶۴ء)۔ زیاد ابن ابیہ (بمبئی ۱۹۶۶ء یہ کتاب بزبان انگریزی ہے)۔ ڈاکٹر خورشید احمد فارق کی اردو تصنیفات زیادہ تر ندوۃ المصنفین دہلی سے شائع ہوئیں جن کی تفصیل یہ ہے: قاضی شریح اور دیگر مضامین (دہلی ۱۹۵۵ء)، حضرت ابوبکرؓ کے سرکاری خطوط (دہلی ۱۹۶۰ء)، حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط (دہلی ۱۹۵۹ء) تاریخ ہند پر نئی روشنی (دہلی ۱۹۶۰ء)، تاریخ ردّہ (دہلی) اسلامی دنیا دسویں صدی عیسوی میں (دہلی ۱۹۶۲ء)، قرنِ اول کا ایک مدبر (دہلی ۱۹۶۱ء)، عربی لٹریچر میں قدیم ہندوستان (دہلی)، خلافتِ راشدہ کا اقتصادی جائزہ (دہلی ۱۹۷۷ء)، تاریخ اسلام (خلافتِ راشدہ، بنی امیہ)، جائزے (تاریخی، تمدنی، جغرافیائی، قانونی، ادبی، نحوی)[4]۔

ان میں سے متعدد کتب بعد میں پاکستانی ناشروں نے بھی مکرر طبع کیں۔

علامہ میمن جب علی گڑھ سے دہلی جاتے تو فارق صاحب ہی کے ہاں قیام کرتے۔ اس بارے میں ڈاکٹر عبادت بریلوی لکھتے ہیں:

”پروفیسر عبدالعزیز المیمنی صاحب جو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں عربی اور اسلامیات کے پروفیسر تھے اور فارق صاحب کے استاد تھے، وہ بھی جب دلی آتے تھے تو ان کے ساتھ اینگلو عربک کالج کے اسی کمرے میں قیام کرتے تھے۔

میری ملاقات ان سے فارق صاحب کے اسی کمرے میں ہوئی اور میں نے ان کے علم سے استفادہ کیا۔ان (فارق صاحب) کے پاس صرف دوتین شیروانیاں تھیں جن کو وہ بڑے سلیقے سے زیب تن کرتے تھے''۔[۵]

ڈاکٹر مختار الدین احمد

ڈاکٹر مختار الدین احمد ۱۴ر نومبر ۱۹۲۴ء کو پٹنہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم پٹنہ ہی میں حاصل کی۔ مدرسۂ شمس الہدیٰ پٹنہ سے مولوی عالم اور فاضل کی تعلیم مکمل کی۔ فاضل کے امتحان میں وہ بہار و اڑیسہ کے سارے طلبہ میں اوّل آئے۔ اس کے بعد آپ نے ''فاضل حدیث'' کی جماعت میں داخلہ لیا اور دو سالہ تعلیم کے بعد امتحان میں پورے بہار و اڑیسہ میں اوّل آئے۔ مدرسۂ شمس الہدیٰ میں دورانِ تعلیم آپ نے مختلف مکاتبِ فکر کے اساتذہ سے فیض حاصل کیا۔ یہاں آپ کے والدِ محترم ملک العلماء مولانا ظفر الدین قادری، مولانا محمد سہول عثمانی (پرنسپل مدرسۂ شمس الہدیٰ) اور مولانا سیّد عبدالرشید مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے شاگرد تھے۔ اسی طرح آپ کے اساتذہ میں مولانا: اصغر حسین بہاری اور مولانا عبدالشکور مظفر پوری بھی تھے جو دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل اور شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ کے شاگرد تھے۔ ان کے علاوہ سیّد عبدالسبحان دیسنوی اور حاجی سیّد معین الدین ندوۃ العلماء کے تعلیم یافتہ تھے۔

مدرسے کی تعلیم کے بعد آپ نے انگریزی تعلیم کی طرف توجہ دی اور میٹری کولیشن کا دس سالہ کورس محض دو سال میں مکمل کر لیا۔ ۱۰ر جولائی ۱۹۴۳ء کو آپ علی گڑھ پہنچے۔ علی گڑھ سے آپ نے ۱۹۴۵ء میں انٹر اور ۱۹۴۷ء میں بی اے کیا۔ بی اے کے بعد ایم اے میں داخلہ لینا چاہتے تھے اور آپ کو اردو اور عربی دونوں مضامین سے یکساں دلچسپی تھی اور فیصلہ نہیں کر پائے کہ اردو میں ایم اے کریں یا عربی میں۔ اس گومگو کی کیفیت میں بغرض مشورہ آپ علامہ میمن سے ملے۔ ان کے طلب کرنے پر آپ نے دونوں فارم پیش کر دیے۔ علامہ میمن نے اردو کا فارم چاک کر کے ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا اور عربی کے فارم پر اپنے دستخط کر کے ان کے حوالے کر دیا اور فرمایا:

لیجیے فیصلہ ہو گیا[6]۔ اس طرح مختارالدین صاحب ایم اے شعبۂ عربی میں داخل ہو گئے اور دو سال بعد ۱۹۴۹ء میں پوری یونیورسٹی میں اوّل آئے۔ آپ ۱۹۴۹ء سے ۱۹۵۲ء تک لٹن لائبریری علی گڑھ میں شعبۂ مخطوطات کے ناظم رہے ساتھ ہی علامہ میمن کی نگرانی میں ڈاکٹریٹ کے لیے تحقیقی مقالہ بھی لکھتے رہے۔ آپ نے تاریخ اسلام کے بجائے عربی ادب کا موضوع تحقیق کے لیے منتخب کیا اور صدرالدین علی بن ابی الفرج البصری ا(م ۶۵۶ھ) کی کتاب الحماسة البصرية پر تحقیق کی جس پر ۱۹۵۲ء میں آپ کو ڈاکٹریٹ کی ڈگری تفویض کی گئی۔ آپ نے جنوری ۱۹۵۳ء میں بحیثیت لیکچرر شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ملازمت کا آغاز کیا۔ ۱۹۵۶ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی سے پروفیسر ہیملٹن گب (م ۱۹۷۶ء) کی نگرانی میں ڈی فل کیا۔ ۱۹۵۸ء میں آپ ادارۂ علوم اسلامیہ علی گڑھ میں ریڈر اور ۱۹۶۸ء میں اسی ادارے کے ڈائریکٹر مقرر ہوئے۔ اسی سال آپ شعبۂ عربی، علی گڑھ یونیورسٹی کی صدارت پر فائز ہوئے۔ ۱۴رنومبر ۱۹۸۴ء کو آپ ریٹائر ہوئے۔ ۱۹۷۶ء میں آپ نے المجمع العلمی العربی دمشق کی طرز پر المجمع العلمی الهندی کے نام سے ادارہ قائم کیا جس کا مقصد نادر عربی مخطوطات کی ترتیب وتدوین اور ان کی اشاعت کے علاوہ عربی میں ایک علمی وتحقیقی رسالہ نکالنا تھا۔ یہ رسالہ مجلّة المجمع العلمی الهندی کے نام سے اب بھی نکل رہا ہے۔ اس رسالے کے پہلے شمارے کا پہلا مضمون آپ نے استاد محترم سے تعلق کی بنا پر علامہ میمن کا ہی شایع کیا۔ اس رسالے کو علمی حلقوں میں قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ۱۹۸۵ء اور ۱۹۸۶ء میں آپ نے اپنے استاد علامہ عبدالعزیز میمن کی یاد میں اس رسالے کا ضخیم میمن نمبر دو جلدوں میں شائع کیا۔ یہ نمبر علامہ میمن کی حیات اور خدمات پر معلومات کا خزانہ ہے۔ فی الحقیقت یہ نمبر ایک عظیم استاد کو عظیم شاگرد کا ' دست خراجِ تحسین ہے۔ علامہ میمن کے صاحبزادے پروفیسر محمد محمود میمن راقم الحروف سے اکثر فرماتے تھے کہ علامہ میمن اپنے شاگردوں میں ڈاکٹر سیّد محمد یوسف صاحب کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ یوسف میرا شاگرد نہیں میرا بیٹا ہے اور وہی میرے نام کو زندہ رکھے گا لیکن مقدر کی بات ہے کہ ڈاکٹر یوسف کا علامہ میمن کی زندگی ہی میں انتقال ہو گیا اور علامہ میمن پر یہ ضخیم نمبر مرتب کر کے یہ سعادت ڈاکٹر مختارالدین احمد صاحب نے حاصل کر لی۔

عبدالعزیز المیمنی
(Member Arabic Academy, Damascus.)
PROF. & CHAIRMAN.

DEPARTMENT OF ARABIC,
MUSLIM UNIVERSITY,
ALIGARH (INDIA).

Dated 12—3—1949

مختار الدین احمد آرزو I ایر سے VI ایر تک مسلسل عربی کے طالب العلم
میں۔ یہ ہمیشہ اپنے رفقاء میں ممتاز رہے ہیں۔ عربی یوں بھی انکا خاندانی ورثہ ہے،
علاوہ بریں یہ ہر طرح کے ہر طرح اہل ہیں عام معلومات خصوصاً متعلقہ مشرقیات میں بہت
امتیاز رکھتے ہیں۔ ایم اے فائنل میں بجائے مضمون عربی کے ڈسرٹیشن لکھ رہے ہیں جس سے
مجھے انکے ذوق و مطالعہ و تحقیق کا اندازہ کرنیکا اچھا خاصہ موقعہ ملا ہے۔ گھنٹوں لائبریری
میں عربی کی کتابیں اولٹتے رہتے ہیں۔ میں انکے مستقبل کے متعلق بہت پرامید ہوں۔
یوں بھی ملا اردو میں جو درجہ رکھتے ہیں اوسکے اظہار کی مجھے کچھ ضرورت نہیں معلوم ہوتی

ہمارے ڈپارٹمنٹ کی ادبی دلچسپیوں میں ہمیشہ پیش پیش رہتے ہیں۔ لجنۃ
الأدب کے دو سال سے وائس پریزیڈنٹ ہیں۔ گذشتہ دنوں سرسید ڈے کے
سلسلے میں انکی انتھک محنت اور مستعدی ہر گروہ سے ستائش حاصل کرچکی ہے

یوں بے انتہا مہذب نیکدل اور جملہ اساتذہ و طلبہ میں مقرب و محبوب ہیں
مجھسے انہیں ہمیشہ خصوصیت رہی ہے اسلئے میں انکی کامیابی کا دل سے متمنی ہوں۔

میں بلاخوف تردید انکو علمی و ادبی خدمات کیلئے موزوں تر امیدوار سمجھتے اور پیش
کرتا ہوں اور انکو اسکا اہل سمجھتا ہوں

الداعی
عبدالعزیز المیمنی

علامہ میمن کے قلم سے ڈاکٹر مختار الدین احمد کے لیے سند

ڈاکٹر مختارالدین احمد صاحب کے علمی کارنامے اتنے زیادہ ہیں کہ ان کی تفصیل پر مشتمل ایک کتاب ''مختار نامہ'' علی گڑھ سے شائع ہو چکی ہے۔مختصراً آپ کی عربی کتابیں درج ذیل ہیں:
الحماسة البصرية (دائرۃ المعارف عثمانیہ حیدرآباد،۱۹۶۳ء،۱۹۶۴ء، بیروت:۱۹۸۳ء)فضائل من اسمه احمد و محمد لابن بكير البغدادى (علی گڑھ ۱۹۶۱ء)، المختار من شعر ابن الدمينة (علی گڑھ ۱۹۶۲ء)،الرسالة الى احمد بن واثق للمبرد (دہلی ۱۹۶۸ء)، القصيدة الداليه للاعشٰى الكبير مع شرح الشيرزى (علی گڑھ ۱۹۶۸ء)۔

آپ کی اردو تصنیفات وتالیفات میں: خطوطِ اکبر، احوالِ غالب، نقدِ غالب، سیر دہلی، کربل کتھا، تذکرۂ گلشن ہند، تذکرۂ آزردہ، تذکرۂ شعرائے فرخ آباد، دیوانِ حضور عظیم آبادی، عبدالحق وغیرہ شامل ہیں۔آپ کے علمی مقالات برصغیر پاک وہند کے اہم رسائل و جرائد مثلاً معارف، برہان، قومی زبان، تحقیق وغیرہ میں شائع ہوئے۔

ڈاکٹر مختارالدین احمد صاحب کی شخصیت کا ایک نمایاں وصف دوسروں کی حتی المقدور علمی مدد کرنا تھا۔اس حوالے سے دنیا بھر سے جو بھی آپ سے علمی مدد چاہے اسے بذریعہ خط تمام تفصیلات مہیا کرتے تھے۔مکتوب نگاری میں آپ سائل کو ہر پہلو سے شافی جواب دیتے اور اس مقصد کی خاطر ہر مکتوب کو علمی اور تحقیقی شہکار بنادیتے۔

مجلة المجمع العلمى الهندى (میمن نمبر) کی ترتیب وطباعت کی خاطر ڈاکٹر صاحب نے جو شدید محنت کی اس بارے میں ڈاکٹر نذیر احمد (سابق صدر شعبۂ فارسی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی) لکھتے ہیں:

> ''انھوں (ڈاکٹر مختار الدین احمد) نے اپنے شفیق استاد (علامہ میمن) پر ان دو شماروں میں کوئی ایک ہزار صفحات پر مشتمل نہایت قیمتی مواد جمع کر دیا ہے۔انھوں نے اپنے عالمانہ انداز سے ان کی زندگی اور ان کے کارنامے روشن کیے ہیں، وہ ہر علمی کام کرنے والے کے لیے مشعلِ راہ ہو سکتے ہیں۔اس مجموعے کے ایک ایک صفحے پر انھوں نے بڑی توجہ صرف کی ہے۔پروفوں کی تصحیح میں انھوں نے بڑی جان فشانی کا ثبوت دیا ہے۔مخصوص شمارے دلّی کے جس پریس میں چھپ رہے

تھے اس میں چار صفحے بھی ایک ساتھ نہیں چھپ سکتے تھے کیونکہ ان کے پاس کافی ٹائپ ہی موجود نہیں، چنانچہ چند صفحے کمپوز کر کے پریس کا ایک ملازم دلی سے رات کے دس بجے علی گڑھ آتا اور مختار الدین صاحب بارہ ایک بجے تک پروف دیکھ کر اسے دیتے۔ پریس کا آدمی رات ہی کی گاڑی سے واپس جاتا، صبح دلی پہنچتا اور طباعت کا کام جاری رہتا"۔

ڈاکٹر مختار الدین احمد مورخہ ۳۰/جون ۲۰۱۰ء کو علی گڑھ میں وفات پا گئے۔مزید حالات اور علمی خدمات کے لیے ملاحظہ فرمائیں "ڈاکٹر مختار الدین احمد" از محمد راشد شیخ، ماہنامہ الحمراء لاہور بابت اگست ۲۰۱۰ء۔

ڈاکٹر مختار الدین احمد کو علامہ میمن کے تمام تلامذہ میں یہ منفرد اعزاز حاصل تھا کہ صرف انھی نے علامہ میمن کی نگرانی میں عربی ادب کے موضوع پر ڈاکٹریٹ کیا بقیہ دو حضرات یعنی ڈاکٹر سیّد محمد یوسف اور ڈاکٹر خورشید احمد فارق نے تاریخ اسلام کے موضوعات پر علامہ میمن کی نگرانی میں ڈاکٹریٹ کیا تھا۔

درج بالا تین حضرات وہ ہیں جنھوں نے علامہ میمن کی نگرانی میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ان کے علاوہ علی گڑھ کے دوران قیام آٹھ افراد اور تھے جو علامہ میمن کی نگرانی میں پی ایچ ڈی کر رہے تھے لیکن کسی نہ کسی وجہ سے وہ مقالہ مکمل نہ کر سکے۔ان تمام حضرات سے علامہ میمن کا معاملہ فراخدلانہ تھا اور ان کے پی ایچ ڈی کے عدم تکمیل کے ذمہ دار علامہ میمن نہیں تھے۔ان آٹھ افراد میں نمایاں ترین نام ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ کا ہے۔یہاں ہم ان کے اور بقیہ تلامذہ کے حالات لکھتے ہیں۔

ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ

ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ صاحب اپنی علمی اور تحقیقی خدمات کی بنا پر بین الاقوامی شہرت یافتہ دانشور مانے جاتے تھے۔اسکول کے سرٹیفیکیٹ کے مطابق آپ ۱۶/دسمبر ۱۹۱۷ء میں قریہ جعفر خان

لغاری (ضلع سانگھڑ) میں پیدا ہوئے جبکہ راقم سے ایک انٹرویو میں آپ نے فرمایا تھا کہ ان کی پیدائش مارچ ۱۹۱۹ء میں ہوئی۔ آپ نے ابتدائی دینی تعلیم گھر ہی پر حاصل کی۔ بعدازاں قریبی دیہی مدارس میں تعلیم حاصل کی۔ مارچ ۱۹۲۹ء میں سندھ کے معروف تعلیمی ادارے نوشہرو فیروز مدرسہ اینڈ ہائی اسکول میں داخل ہوئے۔ ۱۹۳۳ء میں یہیں سے ورنیکولر امتحان میں بیٹھے اور پورے سندھ میں اوّل آئے۔ ۱۹۳۶ء میں بمبئی یونیورسٹی سے میٹرک کا امتحان پاس کیا اور نمایاں کامیابی حاصل کی۔ اس کے بعد آپ ۱۹۳۷ء میں مزید تعلیم کے لیے جونا گڑھ پہنچے اور وہاں کے مشہور بہاء الدین کالج میں داخلہ حاصل کیا۔ ۱۹۴۱ء میں یہیں سے بی اے آنرز فرسٹ کلاس میں پاس کیا اور کالج میں پہلے اور پورے سندھ میں تیسرے نمبر پر آئے۔ اسی سال آپ علی گڑھ پہنچے اور مسلم یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔ ۱۹۴۳ء میں ایم اے (عربی) میں فرسٹ کلاس فرسٹ آئے۔ اسی دوران آپ کا علامہ میمن سے وہ قلبی تعلق قائم ہوا جو ہمیشہ قائم رہا۔ اسی سال علامہ میمن کی نگرانی میں Ph.D. کے لیے ''سندھ تحت سیطرۃ العرب'' کے موضوع پر تحقیقی مقالے کا آغاز کیا۔ علامہ میمن کی بڑی خواہش تھی کہ آپ اس مقالے کی تکمیل کریں لیکن سندھ مسلم کالج کراچی میں ملازمت کی وجہ سے آپ کو مجبوراً علی گڑھ چھوڑنا پڑا۔ کچھ عرصہ یہاں بحیثیت استاد خدمات انجام دیں پھر آپ کولمبیا یونیورسٹی امریکہ چلے گئے جہاں سے ۱۹۴۹ء میں تعلیم کے موضوع A Program of Teacher Education for New State of Pakistan پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۵۱ء میں سندھ یونیورسٹی میں شعبۂ تعلیم کے استاد بنے۔ اسی طرح آپ سندھ یونیورسٹی شعبۂ سندھی کے بھی پہلے استاد اور سربراہ بنے۔ ۱۹۷۳ء سے ۱۹۷۶ء تک آپ سندھ یونیورسٹی کے وائس چانسلر رہے۔

ڈاکٹر نبی بخش بلوچ نے جنوری ۱۹۷۶ء تا اگست ۱۹۷۷ء سیکرٹری وزارتِ تعلیم اور اس کے بعد ۱۹۷۹ء تک ڈائریکٹر وفاقی وزارت ثقافت و آثار قدیمہ میں خدمات انجام دیں۔ ۱۹۷۹ء میں آپ چیئرمین قومی کمیشن تاریخ و ثقافت اسلام آباد بنائے گئے۔ نومبر ۱۹۸۰ء میں آپ اسلامیہ یونیورسٹی اسلام آباد کے بانی وائس چانسلر مقرر ہوئے جس پر اگست ۱۹۸۳ء تک فائز رہے۔ اس کے بعد ۱۹۸۳ء تا ۱۹۸۹ء آپ نیشنل ہجرہ کونسل کے مشیر رہے۔

عبد العزیز المیمنی
(Member Arabic Academy, Damascus.)
PROF. & CHAIRMAN.

DEPARTMENT OF ARABIC,
MUSLIM UNIVERSITY,
ALIGARH (INDIA).

Dated 8-3.-1945

هذه شهادة للمتأدب الشادي الفاضل نبي بخش بلوچ أدعثمان
السندي أنه أقام عندنا أربعة أعوام متوالية يشتغل فيها في فرع العربية بدروسه وبحوثه،
فاجتاز في الأوليين منها على شهادة الماجستير (ام اے) أولى أول أي أنه وقع أول
في الدرجة الأولى مع اشتغاله بدروس الشرائع، وقد وقع أو نجح فيها أيضاً من الأولى،
فجمع بين الحسنيين وهذا نجاح لم أره لغيره منذ عشرين عاماً قضيتها بهذه الجامعة.
ثم إنه لشدة ولعه بالعربية اشترك في الدكتوراه بكتابة مقالة حافلة
طافحة بالبحوث التي لا عهد لمن لستوا في السند بمثلها بهمة لا تعرف الكلل ونهمة
بعيدة عن الملل وأشهد أنه يفوز فيها بالخصل ويبرز على عامة من تقدمه
بالكتابة في الموضوع بالميزة والفضل. إن شاء الله
وكان له في هذه المدة خصيصى لم أرها في كثيرين ممن يتأدبون هذه الأيام
وأذكر أنه لم تمر عليه بره إلا من أخلى فقد لزم منزله لزوم الظل حيث شبعت المزادة وأرتوى النحل.
هذا وهو شاب نبي خبير بما هو بصدده، متأدب مع الأساتذة ومع الصغير
وعامة الناس، لهمة شامخة في العلياء، ولمستقبل زاهر في خدمة بلاده
علماً وعملاً، وفطرة واسعة في آداب العربية وأخبارها وتواريخها، إلى ما يخدم بلاده
والإنسانية خدمة تذكر وتشكر. أنسأ الله في أجله وبلغه منتهى أمله،
في خدمة بلاده وأوطانه خاصة، وعالم الإنسانية عامة، فإنه حري بها مستحق،
على كل حال من سعيها ومشتركها، ووفقه الله لذلك، ووطأ له تلك المسالك، إنه
هو أهل التقوى وأهل المغفرة.
وله حلم يزن الجبال رزانة، ورأي حصيف يفوق المعاقل حصانة، إلى أخلاق
سهلة سمحة، ومجاراة للآخرين ومداراة، وقلة الخلاف معهم والمباراة، كأنه
لم يرث الغضب من الأم والأب، فتراه دائماً حلواً سائغاً كما جاء في الحديث
المؤمن هين لين، فلا يرين على قلبه ولا شين، إلى مزايا لم تجتمع لغيره لا أرى حاجة
إلى التكثير بها فإنه بنفسه شاهد لها عدل يغنيك مرآه عن مخبره

الداعي
عبد العزيز الميمني

علامہ میمن کے قلم سے ڈاکٹر نبی بخش بلوچ کے لیے سند

ڈاکٹر نبی بخش بلوچ صاحب کی علمی و تحقیقی خدمات اس قدر زیادہ ہیں کہ ان پر اب تک کئی کتب چھپ چکی ہیں۔آپ کی چند کتب یہ ہیں جامع سندھی لغت (پانچ ضخیم جلدیں) شاہ جو رسالو (۱۰ جلدیں)، اردو سندھی لغت، سندھی اردو لغت (دونوں بہ اشتراک ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں) سندھی فارسی لغت، سندھ میں اردو شاعری، مولانا آزاد سبحانی، دیوانِ شوق افزا (اردو) دیوانِ ماتم (اردو) سندھی لوک ادب (کل ۴۳ جلدیں) شاہ جو رسالو، Great Books of Islamic Civilization۔ آپ کے علمی و تحقیقی مقالات بڑی تعداد میں سندھی، اردو اور انگریزی میں معروف تحقیقی رسائل میں شائع ہو چکے ہیں۔ڈاکٹر نبی بخش بلوچ مورخہ ۶ راپریل ۲۰۱۱ء کو حیدرآباد (سندھ) میں وفات پا گئے۔تدفین وصیت کے مطابق علامہ آئی آئی قاضی کے مقبرے کے نزد واقع سندھ یونیورسٹی جامشورو میں ہوئی۔ڈاکٹر نبی بخش بلوچ صاحب کی حیات اور مکمل علمی خدمات کے بارے میں ملاحظہ فرمایئے''ڈاکٹر نبی بخش بلوچ۔شخصیت اور فن'' از محمد راشد شیخ، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ۲۰۰۷ء

شبیر احمد خان غوری

شبیر احمد خان غوری (متولد مارچ ۱۹۱۱ء) کو علامہ میمن نے پی ایچ ڈی کے لیے الباخرزی کی دمیۃ القصر کی ترتیب وتصحیح کا کام دیا تھا۔ریسرچ کے باقاعدہ آغاز سے قبل انھیں ملازمت مل گئی اور الہ آباد چلے گئے۔۔وہ عرصے تک حکومتِ ہند کے قائم کردہ ادارۂ امتحانات عربی و فارسی (یوپی) کے کامیاب رجسٹرار رہ کر ریٹائر ہوئے۔وہ علوم عقلیات کے ماہرین میں شمار کیے جاتے ہیں۔ان علوم پر آپ نے سینکڑوں مضامین لکھے جن کا انتخاب خدا بخش لائبریری پٹنہ نے شائع کیا ہے۔

محمد نظیر الاسلام کاشمیری

محمد نظیر الاسلام سے علامہ میمن نے الصولی کی اخبار ابی تمام پر تحقیقی کام کرایا تھا۔ابھی کام مکمل نہیں ہوا تھا کہ اطلاع آئی یہ کتاب قاہرہ میں دوسری فضلاء نے مرتب کی ہے اور کتاب طبع ہونے والی ہے۔اس وجہ سے اس موضوع پر پی ایچ ڈی کرانا مناسب نہیں معلوم ہوا چنانچہ جس قدر کام نظیر الاسلام کر چکے تھے، اسے علامہ میمن نے قاہرہ بھیج دیا جہاں سے ۱۹۳۷ء میں اخبار ابی تمام شائع ہوئی۔

مزمل حسین

مزمل حسین کے لیے ابن حزم کی جمهرة انساب العرب کا انتخاب ہوا۔انھوں نے خدا بخش لائبریری ورام پور رضا لائبریری سے اس کتاب کے مخطوطات کے عکس حاصل کیے۔بعد میں علامہ میمن نے ذاتی کوشش سے استنبول سے بھی اس کتاب کے مخطوطے کا عکس آ گیا۔مزمل حسین ڈاکٹریٹ کا مقالہ بغرضِ امتحان پیش کرنے سے قبل ہی جوانی میں رحلت کر گئے۔علامہ میمن ان کا ذکر بڑی محبت سے کرتے تھے۔۱۹۳۶ء میں ڈاکٹر اوٹو اشپز ان کا مقالہ جرمنی لے گئے تاکہ اسے وہاں سے شائع کریں لیکن مقالہ شائع نہ ہو سکا۔[9]

عبدالرحمٰن آخوندکار

عبدالرحمٰن آخوندکار ڈھاکہ یونیورسٹی میں لیکچرار تھے۔وہ ۱۹۳۷ء میں علی گڑھ آئے اور علامہ میمن کی زیر نگرانی ابن میمون البغدادی کی منتهى الطلب فی اشعار العرب پر ڈاکٹریٹ کا کام شروع کیا لیکن وہ تکمیل سے پہلے ڈھاکا واپس چلے گئے۔[10]

ڈاکٹر ریاض الرحمٰن شروانی

پروفیسر ڈاکٹر ریاض الرحمٰن شروانی نے ۱۹۴۹ء میں علامہ میمن کی زیر نگرانی پی ایچ ڈی کا

کام شروع کیا تھا لیکن دورانِ تحقیق میں علامہ میمن ریٹائر ہوگئے اس لیے ان کے نگران بدل دیے گئے[11]۔ وہ علامہ میمن کی نگرانی میں زبیدی کی طبقات النحویین کی تصحیح کا کام کر رہے تھے، پھر کچھ دن انھوں نے اخوان الصفا کی تحریک پر کام کیا، بعد کو قاضی معافی النھر وانی کی کتاب الجلیس ایڈٹ کر کے انھوں نے ۱۹۷۰ء میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی[11]۔

ڈاکٹر ریاض الرحمٰن شروانی ۵/اپریل ۱۹۲۴ء کو حبیب گنج نزد علی گڑھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر اور اس کے بعد مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں حاصل کی۔ ۱۹۴۷ء میں آپ اورینٹل کالج لاہور کے طالب علم تھے۔ اسی سال پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ایم اے کیا۔ ۱۹۵۶ تا ۱۹۵۷ء آپ قاہرہ میں بطور طالب علم ادبِ عربی مقیم رہے۔ آپ نے ۱۹۵۳ء تا ۱۹۸۳ء شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں بحیثیت استاد خدمات انجام دیں۔ ۱۹۸۳ء تا ۱۹۸۸ء آپ نے کشمیر یونیورسٹی سری نگر میں بحیثیت صدر شعبۂ عربی خدمات انجام دیں اور اس یونیورسٹی میں اسلامک اسٹڈیز کا شعبہ بھی قائم کیا۔ آج کل آپ کا قیام حبیب منزل علی گڑھ میں ہے۔ آپ علامہ میمن کے محسن مولانا حبیب الرحمٰن شروانی مرحوم کے حقیقی پوتے ہیں[12]۔

مولانا امتیاز علی خاں عرشی

مولانا امتیاز علی خاں عرشی اردو زبان کے نامور محقق اور ماہر غالبیات تھے۔ آپ ۸/دسمبر ۱۹۰۴ء کو رامپور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم رامپور ہی میں حاصل کی۔ ۱۹۲۳ء میں آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے مولوی عالم کی سند لی اور اسی سال اورینٹل کالج لاہور میں داخلہ لے کر مولوی فاضل کے امتحان کی تیاری کے لیے لاہور چلے گئے۔ یہاں آپ سال بھر مقیم رہے اور علامہ میمن اور مولانا طلحہ صاحب سے عربی ادب کی تعلیم حاصل کی۔ لاہور سے واپسی پر مدرسۂ عالیہ رامپور میں داخلہ لیا اور ۱۹۲۴ء میں وہاں سے فارغ ہوئے۔ ۱۹۳۲ء میں انھیں نواب رامپور کے شاہی کتب خانہ (موجودہ رامپور رضا لائبریری) کا ناظم مقرر کیا گیا۔ آپ نے تمام عمر کتب خانے کی خدمت میں گزار دی اور بیش بہا علمی و تحقیقی خدمات انجام دیں۔ مولانا عرشی کا انتقال ۲۵/فروری ۱۹۸۲ء کو

ہوا۔

مولانا عرشی کی اردو کتابوں میں: دیوانِ غالب (نسخہ عرشی)، مکاتیبِ غالب، ترجمہ مجالس رنگیں (ترجمہ)، محاوراتِ بیگمات، اردو اور افغان، فرہنگِ غالب وغیرہ شامل ہیں۔

ان کی عربی کتب میں: کتاب الاجناس، دیوان الحاورۃ، لامیۃ للھند، دیوان ابی محجن، الامثال السائرۃ من شعر المتنبی شامل ہیں۔[۱۳]

مولانا امتیاز علی خان عرشی علامہ میمن کا بحیثیت استاد تاعمر احترام کرتے رہے۔ ہمیں ان کے مکتوبات بنام ڈاکٹر مختارالدین احمد میں علامہ میمن کے بارے میں درج ذیل جملے ملتے ہیں:

☆ استاد مکرم کی خدمت میں پُر ادب سلام پہنچائیے۔ (مکتوب ۲۲ رمئی ۱۹۴۹ء)

☆ حضرت الاستاذ کی خدمت میں سلام کے بعد عرض کیجیے کہ دیوان الھذلیین کی قسم اول کا نسخہ مطلوبہ کتابوں کے ہمراہ ضرور ارسال فرمائیے۔ (۷ر دسمبر ۱۹۴۹ء)

☆ حضرت الاستاذ کہاں ہیں؟ اگر علی گڑھ ہی میں ہوں تو بتائیے تا کہ ایک کتاب کی رقم جو کتاب خانے کے ذمے واجب ہے ادا کروں۔ اور دست بستہ میرا سلام کہیے اور آپ اور استاد مدظلہ دونوں میرے والدین کی مغفرت کی دعا فرمائیے۔ (۵ر مارچ ۱۹۵۱ء)

☆ حضرت الاستاذ نے جمہور میں جو مضمون شروانی صاحب مرحوم پر لکھا ہے اس سے معلوم ہوا کہ ان کو سندِ حدیث خلیل عرب صاحب کے دادا سے ملی ہے۔ جی چاہا کہ اس نعمت کے سلسلے کو اپنے تک دراز کرلوں۔ ذرا موقع ملے تو حضرت کا ایما دریافت کر کے اطلاع دیجیے یعنی یہ کہ کیا وہ صحاح ستہ کے اطراف (اول و آخر) کی حدیثیں پڑھا کر سند عطا فرمادیں گے یا نہیں؟ اگر ایسا ممکن ہو تو دو چار روز کے لیے حاضر ہو کر اس فخر سے بہرہ اندوز ہو جاؤں۔ (۱۳ر اکتوبر ۱۹۵۱ء)[۱۴]

ان حضرات کے بعد ہم علم و تحقیق کی ان نامور شخصیات کا ذکر کریں گے جنھوں نے علامہ میمن کی زیرِ نگرانی تحقیقی کام تو نہیں کیا لیکن ان سے پڑھا ضرور۔ ان تمام حضرات نے اپنے اپنے شعبوں میں مفید علمی و تحقیقی تصنیفات و تراجم یادگار چھوڑیں۔

ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی

ڈاکٹر عبداللہ چغتائی علامہ میمن کے پہلے قیامِ لاہور (۱۹۲۰ء تا ۱۹۲۵ء) کے نامور شاگرد تھے۔ آپ بلند پایہ مصنف، مورخ اور ماہر فنونِ اسلامی تھے۔ آپ کی ولادت ۱۸۹۶ء میں لاہور میں ہوئی۔ آپ نے ۱۹۳۳ء میں پیرس سے تاج محل پر پی ایچ ڈی کیا۔ آپ فرگوسن کالج پونہ اور انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور سے بحیثیت استاد وابستہ رہے۔ آپ کا انتقال ۱۹ر دسمبر ۱۹۸۴ء کو لاہور میں ہوا۔

ڈاکٹر عبداللہ چغتائی کی تصنیفات میں: تاج محل آگرہ، سیرتِ بلالؓ، تاریخ نقش و نگار، سرگزشت خطِ نستعلیق، واقعاتِ عالمگیری، فنونِ لطیفہ بعہد اورنگ زیب، بادشاہی مسجد، مساجدِ عالم وغیرہ چھوٹی بڑی تقریباً ستر کتب ہیں۔ یہ تمام کتب آپ نے اپنے ذاتی ادارے کتاب خانہ نورس لاہور سے شائع کیں۔

ڈاکٹر سیّد عبداللہ

ڈاکٹر سید عبداللہ اردو زبان کے عظیم محسن، اورینٹل کالج لاہور کے سابق پرنسپل اور اردو دائرہ معارف اسلامیہ (پنجاب یونیورسٹی) کے مدیرِ اعلیٰ رہے۔ آپ ۵ر اپریل ۱۹۰۴ء کو منگلور (ضلع ہزارہ) میں پیدا ہوئے۔ آپ نے جامعہ ملیہ علی گڑھ، اسلامیہ کالج لاہور اور اورینٹل کالج لاہور میں تعلیم حاصل کی۔ آپ کا انتقال ۱۴ر اگست ۱۹۸۶ء کو لاہور میں ہوا۔

ڈاکٹر سیّد عبداللہ مرحوم کی 'خودنوشت' مطبوعہ ماہنامہ قومی ڈائجسٹ لاہور بابت دسمبر ۱۹۸۶ء میں علامہ میمن سے تلمذ اور اندازِ تدریس کے بارے میں یہ مفید تحریر ملتی ہے:

"عربی جماعت کے استاد ملک کے نامور عالم اور ادیب مولانا

عبدالعزیز میمن اور حضرت سیّد احمد بریلوی کے خانوادے کے ایک عالم سیّد محمد طلحہ تھے۔ مولانا میمن ابھی ابھی ایڈورڈز کالج پشاور سے لاہور لائے گئے تھے، عربی ادب پر عبور شعرائے جاہلیہ کے کلام کا احاطہ، رموزِ زبان اور قواعد کا علم، سبحان اللہ سبحان اللہ۔ مگر میں اس کم عمری میں پورا استفادہ نہ کر سکا تاہم ذہن میں ایک معیار قائم ہو گیا یعنی یہ معلوم ہو گیا کہ ہمالیہ کتنا بلند پہاڑ ہے۔''

یہ عبارت ڈاکٹر سیّد عبداللہ نے ۱۹۲۰ء کے دور کے بارے میں لکھی ہے جب وہ اورینٹل کالج لاہور میں طالب علم تھے۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب اورینٹل کالج چھوڑ کر ۱۹۲۱ء میں جامعہ ملیہ اسلامیہ پہنچے جو کچھ ہی عرصہ قبل علی گڑھ میں قائم ہوئی تھی۔ بعد ازاں ڈاکٹر صاحب جامعہ ملیہ چھوڑ کر ۱۹۲۲ء میں دوبارہ اورینٹل کالج لاہور پہنچے۔ مقصد یہ تھا کہ منشی عالم کے امتحان میں شرکت کے لیے اساتذہ سے مشورہ کر سکیں۔ یہاں پہنچتے ہیں ان کی علامہ میمن سے ملاقات ہوگئی جس کا احوال اپنی خود نوشت میں یوں لکھتے ہیں:

''اتفاقاً سب سے پہلے مولانا عبدالعزیز میمن ہی سے ملاقات ہوگئی۔ حالات پوچھے، بتائے، فرمایا: اچھا ہوا تعلیم میں واپس آ گئے ہو مگر منشی عالم کا امتحان بے کار ہے، تم منشی فاضل کا امتحان دو۔ میں نے کہا: فارم داخلہ اب کیسے تبدیل ہوگا؟ فرمایا: میں کرادوں گا، چنانچہ اپنے رسوخ سے کرا دیا اور زائد فیس اپنے پاس سے دی۔ منشی فاضل کے نصاب میں بی اے عربی کا نصاب بھی شامل تھا۔ اس کی شرح انھوں نے خود لکھی تھی (نہایت عالمانہ اور شستہ اُردو میں)۔ مجھے ایک نسخہ عطا فرمایا اور نہایت مشفقانہ انداز میں حوصلہ افزائی کی .... مولانا میمن کی دل پذیر شرح کا یہ جملہ بہت اچھا لگتا تھا: ''ہے سُمیّہ تیرے بھٹ تیتر جم جم آئیں۔''

ڈاکٹر سیّد عبداللہ مرحوم کی درج بالا تحریر سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ علامہ میمن ابتداہی

سے ذہین اور محنتی طالب علموں کی ہر ممکن مدد اور سرپرستی فرماتے تھے۔ان کو مفید مشورے بھی دیتے اور اگر ان کی خاطر جیب سے خرچ بھی کرنا پڑتا تو دریغ نہیں کرتے تھے۔

ڈاکٹر سید عبداللہ کی تصنیفات میں: ادبیاتِ فارسی میں ہندوؤں کا حصہ، اردو ادب جنگِ عظیم کے بعد، سر سیّد احمد خاں اور ان کے نامور رفقاء، نقدِ میر، شعرائے اردو کے تذکرے، تذکرہ نگاری کا فن، اردو ادب ۱۸۵۷ء سے ۱۹۵۸ء تک اور آپ بیتی شامل ہیں۔ڈاکٹر سید عبداللہ کے کئی عربی مضامین اورینٹل کالج میگزین میں شایع ہو چکے ہیں۔

ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ

ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ ۱۹؍اکتوبر ۱۹۰۱ء کو امرتسر میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم امرتسر میں پائی اور ۱۹۱۷ء میں انٹرنس کا امتحان پاس کیا۔۱۹۲۱ء میں انھوں نے اورینٹل کالج لاہور میں ایم اے (عربی) میں داخلہ لیا۔اسی دور میں آپ نے علامہ میمن سے استفادہ کیا۔۱۹۲۳ء میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۲۶ء میں گورنمنٹ کالج جھنگ سے تدریس کا آغاز کیا۔۱۹۲۹ء میں آپ حکومت کے وظیفے پر انگلستان گئے اور لندن یونیورسٹی سے ۱۹۳۱ء میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۴۸ء میں آپ گورنمنٹ کالج لاہور میں شعبۂ عربی و اسلامیات کے صدر مقرر ہوئے۔ ۱۹۵۴ء میں اورینٹل کالج میں اعزازی طور پر پڑھانا شروع کیا۔۱۹۵۶ء میں آپ اسی کالج کے صدر شعبۂ عربی مقرر ہوئے جہاں سے ۱۹۵۹ء میں ریٹائر ہوئے۔۱۹۵۸ء میں پنجاب یونیورسٹی کے زیر اہتمام بین الاقوامی مذاکرۂ اسلامی میں مندوب کی حیثیت سے شریک ہوئے۔آپ کا انتقال ۴؍نومبر ۱۹۷۷ء کو لاہور میں ہوا۔

ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ کی کتابوں میں دعوتِ اسلام (ترجمہ پریچنگ آف اسلام از آرنلڈ، لاہور ۱۹۷۲ء) تاریخ ابن خلدون (ترجمہ، لاہور)، مسلمانوں کے فنون (ترجمہ، لاہور)، تاریخ اسلام (نصابی کتاب) اور تحقیق اللغات کے علاوہ

Geographical Factors in Arabian Life and History (Lahore, 1942).

Why we learn the Arabic Language (Lahore, 1942).

شامل ہیں۔[15]

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر ۱۶ نومبر ۱۹۳۷ء کو میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۶۱ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے عربی اور یہیں سے ۱۹۶۲ء میں ایم اے اسلامیات کیا۔ Ph.D. بھی پنجاب یونیورسٹی ہی سے ۱۹۶۹ء میں کتاب القرط علی الکامل کی تصحیح وتحقیق وتدوین کی بنا پر کیا۔ Ph.D کے لئے علامہ میمن کے مشوروں سے فائدہ اٹھایا[16]۔ ۲۷ نومبر ۱۹۶۳ء سے اورینٹل کالج میں بحیثیت لیکچرر ملازمت کا آغاز کیا اور ترقی کرتے کرتے صدر شعبۂ عربی اور اورینٹل کالج کے پرنسپل تک پہنچے۔ آپ کی معروف تصانیف وتالیفات وتراجم میں مقدمۃ النحو العربی الفلسفی، دیوان الفیض، دیوان الرومی، الفیۃ السیرۃ النبویۃ، اقبال العرب علی دراسات اقبال، فصاحتِ نبویؐ اور دینِ عمل شامل ہیں۔ آپ کے عربی زبان وادب سے متعلق گراں قدر مقالات اورینٹل کالج میگزین، ثقافت، تہذیب الاخلاق، نگار، ادب لطیف وغیرہ میں چھپے۔ اردو دائرۂ معارف اسلامیہ (پنجاب یونیورسٹی) میں آپ کے تقریباً ایک سو چالیس تحقیقی مقالات موجود ہیں۔ آپ نے متعدد طلبہ کے Ph.d اور ایم اے کے مقالات کی نگرانی کی[17]۔

ڈاکٹر احمد خان

ڈاکٹر احمد خان علامہ میمن کے دوسرے قیامِ لاہور (۱۹۶۴-۱۹۶۶ء) کے دور کے نامور شاگرد ہیں۔ آپ ۱۹۳۵ء میں پیدا ہوئے۔ ایم اے (عربی) پنجاب یونیورسٹی سے ۱۹۶۷ء میں کیا اور ۱۹۸۲ء میں پنجاب یونیورسٹی ہی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ آپ کے مقالے کا موضوع امام صغانی کی لغت ''العباب الزاخر واللباب الفاخر'' کی تحقیق پر مشتمل تھا۔ آپ کے نگران ڈاکٹر پیر محمد حسن مرحوم تھے۔ العباب کی تین جلدیں ڈاکٹر احمد خان کی نگرانی میں ہجرہ

هذه شهادة للولد الشاب النشيط احمد خان بأنه مشغوف بالآداب العربية حريص في كل ما له صلة بها عارف بالأدب العصري وشئون العلم. نقاب باحث عن المؤلفات العربية القديمة والحديثة. وله رغبة صادقة وولع أكيد بها.

هذا وقد قرأ علي بالكلية الشرقية في لاهور سنة ١٩٦٦م بعض كتب المنهج والدراسة في الماجستير فكان في طليعة الصف منهوما بالعلم والأدب والازدياد منها.

ورأيته يكاتب أبناء البلاد العربية ويزورهم ويحاورهم ويستخبرهم عن أخبار العلم وذويه مما يدل على تفانيه فيما هو بصدده.

ويطالع المجلات العلمية العربية كمجلة دمشق وغيرها مما يقع بيده في هذه الديار.

وأنا أدعو الله له بالنجاح والفوز والفلاح في مستقبل حياته وأن يزيده بسطة واتساعا انه قريب مجيب

وكتب عبد العزيز الميمني بلاهور

٢٩ صفر الخير سنة ١٣٨٦ هـ
١٩ يونيه ١٩٦٦م

Lit. Arabic Department
University Oriental College
Lahore.

علامہ میمن کے قلم سے ڈاکٹر احمد خان کے لیے سند

کونسل اسلام آباد سے چھپ چکی ہیں۔ باقی کام ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی کی جانب سے ہو رہا ہے۔ ڈاکٹر احمد خان جنوری ۱۹۸۷ء سے نومبر ۱۹۹۵ء تک ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی سے وابستہ رہے ہیں۔ ڈاکٹر احمد خان، علامہ میمن کے تمام تلامذہ میں ایک انفرادیت رکھتے ہیں اور وہ یہ کہ وہ علامہ میمن کے مزاج کے مطابق عربی مخطوطات کی تلاش، ان کی تحقیق اور ان کے بارے میں معلومات جمع کرنے کا کام گزشتہ چالیس سال سے کر رہے ہیں۔ وہ اس بات کے معترف ہیں کہ عربی مخطوطات سے محبت اور ان کی تحقیق کا ذوق علامہ میمن ہی کی جانب سے انھیں ملا ہے۔ مخطوطات کے تحفظ اور تحقیق کی خاطر ڈاکٹر احمد خان نے اسلام آباد میں مرکز حماية المخطوطات العربية نامی ادارہ بھی قائم کیا ہے۔ ڈاکٹر احمد خان مجمع اللغة العربية دمشق اور المجمع العلمي الهندي علی گڑھ کے اعزازی رکن ہیں۔ پاکستان میں غالباً صرف انھیں ہی ان علمی اداروں کی رکنیت کا اعزاز حاصل ہے۔

عربی مخطوطات کی تحقیق سے متعلق ڈاکٹر احمد خان کے مقالات برصغیر پاک و ہند کے علاوہ کویت، بغداد، دمشق، ریاض، اردن و دیگر ممالک کے بلند پایہ تحقیقی جرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔

ڈاکٹر احمد خان کی تحقیق کے بعد جو کتب شائع ہو چکی ہیں ان میں سے چند یہ ہیں: خلق الانسان في اللغة، معجم المطبوعات العربية في شبه القارة الهندية الباكستانية، كتب اسامي شيوخ البخاري، كتاب الانفعال للصغاني، كتاب المعاريض لابن فارس، كتاب نقعة الصديان للصغاني، المرتجل في شرح القلادة السمطية في توشيح الدريدية للصغاني، اهم المخطوطات العربية بمكتبة جامعة بنجاب، فهرس المخطوطات العربية الاسلامية بباكستان (الجزء الاوّل)۔ [18]

پروفیسر سیّد محمد سلیم

پروفیسر سیّد محمد سلیم ۱۹۲۲ء میں تجارہ (الور) میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۴۰ء میں میٹرک کا امتحان اسی قصبے کے مقامی ہائی سکول سے پاس کیا۔ ۱۹۴۴ء میں اینگلو عربک کالج دہلی سے بی اے کیا۔

۱۹۴۶ میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے ایم اے عربی کیا جہاں آپ کو علامہ میمن سے تلمذ اور ان کی صحبت نصیب ہوئی۔ پروفیسر سلیم صاحب ہمیشہ علامہ میمن کا ذکر بڑی محبت اور احترام سے کرتے اور ان کے علی گڑھ کے دور کے واقعات والہانہ انداز سے سناتے۔ دسمبر ۱۹۴۸ء میں آپ نقل مکانی کر کے کراچی آ بسے۔ اس کے بعد نواب شاہ، شکارپور وغیرہ میں سکونت اختیار کی۔ ۱۹۶۰ء میں شاہ ولی اللہ اورینٹل کالج ہالا میں پرنسپل بنا دیے گئے جہاں آپ نے ۱۹۷۴ء تک خدمات انجام دیں۔ اس کالج کی ترقی، تعلیمی ماحول کی بہتری اور طلبہ کی اخلاقی تربیت کے لیے آپ نے جس بے غرضی سے خدمات انجام دیں اس کی مثال مشکل سے ہی ملے گی۔ ۱۹۷۴ء میں آپ نے لاہور میں ادارۂ تعلیمی تحقیق قائم کیا۔ اس ادارے کے تحت تعلیم کے موضوع پر آپ کی متعدد کتب شائع ہوئیں۔ تعلیم اسلامی تناظر میں آپ کا خاص موضوع تھا جس پر آپ تاعمر لکھتے رہے۔ آپ کی معروف کتب میں پاک و ہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت، مغربی فلسفۂ تعلیم کا تنقیدی مطالعہ، مغربی زبانوں کے ماہر علماء ۱۸۵۷ء سے قبل، تاریخ خط و خطاطین وغیرہ شامل ہیں۔ پروفیسر سیّد محمد سلیم کا انتقال ۱۲۷ اکتوبر ۲۰۰۰ء کو ہوا۔ تدفین کراچی میں ہوئی[19]۔

ڈاکٹر سیّد رفیع الدین

ڈاکٹر سیّد رفیع الدین ۱۹۱۸ء میں پیدا ہوئے۔ آپ اس وقت علامہ میمن کے قدیم ترین شاگرد ہیں۔ آپ سنہ تیس کے عشرے میں علی گڑھ میں علامہ میمن کے شاگرد رہے۔ ۱۹۳۷ء میں مارس کالج ناگپور میں ملازمت کا آغاز کیا۔ پی ایچ ڈی کے لیے آپ نے ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان کے مشورے پر ''اردو میں نعت گوئی'' کا موضوع منتخب کیا (ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں اس دور میں ناگپور یونیورسٹی کے صدر شعبۂ اردو تھے)۔ بعد میں آپ ناگپور یونیورسٹی سے منسلک ہو گئے اور اسی یونیورسٹی کے شعبۂ عربی، فارسی و اردو میں طویل عرصے خدمت انجام دے کر ۱۹۷۶ء میں ریٹائر ہوئے۔ ''اردو میں نعت گوئی'' پر تحقیق کے سلسلے میں آپ نے علامہ میمن سے بھی استفادہ کیا۔ آپ کا یہ مقالہ کتابی شکل میں کراچی سے شائع ہوا۔ آج کل آپ ناگپور میں مقیم ہیں اور

ہندوستان کی متعدد جامعات کی تعلیمی کمیٹیوں کے سرگرم رکن ہیں۔

ڈاکٹر سیّد اختر امام

ڈاکٹر سیّد اختر امام کرائے پر سرائے (بہار) میں ۱۰ دسمبر ۱۹۱۰ء کو پیدا ہوئے۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم سے ایم اے (عربی) تک مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں حاصل کی جہاں سے ۱۹۳۶ء میں ایم اے (عربی) کی سند حاصل کی۔ اس کے بعد آپ جرمنی چلے گئے اور بون یونیورسٹی سے ۱۹۳۹ء میں پی ایچ ڈی (عربی) کی ڈگری حاصل کی۔ مرتب ''مکاتیب اختر امام'' کے مطابق ان کی تحقیق کا موضوع حلب کا قدیم شاعر الصنوبری (م ۳۳۴ھ) تھا لیکن اس بارے میں ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب نے اپنے مکتوب مورخہ ۳ نومبر ۲۰۰۹ء میں راقم الحروف کو لکھا کہ ۱۹۵۴ء میں الصنوبری سے دلچسپی کی بنا پر جب ڈاکٹر اختر امام کے استاد پروفیسر اوتو اشپیز سے ڈاکٹر مختار الدین صاحب نے استفسار کیا تو وہ اس سے لاعلم تھے۔ بعد کو ڈاکٹر مختار الدین صاحب نے ان کے ساتھ بون یونیورسٹی میں اختر امام کے مقالے کی تلاش کی تو وہ اسلامی فلسفہ پر نکلا۔ ۱۹۴۰ء تا ۱۹۴۴ء ڈاکٹر اختر امام نے کلکتہ یونیورسٹی میں عربی، فارسی اور تاریخ اسلام کے استاد کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ قیامِ پاکستان کے بعد آپ وزارت خارجہ حکومت پاکستان سے منسلک ہو گئے اور بغداد، برسلز، نیروبی اور جکارتہ میں سفارتی خدمات انجام دیں۔ ستمبر ۱۹۶۰ء میں آپ بحیثیت صدر شعبۂ عربی یونیورسٹی آف سیلون منسلک ہو گئے اور وہیں سے ۱۹۷۸ء میں ریٹائر ہوئے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد بھی جز وقتی تدریس سے تعلق اور سری لنکا میں قیام رہا۔ مختلف اوقات میں آپ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد دکن کے ممتحن برائے پی ایچ ڈی (عربی) بھی رہے۔ اردو کے علاوہ آپ عربی، فارسی، انگریزی، جرمن، بنگلہ اور پالی زبانوں سے واقف تھے۔

ڈاکٹر سیّد اختر امام کا انتقال ۴ ستمبر ۱۹۹۳ء کو کراچی میں ہوا۔ ان کے طبع شدہ مقالات میں سے چند یہ ہیں:

--Cultural Relations between Ceylon and Arabia.

--Cultural Relations between Ceylon and Iran.

--Umar Khayyam

--Urdu Language

--Early Arab reference- Budhism

--Hindu Influence in Baghdad of Haroon Al-Rashid

--Islamic Libraries.

جنوری ۲۰۰۱ء میں ڈاکٹر سید اختر امام کے مکاتیب کا دلچسپ اور معلومات افزا مجموعہ "مکاتیبِ اختر امام" کے عنوان سے کراچی سے شائع ہوا۔[20]

پروفیسر حبیب اللہ غضنفر

پروفیسر حبیب اللہ غضنفر معروف استاد، عربی فارسی، اردو اور انگریزی زبانوں کے ماہر تھے۔ ۲۶رجولائی ۱۹۰۲ء کوامروہہ میں پیدا ہوئے۔ آپ بھی علامہ میمن سے تلمذ رکھتے تھے اور دورِ علی گڑھ کے شاگردوں میں شامل تھے۔ وہاں سے آپ نے ایم اے عربی کیا اور علامہ سے استفادہ کیا۔ آپ کا انتقال ۱۵رفروری ۱۹۷۳ء کوکراچی میں ہوا۔ آپ کی کتابوں میں ترجمہ کتاب الامّ، اردو کا عروض، سنسکرت ادب، ہندی ادب، معماتِ جامی وغیرہ شامل ہیں۔

ڈاکٹر سیّد احمد

آپ ۱۹۱۴ء میں پٹنہ میں پیدا ہوئے۔ ایم اے (عربی) مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے کیا۔ آپ ۱۹۳۷ء تا ۱۹۳۹ء علی گڑھ میں علامہ میمن کے شاگرد رہے۔ اس کے بعد پٹنہ یونیورسٹی کے شعبۂ عربی سے بحیثیت استاد منسلک ہو گئے۔ ۱۹۵۲ء میں حکومتِ بہار کے وظیفے پر مصر گئے اور علی محمود طٰہٰ بین شعراء مصر المعاصرین کے موضوع پر عین شمس یونیورسٹی سے ۱۹۵۴ء میں ڈی لٹ کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۵۵ء میں ادارۂ تحقیق عربی وفارسی حکومت بہار کے ڈائریکٹر اور ۱۹۶۱ء میں پٹنہ یونیورسٹی کے شعبۂ عربی کے پروفیسر اور صدر مقرر ہوئے۔ ابن قدامہ الدمشقی کی

کتاب الوصیة مرتب کر کے ۱۹۵۹ء میں پٹنہ سے شائع کی۔ڈاکٹر سیّد احمد نے جون ۱۹۷۳ء میں پٹنہ میں وفات پائی [۲۱]۔ڈاکٹر سیّد احمد کے مقالے کے کئی ابواب ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب نے مجلة المجمع العلمی الهندی علی گڑھ میں شائع کیے۔

ڈاکٹر سیّد صدر الدین فضا شمسی

آپ ۱۹۳۷ء تا ۱۹۳۹ء مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبۂ عربی میں علامہ میمن کے شاگرد رہے۔عربی میں ایم اے کے بعد پٹنہ یونیورسٹی سے اردو میں ایم اے اور پھر ڈی لٹ کیا۔آپ پٹنہ یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کے ممتاز ترین اساتذہ میں تھے۔۱۹۷۷ء میں پٹنہ میں وفات پائی۔متعدد کتب تصنیف کیں جن میں عروض و بلاغت پر کتاب پٹنہ یونیورسٹی کے نصاب میں داخل ہے [۲۲]۔

محمد شمس الہدیٰ

آپ کا تعلق آسام سے تھا۔۱۹۳۷ء تا ۱۹۳۹ء مسلم یونیورسٹی کے شعبہ عربی میں علامہ میمن کے شاگرد رہے۔ایم اے کے بعد آسام چلے گئے اور محکمہ تعلیم میں اعلیٰ عہدوں پر کام کیا [۲۳]۔

عبدالخالق

علی گڑھ سے ایم اے (عربی) کے بعد آپ دہلی کالج میں عربی کے لیکچرر ہو گئے۔تقسیم سے قبل انھوں نے علامہ میمن کی نگرانی میں نافع بن الازرق پر تحقیقی کام کا آغاز کیا تھا۔دہلی جانے کے بعد وہ تحقیق جاری نہ رکھ سکے۔ان کی وفات تقسیم ہند سے قبل دہلی میں ہوئی [۲۴]۔

عبدالباسط

آپ علی گڑھ میں ایم اے (عربی) میں علامہ میمن کے شاگرد رہے۔ ایم اے کے بعد لاہور چلے گئے اور اسلامیہ کالج لاہور میں عربی کے استاد مقرر ہوئے [۲۵]۔

سیّد محمد عثمان

آپ کا تعلق بہار سے تھا۔ علی گڑھ میں ایم اے (عربی) کے بعد بہار چلے گئے اور مولانا محمد مبارک کریم (م ۱۹۵۷ء) کی سبکدوشی پر حکومتِ بہار میں سپرنٹنڈنٹ آف اسلامک اسٹڈیز مقرر ہوئے [۲۶]۔

مفتی محمد ادریس

مفتی محمد ادریس ۱۶رجولائی ۱۹۱۸ء کو مانسہرہ میں پیدا ہوئے۔ آپ مسلم یونیورسٹی شعبہء عربی کے سابق طالب علم اور تحریک پاکستان کے کارکن تھے۔ آپ نے علی گڑھ میں بطور طالب علم ۱۹۴۵ء تا ۱۹۴۷ء قیام کیا۔ آپ وہاں کے طلبہ میں بطور شعلہ بیان مقرر معروف تھے۔ ۱۹۴۷ء میں آپ نے شعبہء عربی مسلم یونیورسٹی میں علامہ میمن کے مشورے سے داخلہ لیا۔ ایم اے میں فرسٹ کلاس فرسٹ پوزیشن حاصل کی اور گولڈ میڈل کے حقدار قرار پائے۔ تقسیم کے بعد آپ مانسہرہ میں اقامت گزین ہوگئے اور بطور وکیل بڑا نام کمایا۔ مختلف اوقات میں آپ صوبہء سرحد کے ایڈووکیٹ جنرل اور اقوام متحدہ میں پاکستان کے مستقل سفیر بھی رہے۔ مفتی محمد ادریس کا انتقال مانسہرہ میں مورخہ ۱۰ردسمبر ۲۰۰۸ء کو ہوا۔ [۲۷]

حواشی باب نمبر۱۳

۱۔ ملاحظہ فرمائیے''مولانا عبدالعزیز میمن اور علی گڑھ''از ڈاکٹر ظفر الاسلام اصلاحی در کتاب''علامہ عبدالعزیز میمن،حیات وخدمات''(مجموعۂ مقالات)،ص۱۲۴۔

۲۔ ماخوذ از''ڈاکٹر محمد یوسف''از پروفیسر مختار الدین احمد،ماہنامہ برہان دہلی،ستمبر۱۹۷۹ء نیز دیکھیے''برگِ نخیل''(مجموعۂ مقالات)از ڈاکٹر سیّد محمد یوسف۔

۳۔ بحوالہ''برگِ نخیل(مجموعۂ مقالات)از ڈاکٹر سیّد محمد یوسف،ص۸

۴۔ مکتوب ڈاکٹر خورشید احمد فارق بنام محمد راشد شیخ مورخہ ۲۰؍دسمبر ۱۹۹۸ء، نیز ملاحظہ فرمائیے''ڈاکٹر خورشید احمد فارق''از پروفیسر مختار الدین احمد ماہنامہ معارفِ اعظم گڑھ،جنوری۲۰۰۲ء

۵۔ ملاحظہ فرمائیے''غزالانِ رعنا''از ڈاکٹر عبادت بریلوی،ص۱۰۰۔

۶۔ ملاحظہ فرمائیے''جہاں چھاؤں گھنی ہوتی ہے''از ڈاکٹر مختار الدین احمد، سہ ماہی صحیفہ لاہور، جنوری،مارچ،۱۹۸۷ء،ص۱۴

۷۔ ملاحظہ فرمائیے''نذرِ مختار''مرتبہ مالک رام،ص۱۰۔

۸۔ تا ۱۱۔ ماخوذ از''علامہ میمن کا ایک نہایت ممتاز شاگرد''از ڈاکٹر مختار الدین احمد،مجلّہ تحقیق(شعبۂ اردو جامعہ سندھ)شمارہ ۱۱-۱۰،ص۱۵۵

۱۲۔ حالاتِ زندگی ماخوذ از سہ ماہی اردو بک ریویو دہلی بابت اکتوبر،نومبر،دسمبر۲۰۱۰ء،ص۲۰

۱۳۔ حالاتِ زندگی ماخوذ از''نذرِ عرشی''مرتبہ مالک رام

۱۴۔ ملاحظہ فرمائیے رسالہ تحقیق شعبۂ اردو سندھ یونیورسٹی،شمارہ نمبر۱۲-۱۳(۱۹۹۹-۱۹۹۸ء)،ص۶۷۳ اور ۶۷۴

۱۵۔ ماخوذ از''تاریخ یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور''از غلام حسین ذوالفقار،ص۱۹۰

۱۶، ۱۷۔ ماخوذ از''اورینٹل کالج کے موجودہ اساتذہ۔کوائف اور علمی خدمات''از رفیع الدین ہاشمی ص۵۵

۱۸۔ ماخوذ از مکتوب ڈاکٹر احمد خان بنام محمد راشد شیخ مورخہ۱۵؍جولائی ۲۰۰۵ء

۱۹۔ ماخوذ از ماہنامہ''افکارِ معلّم''لاہور، اکتوبر۲۰۰۱ء

۲۰۔ ماخوذ از''مکتوباتِ اختر امام''مرتبہ سیّد قیصر امام،ص۳۰۵۔

۲۱۔ تا ۲۶۔ ماخوذ از''علامہ میمن کا ایک نہایت ممتاز شاگرد''از ڈاکٹر مختار الدین احمد،مجلّہ تحقیق۔

علامہ عبدالعزیز میمن۔سوانح اور علمی خدمات

(شعبۂ اردو جامعہ سندھ) شمارہ ۱۱۔۱۰،ص ۱۵۵

۲۷ ملاحظہ فرمایئے ''تحریک پاکستان سے تعمیر پاکستان تک مفتی محمد ادریس کی خدمات'' از اسماعیل

گوہر، مانسہرہ، ۲۰۰۴ء

باب نمبر ۱۴

اعترافِ عظمت اور خراجِ عقیدت

عربی زبان و ادب کے انحطاط کی وجہ سے برصغیر پاک و ہند میں علامہ میمن کی شخصیت اور ان کی علمی خدمات کی شہرت نہ ہو سکی۔ اس کے برعکس عالم عرب میں آج بھی علامہ میمن کا نام انتہائی احترام سے لیا جاتا ہے اور ان کی اعلیٰ تحقیقی کتب وہاں کی یونیورسٹیوں میں داخلِ نصاب ہیں۔ یہاں ہم برصغیر و عالمِ عرب کے چوٹی کے علماء و محققین کی علامہ میمن کے بارے میں آراء پیش کرتے ہیں۔ ان آراء میں سے بعض علامہ کی زندگی میں اور بعض ان کے انتقال کے بعد تحریر کی گئیں:

مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی: ہزاروں پڑھنے والوں میں سے چند ہی کو اس کا اندازہ ہوا ہوگا کہ یہ برصغیر ہی نہیں، یہ عہد اور عالم عربی کیسے عظیم المرتبت ادیب اور عربی زبان کے مبصر و محقق سے محروم ہو گیا۔ زمانے کے حالات، تعلیمی نظام اور قدیم و جدید مدارس کی جو کیفیت اس وقت دیکھنے میں آ رہی ہے اس سے کیا امید کی جاسکتی ہے کہ ان (علامہ میمن) جیسا متجر، مستند اور صاحبِ نظر عربی زبان و ادب کا عالم پیدا ہوگا۔

ڈاکٹر شاکر الفحام (شام): علامہ میمنی عربی زبان کے اسرار و دقائق سے واقف تھے۔ اس کی سحر انگیزی اور اعجاز بیان کے راز داں تھے۔ اس کے علماء، شعراء اور اصحابِ لغت سے واقف تھے۔

عمر اسی زبان کی خدمت میں گزار دی۔اس علمی وراثت کی تحقیق کو مقصد قرار دیا حتیٰ کہ ان کا حال عربی ادب سے عشق میں یہ ہو گیا کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں خود اپنے وطن اور اپنے اہل وعیال میں اجنبی بن گیا ہوں اور نفس عربوں کی طرف اور عربی کی طرف اس قدر مائل ہے کہ میں غیر عربوں میں اجنبیت محسوس کرتا ہوں حتیٰ کہ عربوں سے محبت اور شوق میں وہ خود کو عرب تصور کرنے لگے۔

ڈاکٹر شاکر الفحام (وفات:) دمشق کی مشہور عربی اکیڈمی المجمع العلمی العربی کے سربراہ تھے۔وہ اسی مضمون میں آگے لکھتے ہیں:

> ''ان سے زیادہ اس قدر و منزلت کا حقدار اور کون ہو سکتا ہے؟ وہی تھے جنھوں نے عربی زبان کو بام عروج پر پہنچایا اور اسے روشنی کا مینار بنا کر پیش کیا۔محققین کے لیے راہ ہموار کر دی، شاندار تصنیفات سے نوازا، تحقیق کے اس مقام تک پہنچے جہاں ہر کسی کے لیے پہنچنا آسان نہ تھا۔انھوں نے اپنے ان کارناموں میں تفوق اور امتیاز حاصل کیا اور اولیت اور سبقت کی اور بہت سے قیمتی موتی و جواہر سے آشنا کیا۔عرب ذخائر کو کھنگال کر جو ہر نایاب فراہم کر دیا''۔[1]

ڈاکٹر ناصر الدین اسد (اُردن): عبدالعزیز میمنی اپنے علم وفضل میں سلف صالحین کے ترجمان ہیں۔وہ مخطوطات کی تلاش میں کثرت سے سفر کرتے ہیں۔وہ صبر و محنت سے قدیم کتابوں کو پڑھتے ہیں پھر ان پر تعلیق و تبصرہ بھی لکھتے ہیں۔مختلف لائبریریوں میں مختلف ملکوں میں انھوں نے نادر مخطوطات تلاش کیے،خود ان کو وہ نقل کرتے ہیں، پھر مسودہ سے مبیضہ تیار کرتے ہیں۔تخریج،تعلیق،شرح،استدراک،تذییل اور مقدمے تیار کرتے ہیں اور ایسے نادر مخطوطات دریافت کرتے ہیں جن کا علم چند ماہرین کے علاوہ دوسروں کو نہیں ہے۔[2]

ڈاکٹر احمد امین (مصر): میرے دوست عبدالعزیز میمن نے گفتگو کے دوران بتایا کہ ان کے پاس بہت سے رسائل ہیں جن کو تخریج و تعلیق کے بعد وہ شائع کرنا چاہتے ہیں۔انھوں نے شام، عراق اور استنبول کا سفر کر کے نادر مخطوطات تلاش کیے،ان کی تصحیح کی،تعلیق و تخریج میں محنت کی۔

المرسوم رقم (١١٨٠)

رئيس الجمهورية

بناءً على المرسوم التشريعي رقم (١٠٢) تاريخ ١٥/٦/١٩٥٢ المتعلق بإحداث وسام الاستحقاق السوري .

وبناءً على المرسوم رقم (١٤٠٣) تاريخ ١٤/٥/١٩٥٥ المتضمن نظام منح وسام الاستحقاق السوري وتعديلاته .

يرسم ما يلي :

المادة ١ ـ يمنح السيد الأستاذ عبد العزيز الميمني الراجكوتي عضو مجمع اللغة العربية بدمشق (من باكستان) وسام الاستحقاق السوري من الدرجة الأولى .

المادة ٢ ـ ينشر هذا المرسوم ويبلغ من يلزم .

دمشق في ٢٢/٧/١٣٩٧ و ٩/٧/١٩٧٧

رئيس الجمهورية
حافظ الأسد

شام کا اعلیٰ ترین ایوارڈ وسام الشوری اور شام کی اعزازی شہریت جو
علامہ میمن کی طویل عربی خدمات کے صلے میں حکومتِ شام کی جانب سے پیش کی گئی
ترکی زبان کے عظیم الشان اسلامی انسائیکلوپیڈیا

آپ ناظرین کو چاہیے کہ ان کی محنت کی قدر کریں اور اس کا اندازہ لگائیں۔[3]

علامہ سعید الافغانی (مصر): شیخ میمنی کو اللہ تعالیٰ نے عجیب زبردست حافظہ سے نوازا ہے۔ ان کو کتابوں کے نام، مصنفین اور شہروں کے نام اور مخطوطات کے خصائص سب یاد رہ جاتے ہیں۔ میں متحیر رہ گیا ان کے علم کو دیکھ کر۔[4]

شیخ حمد الجاسر (سعودی عرب): عربی ادب کے کسی محقق کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ علامہ میمنی کے عظیم احسانات کا ذکر نہ کرے جو بہت سی ادبی کتابوں کو تحقیق اور تعلیق کے ساتھ شائع کر چکے ہیں۔ ان کے علم وفضل کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔[5]

ڈاکٹر عدنان خطیب (شام): استاذ عبدالعزیز میمنی نے جو علمی وراثت چھوڑی ہے وہ ایسی ہے جس کو زمانہ کبھی بھلا نہیں سکتا۔ اس کا ذکر چند سطروں یا چند صفحات میں ممکن نہیں۔ وہ قیمتی اور عظیم ثروت ہے جس کا اعتراف علمائے عرب اور عظیم مستشرقین کر چکے ہیں۔[6]

محمد محمود شاکر (مصر): تحقیق میں علامہ میمنی کی سمط الآلی سے بڑھ کر کوئی دوسری کتاب نہیں۔[7]

ڈاکٹر عبدالوہاب عزام (پاکستان میں مصر کے پہلے سفیر): ''آپ کی انگلیاں ابن مقلہ کی انگلیاں ہیں۔ آپ علم لغت میں الجاحظ کے ہم پلہ ہیں اور حافظہ کے لحاظ سے عرب ہیں''۔[8]

حکومتِ شام کی جانب سے اعزاز

علامہ میمن دمشق کی مشہور علمی اکیڈمی المجمع العلمی العربی کے قدیم ترین رکن تھے۔ انھیں رکنیت اکیڈمی کے بانی صدر اور شام کے سابق وزیر تعلیم علامہ کرد علی نے ۱۹۲۸ء میں

عطا کی تھی۔اس اکیڈمی کے تحقیقی مجلّے مجلة المجمع العلمي العربي میں ان کے تحقیقی مضامین بڑی تعداد میں شائع ہوئے۔۱۹۷۷ء میں علامہ میمن کی طویل علمی خدمات کے صلے میں حکومتِ شام نے انھیں شام کا اعلیٰ ترین اعزاز وسام الاستحقاق السوری (درجۂ اولیٰ) اور ملک شام کی اعزازی شہریت پیش کی۔اس اعزاز کی سند پر شام کے سابق صدر حافظ الاسد نے دستخط کیے۔

علامہ میمن کی عرب علماء کے ہاں قدر ومنزلت کے بارے میں ڈاکٹر اجتبا ندوی (سابق صدر شعبہ عربی الہ آباد یونیورسٹی) لکھتے ہیں:

''جب وہ مجمع اللغة العربية بدمشق گئے تو وہاں مجمع کے دیگر ممبران کے علاوہ استاذ جعفر الحسنی اور استاذ عز الدین التنوخی سے خصوصی یارانہ تھا۔ان حضرات کے گھر اکثر جایا کرتے تھے۔استاذ عز الدین التنوخی کا یہ شعر علامہ نے مجھے سنایا اور کہا کہ عربی زبان و ادب میں تحقیق کا کام کرنے والوں کے لیے تین کتابیں بہت ضروری ہیں، یعنی ان کے بغیر کام چلتا نہیں۔انھی کتابوں کے بارے میں التنوخی کا یہ شعر ہے:

ثلاثة لي شكري لها لزام

السمط و اللسان و الاعلام

اس شعر میں علامہ مرحوم کی سمط اللآلی کو انھوں نے بہت اہم قرار دیا ہے۔جس سے اس کتاب کی عربوں کے ہاں قدر ومنزل واضح ہوتی ہے''۔

مولانا سیّد ابوالحسن ندوی عالم عرب میں علامہ میمن کے احترام کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ملک کی تقسیم ہوئی تو میں حجاز میں تھا۔میں مسجد نبویؐ میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک سوڈانی عالم میرے پاس آئے اور مجھ سے پوچھا کہ پاکستان کا صدر کس کو بنایا گیا؟ میں نے کہا مسٹر جناح کو۔وہ کہنے لگے بڑے افسوس کی بات ہے کہ جس ملک میں علامہ عبدالعزیز میمن جیسا یگانۂ روزگار ہو وہاں کسی دوسرے کو صدر بنایا جائے''۔اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان کی شہرت کہاں کہاں تک پہنچ چکی تھی اور عرب ممالک کے اہل علم اور اہل ذوق کے دلوں میں ان کی کیا قدر ومنزلت تھی۔[9]

ڈاکٹر مختار الدین احمد اواخر ۱۹۵۳ء میں قاہرہ ایئرپورٹ پر پہنچے۔وہاں پہنچنے کے بعد

ایئرپورٹ پر پاسپورٹ آفیسر سے گفتگو نقل کرتے ہیں:

''بہت دیر کے بعد میری باری پاسپورٹ اور سامان دکھانے کی آئی۔ پاسپورٹ آفیسر شکستہ فرانسیسی لہجے میں بول رہا تھا۔ جب اس نے پوچھا تم کہاں سے آرہے ہو تو میں نے انگریزی کے بجائے اسی کی زبان میں جواب دیا اور ہندوستان کہنے کی جگہ میں نے جامعہ اسلامیہ علی گڑھ کہا تو ایک معمر اور باوقار آفیسر مسکراتے ہوئے آگے بڑھے اور بولے کیا تم الاستاذ المیمنی کی یونیورسٹی سے آئے ہو؟ میں نے جواب اثبات میں دیا اور بتایا کہ میں ان کا شاگرد ہوں اور عربی ادب پر تحقیقی کام کے لئے آکسفرڈ جا رہا ہوں اور یہاں مصر کے علماء سے ملنے اور اپنے موضوع کے متعلق معلومات فراہم کرنے آیا ہوں تو پاسپورٹ اور کسٹم کے سارے مرحلے لمحوں میں طے ہوگئے۔ گویا انھیں اس بات کا یقین تھا کہ پروفیسر عبدالعزیز میمن کا شاگرد اور مسلم یونیورسٹی کا طالب علم مصر کے علماء اور دانشوروں سے ملے گا، مخطوطات پڑھے گا، دارالکتب المصریہ جائے گا، اہم کتابوں کے فوٹو اسٹیٹس اور مائیکروفلم بنوائے گا، ادیبوں اور شاعروں سے ملاقات کرے گا، قہوہ خانہ جائے گا، ام کلثوم اور عبدالوہاب کے نغمے سنے گا، شادیہ اور فرید الاطرش کی فلم دیکھے گا، دریائے نیل اور اہرام مصر کی سیر کرے گا لیکن نہ تو مصر میں جاسوسی کرے گا اور نہ یہاں کی سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لے گا۔ معمر آفیسر بار بار اھلاً و سھلاً مرحبا کہہ رہے تھے اور استاذ المیمنی کا ذکر کرتے جاتے تھے۔ وہ اس وقت تک باتیں کرتے رہے اور قہوہ پلاتے رہے جس وقت برٹش ایئرویز کی بس ہوائی اڈے سے مسافروں کو شہر لے جانے کے لئے روانہ ہوگئی''۔[10]

اسی مضمون میں مختار الدین صاحب مصر کے عالمی شہرت یافتہ ادیب اور محقق ڈاکٹر احمد امین (م ۳۰ رجون ۱۹۵۴ء) سے اپنی ملاقات کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''گفتگو کی ابتدا استاذ گرامی میمن صاحب کی خیریت سے ہوئی۔ جب میں نے

انھیں بتایا کہ وہ ساٹھ سال سے زیادہ کے ہو چکے ہیں اور اب متقاعد ہو کر علی گڑھ چھوڑ کر کراچی چلے گئے ہیں تو ان کے چہرے پر افسوس اور تشویش کے آثار ظاہر ہوئے لیکن جب میں نے انھیں بتایا کہ استاد مکرم وہاں کی جامعہ کے شعبۂ عربی کے صدر اور ایک ادارۂ تحقیقات کے نگران مقرر ہوئے ہیں تو ان کی سابقہ بشاشت چہرے پر عود کر آئی۔ وہ قاہرہ میں استاد کے ساتھ گزری ہوئی صحبتوں کو یاد کرنے لگے اور ان کے وسیع مطالعہ اور قوت یادداشت کی متعدد مثالیں انھوں نے سنائیں''۔

عراق میں علامہ میمن کی مقبولیت

ڈاکٹر ابوالفضل بخت رواں بغداد یونیورسٹی کے طالب علم رہے ہیں۔ وہ بغداد یونیورسٹی کے علماء وفضلاء میں علامہ میمن کے احترام کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''جب ۱۹۷۶ء میں میں بغرض پی ایچ ڈی جامعہ بغداد پہنچا تو وہاں کے علماء و فضلاء نے مجھ سے شیخ عبدالعزیز المیمنی کے متعلق بہت سے سوالات کیے۔ میں نے گول مول جوابات دیے کیونکہ پاکستان میں میں صرف انھیں ایک معمولی عالم جانتا تھا۔ دیارِ عرب میں جب ان کی فضیلت مجھ پر عیاں ہوئی تو میں حیران رہ گیا کہ اللہ تعالیٰ نے پاکستان کو اتنی بڑی ہستی سے نوازا ہے کہ وہ عربوں کے نزدیک عربی ادب کی بیسویں صدی کے سب سے بڑے نقاد اور محقق ہیں اور ان کے تحقیقی کاموں نے عربی کتب خانوں کو زینت بخشی ہے۔ ایک اسکالر نے راقم سے کہا کہ ہم مولانا مودودی کو عربیت کا بڑا فاضل سمجھتے تھے لیکن جامعہ بغداد میں اردو میں تقریر کرنے سے معلوم ہوا کہ اس کا ترجمان جو پاکستانی تھا، بھی عربی زبان پر ان سے زیادہ قادر ہے مگر میمنی صاحب کی تقریر اور تحریر نے ہم پر گہرا اثر چھوڑا ہے۔ جب کبھی ہم ان کی تخلیقات کی طرف رجوع کرتے ہیں تو پاکستان کا نام ہمارے

Turk Islam Encyclopedesi کی پہلی جلد میں علامہ میمن پر مفصل مقالہ

ذہنوں میں ابھرتا ہے۔ جب تک ان کی تالیفات باقی رہیں گی پاکستان کا نام ان کے ساتھ زندہ رہے گا"۔[11]

اسی مضمون میں ڈاکٹر ابو الفضل بخت رواں نے عراق کے عالم اور محقق ڈاکٹر صالح ضامن کے مضمون کا ترجمہ پیش کیا ہے۔ یہ مضمون علامہ میمن کے انتقال کے بعد بغداد کے کثیر الاشاعت ہفت روزے 'الف باء' میں شائع ہوا۔ ڈاکٹر صالح لکھتے ہیں:

"پاکستان سے ہمیں شیخ عبدالعزیز المیمنی کی وفات کی خبر پہنچی ہے۔ مرحوم عربی اور اسلامی میراث پھیلانے والے شہسواروں کے سرخیل تھے۔ عربی ادب کے نوادر اور نفائس ڈھونڈ ڈھونڈ کر اپنے قارئین کو پیش کرتے۔ وہ مسلسل جدوجہد سے نصوصِ عربیہ کی تہہ تک پہنچ جاتے اور ان کی فصاحت و بلاغت کی ایسی نشاندہی کرتے کہ انسان حیران رہ جاتا ہے۔ وہ ایک جلیل القدر عالم، ایک عالمگیر فاضل، صادق التجربہ اور ثاقب النظر محقق و مدقق تھے۔ انھوں نے اپنی زندگی کو اسلامی و عربی تراث (ترکہ) کی خدمت کے لیے وقف فرمایا تھا۔ وہ تنقید و تحقیق کے طفیل ایسی کتابیں منصۂ شہود پر لائے جو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہ تھیں۔ اب تک جب ہمیں کسی تحقیقی کام میں شبہ پڑ جاتا ہے تو ہم آپ کے تحقیقی کام کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اس سے رشد و ہدایت حاصل کرتے ہیں"۔

۱۹۶۸ء میں علامہ میمن نے جناب ممتاز حسن کی درخواست پر اردو ڈکشنری بورڈ میں عربی لغت نگاری کے موضوع پر علمی خطبات ارشاد فرمائے۔ افتتاحی اجلاس میں جناب محمد حمزہ فاروقی بھی موجود تھے۔ وہ علامہ میمن کی عرب ممالک میں قدر و منزلت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"ان خطبات کے افتتاحی اجلاس میں ممتاز حسن صاحب نے ایک واقعہ سنایا جس سے پاکستان کے اربابِ اختیار کی ناواقفیت اور خرد دشمنی کا اندازہ ہوتا ہے۔ علامہ میمنی سعودی عرب جانے والے تھے۔ اس زمانے میں خواجہ شہاب الدین سعودی عرب میں پاکستان کے سفیر تھے۔ ممتاز صاحب نے خواجہ صاحب کو ایک خط کے ذریعے علامہ میمنی کے پروگرام سے مطلع کیا اور سفارش کی کہ وہ ان کا خاص خیال

رکھیں۔خواجہ صاحب کے کہنے پر پاکستانی سفارت خانہ کے ادنیٰ درجے کے ملازم نیم دلی سے علامہ کی پیشوائی کے لیے جدہ ایئرپورٹ پہنچے۔ وہاں علامہ کے استقبال کے لیے سعودی شہزادے پہلے سے موجود تھے۔انھوں نے علامہ کو شاہی مہمان بنالیا۔

بعد میں ممتاز صاحب کے استفسار پر خواجہ صاحب نے لکھا کہ

علامہ عبدالعزیز کی آمد سے پاکستان کا وقار بہت بلند ہوا ہے آپ کو چاہیے کہ ایسے ہی چند اور لوگوں کو یہاں بھیجیں تاکہ ملک کا وقار مزید بلند ہو۔خواجہ صاحب تو یہ لکھ کر فارغ ہو گئے لیکن ممتاز حسن اس سوچ میں گرفتار تھے کہ:

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے''[۱۲]

شیخ الازھر کا علامہ میمن کے لیے احترام

عالم عرب میں علامہ میمن کے احترام کے حوالے سے جناب جمیل الدین عالی روزنامہ ''جنگ'' مورخہ ۱۸/اپریل ۱۹۸۰ء میں لکھتے ہیں:

''علامہ شیبی وائس چانسلر بغداد یونیورسٹی اور وزیر تعلیم عراق نے پروفیسر محمد شریف مرحوم اور میر خلیل الرحمٰن کی موجودگی میں مجھ عاجز سے ایک بات کہی۔یہ ۱۹۶۰ء کا واقعہ ہے ہم پاکستانی وفد کے اراکین تھے اور جنرل کریم قاسم کی دعوت پر بغداد گئے تھے۔بڑے عشایئے میں علامہ شیبی سے ملاقات ہوگئی تو بولے:''ہم عراقی پاکستان کو اسلامی برادری کا ایک اہم رکن سمجھتے ہیں (وغیرہ وغیرہ) اف کیجیے میں پاکستان پہ بڑا رشک کرتا ہوں''۔حضرت وہ کیوں؟ فرمایا:''عربی زبان اور قدیم عربی کے سب سے بڑے ماہر علامہ میمن راجکوٹی آپ کے پاس ہیں۔پوری دنیائے عرب میں ایسا کوئی آدمی نہیں۔بھئی میں تو پاکستان کو دراصل علامہ میمن کے حوالے سے جانتا ہوں''۔

اسی مضمون میں عالی صاحب مزید تحریر فرماتے ہیں:

''شیخ الازہر شیخ محمد شلتوت کے شاگرد پروفیسر سیّد بداوی امریکہ میں میرے ساتھ تھے۔ایک دن سنایا کہ ایک مجلس میں ایک قدیم محاورے پر بحث تھی۔مراکش سے ایک بڑے استاد آئے ہوئے تھے،وہ ہمارے شیخ (شیخ الازہر) کی بات نہ مانتے تھے۔جونیئر اساتذہ حیران کہ ہمارے شیخ کو چیلنج کیا جارہا ہے مگر مراکشی بزرگ کا پلہ بھاری پڑتا نظر آتا تھا۔یکا یک شیخ شلتوت اٹھے اور اپنی لائبریری کی طرف گئے۔ایک کتاب لائے،بیٹھ کر ایک صفحہ نکالا اور مراکشی بزرگ کے سامنے بڑھا دی۔انھوں نے سب سے پہلے کتاب الٹ کر مصنف کا نام پڑھا،پھر ایک دم وہ ورق دیکھا اور لمحہ بھر میں آنکھیں نیچی کرلیں۔انھوں نے کہا''یا شیخ میں آپ سے معذرت چاہتا ہوں۔علامہ میمن نے یوں بتایا ہے تو درست ہی بتایا ہوگا''۔ہم لوگوں نے پریشان ہوکران شیخ (شیخ الازہر) سے پوچھا:''آپ عرب ہوکران کی سند لائے ہیں'' فرمایا:''ان (علامہ میمن) کی نظر سے ایک لاکھ کے قریب تو مخطوطات گزر چکے ہیں۔عزیزو! یاد رکھنا علامہ میمن اس زمانے میں عربی زبان کے سب سے بڑے آدمی ہیں''۔

اعزاز منجانب شاہ فیصل فاؤنڈیشن (سعودی عرب)

شاہ فیصل فاؤنڈیشن (ریاض،سعودی عرب) عالم اسلام کا ایک اہم علمی و تحقیقی ادارہ ہے۔کچھ عرصہ قبل اس فاؤنڈیشن کی جانب سے علامہ میمن کو ایک منفرد اعزاز عطا کیا گیا جس کا ذکر ڈاکٹر ظہور احمد اظہر صاحب نے اپنے انٹرویو میں یوں کیا ہے:

''میمن صاحب کے علمی ذوق اور تبحّر کا اندازہ اس بات سے بھی لگا سکتے ہیں کہ آپ نے تقریباً چالیس قیمتی اور اہم عربی مخطوطات کو ایڈٹ کیا اور حال ہی میں مجھے اطلاع ملی ہے کہ سعودی عرب میں موجود فیصل فاؤنڈیشن (جو علم و تحقیق کا بہت بڑا ادارہ ہے) نے غیر عرب لوگوں پر مشتمل ایسے احباب کی فہرست جاری کی ہے جنھوں نے غیر عربی ہونے کے باوجود عربی زبان کی ترویج و فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔اس فہرست

میں سرِ فہرست میرے استاد مولانا عبدالعزیز میمن ہیں۔" [۱۳]

شیخ عزّ الدین تنوخی کے علامہ میمن کی مدح میں اشعار

شام کے نامور محقق استاذ عز الدین التنوخی (۱۸۸۹-۱۹۶۶) کے علامہ میمن کی شان میں اشعار:

الی شیخنا عبدالعزیز ألوکۃ
تعبر عما فی الفؤاد من الوجد
اذا کان حُبّ القلبِ بالطبع راسخاً
فلیسَ علیہ ایّ ضیم من البعد
وان لم یکن للحب تخم یصدّہ
فَنحنُ جمیع فی الشّام أو السند
اللّٰہُ یَعلم یَا عبدالعزیز بما
لکم بقلبی من ود و اجلالِ
احس بالفضل فی غیری فأعرفہ
ما ینکر الفضل الّا کلُ ختالِ
انّ السنابل حین الحب یملؤھا
محنی الرؤوس وتعلو الفارغ الخالی

ڈاکٹر زکی المحاسنی کے علامہ میمن کی مدح میں اشعار

شام کے نامور محقق ڈاکٹر زکی المحاسنی (۱۹۰۹-۱۹۷۲) کے علامہ میمن کی مدح میں یہ اشعار کہے:

أيـا عبدالعـزيـز تـفيضُ يُمنـا
وتَـطلـع فـى مـجال العلمِ حُسنا
كتبـت ونـغـمـة مـلَ الليـالـى
تهفُّ عـلـىَّ تـطـريـباً و لـحـنـا
أيـا هـنـدية رقصـت عـليهـا
كـأنَّ بهـا لـدى الـلـفتـات جنّـا
احـاورهـا و صـوفـىُّ مـرامـى
أجوزُ اليك صحـداءاً و حـزنـا
أرق عـلـى السـحـاب لـعلّ يوماً
أجـى بـه "بـلاهـور" مُغـنّـا
تَـعـلّقَ كـوكبًا بيـن الـدرادى
ومـن نهـر الـمجـرّة عـبّ دَنّـا
بـه الآداب قـد لـقيت منـاهًـا
فـمـلّ ربـاعـه الالهـام غـنـى
هـداة الهـنـد اعـلام ثـقـات
حـمـاة الـضّـاد شـدوا فيـه ركنا
ولـلاسـلام تـمـكيـن و ديـنٌ
لـديـه يـزيـده مـجـداً و أمنـا
عـرفـت (الـراجـكـوتـىَّ) المعلى
وكـان أبـو الـعـلاء الـيـه حـنّـا

أذا اهل المعرّة خلدوه
فمن تاليفه قد عزّ مغنی
أری فيه المعری عاد فينا
بعين تبصر الدنيا و تهنا

نامور مستشرقین جن سے علامہ میمن کے علمی مراسم رہے اور جنھوں نے علامہ میمن سے علمی استفادہ کیا[۱۸]

۱۔فرٹز کرینکو : ان کا تعلق جرمنی سے تھا۔اسلام قبول کرنے کے بعد سالم کرینکو نام ہو گیا۔ آپ علی گڑھ یونیورسٹی میں عربی کے پروفیسر تھے۔آخری زمانے میں کیمبرج منتقل ہو گئے اور وہیں ۱۹۵۳ء وفات پائی۔علی گڑھ میں علامہ میمن سے بہت قریبی تعلق تھا۔کرینکو، ڈاکٹر مختارالدین احمد صاحب کے پی ایچ ڈی کے مقالے کے ممتحن تھے۔یہ مقالہ علامہ میمن کی زیر نگرانی لکھا گیا تھا۔

۲۔اے ایس ٹریٹن : آپ علی گڑھ یونیورسٹی میں عربی کے پروفیسر اور علامہ میمن کے قریبی ساتھی تھے۔

۳۔ کرتشکو فسکی: آپ کا تعلق روس سے تھا۔لینن گراڈ کی لائبریری میں مشرقی زبانوں کے شعبے کے سربراہ تھے جہاں آپ عربی پڑھاتے تھے۔آپ نے کئی متون ایڈٹ کیے اور تاریخ و ادب عربی پر بہت سی تحریریں یادگار چھوڑی ہیں۔

۴۔البرٹ ڈیٹریش :آپ ہائڈلبرگ یونیورسٹی (جرمنی) میں عربی کے پروفیسر تھے۔جرمن اور عربی میں بہت سی تحقیقی کتابیں آپ کی یادگار ہیں۔

۵۔وان ارنڈوك : آپ ہالینڈ کی مشہور یونیورسٹی آف لائیڈن میں عربی کے پروفیسر تھے۔

۶۔ جوزف فيوك : آپ کا تعلق جرمنی سے تھا۔ڈھاکا یونیورسٹی میں عربی کے پروفیسر رہے۔ ابن الندیم کی الفہرست کی تصحیح و تحقیق پر کام کیا۔ڈاکٹر مختارالدین احمد نے راقم الحروف کے نام

اپنے مکتوب مورخہ ۳؍نومبر ۲۰۰۹ء میں تحریر فرمایا کہ جوزف فیوک شیخ عبدالحق حقی بغدادی کی وفات کے بعد ڈھاکہ سے علی گڑھ منتقل ہونا چاہتے تھے لیکن جب انھیں پتہ چلا کہ علامہ میمن اس عہدے کے امیدوار ہیں تو انھوں نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔

۷۔ ہیلمٹ ریٹر: آپ فرینکفرٹ یونیورسٹی میں عربی کے پروفیسر تھے، ترکی آتے جاتے تھے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد فرینکفرٹ کے ایک خاموش پرسکون قصبے میں متمکن ہو گئے تھے۔ ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب کی ان سے ۱۹۵۴ء اور ۱۹۵۶ء میں ملاقاتیں ہوئیں۔

۸۔ اوٹو اشپیز: آپ علی گڑھ یونیورسٹی کے شعبۂ عربی میں علامہ میمن کے معاصر تھے۔ اس کے بعد بون (جرمنی) کے مشرقی زبانوں کے انسٹیٹیوٹ میں خدمات انجام دیں۔

۹۔ سی اے سٹوری: علامہ میمن کے علی گڑھ میں معاصر تھے۔

۱۰۔ روڈولف گائر: آپ کا تعلق جرمنی سے تھا۔ تقریباً چالیس سال دیوان الاعشیٰ کی تصحیح و تدوین میں صرف کیے۔

۱۱۔ ایڈورڈ براؤن: کیمبرج یونیورسٹی سے تعلق رکھنے والے مشہور مستشرق ان کی Literary History of Persia (فارس کی ادبی تاریخ) مشہور کتاب ہے۔

۱۲۔ ڈی ایس مارگولیتھ: آکسفورڈ یونیورسٹی سے تعلق رکھنے والے مشہور مستشرق۔

۱۳۔ آر اے نکلسن: کیمبرج یونیورسٹی سے تعلق رکھنے والے مشہور مستشرق۔ انھوں نے علامہ اقبال کی ''اسرار خودی'' کا انگریزی ترجمہ کیا۔ ان کی مشہور کتاب A Literary History of the Arabs ہے۔

۱۴۔ پال کالے: جرمنی سے تعلق تھا اور آکسفورڈ میں Semitic Languages کے پروفیسر تھے۔ ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب راقم الحروف کے نام اپنے مکتوب مورخہ ۳؍نومبر ۲۰۰۹ء میں تحریر فرمایا کہ ان سے علامہ میمن کی پروفیسر شپ کے بارے میں رائے مانگی گئی تھی اور انھوں نے علامہ کے حق میں زبردست سفارش کی تھی۔

۱۵۔ الیگزنڈر ھلٹن ھارلے: آپ کا تعلق مدرسۂ عالیہ کلکتہ سے تھا۔

علامہ عبدالعزیز میمن از عبدالعزیز خالد

شہابِ ثاقب گردونِ حکمت و فن کا
میں نوحہ سنج ہوں عبدالعزیز میمن کا

نہفتہ دانِ بطونِ عبارت و معنی
خزانہ دارِ لغت ہائے کوفی و یمنی

پیالے علم کے پیتا رہا جو بھر بھر کر
بجا تھا اس کو تفاخر بہ فرِ ہنگ و ہنر

تھے اس کے نوکِ زباں نکتہ ہائے ژرف وشگرف
زبانِ تازی میں اس سا نہ ہوگا محرمِ حرف

گریز پائے نواہائے سعدی و حافظ
قتیلِ شیوۂ ابن قتیبہ و جاحظ

اَبوالعلاء مَعَرّی کا ناقد و مادح
وہ شعرِ جاہلی کی مشکلات کا شارح

شموس و خرنق و سلمٰی و دختنوس و رباب
کے مُوبمو جسے ازبر تراجم و انساب

فنِ لغت میں سند مانتے تھے سب اس کو
پکارتے تھے عرب بھی: ابو العرب اس کو!

سفینۂ سخن و قطبِ علم و گنجِ ادب
تھا جس کا حافظہ منجملۂ عجائبِ رب

صدائے زمزمہ تھی جس کو کاوِ کاوِ قلم
مدام جس کی زباں پر حدیثِ جانِ دژم

نہ بیچے علم کو مزدِ قلیل کے بدلے
طریقے اس کے تھے سب میرِ سوختہ کے سے

حریمِ ذات کے بے شور و شر حصار میں بند
وہ زندہ تھا مگر اصحابِ کہف کے مانند

کشیدہ قد الفِ مستقیم کی صورت
سبک خرامی میں موجِ نسیم کی صورت

بیاضِ رخ سے ہویدا متانت و دانش
خرد کے تابعِ فرماں تھی اس کی ہر خواہش

تھا اس کے رنگ کا نیرنگ آشنا میں بھی
شریکِ صحبتِ المیمنی رہا میں بھی

اگرچہ اس کے مقابل میں تھا سبک مایہ
وہ میرے ساتھ محبت سے پیش آتا تھا

سَمر ممالکِ اسلامیہ میں نام اس کا
ہر ایک صاحبِ کلک و کلام رام اس کا

دیارِ پاک کے لیکن ہیں رنگ ڈھنگ عجیب
ہوا نہ نام کو اس کے قبولِ عام نصیب

وہ خوش لقا ابدی نیند جس گھڑی سویا
زمیں نے اشک بہائے نہ آسماں رویا

شکستہ خوابوں کی ہوں کرچیاں رفو کس سے؟
کریں بیانِ ستم ہائے آرزو کس سے؟

حدیثِ درد کا پیرایۂ بیاں کیا ہو؟
طریقِ ماتمِ بے دردیٔ جہاں کیا ہو؟

کتاب خانہ نگوں، رسم مدرسہ مدروس
یہ سرزمیں بھی ہے گویا قلمروِ افسوس
گو اس کو شکوۂ بے مہریٔ زمانہ بھی تھا
ملالِ کم نظری ہائے اہلِ خانہ بھی تھا
پہ نقدِ عمرِ گرامی کی قدر کی اس نے
بِتا دی خدمتِ علمی میں زندگی اس نے
ظریف و زندہ دل، آثار گو ہویدا تھے
وَقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا[15] کے
بہ کار گاہِ غمِ روزگار و بیمِ بلا
تَزَيَّنَ بِلِبَاسِ الزُّهَّادِ وَالتَّقْوٰى
عیاں ہے "سمط اللآلی" سے علم و فضل اس کا
وَلَا نُضِيعُ اَجْرَمَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا[16]

علامہ میمن کے انتقال کے بعد رئیس امروہوی نے یہ قطعہ تاریخ فارسی میں لکھا:

آہ عبدالعزیز میمنِ ما — کہ بفضل و کمال مشہور است
رخت بربست زیں جہانِ خراب — شمع فانوس خلوت نوراست
مرگِ عالِم کہ مرگِ عالَم شد — ہمہ عالم رئیس رنجور است
از سرِ کرب گفت ہاتف غیب — "مدحِ مغفور" سالِ مغفور است
(ک = ۲۰) — ۱۳۷۸ + ۲۰ = ۱۳۹۸ھ

جناب راغب مراد آبادی نے یہ قطعہ تاریخ اردو میں لکھا:

علامۂ زماں تھے عبدالعزیز میمن — سرخیلِ عالماں تھے عبدالعزیز میمن
عشق ان کو تھا زباں سے سرکارِ دو جہاںؐ کی — نازِ جہانیاں تھے عبدالعزیز میمن
شبلی کی ہم جلیسی، حالی کی ہم نشینی[17] — خوش بخت و کامراں تھے عبدالعزیز میمن
ان کے کمال کی تھی مصر و عرب میں شہرت — بے مثل نکتہ داں تھے عبدالعزیز میمن
عمرِ طویل اپنی تدریس میں بسر کی — ابرِ گہر فشاں تھے عبدالعزیز میمن
تقریریں ان کی اب تک ہیں خلد گوش راغب — ''گلبار خوش بیاں'' تھے عبدالعزیز میمن

۱۳۹۸ھ

شمیم صبائی متھراوی کا قطعۂ تاریخ

ہم سے اجل نے چھینا عربی کا ایسا عالم — اہلِ عرب کے دل پر تھا جس کا نقشِ روشن
تاریخِ مرگ ان کی یوں اے شمیم نکلی — 'خلدِ بریں کے ساکن عبدالعزیز میمن'

۱۳۹۸ھ

حواشی:

ا ملاحظہ فرمایئے کتاب ''علامہ عبدالعزیز میمن، حیات وخدمات'' (مجموعۂ مقالات)، ص ۲۷۰۔

۲ ملاحظہ فرمایئے ''علامہ عبدالعزیز میمنی علماء کی نظر میں'' از پروفیسر احتشام احمد ندوی، در کتاب ''علامہ عبدالعزیز میمن، حیات وخدمات'' (مجموعۂ مقالات)، ص ۲۲

۳ ایضاً

۴ ایضاً

۵ ایضاً

۶ ایضاً

۷ ایضاً

۸ ملاحظہ فرمایئے روزنامہ نوائے وقت لاہور، مورخہ ۲۴، اکتوبر ۱۹۸۰ء نیز ملاحظہ فرمایئے ''میری داستانِ حیات'' از ڈاکٹر غلام جیلانی برق، ص ۱۱۴۔

۹ ملاحظہ فرمایئے ''پرانے چراغ حصہ دوم'' از مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی، ص ۲۴۲۔

۱۰ ملاحظہ فرمایئے مضمون ''علی گڑھ قاہرہ میں'' از مختار الدین احمد، رسالہ علیگ علی گڑھ، خاص نمبر مورخہ ۱۰، فروری ۱۹۵۷ء۔

۱۱ ملاحظہ فرمایئے ''علامہ عبدالعزیز میمنی اور ادبِ عربی'' از ڈاکٹر ابوالفضل بخت رواں، ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک، اپریل ۱۹۸۳ء۔

۱۲ ملاحظہ فرمایئے کتاب ''یادوں کے دیئے'' از محمد حمزہ فاروقی، ص ۴۰۔

۱۳ ملاحظہ فرمایئے ماہنامہ منہاج القرآن لاہور، اکتوبر ۲۰۰۶، ص 38

۱۴ بحوالہ مجلّۃ المجمع العلمی الہندی (میمن نمبر حصہ دوم)، ص ۳۰۲۔

۱۵ قرآنِ کریم سورۂ مریم آیت نمبر ۸

۱۶ قرآنِ کریم سورۃ الکہف آیت نمبر ۳۰

۱۷ علامہ میمن کو کبھی شبلی کی ہم جلیسی یا حالی کی ہم نشینی حاصل نہیں رہی البتہ ان دونوں بزرگوں کے ہم عصر ڈپٹی نذیر احمد سے تلمذ ضرور رہا۔

باب ۔ ۱۵

علامہ میمن کی نادر تحریریں

اس باب میں ہم علامہ میمن کی نادر اردو عربی فارسی تحریریں اور منظومات پیش کر رہے ہیں. یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ علامہ اردو تحریروں میں مرکب الفاظ استعمال کرتے تھے مثلاً کرونگا، جائیگا وغیرہ. ہم نے ان تمام الفاظ کو جدید املا کے تحت کر دیا ہے. (مؤلف)

آداب العربیہ

"آداب العربیۃ" علامہ میمن کا قدیم ترین اردو مضمون ہے جو ماهنامہ مخزن لاہور بابت جون، جولائی، اگست ۱۹۲۰ء میں شائع ہوا۔ اس وقت علامہ میمن ایڈورڈز کالج پشاور میں بحیثیت استاد عربی و فارسی خدمات انجام دے رہے تھے۔ اس زمانے میں "مخزن" کے مدیر علامہ تاجور نجیب آبادی تھے جو مضمون کے تعارفی نوٹ میں تحریر فرماتے ہیں :

"ذیل کا گرامی قدر مضمون مولانا عبدالعزیز صاحب میمن پروفیسر مشن کالج پشاور کے رشحاتِ ادب سے ہے۔ مولانا موصوف عربی ادب سے بہت شغف رکھتے ہیں اور ان چند افراد میں سے ہیں جن پر دنیائے ادب فخر کر سکتی ہے۔ یہ مضمون پڑھ کر اہل علم فاضل ادیب کی وسعتِ

معلومات، تبحر اور مذاولتِ فن کا اندازہ کر سکیں گے۔ محفل مخزن آپ کی بزم افروزی سے قابلِ رشك بن گئی ہے۔ ہم فاضل ادیب کے ساتھ ہی مولانا محمد شفیع صاحب ایم اے پی ایچ ڈی کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں جن کی سعیٔ مذکور سے مخزن کی جانب ایسا متبحر ادیب متوجہ ہوا کہ

اَلدَّالُ عَلَى الْخَيرِ كَفَاعِلِهٖ (تاجور مدیر)"

مختصر تاریخ: حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں صحابہ کرامؓ اہل زبان ہونے کی وجہ سے علوم ادبیہ کے ضرورت مند نہ تھے۔ آپ کے عہد فیضان مہد میں اسلام جزیرۃ العرب سے باہر نہ پہنچا تھا، اور حضرت ابوبکرؓ کا عہد بہت مختصر تھا، تاہم حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے زمانہ میں لوگ اعرابی غلطیوں میں مبتلا ہونے لگے تھے، چنانچہ مروی ہے کہ ایک شخص نے آپ کے حضور میں قرأت قرآن میں غلطی کی، آپ نے فرمایا ارشدوا اخاکم (بھئی اسے ذرا بتا دو)۔ عربوں کی فصاحت و بلاغت کی داستان اس قدر وردِ زبان ہے کہ اس کے تکرار و اعادہ کی ضرورت نہیں محسوس ہوتی۔ عہدِ فاروقی میں جبکہ اسلام شام، مصر، ایران وغیرہ میں پھیلا تو ان اجنبی قوموں کے اختلاط سے نوزائیدہ عربی بچوں کی زبان جو ہنوز ملکہ راسخہ کے درجہ تک نہ پہنچی تھی، بگڑنے لگی۔ نئی نئی ترکیبیں ڈھلنے لگیں، نئے نئے الفاظ پیدا ہونے لگے اور انہیں اپنے کثیر التنوع الفاظ کو جزیرۂ عرب کے باہر بہت کم سننے کا اتفاق ہوا اس لیے مواد والفاظ کا ذخیرہ بہت محدود ہونے لگا۔ ادھر عجمیوں نے قرآن خوانی میں عجیب عجیب غلطیاں کرنی شروع کیں۔ حضرت عمرؓ نے اپنے کسی کارندے کی عبارت میں غلطی دیکھی، اس کو بلا کر ایک درہ رسید کیا، آپ اپنی اولاد کی اعرابی غلطیوں کے سوا اور ہر طرح کی غلطیاں معاف کر دیا کرتے تھے۔ حضرت عثمانؓ کے اہتمام کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل پیش کی جاسکتی ہے کہ آپ ہی جامعِ قرآن ہیں۔ حضرت علیؓ کے عہد میں تصحیف و تحریف، اغلاط و زلات بہت زیادہ ہونے لگیں چنانچہ آپ نے کسی کی زبان سے اس آیت کو ان اللّٰہ بریئ من المشرکین ورسوله بکسر اللام سنا جس کے معنی بجائے اس کے "خدا اور اس

کا رسول مشرکوں سے بیزار ہے'' الٹے یوں ہو گئے ''خدا مشرکوں سے اور اپنے رسول سے بیزار ہے'' آپ سخت برہم ہوئے اور غیر مشکول مصحف کی قرأت سے منع کیا اور ادھر اپنے مشیر منشی ابوالاسود الدوئلی کو علم العربیہ کے وضع کرنے کا حکم دیا۔ جیسا کہ مشہور ہے، نیز[1] آپ ایک روز اپنے اصحاب سے بیعت لے رہے تھے جس کے جواب میں بجائے نعم کے انہوں نے نَعام کہا، اس پر آپ نے فرمایا کہ بھئی نعام (شتر مرغ) اور بقرۃ (گائے) تو جنگلوں میں ہوتے ہیں، ہائے تمہیں یہ کیا ہو گیا ہے خدا تمہیں مجھ سے بدتر حکمران کے حوالے کرے اور مجھے تمہارے بدلے اچھے اصحاب دلائے۔ اس کے بعد تو پھر غلطیوں کا سیلاب اُمڈ آیا حتیٰ کہ ابن عباسؓ کے زمانے میں نافع بن الازرق (مشہور خارجی) آپ سے قرآن کے لغوی اشکالات حل کرانے آیا، وہ قرآن شریف کے ہر مشکل کلمہ کے معنیٰ دریافت کر کے آپ سے پوچھتا ہے ''ھل تعرفه العرب فی اشعارھا'' (کیا کسی عربی شعر میں بھی یہ معنیٰ آئے ہیں؟) جس کے جواب میں آپ نَعَم کہہ کر وہ شعر پیش کرتے ہیں اور دیکھنے والے کو اپنے خداداد حافظے کی وسعت پر عش عش کرنے کے لیے مجبور کرتے ہیں۔ ان کو مسائل نافع بن الازرق کہتے ہیں، کامل المبرد میں کچھ اور الاتقان ج اص ۱۲۱ میں بالاستیعاب مذکور ہیں، یہی وجہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن المبارک فرماتے ہیں ''میں نے حدیث کی تحصیل میں چالیس ہزار درہم صرف کیے اور ادب کے لیے ساٹھ ہزار مگر اے کاش میں نے جو حدیث کے لیے خرچ کیے ہیں وہ ادب ہی پر خرچ ہوئے ہوتے، اس پر لوگوں نے پوچھا کیوں؟ فرمایا کہ نصاریٰ ایک تشدید کے چھوڑنے سے کافر ہو گئے۔ خدا نے فرمایا تھا یٰعِیسٰی اِنِّیْ وَلَّدْتُكَ[2] مِن عَذْراء وبتول بالتشدید (اے عیسیٰ میں نے تجھے ایک کنواری زاہدہ کے بطن سے پیدا کیا) وہ اس کو بالتخفیف یعنی وَلَدْتُكَ (میں[3] نے تجھے جنا) سمجھے اور عیسیٰ کو خدا کا بیٹا بنا کر کافر ہوئے۔ ابن سیرینؒ کا معمول تھا کہ جس طرح حدیث کو راوی سے سنتے اسی طرح پھر پڑھاتے خواہ راوی نے اپنی غلطی سے کسی لفظ کا کچھ کا کچھ کر دیا ہو۔ یہ بات انھوں نے سنی تو فرمایا کہ اگر ابن سیرین غلط کار ہے، تو ہوا کرے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو ایسے نہ تھے، پھر اپنے فہم کے مطابق غلطی کی اصلاح کر دیا کرتے۔ سعید بن سلم الباہلی کہتے ہیں کہ مجھے رشید کے دربار میں باریابی ملی تو جاہ و جلالِ خلافت کو دیکھ کر میری آنکھیں خیرہ ہو گئیں مگر جب

بار بار رشید کے غلط الفاظ کان میں پڑنے لگے تو پھر وہ طلسم ٹوٹ گیا۔ اس کے برعکس عبدالملک بن مروان اور حجاج بن یوسف کی فصاحت آفرینی کے سامنے کسی کو دم مارنے کی طاقت نہ تھی، اس جگہ ہم فسادِ ملکہ کے اثبات میں ایک انوکھا واقعہ لکھتے ہیں جس کے بعد غالباً اور ضرورت نہ ہو گی۔ ابوعبیدہ امام لغت کی مجلس میں کسی نے آ کر پوچھا، جناب عنجید کے کیا معانی ہیں؟ ابوعبیدہ ٹپٹا کر بولے مجھے تو یہ لفظ نہیں آتا۔ اُس نے کہا جناب کیا آپ نے اعشیٰ کا یہ شعر نہیں سنا۔ یوم تبدی لنا قتیلة عن جید، اسیل تزینه الاطواق، کہا اس میں تو عن بمعنیٰ "سے" ہے اور "جید" بمعنی گردن، اتنے میں ایک اور آدمی اٹھ کھڑا ہوا اور بولا اودع کیا ہوتا ہے، ابوعبیدہ بولے میں نہیں جانتا، کہا آپ نے یہ عربی مثل نہیں سنی زَاحِمْ بِعَوْدٍ اَوْدَع اس پر آپ نے فرمایا ارے بھئی یہاں او بمعنی "یا" ہے، اور دع بمعنی "چھوڑ دے" پھر استغفر اللہ پڑھ کر تدریس کے کام میں لگ گئے۔ اتنے میں ایک تیسرا آدمی اٹھا اور بولا جناب یہ تو بتایئے کہ کوفا مہاجرین میں سے تھا یا انصار میں سے؟، کہا مجھے تمام صحابہ کے نسب نامے اور اسماء یاد ہیں مگر مجھے ان میں کوفا نہیں ملا، وہ بولا کیا آپ نے یہ آیت نہیں دیکھی وَالْهَدْيَ مَعَ كُوْفًا (معكوفا) اس پر ابوعبیدہ نے اپنی جوتی لی اور بصرہ کی مسجد میں دوڑتے ہوئے چیخ اٹھے آج یہ جانور میرے ہاں کیسے آ گئے، ان حالتوں کے ہوتے ناممکن تھا کہ علماء ادب اصلاح و افادہ سے خاموش رہتے وہ بلا خوف لومۃ لائم غلطیوں پر ٹوکتے جس سے پست ہمت لوگ اور غرّانے لگتے۔

اصلاح اغلاط

ایک دن عمار الکلابی نے کسی ادیب کو اپنا یہ بیت سنایا۔

بانت نعيمة والدنيا مفرقةٌ

وَحَال من دونها غيران مزعوجٍ

وہ بولے کہ صحیح "مُزْعَجٌ" ہے، اس پر وہ حضرت بگڑ کر نحاۃ کی ہجو میں ایک قطعہ لکھ لائے (دیکھو معجم الادباء ج ۵ ص ۲۶ وشرح دیوان المتنبی للعکبری ج ا ص ۱۸۰) ایسے ہی غلط کاروں کو ابوالاسود الدؤلی کہتے ہیں۔

ولا اقول لقدر القوم قد غَلِیَتْ

ولا اقول لباب الدارِ مغلوق

(کہ صحیح غلت اور مغلق ہے) اوروں کا تو ذکر ہی کیا، امام شبیب بن شبّہ کو بھی ٹوکنے والے نے ٹوک ہی دیا، سہیلی (ج ۲ ص ۲۰۲) ناقل ہیں کہ کچے حمل کے متعلق حدیث میں آیا ہے انه یَظَلُّ مُحْبَنطِئًا علی باب الجنّة، شبیب نے محبنطئا کو بالظاء پڑھا مگر اس نے کہا نہیں جناب یہ تو بالطاء ہے دیکھیے فلاں راجز نے کہا ہے۔

انی اذا استنشدتُ لا اَحْبَنْطِیْ

ولا اُحبّ کثرة التَمطّیْ

اس پر شبیب برہم ہو کر بولے: تم مجھے خطا کار کہتے ہو حالانکہ بصرہ کے لابتین میں مجھ سے افصح اور کوئی نہیں۔ اس نے کہا چہ خوب ایں گل دیگر شگفت لابتان تو مدینہ کے ہیں یا کوفہ کے۔ بصرہ کو لابتان سے کیا سروکار؟ اس طرح مروی ہے کہ حضرت حسن بصریؒ کے دروازے پر ایک شخص آ کر بولا، یا ابو سعید آپ خاموش رہے، پھر کہا یا ابی سعید تو آپ نے فرمایا وہ تیسری صورت بھی کہہ ڈال اور اندر آجا، کوئی اور آپ کے پاس آ کر بولا یا ابا سعید ما تقول فی رجل مات وترك ابیه واخیه اس کے جواب میں آپ نے کیا خوب کہا ترك اباه و اخاه، اس پر وہ بولا فما لاباه و اخاه، آپ نے کہا بھئی یوں بول فما لابیه واخیه اس پر وہ جھنجلا کر بولا اے ابو سعید آپ تو مجھے بری طرح ٹوکتے ہیں، کہا تم بھی تو ہٹ کرتے ہو کہ میں تم سے صحیح لفظ بلوانا چاہتا ہوں اور تم مجھ سے غلط، اسی قسم کی اور صدہا مثالیں کتب ادبیہ میں بکھری پڑی ہیں، اوروں کو بھلا کس طرح چھوڑتے جبکہ ابو اسحاق عبداللہ الحضرمی نے فرزدق جیسے مسلم شاعر کو نہ چھوڑا اور آخر فرزدق کو تنگ آ کر اس کی ہجو لکھنی پڑی

فلو کان عبداللّٰه مولی هجوته

ولکنّ عبداللّٰهِ مولی موالیا

عبداللہ کو دیکھیے کہ اس بیت کو سن کر بجائے اس کے کہ برا مانتے الٹے اس کی اصلاح کرتے ہوئے کہا ابھی تمہیں مولی مَوالٍ کہنا چاہیے۔ یہاں یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ اہلِ زبان اور وہ بھی

فرزدق جیسے ماہر و مسلّم کو غلط کار قرار دینا کیسے درست ہو سکتا ہے، سواس کا مختصر جواب یہ ہے کہ کوئی اہلِ زبان معصوم نہیں بلکہ خواہ کیسا ہی راسخ کیوں نہ ہو کبھی نہ کبھی ضرور انسان غلطی سے اس کی مراعات چھوڑ دیتا ہے۔ الخصائص لابن جنّی (ج اص ۴۱۲) باب فی العربی الفصیح ینتقل لسانه میں دیکھو کہ ابوعمرو بن العلاء ابوخیرہ کی فصاحت میں شک لاتے تھے، ایک دن اس سے پوچھا اس جملہ کو کس طرح کہو گے استأصل الله عِرقَاتِهِم کہا عِرقَاتَهم ابوعمرو بولے هیهات ابا خیرة لان جلدك نہیں میاں اب تو شہر نشین ہونے سے تمہاری وہ بدوی فصاحت جاتی رہی، اسی طرح کتاب الصناعتین کے اس طویل باب کو دیکھو جس میں وہ اشعار مذکور ہیں جن پر لوگوں نے مطاعن کیے ہیں۔

ادبی فائدے کے حصول پر اظہارِ مسرت

اس انہماک اور ذوقِ ادبی کا یہ نتیجہ تھا کہ جونہی کوئی چٹکلا ہاتھ آیا، کوئی کلمہ شاردہ ملا، کسی غلطی کی اصلاح ہوئی تو خوشی سے پھولے نہ سماتے اُس کو سینت سینت کر رکھتے اور پھر بوقتِ ضرورت مستحضر کر کے خوش ہوتے۔ اصمعی جو اس میدان کے مرد تھے، غرائب لغات اور لطائف حکایات کی تلاش میں شب و روز بادیہ عرب کو چھانتے اور تپتے ہوئے ریگستانوں کو ناپتے پھرتے۔ ایک[4] مرتبہ کسی اعرابی سے یہ سن کر کہ "فلاں نے جو چھینک لی تو جلجلعہ نکل پڑا" بولے جَلْغَلَعَہ کیا ہوتا ہے، کہا ایک طرح کا لال بیگ جس کا آدھا دھڑ جاندار ہوتا ہے اور آدھا گارے کا۔ کہتے ہیں اس فائدے کے حصول سے مجھے جو خوشی ہوئی اس کو میں مدتِ عمر فراموش نہ کروں گا۔ وہی کہتے ہیں ایک[5] دن میں ابوعمرو بن العلاء کے ہاں گیا، بولے کہاں سے؟ میں نے کہا جِربَد سے، کہا دکھاؤ تو تمہاری بغل میں یہ کیا ہے۔ میں نے ان کو اپنی لوحیں دکھائیں، پڑھنے سے ان کو چھ ایسے الفاظ ملے جو پیشتر سے معلوم نہ تھے، سو خوشی میں آکر اٹھے اور ٹہلتے ہوئے بولے کہ تم غرائب لغات کے جمع کرنے میں مجھ سے سبقت لے گئے۔ وہی[6] ناقل ہیں کہ ایک دن ہم ابوعمرو بن العلاء کے حلقۂ تدریس میں بیٹھے تھے، اتنے میں عیسیٰ بن عمر الثقفی النحوی آکر بولے کہ مجھے تمہاری بابت یہ کیا پہنچا ہے؟ کہا کیا؟ کہا کہ تم لیس الطِیبُ اِلَّا المِسكُ کو بالرفع جائز سمجھتے ہو، اس پر ابوعمرو نے فرمایا

اے ابوعمر (کنیت عیسیٰ بن عمر) ''تم تو پڑے سوتے رہے اور قافلہ تڑکے ہی نکل گیا''۔

بات یوں ہے کہ کوئی حجازی ایسا نہیں جو المسك بالنصب نہ پڑھتا ہو اور نہ کوئی تمیمی جو بالرفع نہ بولتا ہو، پھر ابو عمرو نے اپنے شاگردوں کی طرف رخ کر کے کہا، اے یحییٰ الیزیدی اور اے خلف الاحمر اٹھو جاؤ اور ابوالمہدی (حجازی) سے یہی فقرہ بالرفع پڑھواؤ وہ ہرگز نہ پڑھے گا اور المُنتجع (تمیمی) سے بالنصب بلواؤ وہ کبھی نہ بولے گا سو وہ دونوں ابوالمہدی کے پاس گئے، وہ نماز میں مصروف تھا، سلام پھیر کر ہماری طرف منہ کر کے بولا خیر تو ہے؟ کہا ہاں، ہم کچھ پوچھنے آئے ہیں، کہا پوچھو، ہم نے کہا تم اس فقرہ کو لیس الطیب [7] الخ کیسے پڑھو گے، اس پر وہ بولا کیا اس بڑھاپے میں مجھ سے جھوٹ بلوانا چاہتے ہو، آخر زعفران اور فلاں فلاں خوشبوئیں کیا ہوئیں (یعنی جو مشک کے سوا اور کوئی خوشبو خوش بو ہی نہیں) اس پر خلف نے کہا نہیں اس کو جانے دو، اس فقرہ کو کس طرح پڑھو گے، لیس الشرابُ الاّ العَسَلُ [8] کہا پھر بَحرَین کے کالے لوگ کیا کریں گے، کہ ان کے ہاں تو بجز شیرۂ خرما کے اور کوئی شربت ہی نہیں، یزیدی کہتے ہیں جب میں نے دیکھا کہ ہم تو لفظی بحث میں پھنس گئے تو سوال کا رخ بدل کر کہا اچھا اس کو کس طرح پڑھو گے لیس مِلاكُ الامر الاَّ طاعةُ اللّٰه، کہا ہاں اب تم نے ٹھیک کہا کہ لیس مِلاكُ الامر الاَّ طاعةُ اللّٰه کہا، ہاں اب تم نے ٹھیک کہا کہ لیسَ ملاكُ الامر الاّ طَاعَةَ اللّٰه اس پر یزیدی بولے الاَّ طاعةُ اللّٰه، اس نے کہا یہ میری اور میری قوم کا لہجہ نہیں، پھر ہم اس کے قول کو قلمبند کر کے المنتَجِع کے پاس گئے، وہ بڑا ذی ہوش اور سنجیدہ تھا، خلف نے اُس کو نصب کی تلقین کرانی چاہی مگر وہ نہ مانا، بار بار رفع ہی پڑھتا رہا، آخر ہم ابوعمرو کی طرف پلٹے اور کہا انہی باتوں کی وجہ سے تو تُو اور لوگوں سے کہیں آگے نکل گیا ہے۔ یہاں یادش بخیر بہتر معلوم ہوتا ہے کہ امرائے اندلس کی علمی اور ادبی سرگرمیوں کے ثبوت میں ایک واقعہ لکھا جائے، معجم الادباء (ج۶ ص۵۲۰) اور الاشباہ والنظائر النحویہ (ج۳ ص۹۶) میں جذوۃ المقتبس سے نقل کیا ہے کہ ابوالحسن جعفر بن عثمان المصحفی وزیر نے ابوبکر محمد بن الحسن الزبیدی (مصنف مرتب النحویین اور مختصر العین) کے نام ایک خط میں یہ جملہ یوں لکھا فاضت نفسُه (اُس کی جان جاتی رہی) حالانکہ صحیح فاظت بالظاء تھا، اس پر زبیدی نے ایک نظم لکھی جس میں روی ظاء کو قرار دے کر فائظها

کونہایت خوبصورتی کے ساتھ استعمال کیا تا کہ بغیر تصریح کے اصلاح ہو جائے۔

قل الوزير السني محتده ۔۔۔ لی ذمّة منك انت حافظها
عناية بالعلوم معجزةٌ ۔۔۔ قد بهظ الاولين باهظها
يُقرّ لی عمروها و مَعْمُرها ۔۔۔ فيها و نظامها و جاحظُها
قد كان مقا قبول حرمتها ۔۔۔ لكن صرف الزمان لافظها
وفی خطوب الزمان موعظةٌ ۔۔۔ لو كان يثنی النفوس واعظها
لا تدعن حاجتی طرحَةً ۔۔۔ فان نفسی قد فلا فائظها [9]

وزیر نے اس کے جواب میں لکھا

خفض فواقا فانت اوحدها ۔۔۔ علما و نقّابها وحافظها
كيف تضيع العلوم فی بلد ۔۔۔ ابناؤه كلهم يحافظها
الفاظهم كلّها معطّلةٌ ۔۔۔ مالم يعوّل عليك لافظها
من ذا يساويك ان نطقت وقد ۔۔۔ اقرَّ بالعجز عنك جاحظها
علمٌ ثنی العٰلَمِيْنَ عنك كما ۔۔۔ ثَنَی سَنا الشّمس من يلاحظها
وقد اتتنی "فُدِيتَ" شاغلةٌ ۔۔۔ للنفس اَن قلت فاظ فائظها
فاوْضَحِنْها لَفُز بنا درة ۔۔۔ قد بَهَظَ الاوّلين باهظُها [10]

اس کے جواب میں زبیدی نے روی بدل کر اپنا یہ قطعہ لکھا بھیجا اور رفیظ بالظاء کے شاہد کو تضمین کیا

اتانی كتاب من كريم مكرَّمٍ ۔۔۔ فُنَفِسَّ عَن نفس تكا تَفيظ
فسرَّ جميعَ الاولياءِ ورودُه ۔۔۔ وسِيْئَى رجالٌ اٰخرون وغِيْظوا
لقد حَفِظ العهدَ الّذِی قد اضاعه ۔۔۔ لدیَّ سواه وَالكريمُ حفيظ
وباحَثَ عن "فاظت" وقبلی قالها ۔۔۔ رجال لديهم فی العلوم حُظوظ
رَوِی ذاك عن كيسان سهلٌ وانشدوا ۔۔۔ مقال ابی الفيّاض وهو مَغيظ
(فلا حفظ الرحمنُ روحَكَ حَيَّةٌ ۔۔۔ ولاهی فی الارواح حين تفيظ) [11]

یہ دلچسپ ادبی مذاکرہ اہلِ علم کے دل میں اس عہد کی یاد تازہ کر دیتا ہے، سبحان اللہ کیا اچھا مذاق تھا،

ایسے ہی علم پرور امراء، وزراء اور رؤسا کی ذاتی دلچسپیوں کے طفیل آداب عربیہ کہیں سے کہیں پہنچے۔ فروح اللّٰہ رُوْحَهُمْ وَنَوَّرَ ضَرِيْحَهُمْ ۔ ہائے ان گرما گرمیوں کے بعد اب تو اندلس کی تمام مجلسیں سرد ہو گئیں، اس کو چشمِ زخم حوادث کھا گئی اور اس خطہ میں اب کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہ رہا۔ الشیخ محمد محمود الشنقیطی جو سلطان عبدالحمید خاں کے حکم سے اسکے ریال کے کتب خانہ کی سیر کرنے گئے تھے، اندلس کی ویرانی اور تباہی پر آٹھ آٹھ آنسو رو کر کہتے ہیں۔

ما ليل صُولٍ ولا ليلُ التمام مَعًا　　كليل باريس او ليلي بانْدُلُسِ

گویا وہ زمانہ اب خواب وخیال ہو گیا۔

اعوام وصلٍ كاد يُنسِي طُولَها　　ذكرُ النوى فكأنّها ايام

ثم انبرت ايام هجراً ردفت　　نحوىٔ سًا فكأنّها اعوام

ثم انقضت تلك السنون واهلها　　فكأنّها وكأنّهم احلام

ولله درّ من قال

جادك الغيث اذا الغيث هَمَى　　يا زمانَ الوصلِ بالاندلُس

لم يكن وصلُك اِلّا حُلُمًا　　في الكَرَى او خُلسَةَ المختلس

ہم دور کیوں جائیں، حلب ہی کو لیں جہاں آل حمدان کے ہیرو سیف الدولہ کی مجلس میں ابوعلی الفارسی اور ابن خالویہ جیسے ادیب ولغوی متنبّی، ابوفراس سَرِی اور نامی جیسے فخرِ زمانہ شاعر اور ابونصر فارابی معلّم ثانی جیسے فیلسوف کا ہر دم جمگھٹا لگا رہتا تھا۔ سیف الدولہ کی اپنی خوش مذاقی کے ثبوت میں ہمارے لیے اُس کا وہ قطعہ کافی ہے جو اس نے قوسِ قزح کی صفت میں کہا ہے اور جس کے متعلق صاحب يتيمة الدهر کی رائے یہ ہے وهو احسن ما سمعتُ فيه علىٰ كثرته اور كلام الملوك ملوك الكلام عضد الدولہ کو لیجیے کہ وہ اپنے تئیں انا غلام ابی علی فی النحو کہتا ہے، ابوعلی کے علاوہ ابن جنی متنبّی وغیرہ اس کے علمی رفقاء تھے، کیا دنیا صاحب اسمٰعیل بن عباد وزیر فخر الدولہ کی علمی مجالس سے زیادہ اور کہیں ادباء کی جمعیت کا پتہ دے سکتی ہے جہاں استاذ ابوالعباس الضّبّی، ابو محمد الخازن، ابوسعید الرستمی، القاضی الجرجانی زعفرانی، سلامی وغیرہ نامی گرامی شعرا میدانِ مساجلہ و مسابقہ میں اتر کر کبھی دیار یافظ کبھی برذونیات اور کبھی فیلیّات پر طبع آزمائی کر کے صلۂ تحسین و

خراج آفرین وصول کرتے ہیں، وہ ابن العمید پیشرو الصاحب جس کی انشاء پردازی کی بابت کہا گیا ہے بدات الکتابة بعبد الحمید وختمت بابن العمید اور اس کا یہ دعویٰ کہ میں بلا تکلف وتردی ہر شعر کو سنتے ہی معاً سمجھ لیتا ہوں، پھر بھی کبھی عربی کی ادبی دنیا کے سامنے آئے گا، عوداً علی بدءٍ۔ یہاں ایک واقعہ درج کرتا ہوں کہ الحدیث ذو شجون ہر چند کہ اس کا ذکر پہلے انسب تھا، ایک دن منصور مہدی کی طرف سے گزرا، جبکہ وہ مفضل کو المسیّب بن علس کا یہ قصیدہ سنا رہا تھا، ع ارحلت من سلمی بغیر متاع الخ منصور چھپ کر یہ قصیدہ سنتا رہا تا آنکہ جب مہدی فارغ ہو گیا تو اپنے دربار میں جا کر مفضل بن محمد الضبّی کو بلوا بھیجا اور کہا کہ میں چھپ کر سنتا رہا، اور مجھے تمہاری یہ تعلیم بے حد پسند آئی، کیا اچھا ہوا گر تم اُن شعراء کا چیدہ کلام جمع کر دو جن کا بہت تھوڑا کلام مروی ہے۔ کہتے ہیں پھر اسی حکم کی تعلیم میں مفضل نے المفضّلیات لکھی[12]۔ یہ اور اسی طرح کے اور صدہا واقعات ہیں، جن سے اس عہد کی ادبی اور علمی ترقیوں کا سراغ ملتا ہے۔ وفی ما ذکرنا کفایة۔

ادب کے فوائد

پہلے یہ بتا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ادب ہے کیا؟ سو جس طرح ابن خلدون لکھتے ہیں، ادب کی جامع و مانع تعریف کرنا دقت سے خالی نہیں مگر یہ ضرور ہے کہ اُس کا اطلاق عموماً ان علموں پر ہوتا ہے: صرف، نحو، لغت، معانی، بیان، بدیع، عروض، قوافی، انساب، اخبار، تاریخ، تفسیر، حدیث، علم الانشاء اور علم الشعراء۔ یہ تمام علوم یا لسانی ہیں یا تاریخی یا اخلاقی اور باہم دگر لازم وملزوم ہیں۔ سبحان اللہ کیا عمدہ سلسلۂ کلامِ علوم ہے جس سے دنیا اور آخرت دونوں سدھر جاتے ہیں، اور مادی اور روحانی ترقیات کے ابواب کھل جاتے ہیں۔ اُن میں خصوصاً صرف ونحو، معانی، بیان، بدیع، انشاء اور شعر ادب کے جزو لاینفک ہیں۔ ادب کیا ہے تنہائی میں مونس اور رفیق، سفر میں مصاحب، مجالس ومحافل کے لیے زینت، زبان کا صیقل گر، دوسروں کے دلوں تک رسائی حاصل کرنے کا ایک دلچسپ چٹکلا، امم ماضیہ کے احوال واطوار، اخلاق وعادات کا آئینہ یا جیتی جاگتی تصویر، ایک مشفق اتالیق، مہربان مربی، ناصح دانا، آداب واخلاق کا گنجینہ، دلچسپیوں کا خزینہ،

برکات و فیوض دینی و دنیوی کا دفینہ، دنیا کی تمام زندہ و مردہ قوموں کی حیات و ممات کا واحد ذمہ دار، اُن کے اگلے اور پچھلے کارناموں کا آئینہ دار، اُن کے محاسن و مقابح، معائب و مناقب کا مخزنِ اسرار، الغرض کہاں تک دہراؤں۔ مختصر یہ کہ قوم کی زندگی کی جان ہے، صدہا بگڑے ہوئے دلوں کو اس نے بنا دیا، بہت سی اٹل عادتوں کی پختہ بنیاد ہلا دی، بہت سے سنگلاخ دلوں کو نرم کر دیا حتیٰ کہ جبلی عادتیں جن کا تغیر عموماً ناممکن بتایا جاتا ہے، متزلزل کر دیں۔ ہم جو آج اپنی آنکھوں کے سامنے بہت سی زندہ قوموں کی حیرت انگیز سرگرمیاں دیکھتے ہیں وہ درحقیقت اسی علم کا کرشمہ ہیں۔ عبدالملک نے حجاج کو لکھا کہ میرے پاس ایک ایسا آدمی بھیجو جو حلال و حرام سے واقف، کلامِ عرب سے باخبر اور انقلاباتِ زمانہ سے آگاہ ہوتا کہ میں اُس سے انس اور علمی فوائد حاصل کر سکوں، اُس نے امام شعبی کو بھیجا جو اپنے زمانے میں تمام علوم وفنون میں یکتا تھے۔ امام شعبی کہتے ہیں کہ اس سے پیشتر مجھے جس مجلس میں جانے کا اتفاق ہوا وہاں کچھ اپنے ہی معلومات خالی کرنے پڑے اِلّا جب کبھی میں نے عبدالملک کو کوئی نظم سنائی یا کوئی قصہ اور واقعہ بیان کیا تو اس نے مجھے ضرور کچھ معلومات سے مستفید کیا۔ بارہا ایسا بھی ہوا ہے کہ میں کوئی واقعہ سنا رہا ہوں، اور وہ کھانے میں مصروف ہے منہ تک لقمہ لے جاتا اور میری طرف متوجہ ہوتا، ادھر ہر چند میں کہتا کہ یا امیر المومنین آپ لقمہ تو نگل لیجیے، آخر قصہ کہیں بھاگا نہیں جاتا، مگر وہ یہی کہتا کہ مجھے تمہاری باتوں میں وہ مزہ معلوم ہوتا ہے جو کسی لذیذ سے لذیذ کھانے میں بھی نہیں، کلام کی طرزِ ادا دو مختلف زبانوں سے مختلف اثرات پیدا کرتی ہے، ایک کی بات دل کو ٹھیس لگاتی ہے اور دوسرے کے دل میں گھر کر لیتی ہے، ایک اپنے سوءِ ادا سے حق کو ناحق کی طرح کمزور ظاہر کرتا ہے اور دوسرا حسنِ تعبیر کی بدولت ناحق کو حق کے مَنصَّہ پر جلوہ ریز کرتا ہے ؎

فی زخرف القول تزیینٌ لباطله	والحق قد یعتریه سوءُ تعبیر
تقول هذا مُجاج النحل تمدحه	وان ذممت تقل قیئُ الزنابیر
مدحٌ و ذمٌ و ذاك الشيُّ متحد	ان البیان یری الظلماء کالنور ۱۳

آداب وعلوم کی اسلامی حکومتوں نے جو قدر کی ہے، وہ کس سے پوشیدہ ہے۔ اس کا آغاز

حضرت حسان سے ہوتا ہے، پھر کعب بن زہیر، حطیہ، شماخ،فرزدق، جریر، اخطل، بشار، ابونواس،عبداللہ بن قیس الرقیات، ابوتمام، بحتری، متنبّی الغرض تمام عربی شاعروں نے جو جوائز وصلات حاصل کیے ہیں، اُن کے افسانے ہر ایک کے ورد زبان ہیں، مگر یہ ضرور کہوں گا کہ علم کو حطام دنیوی کے حصول کا آلہ بنانا نہایت بے جا فعل ہے، علم اسی لیے پڑھنا چاہئے کہ وہ علم ہے، نہ اس لیے کہ فلاں دربار میں عزت افزائی ہوگی، اس لیے میں اس قسم کے فوائد کو یہاں القط کرتا ہوں۔ کہتے ہیں کہ عبدالملک نے کسی شخص کو خارجی ہونے کے جرم میں گرفتار کیا اور اس سے کہا گیا یہ بیت تیرا نہیں۔

ومنّا سوید البطین وقعنب ومنّا امیر المومنین شبیب [14]

اس پر اُس نے کہا جناب یہاں امیر المومنین منادیٰ ہے، سواب ترجمہ یوں ہوا:

اور اے امیر المومنین ہم ہی میں سے شبیب بھی ہے۔اس پر عبدالملک نے اس کو چھوڑ دیا۔

ابونواس کے اس شعر کا واقعہ کس نے نہ پڑھا ہوگا۔

لقد ضاع شعری علٰی بابکم کما ضاع العقدُ علٰی خالصة

کہ اس نے عین کا دائرہ کاٹ کر ضاء بنا لیا، کتاب۔ الملاحن لابی بکر بن درید ایسے ہی جمل ادبیہ پر ہے۔ مقامات حریریه کا مقامہ فُتیا فقیه العرب کس نے نہ پڑھا ہوگا اور پھر سریشی نے تو اسی قسم کے فتاویٰ کا اچھا خاصہ سلسلہ چھیڑ دیا ہے۔ میں یہاں ایک اور واقعہ لکھتا ہوں جو سابق الذکر کتابوں میں نہیں۔ امام ثعلب [15] اپنی اپنی امالی میں ناقل ہیں کہ حضرت معاویہؓ نے زیاد ابن ابیہ کو لکھا کہ تم اپنے صاحبزادہ عبیداللہ کو میری طرف روانہ کردو، اس نے بھیج دیا، معاویہؓ نے اُس سے جو کوئی بات پوچھی وہ بڑی قابلیت سے اُس کا جواب دیتا رہا تا آنکہ اُس سے شعر وسخن کی بابت دریافت کیا تو وہ بالکل کورا نکلا، معاویہؓ نے کہا تم نے شعر کو کیوں چھوڑ دیا ہے؟ کہا مجھے یہ بات نہ بھائی کہ اپنے سینے میں کلامِ الٰہی اور کلامِ شیطان کو یکجا کروں، معاویہؓ بولے دور ہو! بخدا جنگ صفّین کے روز بارہا میں نے ارادہ کیا کہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر بھاگ نکلوں مگر ہر بار ابن الاطنابہ کے یہ شعر میرے آڑے آتے رہے

ابت لی عِفّتی وابی بلائی واخذی الحمدَ باثمن الربیح

واقدامی علی المکروہ نفسی — وضربی ھامۃ البطل المُشیح
وقولی کُلّما جشات و جاشت — مکانَكِ! تُحمَدِی او تستریحی
لا دفع عن مآثر صالحاتٍ — واَحمِیَ بَعْدُ عن عوض صحیح

پھر اس کے باپ کو لکھ بھیجا کہ اس میں ہنوز شعر کی کمی ہے، اُس نے پھر اس کی ادبی تعلیم کی بھی تکمیل کر دی۔علومِ ادب کی اہمیت پر اس واقعہ سے بہت اچھی روشنی پڑتی ہے اور علومِ ادب کے اہتمام و تکمیل سے اور علوم و فنون کے مسائل سمجھنے میں بڑی گراں قدر امداد ملتی ہے۔کہتے ہیں کہ ایک روز فرّاء امام محمد بن الحسن الشیبانی (صاحب امام ابی حنیفہؒ) کے ہاں بیٹھے تھے، فقہ و نحو کا تذکرہ ہوا فرّا نے نحو کو اور امام محمد نے فقہ کو ترجیح دی تا آنکہ فرّا نے کہا شاید ہی کوئی ایسا آدمی ہو جس کو علوم عربیہ کے حصول کے بعد پھر اور علوم کے حاصل کرنے میں غیر معمولی سہولت نہ ہوئی، اس پر امام محمد بولے اے ابوزکریا (فرّاء) آپ تو چشمِ بد دور عالم العربیہ ہیں، میں آپ سے ایک فقہی مسئلہ پوچھتا ہوں دیکھوں تو آپ کی ادب دانی کہاں تک کام آتی ہے، فرّاء بولے ''ہمیں گوئے وہمیں میداں'' محمد بولے یہ بتاؤ کہ ایک شخص سے نماز میں سہو ہوا، اُس نے سجدۂ سہو کیا مگر سجدہ میں بھی سہو ہو گیا، اب اُس پر کیا لازم آتا ہے، فرّاء بولے کچھ نہیں، محمد نے کہا کیوں؟ کہا اس لیے کہ ہمارے ہاں مصغّر کی پھر تصغیر نہیں ہوا کرتی، اسی طرح سجدۂ سہو متمم نماز ہے اور متمم کا متمم نہیں ہوا کرتا، اس پر امام محمد نے کہا میرا خیال نہ تھا کہ کوئی ماں کا بیٹا تیری طرح فہیم ہوگا الحدیث بالحدیث یُذکَرُ ۔کتبِ تراجم النحاۃ میں منقول ہے کہ کسی نحوی کے دروازے پر ایک سائل نے آ کر دستِ سوال دراز کیا، اس پر نحوی نے کہا اِنصرِف (جاؤ) سائل نے کیا خوب جواب دیا کہ اَحمَدُ لا ینصرف (یعنی کہ میرا نام احمد ہے اور احمد غیر منصرف ہے) اس پر نحوی بے حد خوش ہوا، اور اس کی اچھی آؤ بھگت[6] کی، ادب کے محاسن و فوائد کا علمی حصہ تو ایک حد تک ہمارے اس بیان سے واضح ہو گیا رہے مادی فوائد سوان کے لئے بہتر ہو کہ عمدۃ ابن رشیق کے باب من رفعه الشعر ومن وضعه اور باب من قضی له الشعر ومن قضی علیه اور باب شفاعات الشعراء و تحریضهم اور باب احتماء القبائل بشعرائها وغیرہ ابواب پر نظر ڈال لی جائے۔

ادبِ عربی کے خصائص ومزایا

بدقسمتی سے ہمارا اردو اور فارسی ادب بہت سی علمی خوبیوں سے معرّا ہے۔عربی سے ان کو درحقیقت کوئی نسبت نہیں، اگر ہے تو نسبت مباینہ بشرطیکہ مباینت کو نسب اربعہ میں جگہ دی جائے، ہماری شاعری کی جان وہی چند فرسودہ خیالات ہیں جن کو انگلیوں پر گنا جا سکتا ہے۔ حالات و واقعات، اوصاف ونعوت، محاسن ومساوی کا مقابلہ، جذبات واحساسات، عواطف وامیال کی ترجمانی یہ ساری خوبیاں ہماری ایرانی نژاد شاعری کے طفیل ہم سے چھن گئیں اور ان کی جگہ گل وبلبل اور شمع وپروانہ نے لے لی۔ یوں بھی اردو شاعری کی عمر ایک سو اور فارسی شاعری کی صرف آٹھ نو سو سال ہے اور پھر دونوں کا حلقۂ اثر ایک محدود رقبہ کے اندر ہی رہا ہے، یعنی ہند وایران۔ مگر بحمد اللہ عربی شاعری اقصائے اندلس ومراکش سے لے کر دریائے چین تک ہر عہد میں ساری وجاری رہی ہے، ہر اسلامی حکومت کے عہد میں عربی کو جو امتیاز ومزیّت عطا ہوئی ہے، وہ آج انگلینڈ میں انگریزی کو بھی مشکل سے حاصل ہے۔ہم اس مخالف آب وہوا کے باوجود دیکھتے ہیں کہ عربی بولنے والوں کی تعداد اردو اور فارسی بولنے والوں کی مجموعی تعداد سے کہیں زیادہ ہے۔اس سے بڑھ کر اور کوئی امرِ واقع پیش کیا جاسکتا ہے کہ ہنوز عربی کے مشاہیر شعراء کا کوئی مکمل تذکرہ نہیں، ہر چند کہ تذکرے صدہا ہیں مگر یا وہ کسی خطہ کے شعراء کے ساتھ مخصوص ہیں یا کسی خاص عہد یا صفت کے ساتھ۔اس لیے کہ اگر صرف نامور شاعر ہی لیے جائیں اور ان کے صرف سنین ولادت ووفات پر اکتفا کی جائے باہم چالیس پچاس جلدیں سیاہ ہوجائیں، وَالھِمَم دون اقتنائها قاصرة ۔ مجھے یہاں دو گورے چمڑے والوں کی شہادتیں یاد آتی ہیں الفضل ما شهدت به الاعداء ڈاکٹر لیبان اپنی تمدّنِ عرب مترجمۂ مولوی سیّد علی بلگرامی اور ڈاکٹر ڈریپر معرکۂ مذہب وسائنس مترجمہ ظفر علی خاں میں لکھتے ہیں کہ عربی ادبیات کم وکیف میں روئے زمین کے مجموعۂ ادبیات سے کہیں گراں سنگ ہیں۔آیئے ہم آپ کو اب اور علوم کی سیر کراتے ہیں۔صرف نحو کے متعلق میرا یہ دعویٰ ہے، کہ روئے زمین کی زبانوں میں اس قدر فاضلانہ کتابیں کسی زبان کی صرف ونحو پر موجود نہیں۔نحو کے صدہا خصوصی عالم گزرے ہیں، اُن کے تذکرے وغیرہ موجود ہیں، علمائے بصرہ، کوفہ اور بغداد

وغیرہ کے نحوی اختلافات ضخیم مجلدات میں مقید پڑے ہیں۔مخصوص مسائل پر انہوں نے بیشمار رسائل وکتب لکھ ڈالی ہیں، الاشباہ والنظائر کی سیر کیجیے، پھر یہ علم ایجاد بھی حضرت علیؓ کی ہے، فارسی واردو گرامریں بھی عربی گرامر کے طرز پر ڈھالی گئی ہیں،علم العروض والقوافی کا طرۂ ایجاد خلیل بن احمد الفراہیدی کے سر بندھا ہے وکلّنا عیالٌ علیه فی الفنیّن۔تاریخ کے متعلق تو غیروں کا اعتراف موجود ہے کہ دنیا کی پہلی قوم جس نے تاریخ اور افسانہ میں حد فاصل قائم کی اور دنیا بھر کی تاریخ مضبوط ومحفوظ رکھی، وہ عرب ہی ہیں۔آج پرتگال،سسلی،اٹلی وغیرہ کی تاریخ بھی عربی مواد سے فراہم کی جارہی ہے۔ایران کی تاریخ کے لیے ہمیشہ آپ ابن جریرؒ کا حوالہ دیتے ہوں گے، علم انساب تو عربوں ہی کا خاصۂ لازمہ ہے،عربوں کے آبائی صفات از قبیل غیرت،حمیت، مدارات،شجاعت،صلۂ رحم،تعاون وتظافر وغیرہ کریمانہ اخلاق کا یہی علم سرچشمہ ہے، دنیا کی کسی قوم کے پاس یہ علم کمزور سے کمزور حالت میں بھی نہیں۔اب ذرا علم اسماء الرجال کو بھی لیجیے جس کے طفیل آج ہم کئی لاکھ گرامی قدر نفوس کے جزوی سے جزوی حالات معلوم کرنے کے قابل ہوئے ہیں۔یہاں ذرا ڈاکٹر اسپرنگر کا وہ مشہور مقولہ جو انہوں نے الاصابة فی تمییز الصّحابة کی ۱۵ جلدیں ایڈٹ کرتے وقت کہا تھا،یاد کیجیے۔تفسیر وحدیث کے لیے صرف اتنا کہہ دینا کافی ہوگا کہ دنیا کے کسی متن کی اتنی شرحیں نہ لکھی گئی ہوئی ہوں گی جتنی قرآن حکیم کی لکھی گئی ہیں اور نہ ہمارے نبی کریم علیہ آلاف التحیۃ والتسلیم سے پیشتر کسی نبی کے کئی لاکھ اقوال وافعال کو من وعن ضبط رکھا گیا ہوگا اور صحت وسقم کے لیے اس قدر جانکاہی سے اسماء الرجال کی کثیر الاجزاء کتابیں بلا رو و رعایت لکھی گئی ہوں گی۔

ہمارے اسلاف اور ہم

اب آیئے ہم ان کے کارناموں کا اپنی حالت سے مقابلہ کریں۔پچھلے علماء فقہاء، مفسرین صرفیین نحویین محدثین وغیرہم عموماً منظوم سوالوں کا جواب نظم ہی میں دیا کرتے تھے،ابن جبیرؒ بغداد میں پہنچ کر خجندی سے اجازہ طلب کرتے ہیں،یا من حواہ الدین فی عصرہ صدرا یحل العلم فیه فؤادا الخ اس کا وہ صدر آرائے مسند علم وتدریس یوں جواب دیتا ہے۔

لك اللّـه مـن خـاطـبٍ خلتّـي　　ومن قابس يجتدي سقط زندي

اجـزتُ لـه مـا اجـازوه لـي　　ومـا حَـدَّثـوه ومـا صحَّ عندي

وكـاتـب هـذي السطـور التـي　　تـراهـنَّ عبـدُالـلطيف الخجندي ۱۷ھ

کلام کی سلاست و روانی اور عذوبت و رعنائی کو دیکھ کر یہ خیال نہیں ہوتا کہ یہ کسی فقیہ مفسر اصولی یا محدث کا کلام ہے، بلکہ کسی کہنہ مشق بذلہ سنج سخن گو کا۔ گویا اس مبارک عہد میں ادب کی تکمیل فرض اوّلین سمجھی گئی تھی، اسی طرح معجم الادباء اور الاشباہ و النظائر وغیرہ میں اس قسم کے صدہا منظوم سوال و جواب نظر سے گزریں گے۔ علماء لکھتے ہیں کہ کسی علم کا عالم اُس علم کا عالم کہلائے جانے کا حقدار نہیں، جب تک وہ ادب سے اس قدر بہرہ ور نہ ہو کہ اس علم کے متعلقہ منظوم سوالوں کا نظم میں جواب دے سکے۔ ہمارا ملک آج ہی جبکہ اسلامی حکومت کا ظلِ وارف ہمارے سروں سے اٹھ گیا ہے، ادبیات سے محروم نہیں ہوا بلکہ اس کی تاریخ میں کوئی ایسا شخص نہیں گزرا جس پر صحیح معنوں میں لفظ ادیب کا اطلاق ہو سکے، اللّٰھم مگر اسی لاہور میں لغت عربی کے ایک جلیل القدر امام رضی الدین ابو الفضائل الحسن بن محمد الصغانی اللاہوری چھٹی صدی ہجری کے آخر میں پیدا ہوئے ہیں۔ لاہور یا پنجاب ہی کو نہیں بلکہ تمام عالمِ اسلامی کو اس ماہر لغوی کے وجود پر فخر ہے۔

بغية الوعاة (ص ۲۲۷) میں ہے:

حامل لواء اللغة في زمانه وكان اليه المنتهي في اللغة : لغت میں اپنے مجمع البحرین ،التكملة على الصحاح اور العباب جس میں مادہ بَکَم (گونگاپن) تک پہنچ کر رہ گئے اور اجل نے کتاب پوری نہ ہونے دی اور جس کے متعلق کیا خوب کہا گیا ہے۔

اِنَّ الـصـغـانِيَّ الّـذي　　حـازَ العلومَ وَالْحِكَمْ

كـان قُـصـاري امـره　　اَن انتهـي الـي بَكَمْ

یعنی وہ امام صغانی جو علم و حکمت کا مالک تھا اس کا انجام بھی اس بات پر ہوا کہ بَکَم (خاموشی) تک پہنچ کر رہ گیا، مشارق الانوار حدیث کی مشہور کتاب آپ ہی کی تصنیف ہے، کیا اب بھی لاہور میں عربی ادبیات کے ایسے ہی حامل موجود ہیں، هيهات هيهات!

كان لم يكن بين الحجون الي الصفا　　انيس ولم يسمر بمكة سامرٌ

بلی نحن کنّا اھلھا فابادنا صروف اللیالی و الجدد العواشر

میں مانتا ہوں کہ حکومت کی تحریص وترغیب اور حوصلہ افزائی وقدر شناسی کو علوم کی اذاعت واشاعت میں بہت دخل ہوتا ہے مگر خوئے بدرا بہانہ بسیار، مجھے یہ بتایا جائے کہ حکومت ہمیں اپنی زبان سکھانے کے لیے غیر معمولی طور پر کون سے سبز باغ دکھا رہی ہے، اچھا چلیے یوں ہی سہی مگر وہ امراء جو تعلیم انگریزی کو ذریعہ معاش نہیں بنانا چاہتے، کب اُس کی تعلیم کے لیے مجبور اور عربی کے عدم تعلّم پر معذور ہو سکتے ہیں۔ اگر غربا نے ضروریات زندگی کے لیے اور امراء نے تشبھًا بالحکومۃ اپنی اصل زبان چھوڑ دی تو کیا آسمان سے کوئی اور قوم اتر کر ہمارے علوم و ادب وروایات واخبار کی نگرانی وسرپرستی کا فرض انجام دے گی، چلیے میں سرِ دست دونوں طبقوں کو فی الجملہ اُسی طرح ادبی ذمہ داری سے بری کیے دیتا ہوں۔ کما قیل ؎

اذا کان وجہ العذر لیس بوبضح فان اطراح العذر خیرٌ من العذر

مگر وہ طبقہ جو اپنے تئیں علومِ اسلامیہ کا علمبردار اوران کا وارث ظاہر کرتا ہے، کیوں اتنی غفلت برتتا ہے، ان کے ہاں ادب نفحۃ الیمن ،نوادر قلیوبی ،دیوان متنبی ، حماسہ اور مقامات حریری میں سے کئی ایک کتابوں کے مضمون پر سرسری عبور حاصل کر لینے کا نام رہ گیا ہے، حالانکہ یہ لوگ جامع التعلیلات، شرح جامی، میبذی، صدرا، قاضی، ملّا جلال، میر زاھد، حسامی، التاریخ، الدر المختار وغیرہ کتابوں پر اپنی زندگی کے بہترین پندرہ بیس سال برباد کردیتے ہیں۔ مجھے اپنے ملک کے نصابِ تعلیم پر بھی کچھ کہنا ہے، سو یہیں کہے دیتا ہوں، بلادِ عرب میں صرف ونحو کی تعلیم کے لیے بالتدریج یہ کتابیں مقرر ہیں، لامیۃ الافعال، ابن عقیل شرح الفیّہ، قطر الندا، باشذور الذھب ،اور اگر کسی کو خاص شوق ہوا تو التوضیح لابن ھشام ومغنی اللبیب ۔سبحان اللہ کیا خوب اور سادہ کتابیں ہیں، صاف الفاظ میں قواعد سمجھا کر مثالوں میں ان کو رواں کردیتی ہیں جو نحو کا اصل مقصد تھا مگر ہمارے ہاں تو جوانا موئی کی موشگافیاں، بسم اللہ کی غیر متناہی تراکیب، کافیہ کے جملہ ''الکلمۃ لفظ وضع لمعنی مفرد'' میں مفرد کے صور سگانہ، مسئلہ الکحل، مسئلہ الحسن الوجہ، پھر شرح جامی کا مسئلہ حاصل محصول جو درحقیقت علم نحو ہی سے کچھ سروکار نہیں رکھتا، اعتراضات ھّۂ رضی برکافیہ، جوابات باردۂ مولوی

جامی، یہ سب نحو کے اعضائے رئیسہ قرار دیے گئے ہیں جن سے اصل نحو کچھ ایسی غائب ہوگئی کہ سات آٹھ سال تک بھی طالب العلم کو اس کا سراغ نہیں ملتا، پھر اب ایسا غوجی سے قاضی اور صدرا یا شمس بازغہ تک قریباً اُن تمیں درسی کتابوں کا ذکر کیجیے جو قریباً عمر گرانمایہ کے چھ سات سال لیتی ہیں اور طالب علم کو اس قابل بنا دیتی ہیں کہ کسی کا کہا نہ مانے اور ہر بات میں بال کی کھال نکالنے کی کوشش کرے اور اپنی زندگی کا حاصل اور مساعی غیر مشکورہ کا محصول انہیں چند اعتراضوں یا جوابوں کو گردانے جو اُس نے اپنے استاذ یا کتاب کے برخلاف نہایت دقت آفرینی و دماغ سوزی سے تیار کیے ہیں حالانکہ مقصدِ منطق یعنی صحیح نتیجہ تک پہنچنے کی صلاحیت اور مقصدِ فلسفہ یعنی کائنات کے حالات کو جوں کا توں دریافت کرنا، اس ہشت سالہ محنت کے بعد بھی ہنوز کتم عدم سے منصۂ شہود پر جلوہ ریز نہیں بلکہ برعکس مقصد۔ جس طرح یہ طبقہ غلط استنتاج میں مبتلا ہے، اسی طرح وہ لوگ ہرگز نہیں ہیں جنھوں نے ان کی طرح علم میزان کے ذریعہ راجح و مرجوح دریافت نہیں کیا بلکہ سلاست طبع اور ذوقِ خداداد کو مشعلِ راہِ حقیقت گردانا ہے، اس دعویٰ کی دلیل جملہ کتب فنین ہیں کہ ہر منطق کتاب کے مصنف کا قول دوسرے سے مباین ہے، ظاہر ہے کہ دونوں حق نہیں ہو سکتے بلکہ خدا جھوٹ نہ بلوائے یہاں شخصِ واحد اپنی دو کتابوں یا ایک ہی کتاب کے دو مختلف مقاموں میں دو جداگانہ قول رکھتا ہے اور خود ہی ایک وقت میں غلط کار اور دوسرے میں (اپنے زعم میں) درست کار بنتا ہے، وهل هذا الا مخرقة واختلاق ولنعم ما قيل ۔

جُحَجٌ تَكَاسَرُ كالزُجاج تخالها   حـقًّـا وَكُـلٌّ كـاسـر مـكـسـور

یعنی یہ دلیلیں باہم شیشوں کی طرح ٹکرا کر ساری کی ساری ٹوٹ جاتی ہیں خواہ ظاہر بین کو حق ہی معلوم ہوتی ہوں۔ اب اسلامی فلسفہ یعنی اصولِ فقہ اور فروعِ فقہ کو لیجیے، جو مسلمانوں کی قانون سازی اور آئین دانی کی بہترین نمائشگاہ ہیں مگر زیادہ توغّل کا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان خلافیات میں پڑ کر ان جزوی مسئلوں کو اصول سے بڑھ کر وقعت دیتا ہے اور انہی کو معیار تفسیق و تکفیر قرار دے کر بجائے اس کے کہ کافروں کو مسلم بناتا الٹا مسلمانوں کو کافر بنانے لگتا ہے۔ فاضل ملتانی نے کیا خوب کہا ہے ۔

ايـا عـلـمـاء الهند طال بقاؤكم   وزال بـفـضـل الله عنكم عناؤكم

رجوتم بعلم العقل فوز سعادةٍ	واخشیٰ علیکم ان منیب رجاؤکم
فلا فی تصانیف الاثیر هدایةٌ	ولا فی اشارات بن سینا شفاؤکم
ولا طلعت شمس الهدی من مَطالع	فاوراقها دَیجُرکم لا ضیاؤکم
ولا کان شرح الصدر للصدر	بلِ ازداد منه فی الصدور صداؤکم
وبازغة لا ضوء فیها اذا بدت	وَاَظْلَم منها کالیالی ذَکاؤکم
وسُلَّمُکم مما یعید تسف لا	فلیسن نحو العُلا اِرتقاؤکم
فما علمکم یوم المعادبنافع	فیاوَیلَتی ماذا یلون جزاؤکم
اخذتم علوم الکفر شرعا کانما	فلاسفة الیونان هم انبیائکم
مَرِضتم فزدتم علّةً فوق علّة	تَداوَوا بعلم الشرح فهو دواؤکم
صحاحُ حدیث المصطفی وحسانه	شِفاءٌ عجیب فَلْیَزُل منه داؤکم[۱۸]

علاوہ ازیں زمانے نے یونانی منطق وفلسفہ کو اب تو تقویم پارینہ بنادیا ہے، نئے نئے اصول وضوابط وضع ہوئے ہیں اور ہر دو علم کے جدا جدا شعبے قائم ہیں، جن میں کا ہر ایک یونانیوں کے مجموعہ فنین سے کہیں وسیع اور کثیر الشعب ہے۔ ہمارے ہاں منتسبین الی الدین کا ایک طبقہ ہے جو بجز قرآن و حدیث کے اور کسی علم میں وقت صرف کرنے کو مذہبی گناہ سمجھتا ہے اور العلم قال اللہ قال رسولہ کہہ کر اور فنون کو تسویل شیطان کا لقب دیتا ہے، یاقوت نے ان لوگوں سے اس طرح اپنی جان چھڑائی ہے، "میں خوب جانتا ہوں کہ کوئی بداندیش میرے اوپر اپنی طعن تنقیص کی زبان دراز کر کے اپنی طبعی اور جبلی جہالت سے ضرور کہے گا کہ علومِ دین زیادہ اہم ہیں اور اخروی سعادت پر مشتمل مگر وہ یہ نہیں جانتا کہ طبائع فطرۃً مختلف میلان رکھتی ہیں، اگر تمام لوگ ایک ہی علم میں لگ جاتے تو اور علوم ضائع ہو جاتے۔ مگر خدا کا قانون اس بات کا مقتضی تھا کہ ہر علم کے زندہ رکھنے والے پیدا ہوں اور اس کی حفظ ونگہداشت کریں، میں معترف ہوں کہ اگر میں اپنی مسجد اور جانماز کا ہو رہتا تو یقیناً اپنی آخرت سنوار لیتا مگر کیا تمام عالم اسی طرح کر رہا ہے پھر یہ کیا کم ہے کہ میں ممنوع ومحظور امر کا تو مرتکب نہیں ہوتا، ورنہ بحمد اللہ میں تو اُن لوگوں کے حالات واخبار جمع کر رہا ہوں جو

قرآن وحدیث کے سرچشمے تھے،اور جن کے علوم کے بغیر کوئی حکومت اور اُس کے وظائف پورے نہیں ہو سکتے"۔غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ چھٹی صدی ہجری کے آخر سے یہ بدمذاقی ماوراءالنہر اقوام کے عروج کے ساتھ ساتھ تمام عالم اسلامی پر کم وبیش مسلط ہوگئی اور ہمیں ثریا سے اٹھا کر ثریٰ پر پھینک گئی،اب تو ہماری ادب دانی کے یہ نمونے رہ گئے ہیں آج سے کوئی پندرہ سال پہلے ایک صاحب نے دہلی میں ایک عربی رسالہ لکھا،اُس کی عربی دلچسپی اور ہنسی سے خالی نہیں، افسوس اس وقت وہ سامنے نہیں ورنہ اس کے غیر متناہی عجائب بڑا مقناطیسی اثر رکھتے تھے۔حمد وصلوٰۃ کے بعد لکھتے ہیں، وبُعد فقد قال مني بعض احبتي جس شخص کو قال جیسے معمولی لفظ کا صلہ نہ معلوم ہو وہ آگے چل کر نہ معلوم کیا کیا گل کھلائے گا۔کیا اس بیچارے نے یہ فقرے نہ دیکھے تھے، قال الم اقل لّك ۔عمر بن ابی ربیعہ قال لی صاحبی لیعلم مابی الخ قال لی کیف انت قلت علیل حسان فقولا لها لیس الطریق هنالك۔فرزدق اقول له لمّا اتانی نعیّه وغیرہ۔مولوی عبدالاوّل جونپوری نے لکھا ہے کہ کانپور کی جامع مسجد میں ایک مولوی صاحب تعلیم دے رہے تھے کہ اتنے میں ایک عربی دان انگریز مدرسۂ جامع العلوم کی شہرت سن کر بغرضِ تفریح چلا آیا۔مولوی صاحب سے عربی میں پوچھا آپ یہاں کیا پڑھاتے ہیں؟ انہوں نے دو ایک علوم کے نام دہرا دیے،اس کے بعد اُس نے مکرراً کئی سوال کیے جن کے جواب میں مولوی صاحب نے اپنے عجز کا اعتراف کیا تو وہ بولا آپ کے نبی عربی ہیں،آپ کی قوم عربی،آپ مدرسِ علوم عربی اور بقول آپ لوگوں کے لسان اہل جنت بھی عربی ہے،اور بایں ہمہ آپ عربی نہیں بول سکتے،اس پر مولوی صاحب کو سخت خجالت ہوئی۔ایک عرصہ ہوا میں نے فتح المغیث بشرح الفیة الحدیث میں دیکھا تھا کہ ایک عالم عید کی نماز کے لیے شہر کی عید گاہ کی طرف گئے وہاں دیکھا کہ امام کی سجدہ گاہ کے سامنے ایک بکری بندھی ہوئی ہے جس نے اثنائے نماز میں ممیا ممیا کر لوگوں کی توجہ اپنی طرف پھیر لی۔فارغ ہو کر اس نے کہا جناب یہ بکری آپ نے کیوں باندھی ہے؟ بولے حدیث میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نماز پڑھتے تو اپنے سامنے عنزہ [19] رکھ لیا کرتے تھے۔اس پر اس نے امام کو اصل قصے سے واقف کیا اور کہا کہ آپ تصحیف میں مبتلا ہو گئے۔ الف لیلہ کی عربی ملاحظہ ہو اچھی خاصی فارسی معلوم ہوتی ہے۔اس کتاب کے ایرانی الاصل ہونے

کی بڑی سے بڑی دلیل یہی ہے، وہ غالباً کسی ایرانی نومسلم کی تصنیف ہے۔ یاقوت لکھتے ہیں کہ آج کل ایک جلیل القدر امام نے مقاماتِ حریری کی نہایت فاضلانہ شرح لکھی ہے اور مقبول بھی خوب ہوئی ہے مگر بااین ہمہ وہ ضروری جغرافیہ سے ناآشنا ہیں۔ تبریز کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ شام کا ایک شہر ہے، منبج سے ۲۰ فرسنگ ہے اسی طرح یاقوت نے ان کی بہت سی مضحکانہ اور عامیانہ جغرافی غلطیاں دہرائی ہیں۔ یہ ہماری غفلت کے نتائج ہیں عنقریب وہ زمانہ آئے گا (ولا کان) جب الحمد کا ترجمہ کسی مستشرق سے کرانا پڑے گا۔ ہاں اب ادھر اہل یورپ کی علمی سرگرمیاں بھی دیکھیے کہ محض کنج کاوی اور اکتشاف کی دھن میں انہوں نے کیا کچھ کیا، ان کی خوش مذاقی کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوگا کہ تمام کتابیں جو انہوں نے شائع کی ہیں، ہمارے نامی گرامی ائمہ کی ہیں، آپ نے حتی المقدور تصحیح کی ہیں، فہارس تیار کی ہیں تاکہ فی الجملہ کتاب ممکن الاستفادہ ہو سکے۔ ادبیات کا تو بے بہا گنجینہ شائع کیا ہے مگر ریاضی، تفسیر، حدیث وغیرہ تک کو بھی نہیں چھوڑا۔ مالکی فقہ کی کئی تصنیفیں، البینہ لابی اسحق الشیرازی، صحیح بخاری، رجال الصحیحین والموطا، مشتبہ النسبۃ ورجال مغازی ابن اسحاق للذھبی وغیرہ وغیرہ صدہا کتابیں شائع کر ڈالیں، اگر آج عربی کی علمی کتابیں دیکھیں تو حسنِ طباعت اہتمام تصحیح، انتظام فہارس میں یہ کتابیں اپنی نظیر نہیں رکھتیں، اغانی کی جلد ۲۱ و فھارس، معجم البلدان و فھارسہ، تاریخ ابن جریر و فھارسہ، تجارب الامم، ارشاد لا ریب، الانساب معجم البکری، نجوم الزاھرۃ، طبقات ابن سعد وغیرہ وغیرہ ضخیم کتابیں کس حسنِ مباشرت سے چھاپی ہیں۔ یمن کے حمیری اور سبا کے تمدن کی کھوج نکالتے ہیں اور خط مسند حمیری کے قدیم کتبے بڑی جانکاہی سے پڑھتے اور ان سے اس عہد کی فراموش شدہ تاریخ کو مرتب کرتے رہے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ اھد قومی فانھم لا یعلمون. اَللّٰھُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَن تَشَآءُ۔ (میمن عبدالعزیز راجکوٹی)

حواشی بقلم علامہ عبدالعزیز میمن

۱۔ دیکھو ذیل امالی القالی ص۱۳۲

۲۔ عربی میں باپ اپنے بیٹے کو کہہ سکتا ہے کہ میں نے تجھے جنا (انی ولدتك) کہ اس کی پشت سے پیدا ہوتا ہے مگر اردو میں اس طرح نہیں کہا جاتا۔

۳۔ مقدمۂ معجم الادباء

۴۔ مزہر ج ۲ص ۱۹۸

۵۔ ذیل امالی القالی ص ۱۶۸

۶۔ ذیل الامالی

۷۔ مشک کے سوا اور کوئی خوشبو خوش بو ہی نہیں۔

۸۔ شہد کے سوا اور کوئی مشروب مشروب ہی نہیں۔

۹۔ ذرا ہمارے اس شریف الاصل وزیر سے یہ تو کہو کہ میں تمہاری پناہ میں ہوں تم میرے علم کی وہ کچھ قدر کیا کرتے ہو جو اگلے بزرگوں سے بھی نہ بن آئی۔ آج عمرو معمر نظام اور جاحظ جیسے بلغا میری فضیلت کے معترف ہیں، بہتر تو یہی تھا کہ تم خود ہی اس رابطہ علمی کی قدر افزائی کرتے، ہر چند کہ گردشِ زمانہ کا یہ تقاضا نہ تھا زمانہ اپنے اندر بہت کچھ نصیحتیں رکھتا ہے اگر انسان پند پذیر ہونا چاہے، اگر آج تم ان لوگوں کی خیر خبر نہ لو گے جو تمہارے دامنِ عاطفت کے ساتھ وابستہ ہیں تو پھر اور کون ان کی قدر کرے گا آپ میری ضرورت کو یونہی نظر انداز نہ کردیں کہ اب تو میری جان جایا چاہتی ہے۔

۱۰۔ ذرا حوصلے سے کام لو کہ آج تمہی یگانہ آفاق ہو، ناقد ہو اور حافظ۔ اس شہر میں علم کیسے کس میرسی میں رہ سکتا ہے جہاں کے ہر شخص کو اس کی ترقی کا خیال ہو۔ ہر ایک آدمی کے لفظ بے معنی ہیں، جب تک تمہاری طرف سے اس کو پروانہ تصحیح عطا نہ ہو۔ اگر تم بولنے پر آ جاؤ تو پھر کون تمہارے لگنے کا نکل سکے گا بحالیکہ جاحظ کو بھی اپنی کوتاہی کا اعتراف ہے، یہ تمہارا وہ علم ہے جس کو دیکھنے کی سارا عالم تاب نہیں لا سکتا جس طرح سورج کی روشنی نگاہ کو خیرہ کر دیتی ہے میں تمہارے خط میں "میں تم پر قربان جاؤں" فـاظ فـانظهـا کو دیکھ کر کچھ ٹپٹا سا گیا ہوں، براہ کرم اس جملے کی تشریح کردو کہ اس سے وہ ادبی فائدہ ہمارے ہاتھ آئے گا جس نے اگلوں کو بھی عاجز کردیا تھا۔

۱۱۔ مجھے ایک شریف اور معزز مہربان کا خط ملا اور میری اس جان کو قدرے تسلی ہوئی جو جایا ہی چاہتی تھی، میرے سارے احباب اُس کے آنے سے مسرور ہوئے اور میرے اعدا الٹے غصہ۔ اس نے بڑی وفاداری سے کام لیا حالانکہ اور تو مجھے بھول بھی چکے تھے، شریف بیشک باوفا ہی ہوتے ہیں اور فاظت کے متعلق تحقیق چاہی سو مجھ سے پہلے اس کو وہ لوگ استعمال کر چکے ہیں جن کو علم سے بہت کچھ بہرہ ملا تھا۔ سہل نے کیسان سے ابوالفیاض کا وہ بیت نقل کیا ہے جو اس نے برہم ہو کر کہا تھا کہ "خدا بحالتِ حیات تیری جان کو محفوظ نہ رکھے اور نہ

بعد از مرگ اس کو اور روحوں کے ساتھ (علیین میں) جگہ دے۔

۱۲؎ ذیل الامالی القالی

۱۳؎ اچھی بات سے باطل بھی آراستہ ہو جاتا ہے جس طرح کبھی سوء تعبیر کی بدولت حق کی مٹی پلید ہوتی ہے، اگر تم شہد کی تعریف کرنا چاہو، تو کہو گے یہ تو شہد مصفا ہے اور اگر مذمت چاہو تو یوں کہو گے یہ تو بھڑوں کی قے ہے، دیکھو چیز وہی ہے مگر ایک بیان نے تعریف کر دی اور دوسرے نے مذمت، ہاں قوت بیانیہ تاریکی کو نور بھی بنا سکتی ہے۔

۱۴؎ اسوید، بطین، قعنب، اور امیر المومنین شبیب (ایک خوارج کا سرغنہ) ہم ہی میں سے ہے۔

۱۵؎ دیکھو الامالی ج ۲ ص ۱۹۷ و شرح شواهد المغنی ص ۱۸۶۔

۱۶؎ یہ واقعہ علامہ زمخشریؒ صاحب کشاف کا ہے، تصویر واقعہ یہ ہے کہ علامہ زمخشری گوشہ نشینی اختیار کرنے کی وجہ سے ہمیشہ اپنے حجرہ کے کواڑ بند رکھتے تھے، ایک روز عمر نامی ایک شخص نے جو علم النحو کا مسلم الثبوت ماہر تھا آ کر دروازہ پر دستک دی، علامہ نے استفسار کیا مَنْ عَلَی الْباب، اس نے جواب میں کہا "عمر" علامہ نے فرمایا انصرف، اس پر اس نے نحو بگھارنی شروع کی کہ عمر لاینصرف یا سیدی علامہ نے جواب دیا، اذ اُنکِرَ صُرِفَ۔ ایڈیٹر

۱۷؎ اے وہ شخص جو مجھ سے دوستی کا خواستگار ہے اور اے وہ طالب نور جو میرے چقماق سے آگ جھاڑنے آیا ہے، خدا تیرا والی ہو، میں تجھے انہی کتابوں کی روایت کی اجازت دیتا ہوں جن کی مجھے میرے مشائخ نے دی ہے اور جو انہوں نے مجھے پڑھائی ہیں یا جو میرے نزدیک صحیح اتری ہیں۔ ان سطروں کا محرر عبداللطیف الخجندیؔ ہے۔

۱۸؎ اے علمائے ہند تادیر جیو! اور تمہاری مصیبتیں خدا کے فضل سے کم ہو جائیں، تم معقول کو ذریعۂ سعادت سمجھتے ہو مگر مجھے ڈر ہے کہ تمہاری یہ امید ناکام رہے، نہ اثیر الدین ابہری کی تصنیفوں سے تمہیں کچھ ہدایت (هدایة الحکمة نام کتاب الاثیر) حاصل ہو سکتی ہے اور نہ بوعلی کی کتاب الاشارت سے تمہارے دردوں کو شفا (نام کتاب بوعلی) نہ مطالع (عضد الدین ارموی) سے آفتاب ہدایت طلوع ہو سکتا ہے، سو اُس کے صفحات تمہارے لیے شب تاریک ہیں نہ روشنی۔ اور نہ شرح هدایة الحکمة از صدر الدین (معروف بصدرا) تمہیں شرح صدر سے مشرف کرے گی بلکہ اس سے تو تمہارے سینوں میں اور ہی رنگ جم جائے گا۔ اگر شمس بازغه (آفتاب عالمتاب) دکھائی دے تو اس میں کوئی روشنی نہیں ہوتی بلکہ اس کے طفیل تو تمہارا ذہن اندھیری رات کی طرح تاریک ہو جاتا ہے۔ اسی طرح سلم العلوم (علموں کی سیڑھی) تمہیں اتنی نیچے لے جائے گی اور اس کے ذریعہ تم مراتب بالا تک نہ پہنچو گے، تمہارے یہ علم آخرت میں کچھ کام نہ آئیں گے، ہائے افسوس تم کیسی جزا پاؤ گے، تم نے کفار کے علوم کو علوم شرع کے برابر وقعت دے دی گویا یونانی فلاسفہ تمہارے نبی تھے، سو اب تم مریض اور تمارا مرض روز افزوں ہے، علوم شرع سے علاج کرو کہ وہی تمہاری دوا ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحیح و حسن حدیثیں اپنے اندر وہ عجیب و غریب شفا رکھتی ہیں جو تمہارے مرض کو کافور کر سکتی ہے۔

۱۹؎ یہ لفظ عنزہ الخ محرّ کا بمعنی عصا ہے یعنی عصا کو نماز پڑھتے ہوئے سترہ بناتے امام نے اس کو عنزہ بالسکون بمعنی بکری سمجھا۔

۱۹۲۵ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں بڑے پیمانے پر جوبلی کی تقریبات منائی گئیں۔ علامہ میمن کا تقرر شعبۂ عربی میں کچھ ہی عرصہ قبل ہوا تھا۔ اس اہم موقع پر آپ نے عربی زبان میں ایک قصیدہ لکھا اور خود ہی اس کا اردو ترجمہ کیا۔ یہ قصیدہ مع ترجمہ علی گڑھ میگزین (جوبلی نمبر) میں بھی شائع ہوا۔ (مؤلف)

هذه كلمة في استثارة كامن الاشجان الى جامعة على كره الاسلامية و نصيحة نخلتها لشبان الأمّة في عِيد العام الحسنيين على تاسيس المعهد المذكور الذى بقي من ۲۵ ديسمبر الى ۳۱ منه سنة ۱۹۲۵ م

علی گڑھ کی طرف دلوں کو کھینچنے اور نوجوانانِ قوم کو کلمۂ خیر سنانے کے لیے یہ قصیدہ جوبلی دسمبر ۱۹۲۵ء کے موقع کے لیے لکھا گیا

سلامٌ على خير البِقاع على كرٍ　　ومصبحها في ظِلّ أمنٍ و ممساها

علی گڑھ کو جو بہترین زمین ہے میرا سلام ہو اور وہاں کے پرامن صبح وشام کو

سلامٌ عليها انّ طِيبَ نسيمها　　يجدّد في قلبي على الدهر ذِكراها

ہاں اس کو سلام ہو! کہ اُس کی پرلطف نسیم ہمیشہ میرے دل میں اُس کی یاد تازہ کرتی رہتی ہے

ومالِيَ لا أصبو و طِيبُ ترابها　　يُشهّي الى قلبي هَوى رَحبِ مَثواها

میں کیوں اس پر شیفتہ نہ ہوں؟ جبکہ وہاں کی خاک پاک میرے دل میں وہاں کے کشادہ گھروں کو مرغوب طبع بنا رہی ہے

وَرحبَتُها الفيحاءُ يُشرِقُ جَوُّها　　وَرَوْضَتها الغنّاء يُحظِيك رَيّاها

نیز اُس کے فراخ میدان جن کا خلا (لہ تما سفیر) ہمیشہ صاف رہتا ہے اور اس کے گنجان باغ جن کی ہوا تمہیں محظوظ کرتی ہے

على انّها بالهند أوّلُ مَعْهَد　　لتأديب ناشيها قَد اسّسَ تقواهَا

علاوہ ازیں یوں بھی تو وہ سرزمین ہند میں پہلا تعلیمی مرکز (انسٹیٹیوشن) ہے جس کی بنا نوعمروں کی تعلیم کے لیے تقویٰ پر رکھی گئی ہے

وفِتْیـان صـدقٍ لا یُـمِلُّ حدیثُهم　　　تَـجـرَّدَ فی نشر المعارف مَسعَاهَا

اور راستی شعار نوجوانان جن کی باتوں سے کبھی جی نہیں اکتاتا اور جن کی کوششیں نشر تعلیم کے لیے وقف ہیں

تـراهـا بـزیٍّ واحـد فَـتَـظُنُّهَـا　　　وَإن لم تکن فی الخَلق والخُلق أشباها

تجھے وہ سب ایک ہی پوشاک میں دکھائی دیں گے جس سے تو ان کی شکل وشمائل میں ایک دوسرے سے مشابہ پائے گا گو کہ وہ مشابہ نہیں ہیں

تَـخَـرَّجَ خِصِّیصـون منهم بِسَبْقِهِمْ　　　فـاجْـرَ واعیـونـا لـلـعـلـوم وأمواها

یہاں سے بہت سے ماہران خصوصی فارغ التحصیل ہوئے ہیں اور پھر انہوں نے علوم کے چشمے بہا دیے ہیں

وصـاروا هُـداةً. قـادةً لِبـلادنـا　　　من السُّبْل سُبْلِ السَّالکین لأهداها

اور ہمارے ملک کے لیڈر رہے ہیں اور بہترین راستے کی طرف ملک کو لے جا رہے ہیں

فقد سَدَّدوا او قاربوا الأمر جَهْدَها　　　ولـم یُقْحِمُوا دهماء ها فی ثنایاها

سو یا وہ پورے کامیاب ہیں یا اپنے برتے کے مطابق قریباً کامیاب، کہ انہوں نے عوام کو ٹیڑھی گھاٹیوں میں نہیں پھنسایا

فـأعـمـارهُـم لِلجِیل وَقفٌ مسبَّلٌ　　　وَنهـضَتُهـا فیهـا کـذلك مَثواهـا

سو ان کی عمریں اپنی قوم کے لیے وقف عام ہیں اور ان کا سفر و قیام ہر دو اسی کے لیے ہے

وَقـل لَهـم هـذا وذاك فَـمَـمَـاتُهَـا　　　لِـرَفْـعِ مَـنَـارِ الْـعِلْمِ فینا و مَحیاها

سچ تو یہ ہے کہ یہ اور وہ، دونوں باتیں ان کے لیے کم سے کمتر ہیں کہ ان کی موت اور ان کی زیست دونوں کے منارۂ علم کو بلند کرنے کے لیے ہیں

....

ولـم أغـلُ فِـیْ وصـفـی هذا جلیَّةً　　　وعـن بـاطن الأشیاءِ ینبیكَ سِیْمَاهَا

میں نے اپنے بیان میں غلو سے کام نہیں لیا کہ یہ سب کچھ عیاں ہے، اور اندرونی احوال سے تم کو بیرونی شکل ہی آگاہ کر دے گی

فیـا أُمتّـی مـاذا اَدهـاكِ؟ فـاننـی　　　أراكِ ولـم تَـسـکـر بخمر حُمَیَّاها

اے میری قوم! تجھے کیا ہوا ہے جو میں تجھ کو اس شراب کے نشہ میں چور نہیں دیکھتا

فسیـری بـنـا البَردینِ نحو علی کرٍ　　　اِلـی بُـقـعـة أبـغـی مـن الله سقْیاهَا

ہمیں دونوں ٹھنڈے وقتوں (صبح وشام) میں ذرا علیگڑھ کی طرف لے چل جس کی سیرابی کے لیے میں بارگاہ ایزدی میں دست بدعا ہوں

الٰی حیث ماءُ المجد غیر مُحلّلٍ ولا أرضُها الفیحاء ضاقت بسُکناھا

جہاں کا آبِ شرف مکدر نہیں کر دیا گیا اور نہ وہاں کی فراخ زمین رہائش کے لیے کچھ تنگ ہے

فربّی من ضنْک البلاد أراحنی وأصبحتُ لا یبدو لعینیَّ مرآھا

کہ میرے خدا نے مجھے تنگ زمین[1] سے چھڑا لیا اور اب مجھے اس کا منظر کہیں دکھائی نہیں پڑتا

فقد قام سُوقٌ یُھرَعُ النّاسُ نحوھا وأسنی بھاءً من عُکاظَ لادناھا

اب وہاں ایک میلا لگ رہا ہے جس کی طرف خلقِ خدا کشاں کشاں آ رہی ہے، وہاں کا ادنیٰ حصہ بازارِ عکاظ[2] کے میلے سے کہیں زیادہ پُر رونق ہے

وقد نَسلوا من کلّ أوب ووجْھة إلیھا رجاءً أن ستکرِمُ مثواھا

لوگ اس توقع میں کہ علی گڑھ ان کی پوری پوری خاطر و مدارات کرے گا جوق در جوق اُمڈتے آ رہے ہیں

فاھلاً و سھْلًا بالوُفود و مرْحبًا ویُبْدَل من لَمْ یأت اولا مِن واھا

سو، اے ہمارے عزیز مہمانو! جت جت آؤ! جم جم آؤ! اور جو نہیں آیا وہ بجائے ''واہ واہ'' کرے وہ ہمیشہ ''ہائے ہائے'' کرتا رہے

....

ألا أیّھا الشُّبّان! لا تنْسُبوا لعُلیٰ لمَنْ قد تَناھی فی المعیشة أوتاھا

اے نوجوانو! اس شخص کو بلند مرتبہ نہ خیال کرنا جو فکرِ معیشت سے نچنت ہو کر اکھڑنے لگے

فلیس لنوع الانس ثَمّ مَزیّةٌ علی سائر الأنواع إلّا سَجایاھا

کہ بنی نوعِ انسان کو محض اُس کے شمائل کی وجہ سے باقی انواعِ حیوانات پر امتیاز ہے

وما الزِیُّ إلّا للتجمّل خادمًا فلا تبتغوا منه علاءً ولا جَاھا

پوشاک تن پوشی کے لیے ایک خادم ہے وبس! کہیں تم اُس کو جالبِ عز و جاہ نہ سمجھ بیٹھنا

وما المجدُ تمراً انْتُم تَاکُلُونَه فلا تصبحوا ممّن علی رھطه باھی

بزرگی کوئی چھوارا[3] نہیں جس کو تم (بسہولت تمام) چبالو، کہیں ان لوگوں کی چال نہ چلنا جو اپنی ہی قوم کے سامنے اکڑتے ہیں

وما ھذه الألقابُ إلّا تَعِلّةٌ فلا دَرَّ دَرُّ المرء إن کان یھواھا

یہ ڈگریاں محض طفل تسلیاں ہیں، اس آدمی کا بھلا نہ ہو! جو اُن پر مفتون ہو

غُذیتم لِبانَ العلم والدین فارْبأوا بانفسکم عن دارکم ودَنایَاھا

تمہاری گھٹی میں علم ودین کا دودھ پڑا ہے اس لیے اپنے کو اس دنیا اور اس کی دلفریبیوں کے خیال سے کہیں بالاتر رکھنا

وخُطوتكم مهما جهدتم فلن تَفِي — بأشواطِ أعداءٍ فكيف تَلافاهَا

تمہارا ایک قدم خواہ کتنے ہی ہاتھ پاؤں مارو تمہارے دشمنوں کی چھلانگوں سے برابری نہیں کرسکتا چہ جائیکہ ان کی تلافی کرسکے

فلا تحسبوا أن قد قضيتم فروضكم — فاخرى مساعيكم إلى المجد أولاها

کہیں یہ نہ سمجھ بیٹھنا کہ تم اپنے فرائض سے نبٹ چکے ہو کہ تمہاری راہ ترقی کی آخری کوشش ہنوز پہلی کوشش کا درجہ رکھتی ہے

وما هذه إلا لِ اعِظُ أخلصتُ — لكم من نصيح ربّمابات يرعاهَا

اور یہ ساری مخلصانہ نصیحتیں ہیں جو بار بار اتوں کو سوچ سوچ کر قلمبند کی گئی ہیں

فكونوا كبَحْرٍ لا تكدِّرُه الدِلا

وقوموا برأى بائِتٍ وارقُبوا اللّٰها

تم اس دریائے زخار کی طرح (مستقل مزاج) بن جاؤ جس کو (پانی بھرنے والوں کی) ڈولیں گدلا نہیں کرسکتیں اور پھر خوب سوچ بچار کر کے اٹھ کھڑے ہو اور ہمیشہ اپنے اللہ کو حاضر ناظر رکھو

عبدالعزيز الميمنى الراجكوتي الأثرى المقرئ بالجامعة الاسلامية فى على كره (الهند)

۹ دیسمبر سنه ۱۹۲۵م

آپ کا خیر سگال میمن عبدالعزیز راجکوٹی

استاذ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

یہ قصیدہ عصر ومغرب کے مابین طیار ہوا تاریخ ۹ دسمبر ۱۹۲۵ء

....

پیغام برائے ہفت روزہ جمہور علی گڑھ "شروانی نمبر"

هيهات لاياتي الزمان بمثله ان الزّمان بمثله لبخيل

مرحوم کی علم دوستی کے افسانے ۱۹۱۰ء ہی سے سن رہا تھا۔ مگر ۲۵ء میں حبیب گنج جا کر آپ کا کتب خانہ دیکھا۔ فلمّا التقينا صفّر الْخَبَرَ الْخُبْرُ۔

آپ نے میرے مضامین معارف (ابن رشیق وابو العلاء) دیکھ لیے تھے اس لیے انتہائی اخلاق سے ملے۔ اپنا کتب خانہ دکھایا اور اس کے عربی نوادر کے متعلق میرے تاثرات معلوم کیے جس کے بعد میں نے زيادات شعر المتنبّي اور الاختیار شائع کیے۔ میرا علی گڑھ کا ۲۵ سالہ قیام وتعلق آپ ہی کی نظرِ انتخاب کا رہین ہے۔ ہر ملاقات میں آپ انتہائی خلوص کا اظہار فرمایا کرتے۔ اردو فارسی کے ناثیر و ناظم ہونے کے علاوہ آپ کو علوم دین وتاریخ سے بھی خاص دلچسپی تھی۔ زندگی بہت پاکیزہ اور معمولات منظّم تھے۔ آپ پختہ عزم ہونے کے علاوہ بے حد مرنجاں ومرنج تھے۔ آپ کے اخلاق کا لوچ آپ کی معاشرت، سیاسی آرا، دینی مسلک وغیرہ میں صاف نمایاں تھا۔ میرے استاد الشیخ حسین بن محسن الانصاری (شیخ خلیل عرب کے جدامجد) کو حبیب گنج بلا کر حدیث کی سند لی یا یوں کہیے ایک اثری علامہ کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا۔ ادھر ندوہ و دیو بند کی جملہ اصلاحات میں آپ کی مساعی حسنہ کو بڑا دخل ہے۔ نیز علماء بریلی بھی آپ کے محاسن ومزایا کے دلدادہ تھے کہ! تمتع زہر گوشہ یافتم

لقد صار قلبي قابلاً كل صورةٍ فمرعىً لغزلان وديرًا لرهبان

آپ کے فنافی العلم ہونے کی زندہ مثال آپ کا کتب خانہ ہے جس کو آپ نے نصف صدی کی کدو کاوش اور صرف زرِ کثیر کے بعد جمع کیا۔ گویا حبیب گنج منیل ہے علیگڑھ قاہرہ اور اپنے کتب خانے میں احمد تیمور پاشا بنے بیٹھے ہیں۔ ایک ایک کتاب کو کیٹیلاگ کر رہے ہیں یا یوں کہیے اس نعم السلف کے حقیقی نعم الخلف (سپوت) یہی اوراق پارینہ کا پشتارو انبار رہ گیا ہے۔ مگر یہ ہماری بدنصیبی کہیے کہ وہ تو اپنا اندوختہ اپنی قومی حکومت کے دار الکتب کو

سونپ کر اس دنیائے فانی سے خوش خوش چل سدھارے مگر یہاں یہ مواقع میسر نہ آئے۔ ہر ملاقات میں آپ کا یہی سوال ہوتا بھئی گذشتہ عرصے میں کون کونسی تازہ مخطوطات دیکھیں، کیا کتابیں چھپیں اور آپ نے خود کیا تصنیف کی۔ ہر قدیم نسخے کو سینے سے لگاتے بمقتضائے الحکمة ضالة المؤمن فحیثما وجدها فهو اولی بها۔ اور پھر!

جمادے چند دادم جاں خریدم   بحمد اللہ عجب ارزاں خریدم

اس گنج شائگان کے حصول سے ایک عرصے تک کام و دہن لذت اندوز رہتے اور بڑے مزے لے لے کر سناتے الغرض

لايدرك الواصف المطري خصائصه   وان يكن صادقًا في كل ما وصفا

یہ خصائص انیسویں صدی کے نصف آخر کے باقیات الصالحات کی برکات تھے ورنہ اب تو!

شد آں مرغ کو بیضہ زرّیں نہاد   زمانہ دگرگوں آئیں نہاد

ہمارے رؤسا کو اگر کچھ بچ رہے ہوں۔اس مغز پاشی سے کیا واسطہ؟ وہ بساط تو الٹ گئی۔ آنکھیں اب یہ جلوے کیا دیکھیں گی!

تغمدّه الله بغفرانه واسكنه بحبوحة جنانه   ويرحم الله عبدًا قال آمينا

(علامہ) میمن عبدالعزیز (سابق صدر شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)

علامہ میمن کی یہ نایاب اردو مسدس جناب یحییٰ ہاشم باوانی نے کاٹھیا واڑ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی رپورٹ بابت ۱۹۱۸ء سے حاصل کی۔ قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ نظم ۱۹۱۷ء میں منعقدہ کاٹھیا واڑ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ راجکوٹ کے لیے لکھی گئی اور وہیں پڑھی گئی۔ رپورٹ میں یہ نظم گجراتی رسم الخط میں ہے جسے اردو رسم الخط میں منتقل کیا گیا۔

مسدّس

اے میرے ملک کے سرمایۂ صد عزت و نام
کشورِ ہند میں ہر سُو ہے تمھیں شہرتِ عام
کسبِ دولت میں ہو ہر قوم سے آگے صد گام
آج دنیا میں نہیں کوئی بھی تم سا خوش کام
مسندِ عیش کے صدرِ نشینان کے ہو رام
بزمِ گلشن میں تمھی آج ہو مستانِ خرام

میں نے مانا یہ تمھاری ہی تو ہے دھوم مچی
کاٹھیا واڑ سے افریقا و برما تک بھی
ہے عیاں راز ہر اک تم پہ خفی ہو کہ جلی
واقفِ سرِّ تجارت بھی چلو تم ہی سہی
ہو تمھی آج بلا شرکتِ غیرے اوّل
جمع ہیں در پہ تمھارے فقراء دل بادل

پر مری مدح و ثنا سن کے نہ اِتراؤ ذرا
ہاں گریبان میں منھ ڈال کے بتلاؤ بھلا
دولتِ علم سے بھی رکھتے ہو تم کچھ بھی راہ؟
تم پہ کچھ صنعت وحرفت کا بھی ہے رنگ چڑھا؟
اپنی ہستی کی تمھیں کچھ بھی خبر ہے کہ نہیں ؟
یا کہ بس ہو رہے نادانی وغفلت کے قریں؟

تم میں کوئی بھی کبھی ماہرِ ہیئت اٹھا؟
فلسفے سے بھی کبھی تم کو سروکار رہا؟
علمِ طب ہی میں بتاؤ کوئی حاذق ہے ہوا؟
یا کہ تاریخ میں شبلی سا کوئی فرد بنا؟
ان کے پاسخ میں کہو تو کہیں اثبات بھی ہے؟
یعنی تم میں کوئی جوہر ہے؟ کوئی بات بھی ہے؟

تم کو خود اپنی ہی تاریخ نہیں ہے معلوم
اور کیا جانو کہ کیا چین ہے کیا خطۂ روم
سارے اسرارِ تمدّن بھی رہے نامعلوم
الغرض ہیچ ہیں یہ سارے فنون اور علوم
تم کو خود اپنے مرض کا کوئی احساس نہیں
ہو وہ بیمار کہ اب جس میں کوئی سانس نہیں

ہو پھنسے اپنے جھمیلوں ہی میں چوں پا در گل
گھر میں ہر روز رہا کرتی ہے دانتا کِل کِل
قلزمِ جہل کا دِکھتا ہی نہیں کوئی ساحل
باہمی بُغض ہے اور بھی زائد مشکل

الغرض کیا کہوں یارو کہ یہ کیا کرتے ہو
بس یہ سن لو کہ جو کرتے ہو بُرا کرتے ہو

آج کوشش ہے ہر اِک قوم کی وقفِ تعلیم
ہر کہیں ذکر اسی کا ہے اسی کی تنظیم
اپنی پستی کی ہر اک کو ہے لگی دہشت و بیم
آئے دن ہوتی ہے ہر طرزِ کہن میں ترمیم
پر وہ تم ہو کہ نہیں جس کو ہنر سے سروکار
یعنی اب تک ہے تمھارا دل و جاں وقفِ خمار

آؤ قصرِ ہنر و علم سجاؤ اب تم
اپنے سر پر عَلَمِ عِلم اٹھاؤ اب تم
جوہر تابِ خدا داد دکھاؤ اب تم
غیر کے دل میں بھی گھر اپنا بناؤ اب تم
صَرف اس راہ میں ہر اپنا دِرم کر کے رہو
کاٹھیاواڑ کو اب رشکِ اِرم کر کے رہو

....

علامہ میمن کی یہ فارسی تقریظ ان کے استاد شاداں بلگرامی کی کتاب کشف المعضلات (مطبوعہ لاہور ۱۹۲۸ء) کے لیے لکھی گئی اور اس میں شائع ہوئی۔ اس زمانے میں علامہ میمن نے تخلص "اسیف" اختیار کیا تھا۔

تقریظ نظم مع مادہ تاریخ من تصنیف جناب مولوی میمن عبدالعزیز صاحب اسیف

راجکوٹی فی الحال عربی پروفیسر آف مسلم یونیورسٹی کالج علی گڑھ۔ شاگرد مصنف

دلا مژدہ بر باحبار گیتی کہ شاداں نمود است تصنیف زیبا

زانوار رائے خودش برنہادہ چراغے بہ گم کردہ راہ بیدا

مزین عروسیست ہر ہفت کردہ برائے سخن سنج و ذی علم و دانا

ز لالیست از چشمہ فیض فکرش ز بہر کہن تشنہ کامان دنیا

دمے از مے سلسل جام تحقیق کہ دانائے دنی است زاں جرعہ پیما

شدہ مست صہبائی و رفت جامی نہ خود چوں نیوشید زاں جام صہبا

زہے فیض جاری ہے ذکر باقی خوشا یادگارِ جناب معلاّ

سند برائے ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو (۱)

مختار الدین احمد آرزو I اے سے VI اے تک مسلسل عربی کے طالب العلم رہے ہیں۔ یہ ہمیشہ اپنے رفقاء میں ممتاز رہے ہیں۔ عربی یوں بھی ان کا خاندانی ورثہ ہے۔ علاوہ بریں یہ ریسرچ کے ہر طرح اہل ہیں۔ عام معلومات خصوصاً متعلقہ مشرقیات میں بہت امتیاز رکھتے ہیں۔ ایم اے فائنل میں بجائے مضمونِ عربی کے ڈسرٹیشن لکھ رہے ہیں جس سے مجھے ان کے ذوقِ ومطالعہ وتحقیق کا اندازہ کرنے کا اچھا خاصا موقعہ ملا ہے۔ گھنٹوں لائبریری میں عربی کی کتابیں الٹتے رہتے ہیں۔ میں ان کے مستقبل کے متعلق بہت پُرامید ہوں۔

یوں بھی وہ اردو میں جو درجہ رکھتے ہیں اس کے اظہار کی مجھے کچھ ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ ہمارے ڈیپارٹمنٹ کی ادبی دلچسپیوں میں ہمیشہ پیش پیش رہتے ہیں۔ لجنة الادب کے دوسال سے وائس پریذیڈنٹ ہیں۔ گذشتہ دنوں سرسید ڈے کے سلسلے میں ان کی انتھک محنت اور مستعدی ہر کہ ومہ سے ستائش حاصل کر چکی ہے۔

یوں بے انتہا مہذب، نیک دل اور جملہ اساتذہ وطلبہ میں مؤدب ومحبوب ہیں۔ مجھ سے انہیں ہمیشہ خصوصیت رہی ہے اس لیے میں ان کی کامیابی کا دل سے متمنی ہوں۔

میں بلا خوف تردید ان کو علمی وادبی خدمات کے لیے موزوں تر امیدوار سمجھتا اور پیش کرتا ہوں اور ان کو اس کا اہل سمجھتا ہوں۔

الداعی
عبدالعزیز المیمنی

اس سند کے اصل متن کا عکس ملاحظہ کیجیے صفحہ نمبر 301 پر

پیغام برائے ماہنامہ سیّارہ ''عبدالعزیز خالد نمبر''

عبدالعزیز خالد میں یہی نہیں کہوں گا کہ اس دور کے ممتاز اور بے مثال اسلامی شاعر ہیں بلکہ پوری اردو شاعری کی تاریخ میں مجھے کوئی اسلامیات اور عربی کا اتنا ماہر اور باخبر شاعر وادیب معلوم نہیں۔ میں انہیں کو نہیں بلکہ پوری مسلم قوم کو تہنیت دیتا ہوں۔

اے کاش وہ غرائب لغات کا استعمال کچھ کم کردیتے یا پھر آپ کا ہر دیوان مشروح ہوتا اور عام پبلک کچھ زیادہ مستفید ہوسکتی جبکہ یہ نہیں ہوسکتا کہ ہم اپنا عربی اور اسلامی ثقافی ذوق اور بڑھائیں۔

اگر حضرت حسان شاعر رسولؐ ہیں تو میرے ہم نام شاعرِ اسلام ضرور ہیں۔

میری دلی دعا ہے کہ اللہ پاک آپ کو اس خدمت کی بیش از بیش توفیق عطا فرمائے۔ اِنَّهٗ قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ۔

ناچیز

میمن عبدالعزیز بہادآباد، کراچی۔۵

۲۸ ربیع نبوی ۱۳۸۸ھ

۲۵ جون ۱۹۶۸ء

عبدالعزیز خالد میں یہی نہیں کہونگا کہ اس دور کے ممتاز اور

بے مثال اسلامی شاعر ہیں بلکہ پوری اردو شاعری کی تاریخ میں مجھے

کوئی اسلامیات اور عربی کا آشنا اور ماہر اور باخبر شاعر اور ادیب معلوم نہیں

میں انہی کو نہیں بلکہ پوری مسلم قوم کو تہنیت دیتا ہوں -

اے کاش وہ غریب لغات کا استعمال کچھ کم کر دیتے یا پھر آپکا

ہر دیوان مشروح ہوتا اور عام پبلک کچھ زیادہ مستفید ہو سکتی جبکہ

یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم اپنا عربی اور اسلامی ثقافی ذوق اور بڑھائیں -

اگر حضرت حسان شاعر رسول ہیں تو میرے ہم نام شاعر اسلام ضرور

ہیں - میری دلی دعا ہے کہ اللہ پاک آپکو اس خدمت کی بیش از بیش توفیق

عطا فرمائے انہ قریب مجیب

ناچیز

میمن عبدالعزیز بہادر آباد کراچی - ۵

۲۸ ربیع نبوی ۱۳۸۸ھ

۲۵ جون ۱۹۶۸ء

ماہنامہ سیارہ لاہور کے 'عبدالعزیز خالد نمبر' کے لیے علامہ میمن کا پیغام

سند برائے مولانا عبدالحلیم چشتی صاحب

کراچی جیسے کاروباری شہر میں علم اور اہلِ علم کا سراسر فقدان ہے۔ یہاں علم کی جستجو کا سودا کسی کے سر میں نہیں سماتا نہ اس کو تلاش و جستجو میں سرگرداں پایا جاتا۔

اس ماحول میں نئے اور تازہ علماء کا پیدا ہونا تو درکنار ۱۵-۲۰ سال پرانے واردین کے علمی ذوق کا بچ جانا ہی عجائبِ روزگار میں سے ہے۔

اس طویل مدت میں شاذ و نادر ہی کوئی نو وارد ایسا ہو کہ جوں جوں گرد و پیش میں دنیاداری کا غلبہ دیکھے یہ ادھر اپنی طلبِ صادق کو تیز سے تیز تر کرتا جائے۔

نوارا تلخ ترمی زن جو ذوقِ نغمہ کم یابی　　حدی را تیز ترمی خواں چو محمل را گراں بینی

ہمارے مولانا عبدالحلیم چشتی جو قریباً ہر سال ایک آدھ دینی و علمی کتاب لکھنے کے عادی سے ہو گئے ہیں اب اپنے عنانِ قلم کو اسلام میں تصنیف و تالیف، ترتیب و تبویب کا جائزہ لینے کی طرف موڑ رہے ہیں اور چونکہ وہ دینیات کے فارغ التحصیل ہیں ادھر تاریخ وغیرہ علوم سے باخبر بھی ہیں کتابیات پر ان کی نظر جو کام کر سکتی ہے آج کل کے نوخیز جوانوں سے کوئی توقع نہیں کی جا سکتی، جو علمی عربی و اسلامی مآخذ سے سراسر بے بہرہ ہیں۔ انہیں تو استاذِ ازل (علماء یورپ) نے جو سکھایا ہے اس سے سرِ مو تجاوز نہیں کر سکتے۔ حروف ہجاء کی ترتیب پر الٹی سیدھی فہرست سازی ان کا سرمایۂ علم ہے وبس! کتابوں کے اندرونی اسرار و خزائن سے ان کو دور کا واسطہ بھی نہیں۔ واقعی مکاتب میں دخل پانے کا یہ آسان ترین نسخہ ہے۔

میں نے آپ کا یہ مقالہ جستہ جستہ پڑھا اور دیکھا، یہ اس قابل ہے کہ اس کو شائع کیا جائے اور آئندہ ریسرچ اسکالروں کے ہاتھوں میں رہے تاکہ وہ اس کے ابواب پر آئندہ کام کریں اور اسلامی مکاتب میں مسلمانوں کا افادی حصہ پیش کر سکیں۔

آخر میں سفارش کرتا ہوں کہ چشتی صاحب کے اس کارنامے کی پوری قدر کی جائے اور ان کو اس پر اوّل درجہ کی ایم اے کی ڈگری دی جائے۔ ان اللّٰہ لا یضیع اجر المحسنین۔

ناچیز

۵ر اپریل ۱۹۷۱ء

میمن عبدالعزیز ریٹائرڈ پروفیسر
جامعات علیگڑھ کراچی و پنجاب

کراچی جیسے کاروباری شہر میں علم اور اہل علم کا سراسر فقدان ہے۔ جہاں علم کی جستجو کا سودا کسی کے سر میں نہیں سماتا نہ اوسکو اوسکی تلاش وجستجو میں سرگرداں پایا جاتا۔
اس ماحول میں نئے اور تازہ علماء کا پیدا ہونا تو درکنار ۱۵-۲۰ سال پہلے وارد ہوئے کے علمی ذوق کا بچ جانا ہی عجائب روزگار میں سے ہے۔
اس طویل مدت میں شاذ و نادر ہی کوئی نووارد ایسا ہو کہ جوں جوں گرد و پیش میں دنیا داری کا غلبہ دیکھے یہ ادھر اپنی طلب صادق کو تیز سے تیز تر کرتا جائے

نوا را تلخ تر می زن چو ذوق نغمہ کم یابی حدی را تیز تر می خواں چو محمل را گراں بینی

ہمارے مولانا عبدالحلیم چشتی جو قریبا ہر سال ایک آدھ دینی و علمی کتاب لکھنے کے عادی ہو گئے ہیں اب اپنے عنان قلم کو اس دام میں تصنیف و تالیف و ترتیب و تبویب کا جائزہ لینے کی طرف موڑ رہے ہیں۔ اور چونکہ وہ دینیات کے فارغ التحصیل ہیں ادھر تاریخ وغیرہ علوم سے باخبر ہیں کتابیات پر انکی نظر جو کام کر سکتی ہے آجکل کے نوخیز جوانوں سے کوئی توقع نہیں کی جا سکتی جو علمی عربی و اسلامی مآخذ سے سراسر بے بہرہ ہیں۔ وفیض استاذ ازل (علماء یورپ) نے جو سکھایا ہے اوس سے سر مو تجاوز نہیں کر سکتے۔ حروف ہجاء کی ترتیب پر اولیٰ سیدھی فہرست سازی ہی انکا سرمایہ علم ہے وبس! کتابوں کے اندرونی اسرار و خزائن سے انکو دور کا واسطہ بھی نہیں۔ واقعی مکاتب میں داخل پانیکا یہ آسان ترین نسخہ ہے۔
میں نے انکا یہ مقالہ جستہ جستہ پڑھا اور دیکھا یہ اس قابل ہے کہ اسکو شائع کیا جائے اور آئندہ ریسرچ اسکالروں کے ہاتھوں میں رہے تاکہ وہ اسکے ابواب پر آئندہ کام کریں اور وسطی مکاتب میں مسلمانوں کا اپنا حصہ پیش کر سکیں۔
آخر میں میں سفارش کرتا ہوں کہ چشتی صاحب کے اس کارنامہ کی پوری قدر کیا جائے اور انکو اسپر اول درجہ کی ایم اے کی ڈگری دیجائے۔ ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین۔

راقم
میمن عبدالعزیز ریٹائرڈ پروفیسر
جامعات علیگڑھ کراچی و پنجاب
۵ر اپریل ۱۹۷۱ء

علامہ میمن کے قلم سے مولانا عبدالحلیم چشتی کے لیے سند

مندرجہ ذیل پانچ تحریریں جو علامہ میمن کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہیں رجسٹرار آفس (مسلم یونیورسٹی) میں علامہ میمن کی ذاتی فائل میں محفوظ ہیں۔ ان کے کوائف کے سلسلے میں ان کاغذوں کی اہمیت ظاہر ہے۔

(۱) یہ رجسٹرار کے نام شعبۂ عربی کی ریڈر شپ کے لیے ان کی درخواست ہے جو ضابطے کے مطابق بھیجنی ضروری تھی۔ یہ اورینٹل کالج لاہور سے ۱۹ ستمبر ۱۹۲۴ء کو بھیجی گئی ہے۔ رجسٹرار آفس ۲۳/ ستمبر کو پہنچی۔ رجسٹرار کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ درخواست کے آخر میں علامہ اقبال کا خط ہے جو انھوں نے ۱۹/ ستمبر ۱۹۲۴ء کو اپنے قلم سے رجسٹرار مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کو لکھا۔ یہ تاریخی خط اس سے قبل کہیں شایع نہیں ہوا۔

(۲) درخواست کے ساتھ علامہ میمن نے اپنے تعلیمی کوائف اور علمی صلاحیتوں اور اپنی تصانیف کی تفصیل اپنے قلم سے لکھی ہے۔

(۳) یہ علی گڑھ میں ۱۷ سال بحیثیت ریڈر کام کرنے کے بعد پروفیسر شپ کے لیے علامہ میمن کی درخواست ہے۔ اب تک یورپ کے جرمن اور انگریز مستشرقین علی گڑھ میں عربی کے پروفیسر ہوتے رہے تھے۔ اس وقت وائس چانسلر ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد تھے۔ درخواست پر تاریخ ۲۵/ اپریل ۱۹۴۱ء درج ہے۔

(۴) علامہ میمن کا علی گڑھ میں تقرر ہو گیا اور انھوں نے کام کرنا بھی شروع کر دیا۔ یہاں پہلے شیخ عبدالحق حقی بغدادی ریڈر کی پوسٹ پر متعین تھے۔ ان کے سبکدوش ہونے کے بعد ریڈر ہی کی پوسٹ مشتہر ہوئی تھی اور علامہ میمن نے ریڈر شپ ہی کے لیے درخواست دی تھی۔ علی گڑھ اس لیے آنا چاہتے تھے کہ یہاں ریڈر کی جگہ خالی ہوئی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھیں صحیح یا غلط کچھ اطلاع ملی کہ یونیورسٹی انھیں لیکچرر (شاید سینئر لیکچرر) کی جگہ پر مقرر کرنا چاہتی ہے۔ وائس چانسلر کے نام یہ خط اسی سلسلے میں ہے۔ خط پر تاریخ یکم جنوری ۱۹۲۶ء ہے۔ بعد کو احکامات دفتر سے آ گئے۔ ان کا تقرر بحیثیت ریڈر منظور کیا گیا۔

(۵) ڈاکٹر ضیاء الدین احمد وائس چانسلر کے نام یہ خط ۱۱/ فروری ۱۹۳۶ء کو قاہرہ سے لکھا گیا ہے جب علامہ میمن استنبول کے لیے پا بر کاب تھے۔ خط تعطیلات گرما کی تنخواہ کے سلسلے میں ہے۔

(۱)

بنام رجسٹرار مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

بعالی ملاحظہ جناب رجسٹرار صاحب مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

جناب من!

اخباروں کے ذریعہ یہ امر معلوم ہوا کہ آپ کی یونیورسٹی کو ایک عربک ریڈر کی ضرورت ہے۔ ناچیز چونکہ اپنے تئیں مستجمع شرائط ہونے کے لحاظ سے اس منصب کا ہر طرح اہل سمجھتا ہے اس لیے پہلے اپنے مشاغل علمیہ گنا کر اپنے کالیفکیشنز (۱) (Qualifications) یعنی آپ کی نظر انصاف پرست کے سامنے پیش کرنے کی جسارت کرتا ہے اور ملتجی ہے کہ ان پر پوری توجہ سے غور فرمایا جائے۔ کہ میں اپنے تتبع ناقص کی بنا پر اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ بلاد ہند کے طلبۂ عربی ہرگز علوم آداب کی طرف ملتفت نہیں ہوتے اور باقی بلادِ اسلامیہ کے علما کے نزدیک اسی بنا پر موردِ طعن بنے ہوئے ہیں۔ آپ بھی اس امر پر اپنے مخلص کے ساتھ متفق ہوں گے کہ انسان کی بہترین سند اس کی ذات اور اس کے کارنامے ہیں۔ میں بھی صرف اتنا چاہتا ہوں کہ خادم کے کالیفکیشنز بغور ملاحظہ فرما لیے جائیں اور مجھے بلا کر زبانی طور پر گفتگو کے ذریعہ ان پر مہر تصدیق ثبت کر دی جائے۔ جناب پروفیسر ٹریٹن صاحب اور مرحوم حقی صاحب نے میری تالیفات ملاحظہ فرمائی ہیں۔

عہد طفولیت سے آج تک جبکہ میری عمر ۳۷ سال ہے بجز آدابِ عربیہ کے میرا اور کوئی مشغلہ نہیں رہا۔ صدہا عربوں کو پڑھایا اور چونکہ میں بمبئی پریذیڈنسی کا باشندہ ہوں اس لیے مجھے عربوں کے ساتھ مخالطت کا خوب موقع ملا۔ یورپ کے مستشرقین اور بلادِ اسلامیہ کے علما سے میرے دوستانہ اور علمی تعلقات ہیں۔ مجھے ترجمہ کی مشق میرے استاذ جناب ڈاکٹر نذیر احمد صاحب مرحوم ایل ایل ڈی سے حاصل ہے۔ اس کا اندازہ میری کتبِ تراجم سے بھی ہو سکتا ہے جن کا ذکر عنقریب کروں گا۔ علمائے سلف شغفت علمی کے لیے جمعِ کتب کو

بہترین وسیلہ جانتے تھے سو آپ کے مخلص نے بھی اپنی اس مختصر زندگی میں کتب ادب، لغت تاریخ بلاغت نحو وغیرہ کا ایک نادرۂ روزگار ذخیرہ فراہم کیا ہے جو جا بجا اپنی ذاتی تحقیقات و تصحیحات سے مملو ہے۔ بیسیوں ادبی کتابیں اپنے قلم سے نقل کی ہیں۔ بہت سے آدمیوں کو پڑھا کر ایم اے وغیرہ کے لیے تیار کیا ہے نیز یہاں بھی میرا منصب عربی کی اعلیٰ جماعتوں کو علومِ ادبیہ کی تعلیم دینا ہے یعنی مولوی فاضل، مولوی عالم اور منشی فاضل وغیرہ کو۔ میرے اساتذہ حسب ذیل ہیں: ڈاکٹر نذیر احمد، عرب محمد طیب مکی نزیل رام پور، شیخ حسین انصاری یمانی، مولانا محمد بشیر سہسوانی وغیرہم۔

میں بلانے پر اپنے تمام کارنامے لے کا حاضر خدمت ہونے کو پا بر کاب ہوں اور محض اشارہ کا منتظر۔ پھر بھی میں بحمد اللہ اپنے سینے میں اتنی گنجائش پاتا ہوں کہ اگر آپ کو مجھ سے کوئی موزوں تر آدمی مل جائے تو میں خود اس کے لیے اپنی امیدواری سے دستکش ہو جاؤں گا۔ ورنہ بصورتِ دیگر آپ کی رگِ حمیت علمیہ سے ایک جنبشِ خیر و شفقت کا طالب ہوں۔ حرسکم اللہ حماکم و حاطکم ورعاکم۔

میں ہوں آپ کی خدمت کا امیدوار
میمن عبدالعزیز السّلفی پروفیسر آدابِ عربیہ
اورینٹل کالج، لاہور
۱۹ر ستمبر ۱۹۲۴ء

I know the applicant is extremely learned in Arabic literature & has done a good deal of research work for which he is eminently fitted. I am sure he will make an excellent Professor of Arabic. I have no hesitation in recommending him to the notice of the Muslim University authorities. He has already done good work in the Punjab University & I shall be glad if a Muslim University employs him.

M. Muhammad Iqbal
Barrister-at-Law
Lahore
13th Sep. 1924.

علامہ اقبال کا تاریخی خط بنام رجسٹرار مسلم یونیورسٹی علی گڑھ جس میں علامہ میمن کی عربی دانی کی بلند الفاظ میں تعریف کی گئی اور ان کے مسلم یونیورسٹی میں تقرر کی سفارش کی گئی

I know the applicant is extremely learned in Arabic literature and has done a fair deal of research work for which he is imminently fitted. I am sure he will make an excellent Professor of Arabic and I have no hesitation in recommending him to the notice of the Muslim University authorities. He has already done fair work in the Punjab University and I shall be glad if a Muslim University employs him.

Muhammad Iqbal
Barister at Law
Lahore. 19th Sept. 1924.

علامہ اقبال کے انگریزی مکتوب کا ترجمہ

میں ذاتی طور پر واقف ہوں کہ درخواست گزار عربی ادب کے بلند پایہ عالم ہیں۔انھوں نے کافی علمی و تحقیقی کام کیا ہے جس کی بنا پر وہ موزوں ترین امیدوار ہیں۔ مجھے یقین ہے وہ عربی زبان کے بلند پایہ پروفیسر ثابت ہوں گے اور مجھے اس بات میں کوئی جھجک نہیں محسوس ہوتی کہ ارباب مسلم یونیورسٹی کے سامنے ان کا نام پیش کروں۔انھوں نے پہلے ہی پنجاب یونیورسٹی میں کافی علمی کام کیا ہے اور مجھے اس بات سے خوشی ہوگی کہ ان کا تقرر مسلم یونیورسٹی میں ہو جائے۔

محمد اقبال

بیرسٹرایٹ لاء

لاہور ۱۹، ستمبر ۱۹۲۴ء

کالیفکیشنز (Qualifications)

(۱) ۱۹۱۱ء میں منشی فاضل کے امتحان میں یونیورسٹی بھر میں اوّل رہا۔

(۲) ۱۹۱۳ء میں مولوی فاضل کے امتحان میں اوّل رہا۔

(۳) ۸ سال ایڈورڈس کالج پشاور میں عربی و فارسی کا پروفیسر رہا ہوں اور چار سال سے یہاں ہوں۔ پشاور میں میرا کوئی عربی کا طالب علم فیل نہیں ہوا جس پر پرنسپل نے اپنے سرٹیفکیٹ میں شہادت دی ہے۔ یہاں میں محض آدابِ عربیہ کا معلم ہوں اور عربی مضمون نگاری اور انشاپردازی کا مخصوص مدرس۔

(۴) میرے پاس شیخ حسین بن محسن انصاری یمانی استاذ نواب صدیق حسن خاں والیٔ بھوپال کا اجازہ ہے۔

(۵) یورپ کے مشہور ترین مستشرق مسٹر مارگولیوتھ آف آکسفورڈ یونیورسٹی جن سے میرے دائمی علمی تعلقات ہیں اپنے ایک منسلکہ سرٹیفکیٹ میں میری وسعتِ نظر وطلاقت وصحت لسان وغیرہ کی شہادت دیتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

(۶) پروفیسر محمد شفیع صاحب پرنسپل حال اورینٹل کالج کا سرٹیفکیٹ ظاہر کرتا ہے کہ میرے مشاغلِ علمیہ اظہر من الشمس ہیں۔

(۷) سرٹیفکیٹ تجربہ ہشت سالۂ پشاور از پرنسپل۔

(۸) میں نے مندرجہ ذیل کتابیں بطور ریسرچ ورک عربی میں لکھی ہیں۔

(الف) فہرست الخزانۃ جو میں نے پنجاب یونیورسٹی کے کہنے پر تین ہزار صفحات پر دیدہ ریزی کر کے تیار کی ہے اور جس کے شروع میں ایک عربی مقدمہ ہے نیز شفیع صاحب موصوف نے انگریزی میں پری فیس لکھا ہے۔ پروفیسر براؤن ونکلسن نے اس کی خوبی کی داد دی ہے جو بصورتِ مکاتیب شفیع صاحب کے پاس محفوظ ہے۔ یہ کتاب یونیورسٹی کے خرچ پر چھپ رہی ہے۔

(ب) النظر علی دیوان شعری النعمان بن بشیر الانصاری وبکر الدلفی اصل دواوین نواب عماد الملک نے چھپوائے تھے جس پر میرے یہ کریٹیکل اور

ہسٹو ریکل نوٹس یونیورسٹی چھپوار ہی ہے۔

(ج)المنتف من شعر ابن رشیق و ابن شرف مع طویل مقدمہ عربی۔یہ ریسرچ ورک محب الدین الخطیب ایڈیٹر المؤید قاہرہ اپنے مطبع سلفیہ میں چھاپ رہے ہیں۔میں ان کے خطوط بھیج سکتا ہوں۔

(د)جمع دیوان النابغة جو نسخ مطبوعہ مصر و یورپ سے دوگنا ہے ہنوز بشکل مسودہ میرے پاس پڑا ہے۔

(ھ)عربی رسائل مصر میں میرے مضامین چھپتے رہتے ہیں ملاحظہ ہوایک تازہ مضمون لماذا پر مصر کے بہترین رسالہ المقتطف بابت جولائی ۱۹۲۴ء میں۔

اردو میں میں نے ذیل کی کتابیں لکھی ہیں۔

(و)شرح بی اے کورس عربی جدید

(ز)شرح بی اے کورس عربی قدیم

(ح)شرح ایف اے کورس عربی مروجہ

(ط)شرح ایف اے کورس فارسی مروجہ

(ی)مضامین۔میرا طویل سو صفحوں کا مضمون المعز و ابن رشیق پر معارف از اپریل تا جون میں مسلسل چھپا ہے جو معارف کی تاریخ میں سب سے بڑا اور محققانہ مضمون ہے۔ملاحظہ فرمائیں سیّد سلیمان کی رائے پرچہ اپریل کے شروع میں۔یہ مضمون یہاں لاہور میں بصدارت خان بہادر شیخ عبدالقادر صاحب سابق جج وشمول جناب شفیع صاحب وڈاکٹر اقبال صاحب وغیرہ فضلا سنایا گیا تھا۔ایک اور مضمون جولائی کے معارف میں اور ایک اور مخزن میں ہندوستان اور علوم ادبیہ عربیہ پر چھپے ہیں۔

(یا)میں نے مختصر السیر للمحب الطبری کو قلمی نسخوں سے یورپین سٹائل پر پہلی مرتبہ ایڈٹ کیا ہے جو دہلی میں چھپ رہی ہے۔

وغیرہ وغیرہ وغیرہ

عربی میں میں نے بہت کچھ قصائد لکھے ہیں۔

(۹) میں پنجاب یونیورسٹی میں عربی اور اردو کے تین امتحانوں کا ممتحن ہوں۔

(۱۰) انگریزی کا پرائیویٹ مطالعہ ہر چند میٹریکولیشن تک ہے مگر اپنے سلسلہ کے الفاظ نسبتاً زیادہ جانتا ہوں۔

............×...... ......×............

(۳)

محترم جناب وائس چانسلر

ہر چند کہ میں علی گڑھ اور آپ کے لیے کوئی نیا نہیں ہوں، آپ کو میرے متعلق بہت کچھ معلوم ہے، مگر دیگر اصحاب کے ملاحظہ کے لیے حسب ذیل حقائق پیش کرتے ہوئے درخواست کرتا ہوں کہ ان پر پوری پوری توجہ دی جائے:-

(۱) میں نے ۱۱ء میں منشی فاضل اور ۱۳ء میں مولوی فاضل پنجاب یونیورسٹی سے پاس کیا اور دونوں میں یونیورسٹی بھر میں اول رہا جس پر ایک چاندی کا تمغہ بھی ملا۔ پھر ۱۳ء سے ۲۰ء تک ایڈورڈس کالج پشاور میں پروفیسری کی۔ ۲۰ء سے ۲۵ء تک اورینٹل کالج لاہور میں عربی کی اعلیٰ ترین جماعتوں کو تعلیم دیتا رہا۔ علی گڑھ میں آج مجھے سترہ سال ہوا چاہتے ہیں جن میں سے تقریباً نو سال چیئر مینی کی ہے۔ آج مجھے انتیس سال کا تعلیمی تجربہ ہے۔

(۲) اس عرصہ میں میری بیس سے زیادہ کتابیں مصر و شام وغیرہ میں شائع ہوئی ہیں جو مستشرقین اور علمائے عرب کے ہاں بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ مصر کے علامہ احمد الاسکندری میری تالیف ابو العلاء کے آخر صفحہ ب پر لکھتے ہیں" میں نے اس کتاب سے اپنی جان کو فائدہ پہنچایا، اپنے لیکچروں میں اس کے نام سے حوالہ دیا، تیرا کیا کہنا! اور اس ملک کا جس نے تجھ جیسا نجیب پیدا کیا الخ" ان دنوں میری چار کتابیں گورنمنٹ مصر اپنے پریس میں چھاپ رہی ہے۔ ہندوستان کے علماء کے لیے یہ پہلا موقعہ ہے۔ میرے رسالۃ الملائکہ ' کے ایڈیشن مصر اور اس کے Notes سے مشہور روسی مستشرق ----- Son-Kratohko اگناطیوس کراتشقوفسکی نے اپنے ایڈیشن میں بڑی مدد لی ہے اور روسی زبان میں میرے Notes کا ترجمہ کیا

ہے۔ Paul Khle پروفیسر برلن یونیورسٹی نے اپنی جرمن تالیف Zeitschrift der Deutschen کو تمام تر میری مدد پر کھڑا کیا ہے اور اس کا ایک مقدمہ میں ذکر بھی کیا ہے۔ ڈاکٹر معظم حسین ڈھاکہ نے اپنی تصنیف The Poems of Suraqah مطبوعہ جرنل رائل ایشیاٹک یونیورسٹی ۱۹۳۶ء میں بار بار میرا حوالہ دیا ہے۔ اسی طرح محمود حسن زناتی نے مقدمہ الفصول والغایات مطبوعہ ۱۹۳۸ء میں بہت شکریہ کے ساتھ میرا ذکر کیا ہے۔ اخبار ابی تمام مطبوعہ ۱۹۳۷ء کا تو کوئی صفحہ شاید ہی ایسا ہو جس میں میرا یا میری کسی تصنیف کا حوالہ نہ ہو۔ R. Geyer نے اپنے Life work دیوان الاعشیٰ کے ایڈیشن مطبوعہ Gibb Memorial Series کے جرمن مقدمہ میں میری امداد کا شکریہ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ نواب صدر یار جنگ کے کتب خانہ میں 'شرح دیوان المتنبی للبرقوقی' موجود ہے جس کے آخر میں میری کتاب 'زیادات المتنبی' قریباً پوری کی پوری کتاب شکریہ کے ساتھ درج کر دی ہے۔ ڈاکٹر ہارلے کا قصہ تو ہمارے وائس چانسلر صاحب کو ہنوز یاد ہوگا۔

(۳) میں دمشق کی شہرۂ عالم عربک اکیڈیمی کا جس کے متعلق مستشرقوں کا اعتراف ہے کہ ان کے یہاں اس درجہ کی کوئی اکیڈیمی نہیں سرزمینِ ہند میں واحد انتخاب کردہ ممبر ہوں جس کی میرے پاس ایک نہایت شاندار سند بھی موجود ہے۔

(۴) محب الدین الخطیب اپنے مکتوب مورخہ ۲۹ ر اکتوبر ۱۹۳۵ء بنام علی پاشا فکری میں لکھتے ہیں '' آپ کو میں علامہ جلیل عبدالعزیز المیمنی سے روشناس کراتا ہوں جو ہندوستان کے لیے بہت بڑے فخر ہیں اور جو ادب عربی میں ہندوستان کے سب سے بڑے عالم ہیں اور باہر بھی ان کی نظیر نہیں پائی جاتی''۔

اور الفتح ۵ رجب ۵۴ھ میں میرے مصر پہنچنے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''ہمیں علامہ محقق جلیل سے مل کر بہت خوشی ہوئی جو بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں اور جن کی وہ وہ مخصوص تحقیقات ہیں کہ ان میں ادب عربی کا کوئی ماہر خصوصی (Specialist) بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا''۔

معارف دسمبر ۱۹۲۵ء صفحہ ۴۰۵ میں میرے علی گڑھ کے تقرر کے متعلق لکھا ہے ''یونیورسٹی کی یہ خوش قسمتی ہے کہ ایسا باکمال فرد آج اس کے احاطہ میں ہے۔ ارکان نے اس موقع پر بے حد

دانشمندی کو راہ دی کہ انگریزی یونیورسٹی کی کاغذی سندوں یا صاحب زبان عرب کے نمائشی نام پر اہلیت، قابلیت اور فضل وکمال کو ترجیح دی الخ"۔

نیز معارف مارچ ۱۹۳۰ء صفحہ ۱۶۲ میں لکھا ہے "میمن صاحب عربی علم ادب کی جو خدمتیں انجام دے رہے ہیں ان کی صدائے بازگشت مصر وشام اور یورپ تک سے آ رہی ہے۔ وہ شام کی مجلس علمی عربی کے ممبر بھی منتخب ہوئے ہیں۔ ادباء عرب بھی اس ہندی تلوار کا لوہا مان رہے ہیں۔ عربی میں سب سے ضخیم لغت لسان العرب ہے...... اس کے مرتبین ومصححین میں ہمارے دوست کا نام بھی شامل ہے اور یہ درحقیقت تمام ہندوستان کے لیے فخر وعزت کی سند ہے۔ ہم اپنے دوست کو اس بڑی کامیابی پر مبارکباد دیتے ہیں"۔ اس سے بھی زیادہ زوردار علمائے مصر کی آراء کے لیے ملاحظہ ہو آخیر ابو العلاء نیز رسالہ الزھراء ۱۳۴۶ صفحہ ۲۴۴ و ۲۴۷ و ۲۹۴ و ۲۹۵ و ۵۶۷ وغیرہ وغیرہ۔

(۵) عالم اسلام کے وہ اعیان واکابر جنھوں نے مجھ سے ملنے کا شوق ظاہر کیا اور جن کی بعض تحریریں میرے پاس موجود ہیں پہلے دو بادشاہ ہیں اور باقی وزیر تعلیمات۔

۱-محمد علی بک عابد سیریا۔

۲-عثمان آفندی جمہوریہ بخارا۔ جن کے عہد میں انور پاشا شہید ہوئے تھے۔

۳-Their Excellencies محمد کرد علی شام۔ ۴-مصطفیٰ عبدالرازق مصر۔ ۵-محمد علی علوبہ پاشا مصر۔ ۶-صلاح الدین سلجوقی افغانستان جن سے ڈاکٹر سر ضیاء الدین صاحب نے ملایا تھا۔

(۶) ہندوستان کے اکثر کالجوں اور یونیورسٹیوں میں میرے شاگرد پروفیسری کر رہے ہیں۔ ان میں سب سے پہلے میں مشہور جرمن مستشرق G.Rescher مقیم قسطنطنیہ کا نام لوں گا۔ پھر ڈاکٹر محمد حسین نینار چیئرمین عربی مدارس یونیورسٹی، ڈاکٹر عابد احمد علی، ڈاکٹر محمد سعید حسن الہ آباد، ڈاکٹر اختر امام کلکتہ۔ ڈاکٹر نذیر الاسلام سری نگر کاشمیر، عبدالخالق عربک کالج دہلی، عبدالباسط اسلامیہ کالج لاہور، عبدالرحمٰن اخوندکار ڈھاکہ، کیپٹن محمد اسمٰعیل وسید احمد لیکچراران پٹنہ، محمد عثمان انسپکٹر مدارس عربیہ بہار، تمقام حسین راولپنڈی کالج وغیرہ وغیرہ۔

(۷) میں نے یہاں چند طلباء کو ریسرچ کرائی ہے جن میں سے ڈاکٹر سیّد محمد یوسف کو ابھی ابھی پی ایچ ڈی کی ڈگری ملی ہے۔ان کے علاوہ مزمل حسین مرحوم، ڈاکٹر نذیر الاسلام، عبدالباسط اور خورشید احمد بھی ہیں۔ڈین آرٹس فیکلٹی ڈھاکہ نے ۳۷ء میں اپنے یہاں کے عربی لیکچرار اخوندکار کو میری رہنمائی میں ریسرچ کرنے کے لیے یہاں بھیجا تو ان کا ایک خط حلیم صاحب کے نام تھا اور ایک خط میرے نام۔یہ واقعہ ہے کہ سیّد یوسف سے پہلے یہاں کسی نے عربی میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل نہیں کی۔

(۸) ۳ رفروری ۳۱ء کو ڈائریکٹر آف پبلک انسٹرکشن پونا Director of Public Instruction Poona نے میری تالیف ابو العلاء پر مجھے ازراہ قدردانی بمعرفت رجسٹرار صاحب یونیورسٹی علی گڑھ یک صدروپیہ پیش کیا تھا۔

(۹) واضح رہے کہ ہر چند کہ میں نے بجز ترکی کے غیر اسلامی یورپ کا کوئی سفر نہیں کیا اور انگریزی کے سوا یورپ کے اور کوئی زبان بھی نہیں جانتا پھر بھی میری تمام تر تصانیف طرزِ تحقیقِ جدید کے عین مطابق لکھی گئی ہیں پرانے طریق پر میں نے کوئی کتاب نہیں لکھی۔یورپ کے طریقِ کار سے بخوبی باخبر ہوں۔اس کام میں انگریزی کے علاوہ مجھے عربی کی جدید تصانیف سے بڑی مدد ملی ہے۔سیّد محمد یوسف کا Thesis بھی تمام تر اسی تحلیلی اصول (Modern Method) پر مبنی ہے۔یورپ کے مستشرقین اکثر Index بنایا کرتے تھے جو ان کا خاص فن ہے مگر میں نے اپنی کتاب سمط اللآلی کی Index اپنے ہی ایجاد کردہ Method پر تیار کی ہے۔الحمدللہ میری یہ محنت ٹھکانے لگی اور بعض جدید الشیوع کتابیں جن کی Indexes میرے طریق پر تیار کی گئی ہیں ہندوستان پہنچی ہیں۔ملاحظہ ہو مقدمہ اخبار ابی تمام صفحہ ۲۲ ''فہرست قوافی میں ہم اس طریق پر چلے ہیں جس پر استاد فاضل شیخ عبدالعزیز المیمنی اپنی سمط اللآلی کی فہرست میں چلے تھے الخ''۔

وزیر تعلیم شام نے جرنل عربک اکیڈیمی صفحہ ۳۰۸، ۱۹۲۸ء میں میری ابو العلاء پر جو خیالات ظاہر کیے ہیں ان سے اس حقیقت پر کچھ روشنی پڑتی ہے''......اس کے مولف علامہ نے یہ کتاب مغرب کے انتہائی ترقی یافتہ اور جدید ترین اصول پر روایت و درایت کی جامعیت کے ساتھ

تیار کی ہے جس سے یہ کتاب سرِ دست مکمل ترین کتاب ہے اور اس طرح اُس نے اپنی انتہائی قابلیت اور ادب دانی کا ثبوت پیش کیا ہے...... بہر کیف پروفیسر موصوف نے بہترین اور دقیق ترین تحقیقات کی ہیں۔ وہ قدیم اور جدید ہر دو طریق کا جامع ہے۔ یہ ان تمام غیر عرب لوگوں میں جو عربی قلم تھامتے ہیں اور جو کہ عربی نژاد انشا پردازوں کی طرح فصیح عربی لکھ سکتے ہیں بہت بہتر ہیں۔ اللہ عربی زبان میں ایسے بے نظیر محققین کی تعداد بڑھائے''۔

(۱۰) میں نے اپنی جملہ تصانیف علی گڑھ ہی میں بیٹھ کر تیار کی ہیں۔ جملہ بلادِ اسلامیہ و یورپ میں میرا اور علی گڑھ کا نام ایک ساتھ لیا جاتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ لاکھوں کاغذوں پر ''میمن'' اور ''علی گڑھ'' دونوں ایک ساتھ چھپتے آرہے ہیں۔ میرے یہاں آنے سے پیشتر ایم اے عربی کے دونوں سالوں میں تین چار طالب علم ہوا کرتے تھے مگر اب وہ سولہ سے کم نہیں ہیں۔ یہ تعداد آپ کو ہندوستان کی اور یونیورسٹیوں میں غالباً نہیں ملے گی۔

میرے لیے بہت مشکل ہے کہ اس سے زیادہ خودنمائی کروں۔ مذکورہ تحریروں کے علاوہ اور بھی بیسیوں تحریریں پیش کر سکتا ہوں۔ انتخابی کمیٹی ملاحظہ فرمالے گی کہ ترجمہ میں میں نے انتہائی امانت داری برتی ہے۔

وہ علمی قدردانی جس کے خیال سے آج سے سترہ سال پیشتر مجھے یہاں بلایا گیا تھا آج بھی جبکہ میں اپنے اور علی گڑھ کے لیے علمی عربی دنیا میں نیک نامی کا باعث بن چکا ہوں اپنی پوری آواز سے آپ کو ادارۂ عربی کی بہبود کی طرف توجہ دلادی ہے کہ انتخاب کے وقت محض اسی اور اسی ایک بات کو ملحوظ رکھا جائے کہ:-

آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند ‎ ‎ ‎ آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

ادارۂ عربی کا دیرینہ خادم

عبدالعزیز المیمنی

۲۵ر اپریل ۴۴ء

............x............x............

(۴)

میرے مکرم ومحترم جناب ڈاکٹر صاحب قبلہ حفظکم اللہ

سلام مسنون!

دعا گو کو اجازت دیجیے کہ اپنی بابت چند امور گوش گزار کرے۔

مجھے یہاں آئے ہوئے ڈیڑھ ماہ کا عرصہ ہو چکا اور ہنوز ۱۵ یوم باقی ہیں جن میں بظاہر کوئی توقع نہیں۔ مجھے کچھ معلوم نہیں کہ مجھے کس طرح لیا گیا ہے؟ میں پردیس میں ہوں اس لیے گونہ مشوش بھی ہوں۔ جوبلی کے انہماک کے ایام گزر گئے اس لیے از راہ کرم میرے معاملہ کی طرف توجہ معطوف فرمائیے۔ اور قبل اس کے کہ کوئی فیصلہ ہو میں امید کروں گا کہ میرے مندرجہ ذیل خیالات پر ضرور ایک نظر ڈال لی جائے گی۔

میری درخواست میں یہ لفظ صراحتاً مذکور ہیں ''ریڈری کی جگہ جو مولانا عبدالحق کی وفات سے خالی ہوگئی ہے'' اس کے بعد آپ کے تار کے لفظوں نے مزید توضیح نہیں کی۔ اس لیے میں یہ سمجھنے میں حق بجانب ہوں کہ میں ریڈر ہو کر یہاں آ رہا ہوں۔ آپ کا تار ملنے کے بعد میرے ایڈریس میں اور پھر زمیندار میں (۱۹ نومبر ۳۵ء) میں ظاہر کیا گیا ہے کہ میں یہاں ریڈر ہو کر جا رہا ہوں۔ مصر سے خط آیا ہے جس میں میرے نام کے ساتھ لفظ ریڈر ہے۔ اس عرصہ کے کوئی ۲۰، ۳۰ بیرونی خطوط پر بھی یہی کلمہ ہے۔ یعنی کہ میں نے آپ کے تار کا یہی مطلب سمجھا کہ میری ریڈری کی درخواست منظور ہوگئی۔

جس چیز نے مجھے درخواست دینے کی ترغیب دی وہ مولانا مرحوم کا وہ طویل خط ہے جس میں انھوں نے اپنے ریڈری پر پہنچنے کا تذکرہ کیا ہے اور کہ وہ از چہار صد تا ہفت صد و پنجاہ ہے۔

Rs: 400-70-750

میں یہ ساری چیزیں بشرط طلب آپ کی خدمت میں بغرض ملاحظہ عرض کر سکتا ہوں۔

میری درخواست اغلباً ۱۹ ستمبر ۱۹۲۴ء کی تحریر شدہ ہے جس سے اغلباً ماہ ڈیڑھ ماہ پہلے آپ نے ریڈری کے لیے درخواستیں مانگی تھیں۔ وہ ۵ ستمبر ۲۴ء کے مبہم اشتہار سے متعلق نہیں ہو سکتی کہ اس میں صاف لفظ ریڈر موجود ہے۔

میں یہ کیسے خیال کروں کہ میری ناچیز درخواست دیکھے بغیر مجھے طلب کر لیا گیا ہے؟

لیکچرری کے لیے میں ہرگز ہرگز لاہور کے قدیم تعلقات کو ترک کرنے کے لیے آمادہ نہیں تھا۔

آخر میں دعا گو کی یہی ناچیز عرضداشت ہے کہ چونکہ میں ہندی نژاد ہوں اس لیے میری کوششوں کا ثمرہ میری قوم ہی اٹھائے گی۔ پھر میرے بھائی اپنے اور اپنے خادم کو جبکہ وہ شاید نااہل نہ ہو باہر کے لوگوں سے قدر کی نگاہ سے دیکھنے میں کیوں پیچھے رکھیں؟؟

نہ کہوں آپ سے تو کس سے کہوں

مدعائے ضروری الاظہار

نظرِ لطف کا متمنی آپ کا خادم

میمن عبدالعزیز استاذ عربی

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

یکم جنوری ۱۹۲۶ء

(۵)

۱۱رفروری ۱۹۳۶ء

محترم و معظم جناب ڈاکٹر صاحب تسلیم

الحمدللہ میں نے تقریباً پونے پانچ ماہ قاہرہ میں گزارے۔ اس عرصہ میں لآلی ۱۱۵۰ صفحہ میں، نہایت اہتمام سے چھپ گئی۔ مصر کے علماء، اخبارات اور رسائل نے میری بہت عزت افزائی کی۔ ایک دعوت میں یہاں کے موجودہ وزیر تعلیم بھی شریک تھے۔ ہندوستان کے علم کا لوہا مان گئے۔ علی گڑھ کی بہت نیک نامی ہوئی اور اس کا نام دور دور پہنچا۔ ڈاکٹر فشر اور نلینو وغیرہ ششدر رہ گئے۔ اخبارات نے لکھا کہ عرب اور غیر عرب میں آج اس کے پایہ کا کوئی محقق نہیں۔ فالحمدللہ علیٰ ذلک۔ میں نے یہاں کے کتب خانہ سے بہت فائدہ اٹھایا اور اب استنبول کے لیے پا برکاب ہوں۔ میرے لائق جو خدمت ہوگی اس کو بخیر و خوبی انجام دوں گا۔ ضرور عزت افزائی کا موقع

دیجیے۔دمشق کی Arabic Accademy نے مجھے اپنی عضویت کا سرٹیفکیٹ عطا کیا ہے جو مجھ سے پہلے ہندوستان میں بجز حکیم اجمل خاں کے اور کسی کو نہیں ملا۔

عبداللہ بن سلیمان الوزیر ابن سعود سے یہاں قاہرہ میں ملاقات ہوئی۔آپ کو اور مجھے بھی حج کرنے کی دعوت دی۔

سنتا ہوں کہ گرمائی تعطیلات حسب سابق دو حصوں میں منقسم ہو جائیں گی اس کے معنی یہ ہوئے کہ مجھے تعطیلات میں سے صرف ایک آخری مہینہ کی پوری تنخواہ مل سکے گی۔ یہ صورت ناموافق ہے اس لیے بندہ زادہ محمود شاید آپ کی خدمت میں تقریباً ۱۵ مئی کے مابعد کی چھٹی کی منسوخی کے لیے درخواست پیش کرے جس کے معنی یہ ہوئے کہ میں تقریباً ۱۶ر جولائی کو اپنی خدمات پر واپس آجاؤں۔آپ سے امید ہے کہ کرسکیں گے۔

دختر نیک اختر کی تقریب کے فرائض سے سبکدوشی پر تہنیت پیش کرتا ہوں گو بے وقت ہے مگر دل سے بہرحال شریک ہوں۔

والسلام۔میرا استنبول کا پتہ:

C/o Mr. Omer Riza Bey.
Zeman Gazetesi Muharrialerenden.
Istanbul, Turkey

خادم ناچیز

میمن عبدالعزیز

باب نمبر ۱۶

اردو مکاتیب علامہ عبدالعزیز میمن

علامہ میمن نے عربی اور اردو میں بے شمار مکتوبات لکھے۔ ان کے اردو مکاتیب ہم نے بڑی کوشش سے جمع کیے ہیں جن میں بعض مقامات پر حواشی بھی لکھے۔ علامہ کے نامور شاگرد ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب نے راقم کی درخواست پر علامہ کے بعض مکاتیب اور بعض نادر تحریریں روانہ فرمائیں اور بعض حواشی بھی لکھے۔ اس سے قبل ڈاکٹر صاحب علامہ کے مکاتیب مشمولہ **مجلّة المجمع العلمی الهندی (میمن نمبر)** کے لیے بھی مفید حواشی لکھ چکے تھے۔ اس نمبر میں علامہ کے عربی مکاتیب کے ساتھ اردو مکاتیب کا عربی ترجمہ بھی شائع کیا گیا تھا۔ مزید وضاحت کے لیے ڈاکٹر صاحب نے عربی میں حواشی بھی لکھے۔ ہم نے ڈاکٹر صاحب کی اجازت سے ان عربی میں لکھے گئے حواشی سے ضروری حواشی کا اردو ترجمہ کیا ہے ۔ جہاں مزید وضاحت کی ضرورت محسوس ہوئی وہاں ہم نے اضافے کیے اور آخر میں قوسین میں "ر" لکھا ہے۔

علامہ میمن کی نادر تحریروں کی طرح مکاتیب میں بھی مرکّب الفاظ کا املا مروجہ معیار کے مطابق کر دیا ہے۔ (مؤلف)

بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو

(۱)

یونیورسٹی علی گڑھ
۱۹ر نومبر ۴۷ء

عزیزی وعلیکم السلام

کرم نامہ مؤرخہ ۱۰ر ماہ رواں موصول ہوا۔الحمدللہ علی احسانہ کہ آپ بخیر وخوبی پہنچ گئے۔

(۱)

خمیرہ جو بھی لائیں تھوڑا اور اعلیٰ ہو۔البتہ سادہ (بلا خمیرہ) کڑوا ایک سیر ضرور لائیں۔ (۲)

والسلام
دعا گو
میمن عبدالعزیز عربی
یونیورسٹی علی گڑھ
۱۹-۱۱-۴۷

---

(۱) یونیورسٹی کی تعطیلات میں اپنے وطن پٹنہ گیا تھا۔اس زمانے میں علی گڑھ سے ٹرین تقریباً ۲۴ گھنٹے میں پٹنہ پہنچاتی تھی۔فسادات کا زمانہ تھا، ہر ٹرین میں ایک دو کمپارٹمنٹ مسلمان مسافروں کے لیے مخصوص ہوتے تھے اور ان میں ایک مسلح گارڈ حفاظت کے لیے مامور ہوتا تھا، پھر بھی شر پسندوں کا خطرہ رہتا تھا۔حضرۃ الاستاذ نے تاکید کی تھی کہ وطن پہنچتے ہی خیریت کا انھیں خط لکھوں۔

(۲) الاستاذ حقہ نوشی کے عادی تھے،تمباکو بہت عمدہ قسم کا استعمال کرتے تھے،رام پور،سنبھل، بریلی وغیرہ سے اعلیٰ قسم کا تمباکو منگواتے رہے تھے۔صوبۂ بہار کے شہر گیا سے جو اچھے قسم کے تمباکو کے لیے مشہور ہے،ایک بار ایک دو سیر تمباکو تحفے میں لے گیا جو انہیں پسند آیا۔خط میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔مجھ سے فرماتے تھے کوئی شخص محقق نہیں ہوسکتا جب تک حقہ نہ پیے۔ان کے ذوق وشوق کو دیکھتے ہوئے ایک بار جب ڈاکٹر سیّد محمد یوسف قاہرہ سے واپس آئے جہاں وہ یونیورسٹی میں لیکچرر تھے تو اپنے ساتھ شیشے کا ایک حقہ الاستاذ کے لیے لیتے آئے۔انھیں کچھ

پسند نہ آیا فرمایا یہ تو ڈرائنگ روم میں مینٹل پر نمائش کے لیے رکھنے کے لائق ہے۔ پوچھا کس قیمت کو ملا؟ یوسف صاحب نے کچھ تکلف کے بعد بتایا ایک مصری پونڈ کا ہے۔ الاستاذ نے کہا یوسف صاحب کاش آپ اس قیمت کی مصری مطبوعات میں کوئی اچھی نئی کتاب میرے لیے لیتے آتے۔

(۲)

۱۰رجون ۵۰ء

مکرمی وعلیکم السلام

مؤرخہ ۶ موصول ہوا۔ افسوس راستہ میں آپ کو دقتوں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ آج کل کے سفر میں خواری ضروری ہے۔ آپ کے والد محترم (۱) کو بہت بہت سلام اور بھانجوں کو دعا۔ حیدر امام کو کامیابی مبارک (۲)۔

عارف (۳) پوچھنے پر کہتے ہیں آرزو صاحب تانگے میں بیٹھ کر پڑھنے گئے ہیں۔ اب پڑھنے کی بجائے پٹنہ کہنے لگے ہیں۔

آپ گاؤں جا رہے ہیں مجھے امید تھی کہ مولوی سیّد احمد (۴) کو ساتھ لے کر رجسٹرار سے میرا ٹی اے کا چیک بھجوائیں گے۔ حیرت ہے دونوں صاحب کوئی جواب نہیں دیتے۔ ٹی اے کی روانگی میں تو کوئی طولانی انتظار نہیں ہوتا۔ پھر اتنی تاخیر کیسی؟

امید ہے کہ آپ اپنی سی کریں گے۔

یہاں گرمی اور بڑھ گئی ہے۔

والسلام

مخلص میمن عبدالعزیز

---

(۱) حضرت مولانا ظفر الدین صاحب قادری (۱۸۸۵-۱۹۶۲ء) جن کے الاستاذ ایک بار دو تین دن کے لیے مہمان رہے تھے اور جن سے مل کر وہ بہت خوش ہوئے تھے۔ میرے بھانجے حسن امام، حسین امام اور حیدر امام جو ہمیشہ الاستاذ کی خدمت میں ان کے دورانِ قیام حاضر اور مستعد رہے اور جنھوں نے انھیں پٹنہ شہر اور خدا بخش لائبریری، مدرسۂ اسلامیہ شمس الہدیٰ وغیرہ کی سیر کرائی۔ حسن امام نسیم الحق، حکومت بہار میں ملازم ہوئے، ایگزیکٹو

انجینئر ہو کر ریٹائر ہوئے۔حسین امام اور حیدر امام نے امریکہ میں اعلیٰ تعلیم پائی۔دونوں انجینئر ہوئے، اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔دونوں اب امریکہ کے شہری ہیں اور بہت اچھے عہدوں پر فائز ہیں۔

(۲) حیدر امام اس وقت میٹرک کے امتحان میں کامیاب ہوئے تھے۔

(۳) عارف، الاستاذ کی صاحبزادی زبیدہ خاتون کے صاحبزادے، اس وقت پانچ چھ سال کے تھے اور میمن منزل علی گڑھ میں اپنی والدہ کے ساتھ مقیم تھے۔

(۴) پروفیسر ڈاکٹر سید احمد صدر شعبۂ عربی پٹنہ یونیورسٹی الاستاذ کے شاگرد تھے۔

(۳)

علی گڑھ

۱۶-۷-۵۰

مکرم وعلیکم السلام

جواب میں تاخیر ہوئی۔رجسٹرار پٹنہ و سید احمد صاحب کو لکھا تھا وہ کہتے ہیں کہ میں ہمیشہ یاد دہانی کرتا رہتا ہوں و لے نتیجہ ندارد۔یہ ہے جنتا کا راج۔

مجھے تو معظم صاحب (۱) کے جواب کی کبھی کوئی امید نہیں تھی۔

مولانا آزاد نے جواب دیا تھا جو آپ یہاں دیکھیں گے۔

یوسف یہاں کے برتاؤ سے کچھ خوش نہیں معلوم ہوتے۔

ہاں دھوراجی کے میامن کے پچاس لاکھ (واللہ اعلم) کا نقصان بتایا جاتا ہے۔کہتے ہیں پورے کاٹھیاواڑ میں ہمارے لیے بے اطمینانی ہے۔مجھے غفار نے وہاں جانے سے منع کیا ہے۔اگر گھر کرائے پر چڑھاؤں تو خود کہاں جاؤں اس لیے معاملہ معلق ہے۔مشتاق و شاہد چھٹی منا رہے ہیں ہاں بشیر صاحب نے اس ارادہ کا اظہار کیا تھا کہ مکتبۂ مخطوطات کانفرنس میں منتقل کیا جائے گا اور آپ کو اس کا انچارج کیا جائے گا۔دیگری گزرد۔

عید مبارک ہو۔آپ کب آرہے ہیں۔

والسلام آپ کا میمن عبدالعزیز

(۱) ڈاکٹر سیّد معظم حسین اس وقت شعبہ عربی ڈھاکا یونیورسٹی کے صدر تھے، بعد کو اس یونیورسٹی کے وائس چانسلر مقرر ہوئے۔ پروفیسر مارگولیتھ کی نگرانی میں انھیں کتاب الاختیارین کی ترتیب وتحشیہ اور انگریزی ترجمے پر آکسفورڈ یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ تفویض ہوئی۔ ان کی تصانیف میں نخبة من کتاب الاختیارین (۱۳۵۷ھ)، معرفة علوم الحدیث مصنفہ حاکم نیشاپوری (متوفی ۴۰۵ھ) مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد ۱۹۴۴ء قابل ذکر ہیں۔

(۴)

۲۴ دسمبر ۵۰ء

عربی مثل

زادك ما بلّغك المحلّا

آپ کے پٹنہ پہنچنے کی گنجائش نکالی جاسکتی ہے۔

وبس!

میمن

(۵)

۲۸/جولائی ۵۱ء

مکرم حضرت آرزو صاحب وعلیکم السلام

بڑی تاخیر سے جواب دے رہا ہوں۔ عدیم الفرصت تو نہیں البتہ بدنصیب ضرور ہوں۔

آپ کے والد صاحب کی یادفرمائی کا شکریہ! الاشتقاق وفحول الشعراء (۱) کے فلم پہنچ گئے ہیں مگر تکبیر کے بغیر بیکار۔

مصر سے میرے لیے الحیوان والبیان آگئی ہے۔(۲)

حنیف احمد نسیم دہلی اور ضیاء الاسلام (۳) دونوں پی ایچ ڈی لینا چاہتے ہیں مگر میرا اس سے کیا تعلق ہے؟ یہاں گرمی بے حد بڑھ گئی ہے۔

لائبریری میں آپ کے احباب ہمیشہ یاد کرتے رہتے ہیں۔

والسلام میمن

---

(۱) یعنی کتاب الاشتقاق ازابن درید الازدی اور فحول الشعراء ازاصمعی۔الاستاذ نے ان کی معہد المخطوطات العربیہ، قاہرہ سے مائکروفلم منگائی تھی بذریعہ مرحوم رشاد عبدالمطلب۔

(۲) یہ دونوں کتابیں جاحظ کی ہیں جو استاد عبدالسلام محمد ہارون کی تحقیق سے قاہرہ سے شائع ہوئیں۔

(۳) یہ دونوں حضرات اس وقت استاذ کی زیر نگرانی ڈاکٹریٹ کے لیے کام کررہے تھے لیکن مکمل نہ کرسکے۔ان میں ضیاء الاسلام نے طویل عرصے کے بعد راقم کی نگرانی میں ڈاکٹریٹ ڈگری حاصل کی۔ان کا موضوع تھا''نشأة المقامات و تطورها فی العصر العباسی''۔انھوں نے سنہ ۱۹۷۲ء میں حاصل کی۔

(۶)

۵۳-۱۲-۱۰

یونیورسٹی علی گڑھ

مکرم آرزو صاحب وعلیکم السلام

کراچی اور آکسفورڈ دونوں ملے۔۱۳/ اکتوبر سے جس روز آپ نے خط لکھا ہے میں جگر کے ورم میں مبتلا ہو گیا، بہت تکلیف اٹھائی۔درّانی صاحب (۱) کے علاج سے کچھ افاقہ ہے مگر وہ ایک ماہ کے لیے مدراس چلے گئے۔حدوپ (۲) کا حال تو یہاں بھی معلوم تھا بیرونی آوازیں پہنچ ہی جاتی ہیں الغرض ہمیں مذہبیت کی تفاصیل کی بجائے آدمیت کی زیادہ ضرورت تھی، لو کانوا یعقلون۔الورقة (۳) اور جبال تهامة (۴) منگالیں۔رشاد (۵) بڑا عیار چور نکلا خوب شد اس کو تنبیہات کی نقل نہ لینے دی۔مجلة المجمع العلمی تموز (جولائی) گذشتہ میں حمد الجاسر نے عبدالسلام کی چمڑی ادھیڑ دی ہے ضرور دیکھیے۔یہ مجھ مظلوم کی غیبی امداد ہوئی۔تنبیهات (۶) اور ابوالفضل کا قصہ پہلے سے معلوم تھا اور چوکنا رہنے کی کوشش کر رہا ہوں اگر میرے ایڈیشن پر اس ڈاکو کی نگاہ نہ پڑ سکی فلا اخافه (۷)۔الفاضل (۸) ہنوز نہیں دیکھی۔میں نے الوحشیات پر تھوڑا کام کیا مگر اس کی یہ سزا کس قانون میں ہے (اس لیے یہ کتاب ان کے باپ

کی ہوگئی) نہ چھاپیں نہ واپس کریں۔ میں نے وار سے ٹکے نہیں گنوائے میں نے علماء کے لیے کام کیا تھا جو اس سے زیادہ کام پر لعنت بھیجتے ہیں بااین ہمہ اس خوان یغما کا فوٹو لے لیا ہے اور تمام مصری مخشی بلا ذکر اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ الشعیر یؤکل ویذمّ۔

معجم البلدان ج۱ وسٹنفیلڈ کی تلاش کا فرض آپ کے کندھوں پر ڈالتا ہوں (۹)۔ لوزک یا حیفر (۱۰) کے ہاں یا جرمنی سے حتماً مل جائے گا کیونکہ اس کا فوٹو بعد کو چھپا تھا۔ ضرور۔ ضرور۔

نفح الطیب جلد۲ مصر گم ہے وہاں تو کیا ملے گی مگر یاد ضرور رہے۔

مشتبہ النسبۃ للذھبی لیڈن، المرصع لابن الاثیر، دیوان القطامی میرے لیے خرید لیں۔ یاد رکھیے یورپ کی فرمائشیں آپ کو پوری کرنی ہیں۔ ضرور

ٹریٹن (۱۱) کو میرے سلام اور دوائی یاد۔

۳؍دسمبر کی شب حبیب الرحمٰن پرنسپل (۱۲) کی بیوی کا انتقال شد۔

اپنے کام اور اس کی تفاصیل لکھیے۔ میری فرمائشوں کو پوری توجہ دیجیے۔ حلیم (۱۳) سے تو کیا ذکر آیا ہوگا؟

والسلام

میمن عبدالعزیز

یہاں سے آپ کو سلام لکھاتے ہیں۔ میرے لیے آپ کا خط پڑھنا بڑا مشکل ہے اور صاف لکھیے۔ مجھے مطبوعات عربیہ کی فہارس عربیہ وافرنگیہ اگر بھیجیں تو خوب ہو۔

---

(۱) مسلم یونیورسٹی انجینئرنگ کالج کے بانیوں میں سے ایک جو ہومیوپیتھی طریقہ علاج کے ماہر بھی تھے۔ تقسیم کے بعد درانی صاحب پشاور منتقل ہوگئے تھے جہاں انجینئرنگ کالج قائم کیا۔ بعد میں انہوں نے بونیر (سوات) میں خانقاہ قائم کی جہاں مورخہ ۹؍جون ۱۹۹۰ء کو انتقال ہوا اور تدفین بھی وہیں ہوئی۔ (ر)

(۲) ھ وپ یعنی ہند و پاکستان (ر)۔

(۳) کتاب الورقۃ از ابن جراح جو استاد عبدالوہاب عزام کی تحقیق سے ۱۹۵۳ء میں قاہرہ سے شائع ہوئی۔

(۴) مراد ہے کتاب ''اسماء جبال تھامۃ وسکانھا'' سے جو عرام بن الاصبغ سلمی کی تالیف ہے۔ اس کا

مخطوطہ الاستاذ کوسعید یہ لائبریری حیدر آباد دکن سے ملا تھا۔ ادارۂ معارف اسلامیہ لاہور کے اجلاس منعقدہ ۲۶ر دسمبر ۱۹۳۸ء میں الاستاذ نے اس موضوع پر مقالہ پیش کیا تھا۔

(۵) رشاد عبدالمطلب مرحوم مدیر معهد المخطوطات العربيه قاہرہ جو اہم مخطوطات وکتب کے حصول کے لیے ہندوستان آئے اور علی گڑھ میں الاستاذ سے بھی ملے۔

(۶) التنبيهات على اغاليط الرواة از علی بن حمزہ البصری جو الاستاذ کی تحقیق سے ۱۹۶۸ء میں قاہرہ سے شائع ہوئی۔

(۷) اشارہ ہے اس کتاب کی جانب جو ۱۵ سال تک دارالکتب المصریہ سے شائع نہ ہوئی۔

(۸) الفاضل للمبرد جسے الاستاذ نے ۱۹۳۸ء میں دار الكتب المصرية کو برائے طباعت دی تھی۔ یہ کتاب طویل عرصے بعد ۱۹۵۶ء میں شائع ہوئی۔

(۹) اکتوبر ۱۹۵۳ء میں راقم راکفیلر فاؤنڈیشن کے وظیفے پر اعلیٰ تعلیم (ڈاکٹریٹ) کے حصول کے خاطر آکسفورڈ روانہ ہوا۔ وہاں قیام کے دوران الاستاذ کے خط برابر موصول ہوتے رہے جن میں وہ نادر کتب کے حصول کا ذکر فرماتے تھے۔

(۱۰) یہ دونوں برطانیہ کے معروف کتب فروش تھے جہاں عربی کتب برائے فروخت تھیں۔

(۱۱) آرتھر اسٹنلے ٹریٹن (A.S.Tritton) جو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں شعبۂ عربی میں استاد تھے (۱۹۲۱ء) وہ الاستاذ کے مخلص دوستوں میں تھے۔

(۱۲) حبیب الرحمٰن صاحب جنھوں نے ہندوستان اور برطانیہ میں تعلیم حاصل کی۔ بعد ازاں ٹریننگ کالج علی گڑھ یونیورسٹی کے سربراہ بنائے گئے۔ وہ الاستاذ کے دوستوں میں تھے۔ ان کا انتقال ۱۹۶۵ء میں ہوا۔ تدفین مسلم یونیورسٹی کے قبرستان میں ہوئی۔

(۱۳) ابوبکر احمد حلیم شعبۂ تاریخ علی گڑھ یونیورسٹی میں استاد اور پرووائس چانسلر رہے۔ وہ بعد میں کراچی منتقل ہو گئے اور کراچی یونیورسٹی کے وائس چانسلر بنائے گئے۔ وہ الاستاذ کے علمی مرتبہ کے قدر دان تھے اور خواہش مند کہ الاستاذ کا تقرر کراچی یونیورسٹی میں ہو جائے۔

حلیم صاحب کا انتقال ۲۰ر اپریل ۱۹۷۵ء کو کراچی میں ہوا (ر)۔

(۷)

۳/ مارچ ۵۴ء

مکرم سلمکم اللہ وحرسکم

ہوائیہ ۲۶/ فروری ملا جبکہ میں جواب سے مایوس ہو چکا تھا۔ آپ کے بعد بھی دیمک نے مزید تباہی مچائی۔ آپ کے کاندھوں پر معجم البلدان وسٹنفیلڈ اوّل، مشتبہ النسبة للذهبی، المرصع لابن الاثیر اور دیوان القطامی طبع لیدن کی فراہمی کا بار ہے۔ برلین کے آٹو ہراسوفیز سے ممکن ہے بلدان مل سکے۔ نمبر ۲ و ۴ لیدن کی مطبوعات ہیں۔ بلدان کے کچھ نسخے ناقص رہ گئے تھے اس لیے باقی مجلدات کے فوٹو چھاپ دیے گئے تھے۔ اس طرح اوّل کا حصول چنداں دشوار نہ ہوگا۔

معجم البلدان مصری کی ۲ جلدیں مساوی ہیں نہ کہ ایک۔

المقتضب (۱) کا نسخہ جس پر سیرافی کی اپنی تحریر ہے کتب خانہ کو پرولوزادہ میں میں نے خود دیکھا ہے و لکنه غیر تام یہی سنہ ۳۴۷ کا ہے۔

الفاضل بخط مبرّد مصری دارالکتب عمداً شائع کرنے میں تاخیر کر رہی ہے۔ (۲)

دیوان حُمید بک رہا ہے۔

مصر سے انباہ الرواۃ، جبال تھامه، شابشتی وغیرہ آ چکی ہیں نیز المعرّب۔ (۳)

جگر کی تکلیف کم ہو چکی ہے، ہماری قوم علم اور اس کی قیمت کو نہیں سمجھتی۔ فوق کل ذی علم علیم (۴) ریسرچ کے ڈائریکٹر بن رہے ہیں نیز پروفیسر۔ آپ کی یونیورسٹی نے میرے کام پر شکریہ بھی نہ کہا یہ ہے قدردانی! مانا آپ کو کچھ معلوم ہو گیا مگر حاصل چہ! کوئی کیوں سر کھپائے گا۔ فانّا للّٰه وانّا الیه راجعون۔

انساب ابن الکلبی میوزیم اسکوریال وشام میں ہے۔ بہت اہم ہے وقد رأیته۔

یورپ کی مخطوطات پھر کبھی سہی (۵)

ایک الفاضل مبرد کے شاگرد الوشاء کی ہے و رأیته اشتباہ ممکن ہے۔ (۶)

خریدۃ القصر منگاؤں گا(۷)۔کرینکو(۸) کے اعتراف کا پس از مرگ شکریہ۔یہ مرحوم کی شرافت تھی۔ہاں یہ مان لیجیے کہ ہمارا ملک بڑا بدنصیب ہے۔ہادی حسن وحبیب کی ۴،۴ سالہ توسیع ہوئی،(۹) کیوں؟؟؟ بدست ذاکر(۱۰) یا سبحان اللہ! آپ کا خط آپ کے اکثر رفقاء کو دکھایا پڑھا۔الحمدللہ صبح وشام مجید الدین(۱۱) کے ساتھ سیر ہوتی ہے۔

لینس عربک لیکسیکان،طبری لیڈن،طبقات ابن سعد وغیرہ کی قیمتیں بتائیے۔ذیل طبری صلة غریب قریباً ۲۰۰ صفحہ کی علیحدہ بھی مل سکے گی؟(۱۲)

کشاف اصطلاحات الفنون(۱۳) کی بھی خبر رکھیے۔والسلام

من الداعی

عبدالعزیز المیمنی

(۱) المقتضب للمبرد کے بارے میں راقم نے الاستاذ کی رائے طلب کی تھی ڈاکٹریٹ کے مقالے کے لیے۔ بعد میں یہ کتاب استاذ محمد عبدالخالق عظیمہ کی تحقیق سے ۱۳۸۸ھ میں قاہرہ سے شائع ہوئی۔

(۲) یہ کتاب الاستاذ کی تحقیق سے ۱۹۵۶ء میں قاہرہ سے شائع ہوئی۔

(۳) دیوان حمید بن ثور الاستاذ کی تحقیق کے بعد قاہرہ سے ۱۳۷۱ھ/۱۹۵۱ء میں شائع ہوئی۔انباہ الرواۃ لابناء النحاۃ از ابن القفطی ۱۳۶۹ھ میں قاہرہ سے شائع ہوئی۔جبال تہامۃ ۱۳۷۳ھ میں قاہرہ سے شائع ہوئی۔ الدیارات از شابشتی ۱۹۵۱ء میں بغداد سے کورکیس عواد کی تحقیق سے شائع ہوئی۔المعرب از جوالیقی علامہ احمد محمد شاکر کی تحقیق سے ۱۹۴۲ء میں قاہرہ سے شائع ہوئی۔

(۴) اشارہ ہے ڈاکٹر عبدالعلیم احراری (وفات ۱۹۷۶ء) کی جانب جو الاستاذ کے ریٹائرمنٹ (۱۹۵۰ء) کے بعد استاد مساعد (Associate Professor) اور صدر شعبہ عربی بنے۔

(۵) میں نے ڈاکٹریٹ کے حصول کے لیے بعض کتب کے نام الاستاذ کو لکھ بھیجے تھے تاکہ اس بارے میں ان کی رائے حاصل کروں۔

(۶) اس کتاب کا مخطوطہ انڈیا آفس لائبریری لندن میں ہے۔

(۷) ''خریدۃ القصر وجریدۃ اھل العصر'' از عماد الدین الاصفہانی جو کئی مجلدات پر مشتمل ہے یہ کتاب استاد احمد امین،شوقی ضیف اور احسان عباس کی تحقیق سے دار التالیف و الترجمة و النشر قاہرہ کی طرف سے

۵۲-۱۹۵۱ء میں شائع ہوئی۔

(۸) Fritz Krenkow (۱۹۵۳-۱۸۷۲ء) اسلام قبول کرنے کے بعد محمد سالم الکرنکوی جرمنی سے تعلق رکھنے والے عربی کے عالم۔ یہ اس زمانے میں کیمبرج میں مقیم تھے۔ یہ راقم کے ڈاکٹریٹ کے مقالے کے ممتحن تھے جو علی گڑھ یونیورسٹی میں پیش کیا گیا۔ وہ استاذ کے قریبی دوستوں میں تھے۔

(۹) ڈاکٹر ہادی حسن سابق صدر شعبۂ فارسی علی گڑھ یونیورسٹی اور ڈاکٹر محمد حبیب صدر شعبۂ تاریخ۔ ان دونوں حضرات کو ریٹائرمنٹ کے بعد چار چار سال کی توسیع دی گئی جبکہ استاذ میمن کو یہ سہولت نہ دی گئی۔

(۱۰) ڈاکٹر ذاکر حسین (وفات ۱۹۶۹ء) اس وقت علی گڑھ یونیورسٹی کے وائس چانسلر تھے۔

(۱۱) سید مجید الدین شعبہ اقتصادیات کے سربراہ اور استاذ میمن کے دوست اور پڑوسی تھے۔ ۱۹۵۲ء میں ریٹائر ہوئے اور کراچی منتقل ہوگئے۔ وفات ۱۹۶۴ء میں کراچی میں ہوئی۔

(۱۲) غالباً استاذ یہ کتب اپنے ذاتی کتب خانے یا ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی کے کتب خانے کے لیے خریدنا چاہتے تھے جس کے وہ اس زمانے میں سربراہ تھے۔

(۱۳) "کشاف الاصطلاحات و الفنون" از قاضی محمد اعلیٰ تھانوی جو اشپرنگر کی کوشش سے ۱۸۶۲ء میں کلکتہ سے چھپی۔ ۱۹۶۳ء میں اس کی طباعت قاہرہ سے بھی ہوئی۔

یہ کتاب بعد ازاں سہیل اکیڈمی، لاہور نے بھی شائع کی (ر)۔

(۸)

علی گڑھ

۳۰ رنومبر ۵۴ء

مکرم حضرت آرزو سلام و اکرام

دونوں کرم نامے ملے۔ افسوس میں بہت مشغول اور مختل الصحۃ رہا۔ آپ نے معلومات کا انبار لا کھڑا کیا۔ جمھرۃ الاسلام (۱) بہت ضخیم کتاب ہے آپ کے پیش رووں نے بھی دیکھ دیکھ کر منہ پھیر دیا البتہ تراجم و اقتباسات چھاپتے رہے۔

معجم البلدان وستنفیلڈ اوّل ڈھونڈ نکالیے۔ برلن آٹو ہراسووٹز بلکہ لیدن میں بھی ڈھونڈیے ملنا یقینی ہے۔ مجھے ان کتب کی اشد ضرورت ہے:

مشتبہ النسبة للذهبی، المرصع لابن الاثیر (شاید آپ ہی نے لیدن کی فہارس بھجوائی ہیں) تاریخ طبری و طبقات ابن سعد کی موجودہ قیمتیں ضرور بتایئے!

آپ نے وہاں کیا کام شروع کیا ہے؟

آپ کو یہاں سے (بلا استحقاق بقول ذاکر صاحب) تنخواہ پر چھٹی تو مل ہی گئی ہے، اب کہیے کب واپسی ہوگی؟

کراچی میں میرا پتہ ۵۹۸ گجرات نگر جمشید کوارٹرس ہے۔شاید مارچ میں چلا جاؤں۔

والسلام خیراندیش

میمن عبدالعزیز

(ا) جمهرة الاسلام ڈاکٹر عبدالکریم خلیفہ صدر المجمع اللغة الاردنية اردن کی تحقیق سے ۱۹۷۶ء تا ۱۹۷۹ء تین ضخیم جلدوں میں شائع ہوئی۔

(۹)

۲۶ راگست ۱۹۵۶ء

بہادر آباد۔کراچی ۵

عزیزی رعاکم اللہ السلام علیکم

یہ چوتھا مہینہ ہے ولم تنبس ببنت شفتك ۔کیا دوری اچھی تھی کہ آپ مسلسل یاد کرتے تھے۔اپنے احوال لکھیے۔علی گڑھ جامع مسجد کے مدرس میرے عزیز مولوی سید سلیمان نوجوان ہیں۔میں نے دو باران کے ذریعہ علیم صاحب کو مفصل خطوط لکھے اور پھر خود ایک کارڈ یاددہانی کا بھی لکھا مگر ازاں سوصدائے برنخاست۔قصہ یہ ہے کہ میرے مکان کا قبل از فروخت ایک سال کا کرایہ ہنوز یونیورسٹی نے ادا نہیں کیا مکین عبدالرؤف صاحب اسسٹنٹ ٹریژرر ہیں۔ضرورت ہے کہ آپ علیم صاحب جنھیں میں یہ کیس سونپ آیا ہوں سے ملیں اور ان کے ہاتھوں یہ کام جلد کرا

ویں۔ٹریژرر صاحب سے بھی ملیے۔میں نے ۷۰ ماہوار کرایہ مقرر کیا تھا۔

مجھے ہند میں کچھ ضرورتیں رہتی ہیں جو مولوی سلیمان پوری کر دیتے ہیں۔وہاں پیسے نہ ہونے کی وجہ سے بڑی دقت ہو رہی ہے آپ علیم صاحب کے ذریعہ جو کلی مجاز مختار کر دیے گئے ہیں اسٹورڈ آفس سے رؤف صاحب کے علاوہ جو کرایہ کی رقم موجود ہے نکلوا کر قبضہ کیجیے اور اطلاع دیجیے تو میرے کام چلیں ضرور، ضرور! اور فوری مجھے ۱۲ر ستمبر کو مصر جانا تھا مگر موجودہ غیر یقینی حالات میں ۲۸ر کو جانا طے کیا ہے۔وعنوانی هناك سفارة پ بالزمالك بالقاهرة ڈیڑھ ماہ رہوں گا کچھ دلچسپی ہو تو لکھیے۔

جی چاہتا تھا کہ وہاں کے بدلے ہوئے حالات، ادارہ کا رنگ اور آپ کے مستقبل کے متعلق آپ کی زبان سے تفصیلی داستان سنتا۔عزیر صاحب وغیرہ نیز حفیظ صاحب ایڈیٹر میگزین نسیم صاحب مشتاق کو سلام۔کچھ ارزنجانی صاحب کی بھی سنائیے۔بدل و مبدل منہ جمع ہیں یا گیا؟ آپ کے فوری جواب کا سخت انتظار ہے۔

مخلص

میمن عبدالعزیز

میمن منزل۔بہادر آباد، کراچی ۵

شاہد صاحب کو سلام اور کہ وہ اپنے ادھر کے ایجنٹ کا پتہ بتائیں تو ان کو چندہ بھیج دیا جائے۔ضرور

(۱۰)

۱۵ر نومبر ۵۶ء

بہادر آباد۔کراچی، ۵

عزیزی! وعلیکم السلام

آپ کا مورخہ ۱۰/۹/۵۶م ابھی ابھی سیاحت سے لوٹ کر پڑھا۔حیرت ہے کہ آپ نے

ایسے وقت لکھا جبکہ مجھے ملنا ناممکن تھا کہ غیر ہوائی تھا۔

الغرض میں ۱۶؍ستمبر کی صبح دوش ہوا پر بیٹھ کر سوا ۸ گھنٹے میں قاہرہ پہنچا جہاں سے ۹ صنادیق بھرے اور کیا کچھ۔ پھر ۲۵؍اکتوبر کو بعد دوپہر اڑا اور دو گھنٹے میں بیروت تھا پھر ۲۸؍کی صبح ۱۱ بجے دمشق اور پھر وہاں سے ۲؍نومبر کی شام کو اوتوبیس میں بیٹھا اور ۳؍کو ۱۲ بجے بغداد پہنچا۔ پھر ۷؍کی صبح تہران اور ۸؍کی شام کراچی۔ فالحمدللہ۔

اکتوبر ۲۴؍کی شام ریاض (۱) آئے اور ۲۵ کی صبح خورشید فارق (۲) مع ابوبکر حسنی ندوی (۳) پہنچے۔

رشاد کہہ رہے تھے کہ آپ نے البصریہ نہیں بھیجا ورنہ انھوں نے چھپائی کا انتظام کر رکھا ہے۔ (۴)

اللہ کرے آپ کی بیگم صاحبہ کی صحت اب ٹھیک ہو۔ مجاز القرآن مطبوع لایا ہوں اور معانی الفراء بھی۔

بہت خوب اب تو بحمد اللہ ٹریژرر صاحب بھی روبصحت ہیں اور علیم صاحب وغیرہ بھی۔ آپ علیم صاحب کو روزانہ یاد دلا کر کرایہ کمیٹی کا جلسہ کرا کے کرایہ اور جو دوڈھائی سو ٹریژرر آفس میں موجود ہیں علیم صاحب کے ہاتھ میں پہنچائیں۔

کتاب مطلوب کا نام نہیں بتایا۔ دام کی بے فائدہ فکر کرتے ہیں۔ بتایئے اب بھی کچھ کروں گا۔

آپ...... شاہد صاحب کا چندہ دے دیجیے، میں دے دوں گا۔

علیم صاحب کے رسائل اعجاز مصر کے دارالمعارف میں ثلاث رسائل فی الاعجاز کے نام سے چھپ گئے ہیں۔ افسوس میرے صنادیق بظاہر پورٹ سعید میں پھنس گئے ہیں۔ بہت کچھ دیکھا اور لیا بھی۔ کاش پہنچ جائے۔ والسلام

الداعی

میمن عبدالعزیز

مشتاق صاحب، نسیم صاحب ایڈیٹر میگزین کو سلام شوق۔

(۱) ڈاکٹر ریاض الرحمٰن شروانی بھی الاستاذ کے شاگرد اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ شعبۂ عربی کے سابق استاد ہیں۔ آپ نے قاضی معانی النہر وانی کی کتاب الجلیس پر تحقیق کی اور علی گڑھ سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ آپ کشمیر یونیورسٹی سری نگر کے صدر شعبۂ عربی بھی رہے۔اس زمانے میں آپ کا قیام ڈاکٹر نورشید احمد فارق اور ابوبکر حسنی کے ہمراہ بغرض حصول تعلیم قاہرہ میں تھا۔مزید حالات کے لیے ملاحظہ فرمائیے باب نمبر ۱۳

(۲) تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ فرمائیے باب نمبر ۱۳(ر)

(۳) ابوبکر حسنی، مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کے اقارب میں تھے۔آپ جواہر لعل نہرو یونیورسٹی دہلی میں عربی کے استاد رہے۔(ر)

(۴) ''حماسة بصرية'' بہ تحقیق ڈاکٹر مختار الدین احمد ۶۵-۱۹۶۴ء میں دائرۃ المعارف عثمانیہ حیدرآباد دکن سے شائع ہوئی۔

(۱۱)

۵۷/۱/۴م

بہادر آباد۔کراچی ۵،

عزیزی! السلام علیکم

کارڈ ملا تھا۔اورینٹل کانفرنس لاہور (۱) میں آپ کا انتظار رہا۔اب واپسی پر جواب لکھ رہا ہوں۔ٹریژرر صاحب کے نام کا خط پڑھ لیجیے اور علیم صاحب کو بھی سنا دیجیے۔ ہماری دیانت و امانت کا یہ عالم ہے اللہ اللہ۔آپ خود ان سے اور رؤف سے خود تبادلہ خیال کیوں نہیں کر لیتے۔ ازراہ کرم ان کو معقولیت پر آمادہ کیجیے۔کیا آپ اس کو مناسب سمجھیں گے کہ اس معاملہ میں میں وائس چانسلر کے دروازہ کو دستک دوں۔شاید ٹریژرر کو پسند نہ آئے۔میری ملکیت کے زمانہ میں رؤف صاحب ایسی ناروا توقعات کیسے رکھ سکتے تھے۔انھوں نے مجھے مرمت (صحیح اضافہ) کے لیے کارڈ لکھا تھا جس پر میں نے صریح انکار لکھ بھیجا تھا۔ باز ایں چہ شد!

ہاں نقوش میں خلیل الرحمٰن اعظمی صاحب کا ہجویہ قصیدہ میں نے پڑھا ان کا شکریہ۔(۲) ہاں مگر وہ حبیب و ہادی کے غیر تصنیفی رویہ کا ذکر تو کر گئے مگر کوئی قصیدہ تصنیف نہ فرمایا کیوں؟ میں دور

علامہ میمن کا مکتوب بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد جس میں خلیل الرحمن اعظمی کا ذکر موجود ہے

تھا افسوس! مگر ان سے کہیے کہ میمن کے متلاشی شاید ہی اس کو نقوش میں ڈھونڈیں اس لیے ان کی کوششیں رائیگاں جائیں گی۔ دنیا کا یہ حال ہے!!!

آپ سے اس کا جواب مطلوب ہے۔

یہ بات کہ کرایہ طے نہیں ہوا تھا غلط ہے۔ میں نے ستر ماہوار لکھ دیا تھا البتہ رؤف کو یونیورسٹی نے دیا ہے سو اس کا فرض ہے کہ ان سے یہ کرایہ لے۔ میں وہاں نہ تھا اگر ان کو منظور نہ تھا تو مجھے لکھا جاتا۔

سبحة المرجان (۳) چھپوائیے مگر بکے گی نہیں۔ دمشق میں مجھ سے احمد عبید الکتبی (۴) نے کہا کہ یہاں اس کا کوئی قدر دان نہیں پھر ہنوز پڑھنے سے رہے۔

میرے سامنے ٹریژرر نے رؤف صاحب کو ۶۰ ماہوار ادا کرنے کا حکم کیا تھا۔

میں پھر پوچھتا ہوں آپ کو کونسی مصری کتاب چاہیے، لکھیے۔ بغداد سے ۱۹ پارسل ملے ہیں، دمشق کا بکس ۱۰ر جنوری کو پہنچ رہا ہے اور مصر کے ۹ صناديق شاید اپریل میں پہنچیں۔ میں نے چند نہایت اعلیٰ مخطوطات کے مصورات حاصل کیے ہیں:

الاضداد لابی الطیب

حماسة الظرفاء

سرّ الصناعة للحاتمی وغیرہ

ہنوز کوئی ریسرچ اسٹوڈنٹ نہیں آیا پہلے کتابیں آ جائیں۔

آپ کے خط مفصل نہیں ہیں۔

ڈاکٹر علیم صاحب و پرسندگان کو سلام۔

آپ کا

میمن عبدالعزیز

کہیں کوئی بصریہ چھاپ نہ دے۔

اے زفرصت بے خبر در ہر چہ باشی زود باش

(۱) شدید مصروفیات کی وجہ سے میں اس موتمر میں شرکت سے محروم رہا تھا۔

(۲) تفصیل اگلے خط کے حواشی میں ملاحظہ فرمائیں۔ (ر)

(۳) "سبحة المرجان فی آثار هندوستان" تالیف علامہ غلام علی آزاد بلگرامی (وفات ۱۲۳۹ھ)۔ میں اپنے ایک شاگرد کے ذریعے اس اہم کتاب پر تحقیق کرانے کا ارادہ رکھتا تھا اور اسی سلسلے میں استاذ سے مشورہ کیا تھا۔ یہ کتاب بعدازاں راقم کی نگرانی میں ڈاکٹر فضل الرحمٰن سیوانی کی تحقیق سے ۱۹۷۶ء میں دو جلدوں میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے شائع ہوئی۔

(۴) استاذ احمد عبید استاذ میمنی کے ذاتی دوست تھے جو عربی مخطوطات کی فروخت کے حوالے سے شہرت رکھتے تھے۔

(۱۲)

۹ر فروری ۵۷ء

بہادر آباد۔کراچی،۵

عزیزی! السلام علیکم

آپ کا کارڈ مؤرخہ ۱۱ر جنوری ملا تھا بہت دیر کردی۔ مگر مجھے توقع تھی کہ آپ خود ہی کام ہو جانے کی اطلاع دیں گے۔ افسوس کہ ٹریژرر صاحب وعلیم صاحب کوئی جواب نہیں دیتے۔ اب اپریل ۵۷ء سر پر ہے۔ ہماری امانت داری کا یہ عالم ہے؟ اللّٰهم احفظنا ۔۷۰ روپے کرایہ سراسر معمولی ہے۔ یونیورسٹی تو نصف ولی منزل کا کرایہ ۸۵ روپے لیتی تھی۔ پھر یہ تو یونیورسٹی کا فرض تھا کہ کرایہ دار کو کرایہ بتادے اور ماہ بہ ماہ وصول کیا کرے۔ مرمت (اضافہ) بلا اجازت نہیں کرایا جاسکتا۔ کیا ساری دنیا کے کرایہ داری کے اصول کے برخلاف مجھ سے برتاؤ کیا جائے گا؟ ویل للمطففین الذین اذا اکتالوا علی الناس الآیتین۔ (۱) علیم صاحب اور آپ کی موجودگی سے مجھے توقع تھی کہ ان کو راہِ راست پر لاسکیں گے۔ اعظمی صاحب (۲) کو یہ ہمت تو نہ ہوئی کہ حبیب وہادی پر کچھ خامہ فرسائی فرماتے البتہ میمن کی آبرو اچھی خاصی چراگاہ تھی مگر میمن کجا واعظمی کجا؟ وہ آپ کے ساتھ سائے کی طرح کیا مقصد لے کر میرے ہاں آتے تھے جو اس کے پورا نہ ہونے پر اتنا لمبا چوڑا ہجو یہ قصیدہ دھر گھسیٹا۔ مارواڑی ڈگری نہیں۔ لاکھوں روپیہ تو تنخواہ بھی نہیں ملی۔ حبیب وغیرہ کی دولت پر کیوں نہ کچھ خامہ فرسائی کی۔ خشخشی ڈاڑھی؟ کرایہ وصول کرنا گناہ ہے۔

اپنی ضروریات خود خریدنا و قالوا ما لھذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق(۳) یہ اعتراض تو کفار کا ہے۔علم میں بخیل! باوجو یکہ آپ کو بلا معاوضہ ۳ سال ریسرچ کرائی۔آراستہ کمرہ نہیں کیا، کوئی کوٹھا یا دکان سمجھے تھے۔ریڈیو خبر کے پروگرام کے علاوہ نہیں سنتے، وہ کسی بھانڈ کو شاید چاہتے تھے۔غالبًا یہ پہلا نثر قصیدہ ہے جو میرے حینِ حیات میں مجھے پڑھنا پڑا۔یا سبحان اللہ ٹوٹی پھوٹی سائیکل۔میری مالی حالت ان کے دل میں بہت کھٹکتی ہے۔بہر حال میں اعظمی صاحب کو مرتے دم تک تو نہ بھولوں گا۔اس وقت دو یہاں اور ایک وہاں تین اعظمی ہیں اور تینوں ایک کثالوث المسیح۔

آپ نے شاہد کو چندہ نہیں دیا۔بمبئی میرے کرایہ میں سے مل جائیں گے چند دن کی بات ہے۔

استنبول سے ریٹر کے قائم مقام دیتریش(۳) Prof. Dr. A. Dietrich کا خط آیا ہے آپ کا حال پوچھا ہے۔

کچھ کیجئے اور فوری جواب۔

آپ کا

میمن عبدالعزیز

---

(۱) سورۃ المطففین کی ابتدائی دو آیات جن کا ترجمہ ہے: ''تباہی ہے ڈنڈی مارنے والوں کے لیے کہ جب لوگوں سے لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو انھیں گھاٹا دیتے ہیں''۔

(۲) ان سطور میں علامہ میمن نے خلیل الرحمٰن اعظمی کے مضمون بہ عنوان ''علی گڑھ کی چند شخصیتیں'' پر ناراضگی کا اظہار کیا ہے۔یہ مضمون معروف ادبی رسالے نقوش کے شخصیات نمبر ۲ میں شائع ہوا تھا۔

خلیل الرحمٰن اعظمی مرحوم کی یہ تحریر علامہ میمن کی زندگی اور ان کے انتقال کے بعد ان پر لکھی گئی تحریروں میں سب سے زیادہ غیر ذمہ دارانہ اور مبالغہ آمیز تحریر ہے۔اعظمی صاحب نے اس مضمون میں اعتراف کیا ہے کہ علی گڑھ کی شخصیات سے ان کا محض دور سے تعلق رہا اور یہ مضمون انھوں نے مدیر نقوش جناب محمد طفیل کے اصرار پر لکھا ہے۔اس مضمون میں اعظمی صاحب نے غیر ضروری مزاح پیدا کرنے کے لیے افسانوی رنگ

اختیار کیا جس کی وجہ سے حقیقت سے انحراف ہو گیا۔اس زمانے میں وہ خود علی گڑھ کے طالب علم تھے۔ بعد میں وہ ترقی پسند شاعر کی حیثیت سے معروف ہوئے۔علامہ میمن کے علاوہ دیگر محترم شخصیات کے بارے میں بھی انھوں نے غیر ذمہ دارانہ اور غیر محققانہ طرز اختیار کیا مثلاً پروفیسر ضیاء احمد بدایونی جیسے محترم استاد کو ''خلیج فارس کا مگر مچھ'' لکھا۔مختار الدین احمد صاحب ودیگر حضرات کے بارے میں بھی غلط معلومات لکھی ہیں۔راقم الحروف نے علامہ میمن کے بارے میں لکھی گئی باتوں کی مختلف ذرائع (مثلاً ڈاکٹر نبی بخش بلوچ، ڈاکٹر مختار الدین احمد ودیگر تلامذہ واحباب) سے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ تقریباً تمام باتیں خلاف واقعہ ہیں۔(ر)

(۳) سورۃ الفرقان کی آیت نمبر ۷ جس کا ترجمہ ہے: ''اور کہتے ہیں کہ یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے''۔

(۴) البرٹ ڈیٹرلیش (Albert Detrich) ہائیڈلبرگ یونیورسٹی (جرمنی) میں عربی زبان کے استاد تھے۔ان کی کتب میں الکتابات العربية فی مصر، الایوبیون وغیرہ شامل ہیں۔۱۹۷۷ء میں المجمع العلمی الهندی کے رکن بنائے گئے۔گوٹنگن یونیورسٹی (جرمنی) کے شعبۂ عربی میں بحیثیت استاد خدمات انجام دیں۔

(۱۳)

۲۶ رفروری ۵۷ء

بہادر آباد۔کراچی،۵

عزیزی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

هجوتُ زهيرا ثم انی مدحته وما زالت الأشراف تهجیٰ وتُمدح (۱)

یہ میری گت بنی۔خیر اب آپ ڈاکٹر علیم صاحب کا قصیدہ مدحیہ (ہندوستان میں علوم عربیہ) جلد از جلد بھیج دیجیے۔۲،۳ نسخے ضرور۔میں نے ٹریژرر صاحب کو تاکیدی خط لکھا ہے نیز آپ کو بھی لکھا تھا دونوں کے جواب کا اشد انتظار ہے۔میں نے رؤف صاحب کو مکان نہیں دیا یونیورسٹی نے دیا ہے وہ تو اپنے کرایہ داروں سے اپنا حق تنخواہ میں سے وضع کر لیتی ہے۔یہاں

اپریل تا جون تعطیل ہوتی ہے جلدی سے کام کرا دیجیے۔افسوس علیم صاحب میرا کام تو کر دیتے ہیں مگر میرے پاس ان کا کوئی خط نہیں۔ان کو بہت بہت سلام کہیے اور کہ اب بہت تاخیر ہوگئی ہے جلد میری جان بخشوائیں۔پہلے کی رقم کیوں نہیں وصول کر لیتے جو کام نکلیں۔شاید شاہد صاحب کو چندہ بھی نہیں پہنچا جو وہ چندہ خوروں کی فہرست میں میرا نام درج فرماتے رہتے ہیں اور ان کا حق بہرحال واجب الادا ہے۔

دمشق کا بکس آیا ہے۔ مجمع علمی کی مطبوعات وغیرہ ہیں۔

وہاں کی خبریں ضرور لکھیے اور اپنے اور ادارہ کے حالات۔

پھر تاکید ہے کہ علیم صاحب کے رسالہ کے ۲ نسخے جلد بھیجیں۔

والسلام على الأصدقاء وعليكم منهم خاصة۔

ناچیز

میمن عبدالعزیز

---

(۱) ترجمہ: ''میں نے زہیر کی ہجو کی پھر میں نے اس کا قصیدہ پڑھا۔شرفاء کا ہمیشہ یہ معاملہ رہا ہے کہ ان کی ہجو کی جاتی ہے پھر ان کا قصیدہ پڑھا جاتا ہے''۔

(۱۴)

کراچی

۴/مارچ ۵۷ء

عزیزی آرزو صاحب وعلیکم السلام وسلمک اللہ

علیم صاحب والا جواب آپ ضرور پڑھیے۔پوری فہرست طویل تھی۔

مولوی سلیمان اشرف کو یک صد دلوا دیجیے ان میں سے ......نصیب شاہد صاحب ہیں۔انھوں نے گو تقاضا نہیں کیا مگر چندہ خوروں کی فہرست میں شامل کیا ہے اور ایک سرخ نشان بھی لگا دیا ہے۔باقی سردست ڈاکٹر علیم رکھیں اور جب ڈاکٹر فارق لوٹ آئیں تو یہ امانت ان کو سونپ

دیں۔

فہرست مطبوع نہیں ڈیڑھ دو ہزار کتابیں ہوں گی۔

وعندی منها مالاعین رأت ولا اذن سمعت الخ (۱)

کبھی آپ ادھر نکل آتے تو دیکھ لیتے۔

حیدرآباد و پونہ و بمبئی کی ڈیڑھ ہزار عربی فارسی وار دو نوادر کتابیں آ گئی ہیں۔ دید نی ہیں۔

والسلام

الداعی

میمن عبدالعزیز

بہادر آباد، کراچی ۵

---

(۱) ترجمہ ''اور میرے پاس ایسی کہ نہ کسی آنکھ نے کبھی دیکھا نہ کسی کان نے کبھی سنا''۔ (یہ حدیث ہے: نت کی نعمتوں کے بارے میں)۔ اشارہ ان کتب کی جانب ہے جو علامہ میمن نے بڑی کوشش سے ادارہ تحقیقات ا سلامی کے لیے حاصل کی تھیں (ر)

(۱۵)

۴ را پریل ۵۷ء

بہادر آباد۔ کراچی، ۵

مکرم السلام علیکم

بہت دن ہوئے ایک مفصل خط لکھا تھا جس میں ایک رقعہ علیم صاحب کے نام بھی تھا۔ بہت دن ہوئے کوئی جواب نہیں آیا۔ میں نے لکھا تھا کہ مولوی سلیمان اشرف کو یکصد دے دیے جائیں۔ ان کے نام ایک کارڈ میں بھی تصریح کر دی تھی کہ وہ ڈاکٹر علیم صاحب سے وصول کر لیں۔

باقی فارق صاحب کی مصر سے واپسی پر ان کو دے دیں۔ **لعل الله يحدث بعد ذلك امـــرا**۔ یہاں تو کیم سے تعطیل شروع ہے۔ امید ہے کہ آپ صاحبان بخیر وخوبی ہوں

گے۔

ڈاکٹر صاحب کو بہت بہت سلام کہیے اور کہ مجمع دمشق سے نظریہ اعجاز القرآن (۱) پہنچ گئی ہے البتہ ثلاث رسائل فی الاعجاز (۲) ہنوز مصر سے نہیں پہنچے۔

میں نے ڈاکٹر علیم صاحب کے رسالہ ہندوستان میں عربی کے دو تین نسخے مانگے تھے!!! انتظار ہے۔

ابھی ابھی سلیمان صاحب کا کارڈ ملا شاید ان کو روپے دے دیے گئے ہوں گے؟؟

اپنے ادارہ (۳) و رفقاء کے احوال۔ تعطیلات کہاں گزاریں گے؟ کیا ہو رہا ہے؟ ڈاکٹر صاحب کو بہت بہت سلام۔

والسلام

میمن عبدالعزیز

---

(۱) اشارہ ہے ڈاکٹر عبدالعلیم کی تحقیق بابت نظریہ اعجاز القرآن کی جانب۔ بعد ازاں یہ مجلۃ مجمع اللغۃ العربیہ میں اشاعت پذیر ہوئی۔

(۲) مولفہ باقلانی و خطابی و رمانی جامعہ اسکندریہ کے ڈاکٹر خلف اللہ اور ڈاکٹر محمد زغلول سلام کی تحقیق سے یہ ۱۹۵۵ء میں قاہرہ سے اشاعت پذیر ہوئی۔

(۳) ادارۂ علوم اسلامیہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔

(۱۶)

یکم اپریل ۱۹۵۸ء

بہادر آباد۔ کراچی ۵،

مکرم وعلیکم السلام

آپ کا کارڈ ملا تھا۔ جواب میں تاخیر ہو گئی۔ میں ۱۰ اپریل کو راجکوٹ، بمبئی، پونہ (یہاں سے آپ کو الفاضل بھیجوں گا) جاؤں گا اور پھر عید کر کے مصر، تیونس، مراکش، طرابلس، شام،

ترکی،عراق وایران وغیرہ سے آخر جون میں لوٹوں گا۔کچھ صحت کی اصلاح بھی مقصود ہے۔

بهجة المجالس مصر سے مراد ملا کا یمنی نسخہ ۷۹۳ نمبر ۱۰۰ فہرست ادب مخطوطات مصورہ بجامعۃ الدول العربیہ بہتر ہے۔استنبول اور مراکش میں بھی نسخے ہیں۔وفقکم اللہ۔(۱)

علیم صاحب نے مبلغ ۴۰۰ روپے بھیج دیے شکریہ۔مگر مجھے اندیشہ ہے کہ میرے حق سے زیادہ نہ ہوں؟ اگر ان کا حق مجھ پر نکلے تو میں پونہ سے منی آرڈر کردوں (۲)۔پتہ

c/o Prof. Ali Mohd. Memon

College of Agriculture Poona

آپ اگر عید تک کچھ لکھوائیں تو مجھے پونہ میں مل سکے گا۔

ضیاءالاسلام،حامد علی،ڈاکٹر علیم،ڈاکٹر مقبول وغیرہم کو سلام۔

المسعودی کی عجائب البحر کے کچھ سراغ مل رہے ہیں۔

والسلام

میمن عبدالعزیز

قاضی عبدالودود (۳) آج کل یہاں ہیں۔

---

(۱) میں کتاب "بهجة المجالس" از ابن عبدالبر کے مخطوطات پر تحقیق کررہا تھا اور اسی سلسلے میں استاذ کو لکھا کہ وہ اس بارے میں کیا معلومات رکھتے ہیں۔بعدازاں ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری (وفات: ۳۰/اکتوبر ۲۰۰۹ء) اور ڈاکٹر محمد ظہور الحق نے اس موضوع پر راقم کی نگرانی میں تحقیق کی اور پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

(۲) یہ علامہ میمن کی ایمان داری اور دوسروں کے حقوق کی ادائیگی کی ادنیٰ مثال ہے۔(ر)

(۳) قاضی عبدالودود (۱۹۰۴-۱۹۸۴ء) اردو اور فارسی کے عالم اور نامور محقق تھے۔وہ اس وقت کراچی گئے ہوئے تھے۔

(۱۷)

بہادر آباد۔کراچی،۵

۱۳/نومبر ۵۸ء

مکرم حضرت آرزو صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ

ریڈری کی بڑی خوشی ہوئی (۱)۔ اللّٰھمّ زد فزد ۔الفاضل کی قیمت! یا سبحان اللہ ہاں مگر یاد آیا کہ جمہور (۲) والے اگر چندہ مانگیں تو تیار رہیے۔

عجائب البحر مسعودی کا کوئی اقتباس دیکھا تھا جس پر دماغ میں یہ رہ گیا کہ یہ مسعودی کی ہوسکتی ہے۔ڈاکٹر مقبول کا انکار مزید جستجو چاہتا ہے۔(۳) مجلة المجمع میں آئندہ یہ مضمون آئے گا۔

الافصاح عن ابیات مشکلة الایضاح للفارقی ولا توجیه الاعراب للرمّانی

یہ ابھی دمشق میں چھپی ہے لسعید الافغانی میری تحقیق بڑی پر مغز ہے۔

یہاں کوئی نہیں ۔غرض نقشے است کز ما یاد ماند که ہستی را نمی بینم بقائے

نہ یوسف کا کوئی ٹھکانہ۔

ابو ہلال (۴) کا رسالہ تو میرے پاس دیکھا ہوگا اس کا اصل نسخہ استنبول میں ہے کاش منگا لینے ۔میں نے یہاں بڑی تعداد میں نادر مصورات جمع کردیے ہیں۔

میں رسالہ کو دیکھنے کی کوشش کروں گا۔والسلام

آپ کا

میمن عبدالعزیز

دوسرے خطوط لا صحابها

---

(۱) اپریل ۱۹۵۸ء میں راقم کو شعبۂ عربی جامعہ علیگڑھ میں ریڈر کے عہدے پر ترقی دی گئی۔

(۲) یہ ہفت روزہ جریدہ علی گڑھ سے جناب عبدالشاہد خان شیروانی (وفات ۱۹۸۴ء) کی ادارت میں شائع ہوتا تھا۔

(۳) راقم المسعودی اور اس کی تالیفات پر تحقیقی مقالہ لکھنے میں مصروف تھا۔اس بارے میں الاستاذ کو کتاب عجائب البحر کے اقتباسات لکھ بھیجے تھے۔اس بارے میں اپنے شکوک بھی لکھے تھے۔

(۴) اس وقت راقم ابو ہلال العسکری کی کتاب "مواضع الضبط......" کی تحقیق میں مصروف تھا۔

(۱۸)

بہادر آباد۔کراچی،۵

۳۱ر دسمبر ۵۸ء

آرزو صاحب

السلام علیکم۔شاید میں نے جواب تو لکھا تھا بڑی خوشی ہوئی کہ آپ ریڈر ہو گئے۔فالحمد للہ والشّکر لہ۔المسعودی کی عجائب البحر کا نام کتابوں میں دیکھا ہے پھر کبھی بتاؤں گا۔ مراکش کی مغربی مطبوعات واندلسیات ملی ہیں۔ مجلة المجمع دمشق کے آئندہ نمبر میں رمانی کی ایک کتاب پر مضمون آئے گا(الافصاح للفارقی ولا توجیه الاعراب للرمّانی) (۱)۔انسٹیٹیوٹ کے تقررات ملتوی پڑے ہیں شاید آئندہ چل پڑیں۔(۲)ہاں الاشباہ للخالدیین ڈاکٹر یوسف کی پہلی جلد آ گئی ہے۔کاش آپ نے بھی لجنة میں چھپوادی ہوتی۔ رسالة فی الحماسة لابی ھلال کو تبریزی نے بہت کچھ نقل کیا ہے کاش آپ استنبول کا اصل نسخہ حاصل کر لیتے۔(۳)

علیم صاحب کے مذہب میں شاید مکاتبت نہیں۔بہر حال سلام کہیے۔

والسلام

میمن عبدالعزیز

---

(۱)دیکھیے مقالہ مجلہ المجمع العلمی العربی جلد(۱۹۲:۳۴)میں۔

(۲)ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کراچی میں تھا جس کے استاذ اس وقت ڈائریکٹر تھے۔

(۳)استاذ المیمنی کے مشورے پر راقم نے اس مخطوطے کا عکس جامعة الدول العربیة سے حاصل کیا تا کہ اپنی تحقیق میں اس سے مدد لے سکوں۔

(۱۹)

پونہ ۲۸؍جنوری ۶۰ء

عزیزی وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ

مؤرخہ ۲۵؍کل شام ملا۔ شکریہ! میں کچھ صحت کمانے کے لیے ۱۵ دسمبر کو نکلا تھا مگر گھٹنے کے درد میں سردی اور رطوبت کے باعث کچھ اضافہ ہی رہا۔ فروری کی ۳-۴ تک بمبئی سے براہ سمندر روانگی کا ارادہ ہے اگر جواب دیں تو معرفت خلیل شرف الدین الکتبی قیمہ پریس میمن واڑہ بمبئی کے پتہ پر مل سکتا ہے۔ سبط ابن العجمی (۱) کے بعض رسائل میرے پاس بھی تھے آپ کو مولوی عبدالحی کے کتب خانہ میں مل جائیں گے۔ آپ نے نام نہیں بتایا الاغتباط بمن رمی بالاختلاط (۲) غالباً چھپ گیا ہے۔ سبحة المرجان (طبع) بمبئی موجود ہے۔ ڈاکٹر یوسف بطور ریڈر یونیورسٹی میں رکھ لیے گئے ہیں از ۳۱؍دسمبر۔ انسٹیٹیوٹ کے ساتھ آنریری تعلق قائم ہے۔ کتاب الروضة للمبرد معدوم ہے۔ الفاضل پیش نظر نہیں کراچی سے کچھ لکھ سکتا ہوں۔

امید ہے ہمارے احباب ومعارف بخیر وخوبی ہوں گے۔

وزارت معارف سوریہ نے جون میں دمشق اور حلب میں ایک کو لیکچر دینے کی دعوت دی ہے۔ وجع الرکبة کا یہ حال ہے۔ وفقنی اللہ۔ میرے مضمون ابن عنین (۳) کے اور نمبر بھی آئیں گے۔

والسلام

میمن عبدالعزیز

---

(۱) برہان الدین ابراہیم سبط ابن العجمی الحلبی (وفات ۸۴۱ھ) اپنے عہد کے بڑے عالم۔ راقم نے ان کے بعض مخطوطات حاصل کیے اور دیگر کے لیے کوشش کی پھر استاذ المیمنی کو ان کے بارے میں لکھا۔ بعد ازاں راقم نے رسائل السبط پر تحقیق کی جس کے لیے علی گڑھ یونیورسٹی، مکتبہ سعیدیہ حیدرآباد دکن، خدابخش لائبریری پٹنہ، مکتبہ ظاہریہ دمشق اور جامعہ الدول العربیہ قاہرہ میں موجود مخطوطات کے عکس حاصل کیے۔

(۲) اسے علامہ راغب الطباغ نے ۱۹۳۱ء میں حلب (شام) سے شائع کیا۔

(۳) یہ مقالہ مجلہ المجمع العلمی دمشق (۳۴۴) ۱۹۵۹ء میں شائع ہوا۔

(۲۰)

۲۷ر ستمبر ۶۰ء

بہادر آباد۔ کراچی ۵،

مکرم دام فضلکم

کارڈ مورخہ ۱۶ر اگست اور پھر مجلّہ (۱) کے دو نمبر ملے۔ ایک ڈاکٹر یوسف کو دے دیا ان کا پتہ کراچی یونیورسٹی صدر عربی ہے۔

مجلّہ کے مضامین ماشاء اللہ خوب ہیں خدا آپ صاحبان کی ہمت میں برکت دے۔ خدا کرے یہ سلسلہ آئندہ اسی طرح جاری رہے۔ استنبول میں ابن العلقمی کے کتب خانہ کی اور بھی کتابیں ہیں (۲)۔ کتب خانۂ محمودیہ کے متعلق آپ کا مقالہ بڑی کنج کاوی کا پتہ دیتا ہے۔ وفقکم اللہ۔ (۳)

گھٹنے کے درد نے ناکارہ کر دیا ہے کس سے کہوں اور کیا۔ بہ جبر کتب و رسائل دیکھ لیتا ہوں و بس!

''المفضلیات و صاحبھا'' کو آپ چھاپ سکتے ہیں (۴)۔ اب وہ دور ہے کہ جو چاہتا ہوں کر نہیں پاتا البتہ کتب رسائل و مکاتیب کچھ نہ کچھ پڑھ ضرور لیتا ہوں و بس! ولکن یتلوھا حسرات۔

ادارہ ایک اور فاضل کو سونپ دیا گیا میں غیر متعلق ہوں۔ کوئی اور حیلہ بھی نہیں خوب شد۔

اذا قلّت فوائدنا جُفینا
بذاك یذُمّ انیقة الخلیطُ

خدا کا شکر ہے کوئی گلہ شکوہ نہیں۔

والسلام علیکم وعلی من یذکر العاجز
میمن عبدالعزیز

(۱) ششماہی ''مجلّہ علوم اسلامیہ'' عربی و فارسی زبان و ادب اور علوم اسلامیہ سے متعلق مقالات شائع ہوتے تھے۔اسے راقم نے ''مرکز علوم اسلامیہ'' علی گڑھ سے شائع کیا اور ۱۹۶۰ء تا ۱۹۷۰ء راقم اس کا مدیر رہا۔

(۲) مجلّہ علوم اسلامیہ (۱۹۶۰ء) میں راقم کا مقالہ ''کتب خانۂ ابن العلقمی'' کا ایک مخطوطہ شائع ہوا استاذ کا اشارہ اسی جانب ہے۔

(۳) یہ مقالہ محمود بن علی کے حالاتِ زندگی اور ان کے کتب خانے کے بارے میں تھا۔یہ کتب خانہ محمود بن علی نے دوسری صدی ہجری میں قاہرہ میں قائم کیا تھا۔

(۴) یہ مقالہ مجلّہ علوم اسلامیہ شمارہ نمبر ۲ (دسمبر ۱۹۶۰ء) میں شائع ہوا۔

(۲۱)

حیدر آباد

۶۲-۴-۱

عزیزی رعاکم اللہ سلام واکرام

کیا یہ واقعہ نہیں کہ میرے نسیًا منسیًا کر دیے جانے کا زمانہ اب زیادہ دور نہیں۔ ڈاکٹر بلوچ (۱) مجھ سے کراچی میں ملنے کے بعد روانہ دہلی و علی گڑھ ہوئے ۔ ڈاکٹر مقبول و اقرأ علیه سلامی نے انہیں ادریسی ہند ترجمہ و شرح و مسعودی دی تھیں۔میں حیدر آباد آیا تھا اور ۴ کو واپسی ہے میں نے دیکھیں۔ادریسی کا متن تو مجھے ۵۶ء میں ڈاکٹر صاحب نے دیا تھا مگر ان کا اصل کام اس جلد ترجمہ ریسرچ میں ہے۔اب جب فرصت ملی بہت کچھ دیکھا اور ان کی ریسرچ و تحقیقات کی داد دی۔میری طرف سے ان کے کارنامہ کی قدر پیش کیجیے۔ دل تو یہی چاہتا ہے کہ میرے پاس بھی اس کا ایک نسخہ ہو۔معلوم نہیں گنجائش ہو گی یا نہیں۔

مجلّہ پہنچتا ہے بہت خوب ہے۔اللہ کرے کہ آپ یہ سلسلہ جاری رکھیں۔یہاں یہ چیزیں خواب و خیال ہیں۔اسلام کا دعویٰ ہے لیکن اس کی اصلاح و مرمت ہمارا شیوہ ہے۔ الا انّهم هم المفسدون۔آپ نے ابن میمون کا تذکرہ چھاپ دیا، خوب کیا۔(۲)

کراچی میں گھٹنے کی تکلیف نے اپاہج کر دیا۔کچھ روز کے لیے حیدر آباد آیا تھا۔اب

میں افرغ من حجام ساباط ہوں اور ہونا بھی یہی چاہیے۔ وہاں اب کس کو یاد رہا ہوں گا۔
بہر حال مجھے علیم، مقبول، ریاض و انصاری (۳) یاد آتے رہتے ہیں۔ جواب کا انتظار رہے گا۔

والسلام من الداعی
عبدالعزیز المیمنی
بہادر آباد۔ کراچی، ۵
یکم اپریل ۶۲ء

---

(۱) ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ کے حالات کے لیے ملاحظہ فرمایئے باب نمبر ۱۳ ''تلامذہ'' (ر)۔
(۲) اشارہ ہے راقم کے مقالے کی جانب جو مجلّہ علوم اسلامیہ میں ۱۹۶۱ء میں شائع ہوا تھا۔ ابن میمون کے حالات زندگی کے لیے راقم نے ''الوفی بالوفیات'' از صلاح الدین صفدی کے اس مخطوطے سے استفادہ کیا جو برلن یونیورسٹی کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔
(۳) ڈاکٹر محمد اقبال انصاری سابق ڈائریکٹر ادارۂ علوم اسلامیہ علی گڑھ۔

(۲۲)

۲۶ / اپریل ۶۲ء
بہادر آباد۔ کراچی، ۵

مکرم اسعدکم اللہ السلام علیکم

مورخہ ۱۴/ اور پھر اشباہ کے فرمے ملے، دیکھے۔ احمد راتب النفاخ میرے عزیز شاگرد ہیں۔ ان کا کام انتہا درجے گہرا ہے نیز ڈاکٹر یوسف بھی الاشباہ طباعت کے لیے مصر بھیج چکے ہیں۔ وہ خود بھی نفاخ کے کام پر کوئی قابل ذکر اضافہ نہ کر سکے۔ اس کا مسودہ بھی یہاں نہیں جو مقابلہ کر سکوں۔ بظاہر آپ کا کام بھی خاصا ہے کاش آپ پہلے پوچھ لیتے۔ اب آپ خود ہی سوچیے کہ میرے لیے اب کیا گنجائش رہی ہوگی درآں حالیکہ اب میں ان کاموں کی صلاحیت کھو چکا ہوں۔ معمولی خطوط کے جواب دینا بھی آسان نہیں رہا۔ پڑا پڑا کوئی کتاب لے کر وقت گزار لیتا ہوں وبس!

مصر وغیرہ میں نہضت علمیہ ہے آئے دن نوادر نکلتے رہتے ہیں اگر مراتب النحويين لابی الطیب لغوی وغیرہ نکل آئی ہیں تو دیگر اور مخطوطات (جو میں نے خود نقل کی تھیں) بھی تو نہیں بچیں۔ اس لیے بہتر ہوتا کہ آپ البصریہ چھاپ ڈالتے مبادا کوئی ادھر متوجہ ہو جائے۔

من نمی گویم زیاں کن یا بفکر سود باش　　اے زفرصت بے خبر در ہر چہ باشی زود باش

آپ کی کتاب کی چھپائی نہایت اعلیٰ ہے۔ اگر مقبول صاحب ترجمہ نزهة المشتاق دیں تو بھیج دیجیے۔ اسی طرح علی گڑھ کی علمی فتوحات کی اطلاع دیتے رہیں۔ یہاں کے تمام ترادارے ریسرچ سے غیر متعلق ہیں فانا للہ۔

والسلام علیکم　　　　مخلص

میمن عبدالعزیز

(۲۳)

کراچی

۲۸/اکتوبر ۶۳ء

مکرمی رعاکم اللہ　　السلام علیکم

دعا ہے کہ آپ مع جملہ متعلقین بخیر وخوبی رہیں۔ ۶/اکتوبر کو مولانا ضیاء صاحب (۱) سے آپ ودیگر احباب کی عافیت معلوم کر لی تھی۔ آپ تو بالکل ہی بھول گئے۔ بھولے سے بھی خط نہیں لکھتے۔ مولانا شاہد (۲) جمہور بھی نہیں بھیجتے۔ آخری نمبر میں ''ابن الدمينة من الاشباه'' آیا تھا۔

ڈاکٹر علیم کو تندرستی اور صحت یابی پر مبارکبادی دیں۔

عمر میاں (۳) نے اپنے میٹرک کے نمبروں کے لیے مجھے کہا اور مجھے آپ اور محض آپ یاد آئے ان سے کہا کہ وہ خط لکھیں اور میں اس پر آمین لکھ دوں۔ سو یہ میری آمین ہے۔ امید ہے کہ آپ کسی قریبی فرصت میں یہ کام ضرور کر دیں گے۔ والسلام علیکم

من الداعی

میمن عبدالعزیز

بہادر آباد۔۳/۲۲۱ کراچی۔۵

۲۸/اکتوبر ۶۳ء

---

(۱) پروفیسر ضیاء احمد بدایونی (۱۹۸۴-۱۹۷۳ء) سابق صدر شعبۂ فارسی علی گڑھ یونیورسٹی اس وقت پاکستان آئے تھے اور استاذ المیمنی سے ملنے گئے تھے۔ ان کی کتابوں میں تذکرۂ سلف، تجلیات، لمعات، مباحث و مسائل اور مسالک و منازل شامل ہیں۔

پروفیسر ضیاء احمد بدایونی، حضرت ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان (سابق صدر شعبۂ اردو سندھ یونیورسٹی) کے بھی استاد تھے۔(ر)

(۲) عبدالشاہد خان شروانی (ولادت ۱۲/جنوری ۱۹۱۵ء، وفات ۲۲/فروری ۱۹۸۴ء) علی گڑھ یونیورسٹی کے کتب خانے میں شعبۂ عربی و فارسی کے نگران اور ہفت روزہ "جمہور" کے ایڈیٹر تھے۔

(۳) ڈاکٹر محمد عمر میمن، الاستاذ کے چھوٹے صاحبزادے۔ استاذ المیمنی مزاحاً انھیں امیر المومنین "عمر بن عبدالعزیز" کے نام سے مخاطب کرتے تھے۔

(۲۴)

کراچی

۲۴/دسمبر ۱۹۶۳ء

مکرمی رعاکم اللہ   السلام علیکم

مقالہ فی الصیدنہ(۱) ۱۰/ماہ رواں کو وصول کرتے ہی لاہور اپنے محترم جناب حکیم نیّر واسطی صاحب(۲) کو بھیج دیا تھا۔ استنبول کے ڈاکٹر بدیع (۳) نے انہیں بروصہ کے نسخہ کا فوٹو بھیجا تھا اور اس پر ایک مقالہ بھی لکھا تھا۔ حکیم صاحب انگورہ میں بیٹھ کر اس کو ایڈٹ کرنے کی سوچ رہے تھے، خوب شد! آپ کی عنایت سے وہ اس ناحق پریشانی سے بچ گئے۔ فالحمد للّٰہ و لکم الشّکر۔

اب وہ لکھتے ہیں کہ ایک نسخہ اس مقالہ کا اور منگا دیجیے تو ڈاکٹر بدیع کو استنبول بھیج دوں۔

'حکیم صاحب میرے محترم ہیں ان کی خدمت کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔اگر چاہیں تو انھیں بلا واسطہ اس پتہ پر بھیج دیں:

حکیم نیّر واسطی صاحب،۳۱۳سرکولر روڈ،لاہور

مجھے بھی ایک کارڈ ڈال دیں تو اچھا ہو۔

فارق صاحب دائرۃ المعارف کے لیے منمّق ابن حبیب ایڈٹ کر رہے ہیں۔

وحشیات نکل آئی ہے مجھے ایک نسخہ ملا ہے۔میں نے دیگر نسخوں کے لیے مدت ہوئی لکھ رکھا ہے مگر دارالمعارف نے ہنوز جواب نہیں دیا۔

الاشباہ کی دوسری جلد شاید عنقریب نکل آئے۔

مجھے التنبیہات کی طباعت کی بڑی فکر رہتی ہے۔

ہاں النمری اور ابوریاش کی مختصر شروح حماسہ کے میکروفلم کبھی کے مجھے مل گئے تھے (۴) مگر وقد حیل بین العیر و النیروان۔یہاں زیادہ تر اسلام کی مرمت کا فرض انجام دیا جاتا ہے۔فالی اللّٰہ المشتکیٰ۔

ڈاکٹر علیم تو کبھی یاد نہیں کرتے میرا سلام

خیر سگالی منتظر جواب

میمن عبدالعزیز ۲۲۱/۳،بہادر آباد،کراچی۔۵

مغربی پاکستان

۲۴؍دسمبر ۶۳ء

---

(۱) ابوریحان البیرونی کی کتاب "الصیدنۃ فی الطب" پر ڈاکٹر نذیر احمد صاحب (سابق صدر شعبۂ فارسی علی گڑھ یونیورسٹی) کا مقالہ جو ایران سوسائٹی کلکتہ کے جریدے Indo-Iranica میں شائع ہوا۔

(۲) حکیم نیّر واسطی (وفات ۲۶؍مئی ۱۹۸۲ء) نے کتاب الصیدنۃ پر تحقیق اور اس کی اشاعت میں دلچسپی رکھتے تھے۔یہ کتاب بعد ازاں حکیم محمد سعید اور ڈاکٹر رانا احسان الٰہی کی تحقیق کے بعد ۱۹۷۳ء میں ہمدرد فاؤنڈیشن کراچی

نے شائع کی۔

(۳) ترکی کے نامور محقق اور عالم جو حکیم نیر واسطی کے دوست تھے۔

(۴) استاذ المیمنی سے راقم نے اس کتاب کے عکس کے لیے گزارش کی تھی۔

(۲۵)

اورینٹل کالج، لاہور

۱۳رمئی ٦٦ء

عزیزی وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ

گرامی نامہ مورخہ ۵رمئی مجھے آج ملا۔ میں آپ کو اور الحماسۃ البصریۃ کو ایک عرصہ سے یاد کر رہا تھا۔

الاشباہ للخالدیین پوری چھپ گئی۔ ادھر پہلے البصریۃ نکل چکی ہے فالحمد للہ علی ذلك۔ مگر مجھے نہیں ملی۔ دار المعارف والے پیشگی قیمت اور خرچ محصول ڈاک مانگا کرتے ہیں پھر کتاب بھیجتے ہیں۔

مجھے ڈاکٹر فارق اور المنمّق ہمیشہ یاد رہیں گے۔ اس کتاب کو ہندوستان میں میں نے پہلے پہل دریافت کیا تھا پھر مولانا سلیمان اور ہاشم (۱) نے میرا نام اڑا دیا۔ (۲)

نسب قریش پر حذف من نسب قریش المؤرج السدوسی اور جمھرۃ نسب قریش للزبیر نکل چکی ہیں (۳) اور التبیین لابن قدامہ استنبول میں محفوظ ہے (۴)۔

فارق صاحب کو میری طرف سے خط لکھیے اور ایک نسخہ کے لیے تاکید کیجیے ضرور!

کہیے بہت دنوں سے آپ کے مجلّہ کا پتہ نہیں!

میں ۲رجولائی تک یہاں ہوں (۵) پھر کراچی چلا جاؤں گا۔ میری صحت برباد ہو چکی ہے۔ ذیابیطس، وجع فم معدہ، احتباس بول وغیرہ عوارض نے گھیر لیا ہے۔

سنتا ہوں یہاں پروفیسر ایمریٹس کے طور پر ۲را کتوبر سے مجھے پھر رکھیں گے ۔ کراچی کا پتہ یہ ہے:

میمن منزل ۳/۲۲۱، بہادر آباد، کراچی ۔۵ اور یہاں کا پروفیسر عربی یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور۔

مجھے علی گڑھ کے احباب اور عزیزان بعداز مرگ بھی یادرہیں گے۔ سلّمکم اللّٰہ و رعاکم۔

عمر میاں کیلیفورنیا میں ہیں آئندہ سال لوٹیں گے۔ والسلام

منتظر جواب

میمن عبدالعزیز

اورینٹل کالج لاہور

مجموعہ دیوان بشار (۲) کے چھپنے کا حال بغداد کی فہرست سے معلوم ہوا ہے ولکن لم ارہ ۔

هذا وقد بلغني خبر وفاة بدر الدين ولا كان۔

---

(۱) سیّد ہاشم ندوی استھاواں (بہار) میں ۱۹۰۴ء میں پیدا ہوئے۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تعلیم حاصل کی جہاں سے ۱۹۲۴ء میں فارغ ہوئے۔ ۱۹۲۶ء میں دائرۃ المعارف عثمانیہ حیدرآباد دکن میں بطور رفیق خدمات کا آغاز کیا۔ اس ادارے میں قیام کے دوران آپ نے قدیم کتب کی تحقیق واشاعت کے لیے بیش بہا خدمات انجام دیں۔ اپریل ۱۹۷۲ء میں حیدرآباد دکن میں انتقال ہوا۔ آپ کی تالیفات میں ''تذکرۃ النوادر'' شامل ہے۔

(۲) علامہ سیّد سلیمان ندوی نے اپنے ایک مقالے میں اس کتاب کا ذکر کیا۔ نیز سیّد ہاشم ندوی اور ''تذکرہ النوادر'' کا بھی لیکن کہیں یہ ذکر نہ کیا کہ سب سے پہلے اس کا مخطوطہ استاذ المیمنی نے مکتبۂ ناصریہ لکھنؤ میں دریافت کیا تھا۔

(۳) سدوسی کی کتاب 'نسب قريش'' قاہرہ سے شائع ہوئی جبکہ زبیر بن بکار کی 'جمهرة نسب قريش'' محمود محمد شاکر کی تحقیق کے بعد ۱۹۶۱ء میں قاہرہ ہی سے اشاعت پذیر ہوئی۔

(۴) ابن قدامة المقدسي کی کتاب 'التبيين في انساب القرشيين'' استاذ محمد نایف الدلیمی کی تحقیق کے بعد ۱۹۷۶ء میں بغداد سے شائع ہوئی۔

(۵) یہ خط لاہور سے لکھا جہاں الاستاذ اورینٹل کالج میں خدمات انجام دے رہے تھے۔

(۶) "دیوان شعر بشار "جمع وتحقیق۔استاذی سید بدرالدین علوی (وفات ۱۹۶۵ء)۔یہ کتاب دار الثقافة بیروت کی جانب سے ۱۹۶۴ء میں شائع ہوئی۔

(۲۶)

۱۲/اکتوبر ۶۶ء

۳/۲۲۱، بہادر آباد، کراچی۔۵

عزیزی حفظکم اللہ　　وعلیکم السلام

طویل تاخیر کے بعد آپ کا مؤرخہ ۶/ آج ۱۲/کو ملا۔ میں لاہور سے ۴/ جولائی کو لوٹا تھا اور ۲/ اکتوبر کو میرا دوسالہ معاہدہ ختم ہوا۔اب بظاہر قیام یہیں رہے گا۔

مجھے نہ دیوان بشار ملا نہ البصریة۔لاہور سے استفسار کر رہا ہوں اور آپ معید صاحب (۱) سے پوچھیے۔ مجھے ان کا اندازہ غیر متوقع سا نظر آ رہا ہے۔ مجھے فارق صاحب نے المنمّق نہیں بھیجی۔

عمر میاں (۲) کا ۵ سالہ کورس تھا شاید میں انھیں بے نیل مرام واپس بلالوں کہ ہماری ضعیفی ہے۔

۲۶/اگست کو شیخ خلیل عرب (۳) وفات پا گئے۔

عربی کے علماء ختم ہو رہے ہیں میرے بعد پنجاب کو ضرورت ہے مگر کوئی جاندار عالم نہیں مل رہا۔ جملہ ۴ درخواستیں ہیں جو لیکچرر سے زیادہ نہیں ہو سکتے۔ یہاں تو لے دے کے ڈاکٹر یوسف ہیں وبس! وہاں کی حالت یہاں سے کمتر تو نہ ہوگی۔

جملہ پرسان حال ڈاکٹر علیم مقبول اور ریاض وغیرہ کو بہت بہت سلام۔فوری جواب کا انتظار رہے گا۔ والسلام

داعیکم

میمن عبدالعزیز

ہم دونوں کی صحت کچھ گر رہی ہے۔
مدتیں ہوئیں مجلّہ نہیں ملا، بھیجئے۔

---

(۱) ڈاکٹر عبدالمعید خان، ڈائریکٹر دائرۃ المعارف عثمانیہ حیدر آباد دکن کی جانب سے دائرہ کی جدید مطبوعات نہ بھیجنے کا ذکر کیا ہے۔

(۲) ڈاکٹر محمد عمر میمن جو اس وقت امریکہ میں مقیم تھے۔

(۳) شیخ خلیل بن محمد بن حسین بن محسن انصاری یمانی ۱۸۸۶ء میں بھوپال میں پیدا ہوئے۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تعلیم حاصل کی۔ بعد ازاں مدرسۂ عالیہ کلکتہ میں استاد عربی مقرر ہوئے۔ نومبر ۱۹۲۳ء تا اکتوبر ۱۹۳۶ء شعبۂ عربی لکھنؤ یونیورسٹی میں خدمات انجام دیں۔ بعد ازاں خرابی صحت کی بنا پر بھوپال منتقل ہو گئے۔ قیامِ پاکستان کے بعد کراچی منتقل ہو گئے جہاں ۲۲ر اگست ۱۹۷۶ء کو انتقال ہوا۔ شیخ خلیل عرب کی صاحب زادیاں محترمہ رقیہ خلیل عرب اور ڈاکٹر عطیہ خلیل عرب عربی زبان وادب میں مہارت رکھتی تھیں اور دونوں نے استاذ میمن سے استفادہ کیا تھا۔

نامور عالم دین اور عربی زبان کے ماہر مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی (وفات ۳۱ر دسمبر ۱۹۹۹ء) شیخ خلیل عرب کے معروف ترین شاگرد تھے۔ شیخ خلیل عرب اور اس کے خانوادے کے بارے میں مولانا کا معلومات افزا مضمون "پرانے چراغ" حصہ دوم میں ملاحظہ فرمائیے۔ عربی زبان کی تدریس کے لیے شیخ خلیل عرب کی مفید کتاب المطالعة العربية ڈاکٹر عطیہ خلیل عرب اور محمد راشد شیخ کی کاوش سے ۲۰۰۳ء میں کراچی سے دوبارہ شائع ہوئی ہے۔ شیخ خلیل عرب اور ان کے خانوادے کے بارے میں ان کے صاحبزادے یحییٰ خلیل عرب کی معلومات افزا کتاب "گلزارِ یمن" ۲۰۰۱ء میں کراچی سے شائع ہوئی۔ عرب صاحب علامہ میمن کے قریبی دوستوں میں تھے۔
(ر)

(۲۷)

کراچی
یکم دسمبر ۶۶ء

عزیزی حرسکم اللہ السلام علیکم
ابھی ابھی البصریة کا پارسل ملا۔ شکریہ۔ دیوان بشار مولوی بدرالدین اور

المنمّق بھی مل جاتے تو خوب ہوتا!

غلطیاں بہت رہ گئی ہیں۔

وفقکم اللہ۔

مخلص

میمن عبدالعزیز

(۲۸)

۲۲۱/۳، بہادر آباد، کراچی

۹ر جنوری ۶۷ء

عزیزی حرسکم اللہ السلام علیکم

۲۱ر دسمبر کو الحماسة البصرية کے وصول کی اطلاع دی تھی۔ آج مجلّہ کے نمبرا لٹے تو حسب ذیل نکلے:

جلد ۱	۶۰ء	ہر دو حصے	ج ۴ نمبر ۲ مجھے ۲۳ر ستمبر ۶۴ء کو ملا تھا
جلد ۲	۶۱ء	"	جس کے ۴ دن بعد میں لاہور منتقل ہو
جلد ۳	۶۲ء	"	گیا۔
جلد ۴	۶۳ء	"	

اس طرح مجھے اور ۶ نمبر از جون ۶۴ء تا دسمبر ۶۶ء ملنے چاہئیں۔ مجلّہ اچھا ہے۔ آپ کی ہمت اور انتھک محنت کا آئینہ دار ہے۔ اللّٰھم زد فزد۔

اگر یہ تین سالہ اعداد نکلے ہوں تو بھجوائیں ضرور!

ہاں ابن میمون کا ترجمہ المنذری کی التكملة میں اور تاریخ الذہبی وغیرہ میں موجود ہے و نسخ الکتابین بالاسکندریہ و القاہرة، کنیت اور چند اساتذہ معلوم ہوئے ہیں و کان کاتباً۔

مولوی بدرالدین کا دیوان بشار بلك ہ شرح المختار من اشعار بشار بھی

چاہیے۔ میرا نسخہ کھو گیا ہے۔

مجھے وجع الرکبہ کے علاوہ ذیابیطس اور پیشاب کی تکلیف وغیرہ عوارض نے گھیر لیا ہے۔ عام صحت گزر رہی ہے۔ قمری ۸۰ سال چل رہا ہے۔

باایں ہمہ علمی جنون علی حالہ ہے۔

عبدالکافی کا حماسہ یہاں موجود ہے۔

وہاں کے اعزہ واصحاب کو اگر یاد رہا ہوں تو میری یاد ان کو پہنچا دیں۔

اپنے مشاغل اور علمی کارناموں کا ضرور پتہ دیں۔

والسلام

میمن عبدالعزیز

۳/۲۲۱، بہادر آباد، کراچی۔ ۵

المنمّق بھی نہیں ملی فارق کو کہئے!

کُلَّ عام وانتم بخیر!

---

(۱) مراد ہے کتاب ''حماسۃ الظرفاء'' تالیف ابومحمد عبداللہ بن محمد العبدالکافی الزوزنی۔ راقم نے استاذ سے اس کتاب کے بارے میں معلوم کیا تھا۔ اس کتاب کا پہلا حصہ محمد جبار المعیبد کی تحقیق سے ۱۹۷۳ء میں بغداد سے شائع ہوا۔

بنام ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ

(۱)

مکرمی! وعلیکم السلام 23-7-43

کرمنامہ مورخہ ۱۹ ؍ جولائی موصول ہوا۔ گھی کھا بھی لیا گیا یعنی کہ بطون نے شکریہ بلکہ فاتحہ پڑھ دیا(۱)۔ اگر آپ کا دل علی گڑھ میں اٹکا ہے تو آ جایئے میں ۲۷ ؍ اگست کو پہنچوں گا۔ دیکھیے علی گڑھ میں لیکچرر عربک کے اشتہار میں ایم اے کی قید لگا دی گئی اس طرح مولوی بدرالدین (۲) درخواست بھی نہیں دے سکتے۔ یہ اس ادارہ کا حال ہے جس کا صدر بھی ایم اے نہیں (۳) پھر یہ اعمال مہمہ اس وقت کیے جا رہے ہیں جبکہ صدر رخصت پر ہے اور اس سے پوچھا تک نہیں جاتا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ فلاں لیا جائے مگر ایک مستحق کے لیے دروازہ ہی بند کر دینا کوئی انصاف نہیں۔ جہاں ایسے ایسے کام ہو سکتے ہوں وہاں ناموزوں ریڈر کو لے کر صدر کی مشکلات میں اضافہ کرنا معمولی کھیل ہے۔ علی گڑھ میں میرا ہونا العجب العاجب ہے۔ میرے بعد یہاں لیلة لیلاء وطخیة طخیاء (۴) کا دور دورہ رہے گا۔ میں نے آج ۷ سال سے کوئی رخصت نہیں لی ورنہ عابد صاحب پروفیسر بنے دھرے ہوتے۔ یاروں نے بہت انتظار کیا مگر یہ پرانا کھونٹا ہل کر نہ دیا۔ جونا گڑھ میں پرنسپل صاحب کا مہمان رہا۔ طاہر علی صاحب (۵) نے بھی دعوت دی تھی پھر اختر صاحب لے گئے اب کی مرتبہ میں کچھ گیا مانڈوی اور بھوج دیکھا مسلمانوں کو ہر کہیں خوابیدہ پایا ان سے تو ان کے اجداد کہیں اچھے تھے۔ یہ تو ہنوز پتلون کے بھنور میں سے نہیں نکلے۔ ڈاکٹران داؤد پوتہ (۶) وامیر حسن (۷) کو بہت بہت سلام۔ آپ کے لئے مضمون سوچوں گا مگر غیر سندھی ہوگا۔ پرنسپل صاحب نے تو کہا تھا کہ امیر حسن صاحب کو پوری مرحوم کی جگہ علیگڑھ میں لے لیا گیا۔ یہاں گرانی اشد ہے علی الخصوص سبزی گھی وغیرہ کی۔ کپڑا تقریباً چالیس فیصدی تک سستا ہو رہا ہے۔ اگر آپ علیگڑھ آئیں اور اگر آپ کے ہاں گھی پانچ چھٹانک روپیہ سے ارزاں ہو تو ۱۵ سیر لیتے آئیں۔ ہدیہ اب قبول نہ کروں گا ورنہ نہ لائیں۔

والسلام۔ مخلص

میمن عبدالعزیز

۲۳۔۷۔۴۳

(۱) علامہ میمن کی عادت تھی کہ ہمیشہ خالص گھی استعمال کرتے اور اس سلسلے میں اپنے احباب اور خاص تلامذہ کو زحمت دیتے لیکن قیمت با اصرار ادا کرتے۔ ان مخصوص تلامذہ میں ڈاکٹر بلوچ صاحب بھی شامل تھے۔

(۲) مولوی بدرالدین علوی سابق لیکچرر شعبۂ عربی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی۔ وفات ۱۶ رمئی ۱۹۶۵ء، علی گڑھ۔

(۳) علامہ میمن کا اشارہ اپنی جانب ہے یعنی ایم اے ہونا کوئی قابلیت کی نشانی نہیں اصل چیز علم ہے۔

(۴) یعنی کوئی قابل استاد نہیں ہوگا۔

(۵) پروفیسر وائی ایس طاہر علی سابق استاد شعبۂ عربی بہاء الدین کالج جونا گڑھ۔ تقسیم کے بعد حیدر آباد (سندھ) میں منتقل ہو گئے۔ انتقال ۵ رمارچ ۱۹۹۰ء کو حیدر آباد میں ہوا۔

(۶) ڈاکٹر عمر بن محمد داؤد پوتہ، عربی زبان کے ماہر، سابق استاد اسماعیل یوسف کالج بمبئی، وفات ۲۲ رنومبر ۱۹۵۹ء۔

(۷) ڈاکٹر امیر حسن صدیقی، سابق پرنسپل سندھ مسلم کالج کراچی وصدر شعبۂ تاریخ اسلام کراچی یونیورسٹی، وفات ۱۷ ردسمبر ۱۹۷۱ء، کراچی۔

(۲)

عزیزی

السلام علیکم

مولوی خورشید (۱) عربک کالج دہلی میں ۱۵۰-۲۵۰ پر لیکچرر ہو گئے۔ ڈاکٹر یوسف (۲) و مولوی بدرالدین صاحب کا علی گڑھ میں مقابلہ ہے۔ علی گڑھ میں گیہوں روپیہ کا اڑھائی سیر ہے العیاذ باللہ۔ درخواست بھیج دیجیے۔ ڈریے نہیں وقت ہے۔ میں ۲۶ راگست کو مارواڑ جنکشن پر میل میں جاتا ہوا دوپہر کو مل سکتا ہوں۔ آپ بھی حیدر آباد سے آتے ہوئے ساتھ کیوں نہیں ہو جاتے خوب رفاقت رہے گی۔

آپ نے پورا پتہ نہیں لکھا اس لیے ڈاکٹر صاحب کی معرفت بھیجتا ہوں۔ ان کو اور ڈاکٹر امیر حسن صاحب کو سلام۔ والسلام

مخلص

میمن عبدالعزیز

۴۳-۸-۷

---

(۱) ڈاکٹر خورشید احمد فارق، سابق صدر شعبۂ عربی دہلی یونیورسٹی علامہ میمن کے خاص تلامذہ میں شامل تھے۔ حالات وخدمات کے لیے ملاحظہ فرمائیں باب نمبر ۱۳ ''تلامذہ''

(۲) ڈاکٹر سید محمد یوسف علامہ میمن کے خاص شاگرد۔ حالات کے لیے ملاحظہ فرمائیں باب نمبر ۱۳ ''تلامذہ''

(۳)

عزیزی! سلمکم اللہ   علیگڑھ ۲۹ رجون ۴۴ء

آپ کا خط ملا الحمد للہ آپ کو کامیابی ہوئی مگر آپ نے یہ نہ لکھا کہ کب تک آپ کا قیام وہاں رہے گا۔ میں ۱۵ یا ۱۶ کی صبح راجکوٹ پہنچنے کی کوشش کروں گا۔ روانگی ۱۳ ر یا ۱۴ ر کو ہوگی انشاء اللہ۔ ۳ رجولائی کو ڈاکٹر برکت علی صاحب (۱) کو یہاں آنا ہے اگر آئیں اور مطلوبہ کتابوں میں سے کوئی لاسکیں تو فبھا و نعمت۔ ڈاکٹر نیاز مجھے خوب یاد ہیں میرے سلام کہیے۔ آپ نے یہ نہ بتایا کہ وہ کہاں ہیں اور کیا؟ مخطوطات سندھ میں سے کوئی (۲) کی ایک آدھ نقل لینا شاید آپ کے لیے ضروری ہو۔ ڈاکٹر زاہد علی (۳) کا جواب ملا ہے۔ یوسف صاحب کو آپ کے اقتباسات دے دیے خوش ہوئے۔ طلبہ اورینٹل کالج سے میگزین کے اعداد میں سے مجمع الالقاب و فهارس لسان العرب کا جمع کر لینا جبکہ آپ طلبہ میں موجود ہیں شاید بہت آسان ہو۔ بشیر صاحب کو آپ کا پیغام کہہ دیا جواب میں تاخیر ہوگئی۔ سفر سر پر ہے کام سمیٹنا ہے میں نے ۱۶ ر نومبر تک کی چھٹی کی درخواست دے دی ہے۔ میرے لیے اقلید الخزانة کے دو تین مجلد نسخے خرید کر ڈاکٹر برکت علی صاحب کو دے دیجیے وہ جب کبھی علیگڑھ آئیں ساتھ لیتے آئیں کوئی جلدی نہیں۔

نیز تتمة صوان الحكمة اور میگزین کے جملہ عربی رسائل وفہارس کی پوری پوری تلاش کیجیے ایسا موقع پھر نہ ملے گا۔ لائبریری میں سنہ ۱۹۳۰-۴۴ تک کی کوئی یورپ کی ادبی یا تاریخی مطبوعات نظر پڑیں تو ضرور بتائیں وہاں کے اور مفصل احوال واخبار لکھیے۔ آپ کی صحت کیسی ہے؟ ڈاکٹر اقبال (۴) سے اگر ملیں تو پوچھیں کہ ادارۂ معارف اسلامیہ اجلاس دہلی کی روداد میں میری اسماء جبال تهامه جو چھپی تھی اس کے چند نسخے اور مل سکیں تو وصول کرلیں۔

والسّلام والاكرام

عبدالعزيز الميمنى

جامعة عليگره

ہاں محمد العربی المراکشی (۵) کو میرے سلام کہیے۔

---

(۱) ڈاکٹر برکت علی قریشی سابق پرنسپل و پروفیسر شعبۂ عربی اورینٹل کالج لاہور، وفات ۳۰ رمئی ۱۹۶۰ء برلن (جرمنی)

(۲) مراد ہے علی کوفی کی معروف کتاب ''فتح نامۂ سندھ عرف چچ نامہ''

(۳) ڈاکٹر زاہد علی (پیدائش: ۱۸۸۸ء۔ وفات: ۲۲ رجون ۱۹۵۸ء) سابق صدر شعبۂ عربی نظام کالج حیدرآباد (دکن)۔ ان کی کتب میں ''تاریخ فاطمیینِ مصر'' اور ''ہمارے اسماعیلی مذہب کی حقیقت اور اس کا نظام'' معروف ہیں۔

(۴) ڈاکٹر شیخ محمد اقبال سابق پرنسپل و پروفیسر فارسی، اورینٹل کالج لاہور، وفات ۲۱ رمئی ۱۹۴۸ء۔

(۵) محمد العربی المراکشی سابق استاد شعبۂ عربی اورینٹل کالج لاہور، شیخ تقی الدین الہلالی المراکشی کے چھوٹے بھائی تھے۔

(۴)

مکرمی! وعلیکم السلام ۴۵-۶-۱۱

زخم ہنوز چل رہا ہے شاید ۱۰-۱۵ روز اور لے۔ ڈاکٹر یوسف کے عقد کا دعوت نامہ شاید پہنچا ہوگا۔ ۲۷ جون کو اجمیر میں محمود میاں (۱) کا نکاح ہے کیا آپ کی امید کروں؟

Teachers Training Cell

آپ کی کتاب مفت بلا قیمت آئی مبارک ہو۔آپ نے قریشی صاحب کو ڈیپارٹمنٹ کی چابی دی جنہوں نے نہ مجھے پہنچائی نہ منہ دکھایا۔ یہ بے انتہا غیر ذمہ دارانہ بات ہے آپ کا ہر بے تکلف دوست آپ کا ہے وبس!

میں غالباً ۲۰-۳۰ جون اجمیر میں رہوں گا۔

والسلام

مخلص

میمن عبدالعزیز،علیگڑھ

---

(۱)یعنی محمد محمود میمن صاحب،علامہ میمن کے بڑے صاحب زادے۔

(۵)

عزیزی!السلام علیکم

علیگڑھ ۴۶-۱-۱۷

عرصہ ہوا آپ کے خط کا جواب دیا تھا۔ پرسوں استاذ امیر احمد صاحب نے سمط اللآلی کی قیمت پندرہ روپے بھیج دیے۔ڈاکٹر یوسف کو پانچ سو ماہوار پر مصر بلایا گیا ہے۔ آپ کی اور خورشید صاحب کی درخواستیں شاید دریا(دفتر)بُرد ہو گئیں۔ممکن ہے بجائے ۱۲۵روپیہ کے ۱۵۰-۲۵۰ تنخواہ ہو جائے۔آپ آئیں تو بہت اچھا بہت جلد ضرورت ہوگی ہنوز اشتہار نہیں دیا گیا۔(۱)

یونیورسٹی کی گرمائی تعطیلات ۱۰رجون-۳۱اگست ہیں۔

مارچ کی یکم تک شاید یوسف صاحب کی روانگی ہو۔اشتہار شاید فروری کے دوسرے ہفتہ تک نکل آئے۔انتخاب تمام تر میرے ہاتھ میں ہوگا۔

علیگڑھ کراچی سے بدرجہا بہتر ہے۔زندگی بن جائے گی ترقی کی راہیں کھل جائیں گی۔کام کے مواقع ہیں اگر ضرورت ہو تو ڈاکٹر ضیاءالدین ڈاکٹر امیر حسن کو ہمراہ کرلیں گے۔

والسلام

میمن عبدالعزیز علیگڑھ

چہار مقالہ گب کی قیمت ولایت میں ۵۰ ہے۔ایک نسخہ بمبئی یونیورسٹی لائبریری مانگ رہی ہے۔ایک اور ہے نیز مرزبان نامہ المعجم فی معاییر اشعار العجم ۔

---

(۱) علامہ میمن خواہش مند تھے کہ ڈاکٹر بلوچ علی گڑھ یونیورسٹی میں ملازمت اختیار کریں۔

(۲)

عزیزی اکرمکم اللہ بتقواہ، السلام علیکم　　　　علیگڑھ ۴۶-۲-۲۵

کرمنامہ ۱۳ر ماہِ رواں پیش نظر ہے۔یوسف صاحب کی روانگی کے متعلق باتوں کا منتظر تھا مگر ہنوز کچھ نہیں ہوا اس لیے جواب میں مزید تاخیر نہیں کی۔اگر کوئی انتظام نہ ہوسکے تو میرا مہمان خانہ آپ کے لیے حاضر ہے فکر نہ کریں۔گھی یہاں اچھا نہیں مل سکے گا بھاؤ ۴ چھٹانک ہے لیتے آئیں۔ملازم کی رفاقت مزید خرچ کا باعث ہوگی، خیر اس کو آپ بہتر سمجھ سکتے ہیں۔یہاں گیہوں فی کس روزانہ ۲ چھٹانک ہے چاول، چنا، جو، باجرہ وغیرہ بافراط مل سکتا ہے۔آپ کا خط یوسف صاحب کو دکھادیا ہے۔

میرے لیے دو سیر تمباکو ۵ سیر کھجور اور کچھ اور چیزیں جو علیگڑھ کے مقابلہ اچھی یا ارزاں ہوں لیتے آئیں۔کپڑے کا رنگ وہی ہے جو آپ کے سامنے تھا۔

چہار مقالہ وغیرہ کا آپ کے سامنے دیکھا جائے گا۔

آغا خاں نہیں آئے۔عابد صاحب عرق النساء میں مبتلا پڑے ہیں فروری بھر گھر پڑھاتے رہے آئندہ کیا ہو؟ دیکھیے! ڈیپارٹمنٹ کی حالت ابتر ہے۔مصر کی حالت غیر مطمئن ہے اس لیے ممکن ہے یوسف صاحب کی روانگی میں تاخیر ہوجائے۔اور الحمد للہ ہر طرح خیریت ہے۔والسلام

مخلص

میمن عبدالعزیز

(۷)

عزیزی! اسلام مسنون — صدر بازار، راجکوٹ
۱۷/ جون ۴۶ء

ہم بعد از خرابی بسیار ۱۴/ کی صبح راجکوٹ پہنچے:

فلا تسئل عما جری — واستغفر اللّٰہ ونم (۱)

امید کہ آپ بھی بخیر و خوبی ہوں گے۔ المعجم کا منی آرڈر اب بھیج سکتے ہیں۔ یہاں مجھے تمبا کو اور گھی کے سلسلہ میں سوا پریشانی کے کچھ نظر نہیں آتا۔ اگر تمبا کو اور گھی کسی بہاء الدین کالج (۲) کے طالب علم کے ہاتھ بھیجیں تو اس سے بہتر اور کیا ہو؟ ذرا دیکھیے تمبا کو میں ڈنٹھل کم ہوں محض پتیاں ہوں۔ محمد صالح علی بخش، محمد بخش کو سلام، انشاء اللہ کچھ بارش کے بعد جونا گڑھ جاؤں گا۔ یہاں سے راشن کا انتظام غنیمت ہے۔ گھی اور ایندھن کے علاوہ دیگر اجناس بسہولت تھوڑے سے فرق سے مل جاتی ہیں۔

والسلام

Prof. A.A. Memon
(of Aligarh)
Sadar Bazar
Rajkot. C.S

(۱) یعنی یہ مت پوچھو کہ کیا گزری اور اللہ سے استغفار کرو اور سو جاؤ (یعنی صبر کرو اور خاموش رہو)

(۲) جونا گڑھ کا مشہور کالج جس کے ڈاکٹر بلوچ صاحب طالب علم رہ چکے تھے۔

(۸)

مکرم! وعلیکم السلام — ۲۶-۶-۴۶

میں نے یہاں آتے ہی آپ کو خط لکھا تھا ملا ہوگا۔ یہاں راشننگ میں قریباً یکساں حساب ہے البتہ گھی ایندھن اور تمبا کو بہت گراں ہے۔ اگر ہو سکے تو کسی آتے جاتے کے ہاتھ ساڑھے ۴

سیر کے دو گھی کے کنستر (کل ۹ سیر) اور دو سیر تمباکو جس میں زیادہ ڈنٹھل نہ ہوں میرے لیے بھیج دیں۔ یہاں کپڑا اعنقا ہو رہا ہے بلیک مارکیٹ میں تین گنے دام پر ملتا ہے۔ یہاں ۴؍جون سے مسلسل ۳، ۴ روز بارش رہی گرمی بہت کم ہو گئی ہے۔ گھر کے انتظام سے فارغ ہو گیا اور کوئی خاص زحمت نہ ہوئی۔ ۹؍کو علیگڑھ سے روانہ ہوا ۱۰؍کی صبح اجمیر پہنچا۔ عرس کی وجہ سے بھیڑ تھی ۱۲؍کی صبح کو وہاں سے روانہ ہو کر شام کو اڑھائی گھنٹہ لیٹ مہسانہ (۱) پہنچے کاٹھیاوار کی گاڑی روانہ ہو چکی تھی اس لیے اسٹیشن پر ۲۴ گھنٹہ قیام رہا۔ ۱۳؍کی شام روانہ ہو کر ۱۴؍کی صبح پہنچے۔

بہاء الدین کالج (۲) کے کسی سندھی طالب علم کے ہاتھ بھیج دیں اگر مجھے راجکوٹ جنکشن پر پہنچنے کی تاریخ لکھ بھیجی تو یہاں سے لے لوں گا ورنہ جونا گڑھ میں میرے بھائی ماسٹر (مہابت مدرسہ) عبداللہ سوداگر یا حکیم عبدالسلام دوخانہ فیض عام یا قاضی اختر قاضی واڑہ میں دے دیں۔

گیہوں من پختہ ساڑھے ۱۲ روپیہ، چاول ۲۵، ۱۴ روپیہ ہے گھی ساڑھے ۵ و ۶ روپیہ سیر ہے۔

محمد صالح علی بخش، محمد بخش کو سلام۔ ان کے نتیجہ کی اطلاع دیں یہاں سے آپ کو دعا و سلام لکھواتے ہیں۔

والسلام

میمن عبدالعزیز (علیگڑھ)

Sadar Bazar
Rajkot c.s
(Kathiawar)

---

(۱) مہسانہ گجرات کا ایک قصبہ ہے۔

(۲) بہاء الدین کالج جونا گڑھ

(۹)

مکرمی جناب مولوی نبی بخش صاحب بلوچ کرمہ اللہ ۲۰،نومبر ۴۶ء

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ

آپ کا کرمنامہ بروقت مل گیا تھا۔ میں نے افادہ کے خیال سے اس کو مسلم یونیورسٹی گزٹ ۸نومبر ۴۶ء میں بطور لیڈنگ آرٹیکل چھپوا دیا ہے۔آپ کا جانا بالکل ناگہانی ہوا مجھے کچھ نہیں معلوم کہ آپ نے المعجم فی معاییر اشعار العجم پیر حسام الدین صاحب کو دی یا بھول گئے، اس سے پیشتر مجھے راجکوٹ میں نزھۃ القلوب کی قیمت مل گئی تھی۔پیر صاحب کا پتہ مل گیا ہے ان کو بھی کارڈ لکھ رہا ہوں۔

ہندوستان میں ہندو مسلم فسادات کی گرم بازاری ہے انھیں کی وجہ سے یونیورسٹی بجائے یکم ستمبر کے یکم اکتوبر کو کھلی۔ میں ۱۹-۲۱ اکتوبر اورینٹل کانفرنس کے اجلاس ناگپور میں شریک ہوا تھا۔میں نے ڈاکٹر یوسف کو آپ کا پتہ بھیج دیا ہے وہ مصر کا ویزہ نہ پہنچنے کے باعث ہنوز بھوپال میں ہیں ان کی جگہ یہاں اپوائنٹمنٹ کمیٹی (۱) نے قمر الدین کے نام کی سفارش کی ہے دیکھیے ایگزیکٹو میں کیا ہوتا ہے۔ ہمارے تین کمروں پر کامرس نے قبضہ کرلیا ہے فانا للہ ۔ پریویس میں شمیم افزا نامی مولوی فاضل لڑکی نے داخلہ لیا ہے۔

آپ امریکہ کے عربی مطبوعات مرآۃ الزمان ، اعیان الأعیان حتّی وغیرہ کے نسخے ڈھونڈ یئے سستی مل سکیں تو میرے لیے لے لیں۔ نیز دیگر مطبوعات کا پتہ دیں۔

یہاں آپ کے حلقہ کے اکثر آدمی آپ کو یاد کرتے رہتے ہیں۔

میں نے ۲۸ ستمبر کو راجکوٹ میں منجھلی لڑکی بانو کا نکاح ڈاکٹر حبیب گوڈیل (ایئر فیلڈ کراچی)ایم بی بی ایس کے ساتھ کر کے فراغت پائی۔ یہاں گرانی اور راشن کی وبا روبہ ترقی ہے اور خوف وہراس قائدہ میں۔

فتوح البلدان یعقوبی شمیم صاحب نے پہنچادی تھی داخل کر دی گئی۔

امسال پروفیسروں کو سو روپیہ ماہانہ بطور گرانی کے الاؤنس کے مل رہا ہے۔

ریوائزڈ گریڈس کا قصہ بھی چل رہا ہے جس کا حقیقی فائدہ ڈاکٹر عابد کو پہنچے گا۔سینٹرل گورنمنٹ نے اس کے لیے دو لاکھ دیے ہیں۔۵۰ لاکھ میڈیکل کالج کے لیے اور ۷۰ لاکھ یونیورسٹی کی اصلاح کے لیے۔

۱۸-۲۰ نومبر جامعہ ملیہ کی جوبلی ہوئی۔گورنمنٹ نے ۷ لاکھ نظام نے ۵ لاکھ اور رامپور بہاولپور اور بھوپال نے لاکھ لاکھ دیے۔ڈاکٹر ذاکر کے ایثار کو سراہا گیا۔

علیگڑھ کے اطراف میں خلفشار پھیلا ہوا ہے۔ کأنّا فی مسعان الحروب (۲)

ڈاکٹر پامر کو میرا اسلام کہیں اور کہ میں ان کے ایڈیشن النجوم الزاھرۃ سے باخبر ہوں۔ بڑی خدمت کی ہے۔مبارک باد دیں۔مصری حکومت نے مجھے اپنے ایڈیشن کی ۲ جلدیں ۳۶ء میں دی تھیں۔

ابن خلدون کے متعلق کونسے معلومات چاہیے ہیں بتائیں۔

سیّد بشیر الدین لائبریرین صاحب آپ کو سلام لکھواتے ہیں۔

مخلص

میمن عبدالعزیز

---

(۱) Appointment Committee

(۲) ترجمہ: گویا ہم میدانِ جنگ میں تھے۔

(۱۰)

علیگڑھ ۴۷-۹-۲۲

عزیزی! السلام علیکم۔جملہ خطوط بروقت مل گئے تھے۔جون۔اگست راجکوٹ تلاش راشن میں رہا۔دونوں لڑکیاں آ گئی تھیں (علی محمد میمن پونہ امریکہ پہنچے ہیں c/o Prof. R. Delman Division of Agriculture Engineering College of Agriculture Urbana Illinois University. U.S.A علیگڑھ پہنچا دونوا سے پیدا

ہوئے۔ بیوی راجکوٹ میں علیل تھیں۔ رک گئیں تا ایں دم (شیر علی لیکچرر انجینئرنگ کالج کے لڑکے عبدالصمد بھی وہیں ہیں) اب سنیئے! ہندوستان کرۂ نار بنا ہوا ہے والفتنہ عندنا ممساء طعان بالمران و رباء ہندوؤں نے ۵-۶ کروڑ مسلمانوں کو فنا کر دینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ ریلوں میں سکھ مسلمانوں کو چن چن کر مار ڈالتے ہیں۔ سکندرہ میں اوسی ایکسپریس کے ۳-۴ سو مسلمانوں کو مار کر پھینک دیا جس میں میں خود ۸ روز پیشتر آیا تھا۔ راتیں جاگتے گزرتی ہیں۔ علیگڑھ کے مضافات کے گاؤں کے مسلمانوں کو ختم کر دیا بچے کھچے شہروں میں بھاگ آئے۔ ہندو گورنمنٹ پولیس، فوج یہ مناظر بلا چون و چرا پوری دلی خوشی سے دیکھتے ہیں۔ علیگڑھ اجمیر آمد و رفت محال ہے۔ بیوی راجکوٹ میں پھنس گئیں۔ جونا گڑھ پاکستان میں آ گیا ہے انڈین یونین نے اس کو بری طرح گھیرا اور دبایا ہے۔ کل نواب اسمٰعیل وائس چانسلر ہو گئے۔ یو پی اور دہلی کی گرانٹ بند ہے۔ علیگڑھ انڈین یونیورسٹی ہوگی مسلم نہیں رہے گی، نصف ہندو ہوں گے، پنجابی اور سرحدی طلبہ وہیں لاہور میں داخل ہوں گے۔ متعدد طلبہ اور طالبات مار دیے گئے۔ آپ کب لوٹیں گے لکھیے؟ عابد کشمیر گئے تھے لاپتہ ہیں۔ مستطیع عموماً کراچی جا رہے ہیں۔ دہلی میں ہزاروں مسلمان ختم کر دیے گئے اور لاکھوں بے خان و مان ہیں لوٹ لیے گئے، ہزاروں پاکستان بھاگ رہے ہیں اب علیگڑھ وغیرہ کی باری ہے۔ مولوی ثناء اللہ اور ان کا خاندان ختم کر دیے گئے۔ اطراف دہلی میں تا ۴-۵ سو میل امید نہیں کہ کوئی مسلمان رہنے دیا جائے۔ مشرقی پنجاب اسلام سے خالی ہو گیا۔

اسرار البلاهة الدوسی وغیرہ کا پارسل مل گیا۔ ایم اے ایجوکیشن مبارک ہو۔ دبستان مذاہب معلوم و معروف ہے۔ طراز النقوش فی محاسن الحبوش نامی کتاب میرے پاس تھی غالباً سیوطی کی بھی کوئی کتاب دیکھی ہے کل ڈھونڈی نہیں ملی دیکھوں گا۔ سردست دماغ بیکار ہے۔ مولانا آزاد سبحانی (۱) میرے دوست ہیں راجکوٹ اور علیگڑھ میں ملے تھے میرے بہت بہت سلام کہیے۔ حتی کی اعیان الاعیان للسیوطی و مرآۃ الزمان (اگر سوتک مل جائے) کی ضرورت ہے۔ مصر سے یوسف صاحب کے خط آتے رہتے ہیں۔ آپ کا وطن قلب پاکستان بنا ہے خواہی نخواہی اب نصیب میں سندھی بننا ہی لکھا ہے ہندوؤں کی اندرونی ذہنیت بے نقاب ہو گئی ہے۔ پاکستان کے تصور سے ۳۰ برس پیشتر سے یہ لوگ رام راج قائم کرنا چاہتے تھے

آگے پیچھے مسلمانوں کے نصیب میں جلاء تھا پاکستان کی تحریک محض بہانہ بنی ہے۔التاریخ یعید نفسہ

حثوا رواحلکم یا اهل اندلس　　فما المقام بها الا من الغلط (۲)

العقد ینثر من اطرافه و أری　　عقد الجزیرۃ مفصوما من الوسط دہلی (۳)

یاد نہیں رہا　　کیف الحیاۃ مع الحیّات فی سفط پٹارا (۴)

آپ کبھی یہ خیال نہ کریں کہ میں آپ کو بھولوں گا۔میرے دل میں آپ کے لیے بڑی جگہ ہے۔والسلام

ناچیز　میمن عبدالعزیز علیگڑھ

۲۲رستمبر ۴۷ء

---

(۱) مولانا آزاد سبحانی (وفات ۲۴رجون ۱۹۵۷ء) تحریک آزادی کے مقتدر رہنما جن سے ڈاکٹر بلوچ کا امریکہ میں دورانِ قیام قریبی تعلق رہا اور بعد میں انھوں نے مولانا کی سوانح بھی لکھی جو لاہور سے شائع ہوئی۔

(۲) ترجمہ: اے اہلِ اندلس: اپنے قافلے والوں کو روانگی پر ابھارو۔ یہ کیا جگہ ہے جہاں ''امن'' حرفِ غلط ہو گیا ہے۔

(۳) ترجمہ: ہار کنارے سے بکھرتا ہے جب کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ جزیرے کا ہار درمیان سے توڑا گیا ہے (یعنی تباہی درمیان میں ہو رہی ہے)

(۴) ترجمہ: پٹاری میں سانپوں کے ساتھ زندگی کیسے گزر سکتی ہے۔

(۱۱)

عزیزی! وعلیکم السلام　　۴۷-۱۲-۲۶

آپ کا مورخہ ۲۸ نومبر سامنے ہے۔ بہت تاخیر ہو گئی۔ گھر والے راجکوٹ سے گونڈل جونا گڑھ (مرحوم! ہاں ظہور الدین ۹رنومبر کو یوم دخول عساکر المشرکین ہارٹ فیل ہو گئے) اوکھا پورٹ کراچی ہوتے ہوئے اب حیدر آباد سندھ میں ہیں، میں ان کو ۱۵رجنوری تک

بذریعہ ہوا بلانا چاہتا ہوں۔کل ظلام الدین لا انار اللّٰہ قبرہٗ نورًا کی خبر آئی۔بعد او سحقا لك من ھالك ابھی ابھی اسمٰعیل حسن زبیری (جغرافیہ) پاکستان میں سپرد خاک شد۔ہاں دہلی کے بعد اجمیر کی باری آئی۔محمود کے خسر کی دکان لوٹ لی گئی اور پھر نذر آتش، ۵ لاکھ کا نقصان ہوا (۱)، دونوں لڑکے بے روزگار۔حیدر آباد سندھ میں پڑے ہیں۔ظلام کو یہاں سپرد خاک کیا جائے گا۔برخلاف حدیث المرء مع من احبّ۔(۲) سردست یہاں پتہ نہیں مگر نہ معلوم کب تک! خیر تن بتقدیر پڑے ہیں۔شریف خواجہ منظور، سید ولی محمد واپس آ گئے۔عابد کو تا آخر دسمبر جوائن کر لینے کا نوٹس دے دیا گیا ہے ورنہ دوسرا انتظام کر لیا جائے گا۔ڈاکٹر خورشید احمد کو قمر الدین کی جگہ لگا لیا ہے۔سکستھ ایئر میں فضل محمد بہاولپور ہوائی جہاز سے آ گئے باقی طلبہ لاہور ہی میں داخل ہو گئے۔۲رنومبر کو قاضی اختر (۳) جونا گڑھ سے فرار ہوئے۔مشرکین نے اسمٰعیل بربانی کو سیل میں ٹھونس دیا۔بمشورۂ خبیث (جاری) محمود غزنوی کا بدلہ جونا گڑھ کے موحدین سے لے رہے ہیں اور سومناتھ کے دن ہزار سال کے بعد پھرے ہیں۔واما دار العلم دھلی فلا تسئل عما جری واستغفر الله وثم فلم یبق للاسلام بها اثر وقد قبض الاسیاخ علی مساجدها ولم یرسخ للمسلمین بها قدم ولا یمرّ یوم الا ویبقرون بطون المارّة ویذبحون الرکاب ویطرحون جثثهم من شبابیك القطار، ولم یبق فی شرقی پنجاب احد من الموحدین وکانوا یزیدون علی ٦ ملایین نسمة. وهم بین طاحن وساحق من السیخ والوثنی (۴)۔یاد رہے کہ ۵رمئی ۴۹ء کو میں ریٹائر ہو رہا ہوں۔آپ کب لوٹیں گے لکھیے! سنتا ہوں اجمیر بھی دہلی کے راستہ پر جا رہا ہے۔قد تزعزعت اقدام الموحدین وهدّت ارکانهم لمثل هذا یموت القلب من کد ان کان فی القلب اسلام و ایمان (۵)۔علی محمد سے کہیے کہ ان کا مورخہ ۲۷۔۱۱۔۴۹ مل گیا ہے ان کے بچے حیدر آباد سندھ میں ہیں۔ c/o Ishaq Saith Ajmeri c/o Dewan Ghansham dus Sheo Karm das Malkhani Mohalla Hirabad Haiderabad, Sind. یہاں آج کل لکھنؤ وغیرہ میں بڑی مسلم کانفرنسیں ہو رہی ہیں اور ان غداران ازلی (یعنی مسلمین) کی وفاداری کا اطمینان دلایا جا رہا ہے حالانکہ بلا غداری غداروں کی

سزا بھگت رہے ہیں۔وقد مُنُوا بانشقاق الكلمة والتخاذل والتواكل ۔آج کل طاغیہ (غاندی) کے مواعظ بھی رقت انگیز ہوتے ہیں پڑھا کیجیے۔یہ ملازمت پیشہ قوم نوکری سے محروم بھوکی مرجائے گی۔روزی کے جملہ ابواب قدسدّت في وجوههم . سموا للاسياخ بحمل الحروب والسيوف ومنعوا الموحدين میں استصحاب المظالم فما ظنك بالسكاكين (۶)۔یوسف صاحب(۷) کے خطوط آتے رہتے ہیں مگر ہنوز میرا کوئی کام نہیں کیا۔خیال ہے کہ مئی میں جب تعطیلات ہوں گی بھوپال بڑودہ احمد آباد کے راستہ راجکوٹ جاؤں پھر ایک آدھ مہینہ کے لیے کراچی کا رنگ بھی دیکھوں پھر یا علی گڑھ آؤں یا کیا؟ اللہ کو معلوم۔بہت کچھ انحصار اس وقت کے احوال جاریہ پر ہے۔سندھ یونیورسٹی کا کچھ ٹھکانا نہیں معلوم ہوتا۔علی بخش نے ہنوز کراچی سے آپ کی کتابیں واپس نہیں کیں۔

Prof. A.A. Memon M.University

Aligarh, India. 26-12-47

---

(۱) اجمیر میں محمد محمود میمن صاحب کا سسرال تھا۔

(۲) آدمی اس کے ساتھ ہوتا ہے جسے وہ پسند کرتا ہے۔

(۳) قاضی احمد میاں اختر جونا گڑھی، وفات ۶ / اگست ۱۹۵۵ء حیدر آباد سندھ

(۴) ترجمہ: جہاں تک گہوارۂ علم دہلی کا تعلق ہے! سو اس کے متعلق کچھ نہ پوچھو بس اللہ سے مغفرت طلب کرو اور صبر کرو۔یہاں اسلام کا کوئی نشان تک باقی نہ رہا۔سکھوں نے اس کی مسجدوں پر قبضہ کرلیا اور مسلمانوں کے لیے قدم رکھنے کی جگہ تک نہ رہی۔کوئی دن ایسا نہ گزرتا تھا کہ پیدل چلنے والوں کے پیٹ نہ چیرے جاتے ہوں اور سواروں کو ذبح نہ کیا جاتا ہو اور ان کی لاشیں ٹرینوں کی کھڑکیوں سے نہ پھینکی جاتی ہوں۔مشرقی پنجاب میں کوئی توحید کا نام لیوا تک نہ رہا حالانکہ وہاں ساٹھ لاکھ سے زائد مسلمان تھے، وہ سب کے سب سکھوں اور بت پرستوں کے درمیان پس کر رہ گئے۔

(۵) ترجمہ: مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے، ان کے سرکردہ افراد اس انجام سے خوفزدہ کر دیے گئے۔ان کا اسلام اور ایمان ان کے دلوں میں مردہ ہو کر رہ گیا۔

(۶) اور ان کے سارے دروازے ان کے سامنے مسدود کر دیے گئے۔سکھوں کو سامانِ صرف رکھنے کی کھلی اجازت ہے جب کہ مسلمانوں کے ہتھیار رکھنا تو کجا اپنی حفاظت کرنا بھی ممنوع تھا۔

(۷) ڈاکٹر سید محمد یوسف علامہ میمن کے عزیز شاگرد۔

(۱۲)

عزیزی اسعد کم اللّٰہ بتقواہ

Memon Store
Tilak Incline
Hyderabad (Sind)
13-7-48

مورخہ ۲۴ ر جون پیش نظر ہے۔ میانی روڈ حیدرآباد کے ایک چھوٹے مکان میں جو لب سڑک ہے مقیم ہوں۔ جامعہ عربیہ کے مولوی امیر احمد (۱) سے ملا ہوں۔ یہاں علمی ادبی اور تاریخی مذاق کے آدمیوں کا فقدان ہے۔ ابھی تو یکم نومبر کو علیگڑھ میں حاضری ہے پھر آئندہ یہاں یا کراچی میں راجکوٹ یا علیگڑھ کے مکان کے مبادلہ کی سوچوں گا۔ کلکتہ کے پرچہ کے لیے تاریخ ابن الاثیر و ابن خلدون کی ضرورت تھی جو یہاں اور کراچی میں بھی نہ ملیں اس لیے پرچہ ہاتھ سے گیا۔ حکومتِ ہند پاکستان میں تنخواہیں نہیں بھیجنا چاہتی یہاں ہندوستانی مہاجروں کی کثرت سے اردو مادری سی بنی جا رہی ہے۔ ضروریاتِ زندگی بمقابلہ ہند بہت اچھی ملتی ہیں صحت بھی نسبتاً بہت بہتر رہتی ہے۔ الغرض علیگڑھ کے مقابلہ میں بہت بہتر ہے۔ التاریخ یعید نفسہ (۲) پہلے بھی تو الھند و السند کہتے تھے اور اب ہندوستان و پاکستان ہے کوئی نئی بات نہیں البتہ محمد علی جینا کے بعد کوئی لیڈر نظر نہیں آتا خدا خیر کرے (۳)۔ ۲۴-۲۷ ر جون کراچی گیا تھا داؤد پوتہ و حلیم صاحب سے ملا آج کل عربی سفراء کی وجہ سے افسروں میں عربی بولنے کا معمولی چرچا ہے۔ حسن اعظمی (۴) ہر کہیں ترجمانی کرتے پھرتے ہیں۔ اعلیٰ عربی تحقیقات کی طرف ابھی میلان نہیں کہ سیاسی مسائل درپیش ہیں۔ ہجرت نے بحر سندھ میں تموج پیدا کر دیا ہے جو ایک عرصہ بعد بیٹھے گا۔ شاید اس عرصہ میں پرانے علماء ختم بھی ہو جائیں۔ ڈان ۲۰ ر جون میں بسلسلہ کانفرنس آزادی مطابع آپ کی تصویر چھپی تھی۔ کراچی کی علیحدگی کا قصہ قضی الامر الذی فیہ تستفتیان (۵) خبر کان میں داخل ہوا۔ آخر پاکستان ہوا میں تو معلق کیا ہوتا؟ البتہ اس سلسلہ میں اگر کوئی بیہودگی ہوئی ہے تو افسوس ضرور ہے۔ سیّد غلام مصطفیٰ ابھی نہیں پہنچے آپ کی موجودگی بہت دلچسپی پیدا کرتی

خیر گرما۴۹ءمیں سہی۔مفضلیات لایل کی قیمت ۱۱۷روپیہ گراں نہیں پہلے بھی ۶-۷ پونڈ کی تھی۔ ڈاکٹر یوسف کے خط میں میں نے آپ کا تذکرہ کیا ہے وہ بھی شاید ۴۹ءمیں واپس آسکیں۔ یہاں کے گورنمنٹ کالج میں بدرالدین خیر پور لیکچرر ہیں۔ پروفیسر طاہرعلی (۶) جونا گڑھ سے اسی میں لیکچرر ہو کر آئے ہیں آپ کو بہت یاد کرتے ہیں۔ اب تو کچھ ہنود بھی لوٹ رہے ہیں آخر وطن کی کشش ہے۔۴ر جولائی کو افسوس آپ کا مکالمہ ریڈیو سن نا رہ گیا۔ ہندوستان میں ضروریات زیادہ گریاں ہیں اور نایاب۔ چاہتا ہوں علیگڑھ کے قیام کے لیے اتنی مدت ملے کہ وہاں کے سامان وغیرہ کا تیاپانچہ کرسکوں اسی طرح راجکوٹ کا۔مگر پہلے سندھ کے قیام کا سامان ضروری ہے۔ القصہ ابھی ۴مہینہ تک کچھ نہ ہو سکے گا۔حکومتِ ہند مسلمانوں کو نہ عزت سے ادھر آنے دیتی ہے نہ وہاں خیریت سے رہنے دیتی۔اب تو آنے جانے پر بھی پابندیاں بڑھتی جارہی ہیں اور حیدر آباد کے سلسلہ میں جملہ مسلمان موردِ تہمت بنے جارہے ہیں اب سمجھ میں آیا اطعمهم من جوع وامنهم من خوف (۷) کی تفسیر۔مرآة الزمان، اعیان الاعیان مل جائیں تو میرے لیے لے لیں۔ ابھی مصر سے الشعر والشعراء المفضليات، معجم ما استعجم وغیرہ کے نئے تجارتی ایڈیشن آئے ہیں وہاں بھی کتابیں بے حد گراں ہوئی جارہی ہیں۔وفد کشمیر آیا ہوا ہے نگاہیں ادھر ہی اٹھی ہیں۔محمد سعید (۸) نے تلک چاڑھی میں ''میمن اسٹورس'' دکان لگالی ہے۔محمود مئی سے منٹگمری گورنمنٹ کالج میں لیکچرر جغرافیہ ہیں ان دنوں چھٹی ہے۔الغرض: کچھ دنوں گر زندگانی اور ہے ہم نے اپنے جی میں ٹھانی اور ہے۔رمضان نے صفدت الشياطين کی بجائے ہمیں پابستہ کردیا ہے شاید کراچی لاہور وغیرہ کی سوچوں مگر اب یہ عمر نئی مہم لے کر ہر کہیں گھومنے کے لیے موزوں نہیں اور الحمد للہ گزر رہی ہے۔کوئی خاص بات قابلِ ذکر یاد نہیں پڑتی۔ ہاں یہ جانیے حیدر آباد میں میمن مہاجر ۸ ہزار ہیں اور کراچی میں اور زیادہ۔

والسلام

میمن عبدالعزیز

---

(۱) مخدوم امیر احمد (مترجم چچ نامہ) عربی زبان کے عالم، جن کا قیام حیدر آباد (سندھ) میں تھا۔ ان کا انتقال

مورخہ ۲۶ر فروری ۱۹۷۱ء کو ہوا۔

(۲) یعنی تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔

(۳) علامہ میمن کی یہ پیشین گوئی کافی حد تک پوری ہوئی۔

(۴) پروفیسر حسن الاعظمی ماڈرن عربک کالج کراچی کے بانی تھے جنھوں نے عربی زبان میں تقریباً سو کتب لکھیں۔ ان کی زیادہ تر کتب مصر سے شائع ہوئیں۔ ان کا تعلق اعظم گڑھ سے تھا۔

(۵) ترجمہ: فیصلہ ہوگیا اس بات کا جو تم پوچھ رہے تھے (یوسف:۴۱)

(۶) پروفیسر وائی ایس طاہر علی کا ذکر گزشتہ صفحات میں گزر چکا۔

(۷) ترجمہ: انھیں بھوک سے بچا کر کھانے کو دیا اور خوف سے بچا کر امن دیا (قریش:۴)

(۸) علامہ میمن کے منجھلے صاحبزادے۔

(۱۳)

عزیزی وعلیکم السلام ۸-۱-۵۱

کرم نامہ ملا۔ یادفرمائی کا ممنون ہوں۔ فی الواقع آپ کے گزشتہ خط کا جواب دینا رہ گیا ولے، دسواں مہینہ گزر رہا ہے۔ ۱۹ر جنوری سے نمائش ہو رہی ہے۔ مختار الدین آرزو بسلسلۂ ریسرچ مصروف۔ باقی کھاتے پیتے ہیں، افکار کا انبار ہے زمیں جنبد نہ جنبد گل محمد۔ دل میں اب نوکری کا کوئی خیال نہیں، گزشتہ ۳۷ سال (از نومبر ۱۳ء) کا خدا کو حساب دینا ہے۔ چند سال اس کے بھی چاہئیں۔ آخر یہ ہائے ہائے کب تک؟

آپ کی تحقیق دیبل (۱) نے دلوں کو گرما دیا۔ کاش میں بھی اخوان الصفا کی اس جماعت میں ہوتا فافوز فوزاً عظیما ۔نام بردہ حضرات کعقد الثریا سب میرے کرم فرما ہیں اور علم و ادب کے درخشاں ستارے۔

تَباشَرَ قلبي في قدومي عليهم وبالسير روحي يوم تسرى اليهم

وفي حِلتي يعصفو مقامي وحُبذا مقامٌ بـه حـظّ الرجـال لـديهـم

استغفر اللّٰه باسراع ما اثبتّ ما نقضتُ آنفا

ڈاکٹر داؤد پوتہ، اختر، ناظم، ہاشمی صاحبان، مولوی قمر الدین کہاں ہیں۔ سیّد اختر امام (۲) سیلون بڑے زندہ دل ادیب ہیں۔ ہاں میں نے دیکھا تھا وہ لے۔ ڈاکٹر عبدالمعید خان نے مجھے اس کا کوئی نسخہ نہیں بھیجا۔ درانی سے میری کل ہی ملاقات ہوئی (۳)۔ متوفاۃ سکینہ بانو منجھلی لڑکی ہے (۴) رحمها اللّٰه۔

اردو کالج کے سلسلہ میں میں اپنے اختر کا بڑا شکر گزار ہوں کہ **یحب لاخیه مایحب لنفسه**۔ (۵) بدنصیبی ہے کہ میں اس سے مستفید نہیں ہوسکتا۔ **مع الاسف**

هل لعذری الیٰ الهمام ابی الفضل قبولٌ سَوادُ عینی مداوه

اپنے جملہ معاذیر میں نے ان کو لکھ بھیجے تھے۔ مجھے بہر حال آئندہ دو تین ماہ میں سوراشٹر اور بھرچ کا خیال دامن گیر ہے **وفقنی اللّٰه**۔ خدا آپ سے و دیگر اصدقاء سے ملائے گا ضرور۔ میں نے محمود کو بلایا تھا مگر اس نے یوپی کے فرسودہ حیَل چلنے شروع کیے۔ آپ اس سے ارادۃً ملیے اور اس کو والدین کا حق اور ان کی آواز پر لبیک کہنا سکھائیے۔ آج کل اولاد کا یہ حال ہے۔ بدستِ خسر فروخت شد۔

خط ضرور لکھا کیجیے۔ یہاں کی عربی ختم شد **فانّا للّٰه**

والسلام

میمن

آپ صاحبان کا زمانہ یاد رہے گا۔

---

(۱) ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ کا دیبل سے متعلق مضمون حیدر آباد دکن کے معروف علمی رسالے Islamic Culture بابت جولائی ۱۹۵۲ء میں شائع ہوا۔

(۲) ڈاکٹر سیّد اختر امام، علامہ میمن کے شاگرد اور سابق صدر شعبۂ عربی سیلون یونیورسٹی۔ حالات کے لیے ملاحظہ فرمائیں باب نمبر ۱۴ ''تلامذہ''۔

(۳) عبید اللہ درانی، علی گڑھ انجینئرنگ کالج کے بانیوں میں تھے۔ تقسیم کے بعد پشاور منتقل ہو گئے اور وہاں انجینئرنگ کالج قائم کیا۔ ہومیو پیتھک طریقۂ علاج کے ماہر تھے اور تصوف کی جانب رجحان تھا۔ آخری عمر میں سوات منتقل ہو گئے جہاں ایک خانقاہ بھی قائم کی۔ انتقال ۹ رجون ۱۹۹۰ء کو بونیر (سوات) میں ہوا۔

(۴) یعنی علامہ میمن کی صاحبزادی سکینہ بانو۔

(۵) ترجمہ "مسلمان وہی ہے جو اپنے بھائی کے لیے بھی وہی پسند کرے جو خود اپنے لیے پسند کرتا ہے۔(حدیث)

(۱۴)

عزیزی! السلام علیکم ۵۲۔۱۱۔۱۸

دعا ہے آپ مع متعلقین بخیر وخوبی ہوں۔اختر صاحب کے خط سے آپ کی یاد تازہ ہوگئی۔

آج التنبیھات (۱) برائے طبع مصر بھیج رہا ہوں۔مختار الدین احمد آرزو کو آج کل الحماسة البصرية پر ڈاکٹریٹ ملنے والی ہے۔افسوس یہاں سے آپ کی درخواست کا کوئی جواب نہ ملا۔ یہاں کا دفتری نظام کیسا ڈھیلا ہے!!!

میں نے بارہا ڈاکٹر ہالی پوتہ صاحب (۲) کو عبدالغفور ٹرسٹ سیلون کے بل (Rs.221/-) کی ادائیگی کی طرف توجہ دلائی مگر کوئی جواب نہ دیا۔اپنے مورخہ ۲۱ راگست میں لکھتے ہیں (سیلون میں عبدالغفور والوں سے اب تک کہا ہے ان کو لکھتا ہوں) مگر اس مراسلت کا نتیجہ نہ معلوم ہوا۔

اس واقعہ کو ایک برس ہوا چاہتا ہے میں نے ۱۶ راکتوبر کو ڈاکٹر صاحب کو خط لکھا تھا اس کا جواب بھی گول۔

اب آپ کو تکلیف دے رہا ہوں۔

میں نے خود بھی عبدالغفور ٹرسٹ کو ایک کارڈ لکھا تھا جس کا کوئی جواب نہ ملا۔

ہاں یہ تو لکھیے کہ وہاں آپ کے پاس کوئی مکان تو ہوگا؟ میں وہاں چند روز کے لیے آنا چاہتا ہوں۔وہ شہر سے کتنا دور ہوگا میں اپنے لوگوں کو زحمت دینا نہیں چاہتا۔اس کارڈ کا فوری جواب عنایت ہو۔ والسلام علیکم وعلی زمیلکم

الداعی

میمن عبدالعزیز

یونیورسٹی علیگڑھ (بھارت)

اشد تاکید ہے۔

(۱) یعنی التنبیهات علی اغالیط الرواة جو علامہ میمن کی تحقیق کے بعد ۱۹۶۷ء میں قاہرہ سے شائع ہوئی۔
(۲) ڈاکٹر عبدالواحد ہالیپوتہ سابق ڈائریکٹر ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد، جو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے طالب علم رہے۔ وفات ۵ر فروری ۲۰۰۱ء۔

(۱۵)

مکرم! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ　　　　۵۴/۲/۲۴م

پرسوں آپ کا خط ملا غنیمت ہے کہ آپ نے یاد تو کرلیا۔ اپنے اعزہ کثرت سے فراموش کرتے جارہے ہیں۔ الامن عصمهم الله۔ زندگی سراسر غیر دلچسپ اور برباد ہے۔ آپ کی علمی فتوحات کا حال پڑھ کر بڑی خوشی ہوئی۔ شاید ہم مئی میں وہاں ہوں۔ اختر صاحب کے کرم نامہ کا جواب لکھ چکا ہوں۔ یہ معلوم کرکے بڑی خوش ہوئی کہ آپ کی یونیورسٹی کی تعمیر کا اچھا سامان ہورہا ہے۔ یقین مانیے میں آپ کے قرب ہی کا متمنی تھا کہ علی ان قرب الدار خير من البعد۔(۱)

خود آپ ہی سوچیے کہ ابتدائی گریڈ نوعمروں کے لیے ہوسکتا تھا میں نے یہاں ہالی پوتہ صاحب کو اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ ہزار پر ممکن ہے۔ ممکن تھا اس طرح دوتین سال گزر جاتے وبس! کراچی کا قصہ تو مارچ پر ٹالا گیا تھا وماھو ببعید (۲)۔ یہ کام تو آپ صاحبان کا تھا کہ ح (۳) سے ملتے تو ان کے ہوش ٹھکانے لگتے کہ ہمارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے۔

کچھ پتہ چلایئے کہ اب ان کا انتخاب ہوسکے گا یا نہیں نیز یہ کہ عربی کا قصہ وہ خود اسی ٹرم میں یعنی اپریل سے پہلے طے کریں گے یا کیا؟ نیز ہمارے لیے کہاں تک گنجائش ہے۔ غالباً کمیٹی ہنوز نہیں بلائی گئی۔ آپ کو یہ سب کچھ کراچی یونیورسٹی کے لائبریرین عبدالمعید سے معلوم ہوسکے گا۔

یہاں لین کی عربک انگلش لیکسیکان (۱۰۰۰روپیہ) ۸مجلد کامل اور تاریخ طبری لیدن کامل ۱۵ جلد فروختنی ہیں۔ بے حد نایاب ہیں۔ طبری ۵۰ روپیہ پر میں اپنے ساتھ (۱۱۰۰) لاسکتا ہوں یعنی کل ۱۱۵۰۔ بے حد نایاب ہے اور اس کی یہ قیمت زیادہ نہیں۔ لین میں خفیف غبار الا رمنہ ہے اس لیے قیمت کچھ کم ہوسکے گی۔ جواب دیجیے۔ کلیات حمل یعنی چہ؟

سلاطین سمہ بارک اللہ

ابھی ابھی اختر صاحب کا ہوائیہ ملا۔ اس کا جواب دیکھ لیجیے۔

والسلام

میمن

(۱) ترجمہ: گھر کی قربت دوری سے بہتر ہے۔

(۲) ترجمہ: وہ کوئی ایسا دور نہیں۔

(۳) اشارہ غالباً پروفیسر ابوبکر حلیم کی جانب ہے۔

(۱۶)

29-4-54

عزیزی اسعدکم اللہ وکرّم وعلیکم السلام

مورخہ ۲۲ کل ملا۔ آپ کی ایکسکریشن کا کچھ مستور حال اختر صاحب نے لکھا تھا افسوس! یـا لیتنی کنتُ معهُم فافوزَ فوزاً عظیما۔ اس عمر پر میرا مستقبل کی امیدیں لگانا خیال خام تو نہیں؟ عزام کی عزیمت کا حال انھوں نے ڈاکٹر یوسف سیلون کو بھی لکھا تھا، وہ خط بعینہٖ مجھے بھیج دیا تھا۔ کمیٹی کی تاریخ کا ہنوز کسی نے کچھ نہیں لکھا۔ پیر جھنڈا کے مکتبے میں زیادہ تر مصر و ظاہریہ دمشق کی کتب کی نقلیں ہیں و قد طبع بعضها الّا انها علیٰ علاقها و نفس ذخر بالسند انّك خیر من تفاریق العصا

میں ایڈورڈز کالج پشاور میں ساڑھے سات سال سنہ ۱۳ تا ۲۰ء رہا تھا۔ مولوی عبدالرحیم کے کیٹولاگ کے آخر میں دو تین صفحے تصحیحات کے بقلم بندہ چھپے ہیں، مجھے عبدالعزیز خان لکھا ہے آخر خوانین ہمارے بھائی تو ہیں (۱)!

امالی القالی قرن رابع دیکھنے کو جی چاہتا ہے۔ عجائب الاشعار للشیزری کے سلسلہ میں لائبریرین سے طویل مکاتبت رہی تھی وہ علی گڑھ میں آکر کام کرنا چاہتے تھے مگر پھر آں قدح بشکست وآں ساقی نماند بساط ہی الٹ گئی۔

حَمل مخففانہ مشہور حَمل بن منذر الفرازی اخو حذیفة صاحب حرب واحسن والغبر اء بہت مشہور ہے۔ پارسال آتے ہوئے نذیر احمد لائبریرین کے ساتھ چند گھنٹے گزارے تھے۔

اختر صاحب کے لیے تاریخ الطبری لیدن ۱۵ جلد بقیمت 1150 مخصوص ہے مگر لین کی لیکسیکان ۸ جلد وفیها غبار الّا رفته خفیف غیر مضر کا گاہک ڈھونڈیے و ثمنه من الالف الیٰ ۸۰۵ علی الاقل و یکونان معی اذ اصل الیك فی نحو ۲۳ مایو فهل تکون هناك اذ ذاك حتّی تووینی فی ماواك و اشکرك سلفا.

کراچی میں کوئی حاجی انیس الرحمٰن میموریل سوسائٹی P.B.No.7230 صدر مجھ سے مکاتبت کررہے ہیں، ان سے جلد ملیے و اخبرنی حالهم و مبلغ ماجمعوه من المال للجنّتهم ولا تَعِدهم من قبلی بشیء غیر ان تستخبرهم و توقفهم بجایة امری و مبلغ مجهو داتی فی العلم. انتظار رہے گا۔ اگر ہو سکے تو اس کے قریب ہی میرے بہنوئی یوسف قاسم مارفانی جمشید روڈ قریب مزار مولوی شبیر احمد عثمانی سے بھی مل لیجیے۔

و اهنئك علیٰ فتوحك العلمیّة و وفقك اللّٰه لامثالها

لمثل هذا کنت اُحسیك الحُسا

والسلام من الداعی بالسعادة

---

(۱) فہرست مخطوطات اسلامیہ کالج پشاور کے آخر میں علامہ میمن کے قلم سے تصحیحات و اضافات کے لیے ملاحظہ فرمائیں باب نمبر ۴۔

(۱۷)

مکرم جناب ڈاکٹر صاحب

السلام علیکم

اسٹیشن کی مختصر ملاقات سے سیری نہیں ہوئی۔ کراچی آنا ہو تو وقت نکالیے۔ یہاں صحت فاسد رہتی ہے پھر مکان کے لاینحل مسئلہ نے کہیں کا نہ رکھا۔ ہمارا ارادہ یعنی لے دے کر (المیمنی) دیگر پیچ ہے۔ کمیٹی کے جلسہ پر سب کچھ مؤجل ہے۔

فتح نامہ سندھ کا حقیقی معنوں میں یہی علمی ایڈیشن ہے(۱) ویـــا لیـــت کـــان
بالفارسية او الاردو وانما قلل من فائدته لو انه بالسندية فتفهم (۲)
۔پھر کمر ہمت کسیے اور ایک اور ایڈیشن نکالیے وفقکم اللّٰہ۔

ہاں اب وقت ہے۔۱۵-۲۰ روز میں گھی کا ایک کنستر منگا دیجیے ضرور! پہنچانے کی دردِسری بھی اپنے سرہی لیجیے۔میں چچ نامہ اور معصومی کے فروختنی نسخے لایا ہوں ولم تصل بُعد۔

سعید کی والدہ کو چند چیزیں بھیجنے کی ہدایت کی ہے۔اگر آپ یا اختر صاحب (۳) آرہے ہوں تو ساتھ لیتے آئیں۔

کیا آپ یا اختر کسی قریبی زمانے میں آرہے ہیں؟

میاں شریف (۴) کو ابویت اور آپ کو جدیت مبارک۔

دیگر احباب کو سلام

میمن عبدالعزیز

گجرات نگر ۵۹۸ جمشید کوارٹرس کراچی ۵

۲۶ / مارچ ۵۵ء

---

(۱) فتح نامۂ سندھ (چچ نامہ) کے سندھی ترجمہ کی جانب اشارہ ہے جسے ڈاکٹر بلوچ نے بڑی محنت سے مرتب کیا اور اسے سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد نے ۱۹۵۴ء میں شائع کیا۔

(۲) یعنی ”کاش یہ فارسی یا اردو میں ہوتا کیونکہ سندھی نسخہ سے بہت کم فائدہ اٹھانا ممکن ہے،اب خود سمجھ لیں“۔

(۳) قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی (وفات ۹/اگست ۱۹۵۵ء) جو حیدرآباد میں مقیم تھے اور شعبۂ تاریخ اسلامی سندھ یونیورسٹی کے سربراہ تھے۔(۴) ڈاکٹر بلوچ کے سب سے بڑے صاحب زادے ڈاکٹر محمد شریف بلوچ۔

(۱۸)

عزیز مکرم السلام علیکم

مدتیں گزریں آپ کو سندھی چچ نامہ کی تعلیقات پر مبارک باد دی تھی۔اختر صاحب کی زبانی معلوم ہوا کہ وہ کارڈ آپ کو مل گیا تھا۔یہ بھی معلوم ہوا کہ میری کتابوں کا بکس آپ کے حوالے کیا

گیا ہے میں نے آپ سے ایفائے عہد کی امید رکھی تھی۔اب سنیے ہم بہادر آباد (بہادر یار جنگ ہاؤسنگ سوسائٹی بلاک ۳ مکان نمبر ۲۲۱ کراچی۔۵) میں منتقل ہو گئے ہیں۔صدر سے بس نمبر ۴ے ہمارے ہاں پہنچاتی ہے۔میرے پاس ہی ٹھہرا کیجیے مگر یاد رکھیے دالدا (۱) نہ کھاتا ہوں نہ کھلاؤں گا۔ایک کنستر کا جلد سامان کیجیے۔

میرا مکتبہ نصف پہنچا ہے اور نصف راستے میں ہے (۲)۔میرا ابھی وہاں آنا ممکن نہیں حالانکہ وہاں کے سامان کی اشد ضرورت ہے۔

والسلام عليكم وعلى شريفكم

الداعی

میمن عبدالعزیز
۳/۲۲۱ بہادر آباد
کراچی۔۵

---

(۱) علامہ میمن ہمیشہ ڈالڈا کو دالدا لکھتے تھے۔

(۲) علامہ میمن کا کتب خانہ کئی قسطوں میں علی گڑھ سے کراچی پہنچا۔

(۱۹)

مکرم حضرت بلوچ صاحب

السلام علیکم

سعید (۱) کے سامنے آپ کا خط ۱۲رمئی ملا تھا۔جواب لکھا کہ سعید دستی دے دے گا لیکن اس کو دینا رہ گیا۔

آج خالد صاحب کے خط نے یاد تازہ کر دی۔ہندوستان بیادبیل افتاد قاضی صاحب (۲) کے ہاں آپ نے جو ۳۸ کتابیں رکھی ہیں وہ شاید کل اٹھوالوں۔پونے پانچ سیر گھی ختم شد قیمت سعید کو دے دی تھی۔یہاں ساڑھے ۴ روپیہ سیر کا بھاؤ ہے حنان احمد (۳) انبالہ وغیرہ۔امید تو یہی تھی کہ باہر سے کچھ ارزاں آئے۔خیر

قاضی صاحب سے معلوم ہوا کہ آپ نے میرے لیے کنستر منگوایا ہے۔ مجھے بھی اشد ضرورت ہے۔اللہ کرے کوئی لانے والا مل جائے۔ہاں مگر آپ یہ کیا کرتے ہیں کہ کبرقِ خاطِفٍ آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔

آنا ہے تو کیا آنا جانا ہے تو کیا جانا

اگر کبھی آیا تو شاید آپ ہی کے پاس ٹھہروں گا۔کتابیں الماریوں میں لگا دیں۔

ہاں بھائی خالد صاحب (۴) نے تو دہشت انگیز ترقی کی ہے۔کاش وہ نثر کو نظم پر مقدم رکھتے۔اگر وہ دکھائیں تو میرا خط دیکھ لیں۔ والباقی عند الملاقی

آپ کا

میمن عبدالعزیز

بہادر آباد ۳/۲۲۱

کراچی۔۵

---

(۱) علامہ میمن کے منجھلے صاحب زادے محمد سعید میمن جن کا حیدر آباد (سندھ) میں ''میمن اسٹور'' تھا۔

(۲) قاضی احمد میاں اختر جونا گڑھی۔

(۳) عبدالحنان، احمد اور ابالہ کراچی کے معروف مٹھائی فروش ہیں۔

(۴) معروف شاعر عبدالعزیز خالد (وفات: ۲۸/جنوری ۲۰۱۰ء لاہور) جنھوں نے علامہ میمن سے عربی زبان و ادب کے حوالے سے استفادہ کیا تھا۔عبدالعزیز خالد کی علامہ میمن کی یاد میں نظم کے لیے ملاحظہ فرمائیں باب نمبر ۱۴۔

(۲۰)

مکرم جناب ڈاکٹر نبی بخش صاحب

السلام علیکم مزاج شریف

یہاں آکر مجھے وہی فکر لاحق رہی جس کا زبانی تذکرہ کر دیا تھا اور آپ نے پوری امداد کا وعدہ بھی کیا تھا۔سنا ہے لیکچرار کا ڈان (۱) میں اشتہار آنے والا ہے۔کیا اس صورت میں وقت بڑھ

نہ جائے گی؟ جبکہ قرشیہ کا انتخاب بلا سابق اعلان کیا گیا تھا۔

یہ سطریں یاددہانی کے لیے لکھ رہا ہوں اور کہ کراچی کی ہوا میں عمر (۲) کی والدہ کا برا حال ہوگیا ہے اور میرا بھی۔ اب کراچی سے ہجرت کرنا لازم ہوگیا ہے ورنہ عمر کے لیے یہاں بھی کچھ نہ کچھ ہونا ممکن تھا۔ والسلام

خیر سگال

میمن عبدالعزیز

کراچی

۶۱-۱۰-۷

(۱) کراچی سے شائع ہونے والا معروف انگریزی روزنامہ DAWN

(۲) علامہ میمن کی اہلیہ محترمہ۔

(۲۱)

عزیزی حرسکم اللہ ۷۲-۵-۲۴

۶ رمئی سے تا ایں دم کتاب الھند وغیرہ سرہانے پڑی ہیں۔ عضد الدولہ کی کتاب کا اس میں تو کہیں پتہ نہ چلا مگر مجلۃ معہد المخطوطات جامعۃ الدول العربیۃ مصر مئی ۵۷ء ص ۴۶ میں ہے کہ فخر الدین النصیری طہران کے کتب خانے میں (۱۰۲) كتاب في الهند صنّف لعضو الدولة الديلمي سنة ١٠٨٢ (تاریخ نسخہ)۔ آپ کے لیے اس کو طہران سے حاصل کرنا ممکن ہوگا۔

كتاب الهند الايرانشهري ص ٤، ٤٦، ٢٧٢

ابو يعقوب السجزي، ص ٤٩

يعقوب بن طارق ص ٣٦١، ٢٩٨ راجع الفهرست

ابو سهل التفلسي ص ٣، ٥

تین مرتبہ ہند کو الٹ چکا۔ حافظہ نے بے وفائی کی۔ الحمدللہ اب کچھ ٹھیک ہوں مگر ضعیفی اور

ناتوانی بڑھتی جارہی ہے۔یہاں گرمی اور ہوا بھی ہے۔سنتا ہوں حیدر آباد میں سخت گرمی ہے۔

والسلام

آپ کا دعا گو

میمن عبدالعزیز

(۲۲)

مکرمی! کرمکم اللہ السلام علیکم

میں ۱۷ رستمبر بروز پیر کے قریب آ سکتا ہوں اگر ۱۹ رکی شب گاڑی یہاں آ جائے تو صبح ساڑھے ۸ بجے حیدر آباد کو روانہ ہوسکیں گے۔فون میرے پڑوسی قدیر مدراسی کے گھر کیا جائے کہ میمن صاحب کو بتا دیجیے کہ فلاں وقت گاڑی آئے گی ان کو بتا دیں۔۱۲ بجے دوپہر سے ۴ بجے تک میں خود بھی فون سن سکوں گا۔

محمود کا فون نمبر ۲۳۴۳۶ ہے کہہ دیا جائے کہ یہ پیغام ان کو پہنچا دیا جائے یا ان کے گھر والوں کو۔

۱۷ رکی تاریخ میں کمی بیشی ہوسکتی ہے مگر مجھے اطلاع فوراً دی جائے۔شکریہ

والسلام الداعی

میمن عبدالعزیز

۳/۲۲۱ بہادر آباد، کراچی

۱۳ رستمبر ۷۳ء

(۲۳)

صدیقی دعا کم اللہ ۲۴ راپریل ۷۴ء

۱۷ راپریل کو والدہ محمود کو حیدر آباد پہنچایا گیا ہے۔یہاں میں تنہا ہوں شاید آئندہ حیدر آباد پہنچوں۔

آپ کے خط کا انتظار رہا۔دعا ہے سب بخیر و خوبی ہوں۔آپ نے کرن تلک کا ذکر

ابوالریحان کی کسی تالیف میں پایا ہے؟ ضرور بتائیے!
میں نے کچھ پتہ لگایا ہے۔
والسلام

منتظر
میمن عبدالعزیز

(۲۴)

صدیقی! السلام علیکم ۱۰۔۵۔۷۴

ایک ہفتہ سے زیادہ ہوا کہ آپ کو کارڈ لکھا تھا پھر ۶ رمئی کو آپ کے رجسٹرار صاحب کا رجسٹرڈ خط آیا۔ برائے طلب فہرست مکتبہ (۱)۔

ادھر میں نے بھی فہرست پر نظر ڈالنی شروع کی۔ دو تین دن میں دیکھ لوں گا اور پھر خود دستی پیش کروں گا۔

۱۷ راپریل سے بیوی وہاں ہیں (۲)۔ یہاں میں تنہا ہوں۔ جون میں وہاں آؤں گا ان شاءاللہ۔

کتاب الھند پر نظر دوڑائی پانچ جگہ کرن تلک کا ذکر نوٹ کیا جو آپ کے لیے فائدہ سے خالی نہیں۔ ضرور مقابلہ کیجیے۔ صفحات کتاب الھند کرن تلک

۱۲۱

۳۶۶

۳۸۴

۴۱۰

۵۱۳

والسلام

جواب کا منتظر
میمن عبدالعزیز
بہادر آباد ۳/۲۲۱، کراچی ۵

(۱)علامہ میمن سے ان کا کتب خانہ سندھ یونیورسٹی خریدنا چاہتی تھی۔اشارہ اسی جانب ہے۔

(۲)علامہ میمن کی اہلیہ عمر کے آخر دور میں بیٹوں کے پاس حیدرآباد میں قیام کرتی تھیں۔اشارہ اسی جانب ہے۔

(۲۵)

صدیقی الکریم حرسکم اللہ

السلام علیکم

امید ہے کہ آپ بخیر و عافیت ۱۱ تک آسٹریلیا سے لوٹ آئے ہوں گے۔آپ کے جانے کے بعد حافظ صاحب لائبریرین ۲۹؍جولائی کو آئے۔۲-۳ گھنٹے کام کیا اور شام کو لوٹ گئے۔ان کو کوئی ہدایت نہ کی گئی تھی اور نہ ان کے ساتھ کوئی مددگار تھا۔

کام طویل ہے۔دو تین آدمی لگے رہیں اور وہ بھی ایک مدت تک۔یوں نظر آیا کہ ۳-۴ قسطوں میں کتابیں وہاں طرفین کی دیانت کے سہارے پہنچائی جائیں۔حافظ صاحب وغیرہ کتابیں چیک کرتے رہیں اور اپنی فہرست بنائیں پھر میری فہرست سے مقابلہ کیا جائے اگر ضرورت ہو۔اگر چیک کا معاملہ فوری ہو تو نصف کتابیں پہنچنے پر ادا کیا جا سکتا ہے۔کتابیں پوری کرنے کی تحریر میں پیش کر سکتا ہوں۔الغرض میری طرف سے کوئی تاخیر نہیں ہوگی۔میں بہت نڈھال اور ناتواں ہوں۔کام طویل معلوم ہوتا ہے، باہمت جوانوں کا کام ہے۔

میں یہاں بالکل تنہا ہوں۔خدا کے سوا کوئی مددگار نہیں۔آپ یکطرفہ رائے قائم کر کے اطلاع بخشیے۔انتظار رہے گا۔

والسلام

الداعی

میمن عبدالعزیز

۳/۲۲۱ بہادرآباد

کراچی۔۵

(۲۶)

صدیقی الکریم۔ رعاکم اللہ ۲۹رمئی ۷۵ء

السلام علیکم

میں نے مورخہ ۲۷ رمئی کے کارڈ میں لکھا تھا کہ میں کل پرسوں پھر چیکنگ شروع کروں گا۔ چنانچہ کل ۲۸ کو گھنٹہ بھر کام کیا مگر فہرست مرسلہ میں نمبر ۲ امعجم البلدان لپز یگ مطبوعہ کو غیر موجود ظاہر کیا ہے۔ ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ ایک صدی پیشتر چھپی تھی پہلے ہزار میں ملنا محال تھا اور اب تو ۲، ڈھائی ہزار پر ملنا بھی غنیمت ہے۔ تفتیش اشد ضروری ہے۔ مجھے چند اور معدومات کا بھی پتہ چلا جو موجود تھیں۔ کوشش کر رہا ہوں کہ وسط جون تک فارغ ہو جاؤں گا۔ اطلاعاً عرض ہے۔

والسلام

معجم البلدان سے ڈاکٹر یوسف ہمیشہ فائدہ اٹھاتے تھے۔

اصل فہرست میں غیر مندرجہ قیمت کتابوں پر بھی مطالبہ کیا ہے۔ میں نے تو اکثر مکررات بھی دیدی ہیں۔ ان چیزوں پر کوئی دعویٰ نہ تھا۔

عبدالعزیز میمن

۳/۲۲۱ بہادر آباد، کراچی

(۲۷)

عزیزی السلام علیکم

امید ہے کہ آپ بخیر وخوبی ہوں گے۔ میں نے بارہا حافظ محمد حارثی لائبریرین یونیورسٹی کو اپنی مُہر کی واپسی کے لیے تاکید کی اور آپ کو بھی زبانی اور تحریری کہا مگر ایک سال سے نہ کوئی جواب آیا، نہ مُہر پہنچی۔

مُہر اوروں کو بخش نہیں دی جایا کرتی۔ ازراہِ کرم سخت تاکید سے بھجوایئے یا محمود یا محمد سعید (ا) کو دے دی جائے۔ سخت تاکید ہے۔

اشد ضروری

والسلام

الداعی

آپ کا
میمن عبدالعزیز
۲/۳۳۱ بہادر آباد
کراچی۔۵

(۱) محمد محمود میمن اور محمد سعید میمن علامہ میمن کے صاحب زادے جوان دنوں حیدر آباد (سندھ) میں مقیم تھے۔

بنام ڈاکٹر زاہد علی (حیدر آباد دکن)

مکرم و معظم ڈاکٹر زاہد علی صاحب
پروفیسر نظام کالج حیدر آباد

صدیقی الکریم السلام علیکم

ایک عرصے سے خیریت مزاج معلوم نہیں ہوئی رعاکم اللہ۔اس وقت ضرورت یہ پیش آئی ہے کہ ہمارے ہاں ریسرچ میں نبی بخش بلوچ ایک محنتی طالب العلم ہیں۔وہ السند والعرب پر اپنا مقالہ طیار کریں گے۔اس سلسلے میں جہاں بیسیوں مصادر سے کام لیا گیا ہے وہاں فاطمی داؤدی ادبیات میں جہاں جہاں ان کی الدعوت بالسند والدعاۃ و تاریخ السند و جغرافیتھا کے سلسلے میں چھوٹے بڑے جو حوالے آپ کی نظر میں ہوں، از راہ کرم ان کے اقتباسات احوالات بھیج کر ممنون فرمائیں۔

ان کے طرق دعوت اور ابتدائی مراکز وغیرہ کے سلسلے میں بھی کچھ روشنی ڈالیں۔

آپ کے شکریے کے ساتھ ذکر کیا جائے گا۔والسلام

مخلص

عبدالعزیز المیمنی

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

۱۲ر مئی ۱۹۴۵ء

بنام ڈاکٹر عبدالواحد ہالی پوتہ

16-10-1952

صدیقی المکرم الدکتور عبدالواحد ہالی پوتہ حرسہ اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ ورضوانہ مزاج شریف

۲۹ اگست ۱۹۵۲ء کو آپ نے سعید کا حق ادا کیا اور مجھے رسید بھیجی۔ میں نے سعید کو آپ کے لیے ایک خط بھیجا تھا، معلوم نہیں ان سے آپ تک پہنچا یا نہیں؟ ان سے مجھے فرض شناسی کی امید نہیں۔ اس میں عبدالغفور والوں سے مطالبہ کی تاکیدی درخواست تھی۔

الغرض کچھ عرصہ بعد آپ کا جواب نہ ملنے پر میں نے ۲۰ رستمبر کو انھیں براہ راست کارڈ لکھا جس کا انھوں نے آج تک کوئی جواب نہیں دیا۔

ان باتوں کو دو ماہ ہوا چاہتے ہیں، مجبوراً پھر آپ کو یاد دہانی کرتا ہوں۔ ازراہ کرم بلا تاخیر آپ ان سے حسب ذیل بل کا مطالبہ کیجیے اور مجھے اطلاع بخشیے ضرور بالضرور

میں آئندہ کچھ ماہ میں آپ احباب کی ملاقات سے مشرف ہوں شاید

بل از اوقاف عبدالغفور ٹرسٹ کولمبو

عبدالعزیز المیمنی

(Member Arabic Academy, Damascus)
PROF. & CHAIRMAN.

DEPARTMENT OF ARABIC,
MUSLIM UNIVERSITY,
ALIGARH (INDIA

Dated 16...10...1952

صدیقی الکرم الدکتور عبدالواحد ہالی پوتہ حرسہ اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ ورضوانہ مزاج شریف!

۲۹ر اگست سنہ ۵۲ء کو جب آپ نے مسجد کو حق ادا کیا اور مجھے رسید بھیجی جسے مسجد کو آپکے لیے ایک خط بھیجا تھا معلوم نہیں اب سے وہ آپ تک پہنچا بھی یا نہیں؟ اس سے مجھے فرض شناسی کی امید نہیں۔ اس میں عبدالغفور والوں سے مطالبہ کی تاکیدی درخواست تھی۔

الغرض کچھ عرصہ بعد آپکا جواب نہ ملنے پر میں نے ۲۰ر ستمبر کو انہیں بذریعہ رجسٹری کارڈ لکھا جسکا انہوں نے آجتک کوئی جواب نہیں دیا۔

ان باتوں کو دو ماہ ہوا چاہتے ہیں۔ مجبوراً پھر آپکو یاد دہانی کرتا ہوں۔ ازراہ کرم بلا تاخیر آپ ان سے حسب ذیل بل کا مطالبہ کیجئے اور مجھے اطلاع بخشئے ضرور بالضرور!

میں آئندہ کچھ ماہ میں آپ احباب کی ملاقات سے مشرف ہوں شاید!

بل از دفتر عبدالغفور شرف کولمبو
کتب مرسلہ بدست ڈاکٹر ہالی پوتہ صاحب
بتاریخ 4-1-51

	روپیہ
فتح الباری	200-0-
مونس العشاق	10-
تلخیص ادب الکاتب	8-
تحفۃ المجاہدین	3-

میزان 221-0-0 مبلغ دو صد اکیس روپیہ فقط

میمن عبدالعزیز پروفیسر (اعزازی) مسلم یونیورسٹی علیگڑھ ۱۶ر اکتوبر ۵۲ء

علامہ میمن کا مکتوب بنام ڈاکٹر عبدالواحد ہالیپوتہ

کتب مرسلہ بدست عبدالواحد ہالی پوتہ صاحب

بتاریخ 4-1-52

فتح الباری	200روپیہ
مونس العشّاق	10
تلخیص الادب	8
تحفۃ المجاھدین	3
میزان مبلغ	221دوصدا کیس روپیہ فقط

میمن عبدالعزیز پروفیسر (اعزازی) مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۱۶ اکتوبر ۱۹۵۲ء

بلوچ صاحب کو دکھادیں

دعا ہے ڈاکٹر بلوچ خوش وخرم رہیں۔ان کا انھی دنوں ایک خط آیا تھا پھر سناّٹا ہے۔میرے بہت بہت سلام کہئے اور کہ وہ فراموش نہ کریں وقتاً فوقتاً یاد کرتے رہیں۔

آج کل ان کے مشاغل کیا ہیں؟

یہاں کا کیا حال لکھوں

وغرفة تخرقها الرياح

لا صخبٌ ولا صياح

محض یہی اور پھر اپنی بدنصیبی اور اور ....

ڈاکٹر یوسف مصر کا تعلق ختم کرنے پر مجبور ہیں اور اپنے ہاں ان کے لیے کوئی راستہ نکالیے

والسلام من الداعی عبدالعزیز المیمنی بعلیگڑھ الہند

۵۲/۱۰/۱۶م

بنام پیر الٰہی بخش، سابق وزیر تعلیم سندھ

۱۹ رمئی ۱۹۴۵ء

معظم و محترم جناب والا القاب پیر الٰہی بخش صاحب

وزیر تعلیم سندھ، زاد فضلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بغیر سابقہ تعارف کے، میں آپ کو تصدیع دینے کی جسارت کر رہا ہوں۔

آج عزیزی مولوی نبی بخش بلوچ ایم اے ایل ایل بی، ریسرچ اسکالر نے مجھے آپ کا کرم نامہ اور مکرم ڈاکٹر امیر حسن صاحب پرنسپل کا خط بیک وقت دکھائے۔ اس لیے میں نے ضروری سمجھا کہ بلوچ صاحب کے مضمون پر قدرے روشنی ڈالی جائے۔

''سندھ زیرِ عرب'' پر انتہائی عرق ریزی سے یہ ریسرچ سوا دو سال سے جاری ہے، کوئی آٹھ ماہ اور رہتے ہیں۔ میں جانتا ہوں ہندوستان میں آج تک گو سندھ و عرب پر متعدد کتابیں مسلمانوں اور غیر مسلموں نے لکھی ہیں مگر کسی نے اتنی جاں فشانی سے عربی ادبیات کے پوشیدہ گوشوں سے یہ مواد نہیں نکالا جس کا کھوج لگانا بلوچ کے نصیب میں تھا۔ میں کاٹھیاواڑی میمن ہوں، مگر اس کام کی تکمیل کے لیے بے تاب ہوں، مگر آپ کا ، بلوچ صاحب کا تو سب کچھ سندھ ہے ﴿فِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ﴾۔ اگر اسی طرح آپ کی توجہ شاملِ حال رہی تو ملازمت تو پھر بھی مل رہے گی مگر یہ کام روزمرّہ نہیں ہوا کرتے۔

محض سندھ اور سندھ کے لیے میری آپ سے التماس ہے کہ آٹھ ماہ کے لیے کوئی عارضی انتظام کر لیجیے، پھر بلوچ کو میں آپ کے حوالے کر دوں گا۔ اس سلسلے میں آپ کو عارضی ضرورت پوری کرنے کے لیے بہت سے آدمی مل جائیں گے۔

آپ کو سندھ کا واسطہ دلا کر پھر ملتمس ہوں کہ ڈاکٹر امیر حسن صاحب کو آپ خود سمجھائیے۔ اگر ممکن ہو تو ڈاکٹر داؤد پوتہ صاحب کو میرا نیاز نامہ دکھا کر استصواب کیجیے۔

آخر میں، میں آپ سے اپنی جسارت پر طالبِ عفو ہوں۔

والسلام

ناچیز میمن عبدالعزیز

بنام شاداں بلگرامی

۱۳؍مارچ ۱۹۱۷ء

اڈورڈس کالج پشاور

الاستاذ المحترم دام مجدکم، تسلیم مسنون

فروری ۲۱؍کو پروفیسر مارگولیتھ صاحب کی موجودگی میں ایک عربی میٹنگ ہوئی تھی جس میں مَیں بھی شریک ہوا تھا اور ان سے عربی میں قریباً ڈیڑھ گھنٹہ تک گفتگو کی۔ آخر میں میرے التماس سے انھوں نے مجھے ایک بہت اچھا سٹوفکیٹ دیا۔ ایف اے کا فارسی و عربی اور بی اے کا عربی کورس اس سال کے لیے بدلنے والا ہے۔

مجھے اس سٹوفکیٹ کے ملنے سے خیال ہوا کہ "جناب" اور پرنسپل صاحب کا سٹوفکیٹ اگر میرے پاس ہو تو یقیناً مجھے اس بلدة الکفر سے نکالنے میں بہت کچھ معین ہوگا بنابریں تصدیع دہ ہوں کہ آپ خود ایک سرٹیفکیٹ فارسی میں تحریر فرمائیں جس میں میری فارسی دانی ہر علمی کام کی استعداد، علمی ذوق وشوق، ریسرچ وغیرہ کے اشتیاق، آپ کو اپنے کاموں میں مجھ سے مدد ملنے وغیرہ کا ذکر ہو۔ گو میں خود اچھی طرح جانتا ہوں کہ مطابق "صاحب الوری ادری بما فیھا" میں اجہل الخلق ہوں مگر غالباً یہ تو آپ بھی جانتے ہوں گے کہ اس احمق زمانہ میں "کسرِ نفسی" کچھ کام نہیں دیتی۔ ہاں متوسط ہو نہ طویل نہ مختصر۔ الفاظ مبالغہ آمیز نہ ہوں۔ خدا آپ کو جزائے خیر دے۔

میں ہوں آپ کا خادم
ناچیز عبدالعزیز۔ استاد عربی مشن کالج
پشاور

آئندہ سے کوئی کورس پانچ سال سے زیادہ نہ رہے گا۔
نقل سر ٹیفکیٹ جو میں لفافہ ہذا میں بھیجتا ہوں امید ہے کہ واپس فرمادیں گے۔

بنام خوشتر منگرولی مدیر ماہنامہ زبان، مانگرول

(۱)

مکرم بندہ زاد لطفکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ ماشاء اللہ، بارک اللہ بہت خوب رسالہ نکالا مگر افسوس کاٹھیاواڑ بہت نااہل ہے۔ اگر حضرت شیخ صاحب (نواب شیخ جہانگیر میاں صاحب بالقابہ) یا ولی عہد صاحب (بہادر) کی امداد شامل حال رہی تو ان شاء اللہ رسالہ چلے گا۔ محض خریداروں کے بھروسے پر یہ ضروری کام نہیں چل سکتا...... عنوان کا بیت یوں چاہیے

لقد وجدت مكان القول ذا سعةٍ
فإن وجدت لساناً قائلاً فقل

اور یہ کہ یہ بیت متنبی کا ہے نہ کہ اعشیٰ کا۔

صفحۂ ادارت پڑھ کر میں بہت خجل ہوا۔ میں ہرگز اتنا کام کا نہ تھا جتنا آپ نے جذبۂ ہم وطنی سے متاثر ہو کر ظاہر کیا ہے بہر کیف آپ کے حسنِ ظن کا مرہونِ احسان ہوں اللہ آپ کو اپنے بلند اور نیک ارادوں میں کامیابی بخشے۔ میں بہت غیر مطمئن ہوں، ان شاء اللہ اکتوبر کے آخر تک کوئی قلمی خدمت کر سکوں۔ امید کہ آپ میرے ہجومِ اشغال پر نظر کر کے

معذور تصور فرمائیں گے۔

(مولانا) میمن عبدالعزیز پروفیسر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ از راجکوٹ)

(۲)

۲۸/اگست ۱۹۲۶ء

مکرمی خوشتر صاحب،خوش باش یعنی کہ

ترقی باشد از پائیں ببالا　　　من از بالا بپائیں می ترقم

کہ آخر خوشتر خوش کی تفصیل ہے۔گرامی نامہ مع ہدیہء مرضیہ ملا۔اپنی عنایت کا شکریہ قبول کیجیے۔بارہویں صدی کے وسط کے ایک سیاح کے سفرنامہ کا وہ حصہ جو گجرات سے متعلق تھا،زیر ترجمہ ہے۔تمام ہوجائے تو بھیج دوں گا۔

دوسرا مضمون اور دو نئی کتابیں جناب سیّد حسین صاحب ترمذی کے لیے ہیں۔میں عنقریب علی گڑھ کو سدھارنے والا ہوں،اس لیے آپ کے بذل ما صفت کا بہت بہت شکریہ۔

والسلام　آپ کا
میمن عبدالعزیز راجکوٹی

(۳)

مکرمی تسلیم

گرامی نامہ ملا۔بہت محظوظ ہوا۔رشید صاحب ضرور مضمون دیں گے کہ انھوں نے پختہ وعدہ کیا ہے۔میں گھر سے چلتے وقت والد صاحب کو ایک بکس دے آیا ہوں،وہ ہنوز نہیں ملا۔اسی میں وہ مضمون اور اصل کتاب ہے۔

مولانا ترمذی کا نوٹ پرامیسری نوٹ ہے،ضرور چھاپیے۔میں نے بھی کچھ سطریں

سیاہ کردی ہیں۔ازراہ کرم ان کو بھی رسالے میں جگہ دے دیجیے گا۔

خط کے فوٹو کو دیکھنے کا سخت اشتیاق ہے،بارک اللہ۔آپ نے اچھی چیز ڈھونڈ نکالی۔افسوس میرے پاس اتنا وقت نہیں کہ میں بروقت آپ کی فرمائشوں کو پورا کر سکوں۔سو امید ہے آپ اس کو میری تقصیر سے نسبت دیں گے۔

والسلام

میمن عبدالعزیز،مسلم یونیورسٹی

(۴)

۸رفروری ۱۹۲۷ء

خوشتر صاحب سلام مسنون

یہ مضمون اگست میں تیار کر کے ''معارف'' کو بھیجا تھا۔اس وقت یہ اپنے اندر پوری ندرت رکھتا تھا،اب ہر چند کہ اس کا وقت گزر گیا ہے مگر بہر کیف فائدے سے خالی نہیں۔اگر چھاپنا چاہیں تو ایک سرسری نظر ڈال لیں،مجھے اتنی فرصت نہ مل سکی۔

والسلام عبدالعزیز میمن

(۵)

مکرمی خوشتر صاحب

تسلیم

علالت کے بعد والدین تشریف لے آئے جو وسط جنوری میں راجکوٹ واپس ہوئے۔اب کہیں جا کر اپنا کام پورا کر سکا ہوں اور سچ پوچھیے تو بہت نامکمل ہے۔

والسلام

پروفیسر عبدالعزیز میمن

بنام مولانا محمد ظفر الدین قادری(۱)

سیدی محترم، السلام علیکم ۲۲ر اپریل ۵۰ء

مزاج گرامی! میں آپ کی دعا سے سوا ۲۱ گھنٹے لیٹ علی گڑھ پہنچا۔ ۱۸ر کا دن الٰہ آباد میں گزارا۔ فی الواقع آپ کے کرم بے پایاں کا میں بے حد ممنون ہوں اور شکر گزار۔ آپ نے میری ضرورت سے کہیں بڑھ چڑھ کر زحمت فرمائی۔ شکر اللہ مساعیکم۔

بچوں کو بہت بہت دعا و سلام۔

مخلص

میمن عبدالعزیز، علی گڑھ

۱۲ر مارچ ۱۹۴۹ء

---

(۱) استاذ مرحوم، وسط اپریل ۱۹۵۰ء میں ایک علمی و تعلیمی کام سے مولانا سعید احمد اکبر آبادی کی دعوت پر کلکتہ گئے تھے اور ان کے ساتھ مدرسۂ عالیہ کے کوارٹر میں چند دن مقیم ہوئے تھے۔ واپسی میں ان کی خواہش پٹنہ میں قیام کر کے کتب خانہ خدا بخش کے بعض مخطوطات کے مطالعہ اور عظیم آباد کے بعض علماء کرام و اساتذۂ عظام سے ملنا تھا۔ والد علیہ الرحمۃ (مولانا ظفر الدین قادری رضوی (۱۸۸۵-۱۹۶۲) نے مجھے لکھا کہ وہ پٹنہ میں میرے گھر قیام کریں چنانچہ کلکتہ سے واپسی پر وہ ظفر منزل، شاہ گنج پٹنہ میں چند دن مقیم رہ کر علی گڑھ واپس تشریف لے گئے۔

حضرت الاستاذ نے کارڈ کے ایک حصے پر والد صاحب کے نام خط لکھ کر میرے حوالے کیا کہ میں چاہوں تو اس پر کچھ لکھ کر ڈاک کے سپرد کردوں۔ کارڈ پر ۲ر مئی ۵۰ء کی لکھی ہوئی یہ سطریں ملتی ہیں:

حضرۃ الاستاذ تشریف لائے وہ آپ کی عنایت و محبت کے مدح خواں بن کر آئے ہیں۔ گھر

والوں کی تعریف میں رطب اللسان رہے۔ ہفتہ سے زائد ہوا چند سطریں کارڈ پر لکھ کر مجھے دیں کہ آپ بھی کچھ لکھنا چاہیں تو لکھ کر ڈاک کے سپرد کر دیں۔ یہ کارڈ یہیں کاغذات میں گم ہو گیا تھا ابھی ملا ہے''۔

الاستاذ کا یہ کارڈ بالآخر ۳؍مئی کو روانہ ہو کر ۵؍مئی کو پٹنہ پہنچا۔ (مختار الدین احمد)

بنام ڈاکٹر ذاکر حسین خان صاحب

وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

محترم جناب ذاکر صاحب، حرسہ اللہ سلام مسنون!

آرزو صاحب کے مقالے کی جانچ کے لیے تین ممتحنین میں سے ایک ممتحن کا نام متبادل تھا:

ڈاکٹر کرینکو، کیمبرج

عبدالمعید خان، جامعہ عثمانیہ

کرینکو کی صحت بلکہ زندگی تک کا یقین نہ تھا اس لیے ایسا کیا گیا اور انھیں ایک ہوائی خط مؤرخہ ۴؍اگست کے ذریعہ اطلاع دے دی گئی۔

تاخیر سے مایوسی ہوئی اس لیے آج سے ۵ روز پیشتر رجسٹرار کو کہہ دیا گیا کہ وہ ممتحن دوم کو اطلاع دے دیں۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ انھوں نے کیا کیا؟

میں بجائے رجسٹرار کے آپ کو زحمت دیتا ہوں کہ عربی شاعری پر کرینکو کے برابر آج کسی کی نظر نہیں اور یہ ہماری خوش نصیبی ہو گی۔

ہندوستان کے قحط الرجال کو دیکھتے ہوئے دوسرا نام تجویز کیا گیا تھا۔

یوں بھی ماوراء البحار کے ممتحن کو اہمیت دی جاتی تھی۔

معید خانصاحب کو معذرت کا خط لکھ دیا جا سکتا ہے (اگر بالفرض ان کو کوئی اطلاع جا چکی ہو)

ازراہ کرم رجسٹرار صاحب سے اس باب میں گفتگو فرمالی جائے۔ والسلام

مخلص

ناچیز میمن عبدالعزیز

بنام پروفیسر مسعود حسن

(۱)

مکرم تسلیم سندھی نسخہ میں نے نہیں دیکھا۔اکثر نسخ سندھ تازہ نقلیں ہیں وہاں اصول و.....نہیں۔اس کا ایک نسخہ تیموریہ مصرو استنبول و مغرب میں بھی ہے مگر بانکی پور اور پھر رامپور کے نسخے اچھے ہیں۔مزمل حسین مرحوم سے میں نے اس پر تھیسس لکھوایا تھا۔بانکی پور رامپور و استنبول کے نسخوں کی بنا پر۔مگر ۳۶ء میں میری عدم موجودگی پر ڈاکٹر آٹو اشپیز نسخہ استنبول کا آٹوگراف اور نسخہ مزمل مقابلہ بالنسخ الثلاث کو اپنے ساتھ جرمنی لے گئے۔ فیا للناس ویا للدواھی!

محمد سورتی آنجہانی نے رامپور سے نقل کرا کے بانکی پور سے مقابلہ کیا ہے اور ڈاکٹر عظیم پٹنہ نے برعکس۔ھذا ما فی ذاکرتی۔والسلام

مخلص

میمن عبدالعزیز عربی

یونیورسٹی علی گڑھ

۴۵-۶-۱۴

(۲)

علی گڑھ

۲۵-۲-۴۶

مکرم وعلیکم السلام

علیہ بنت المہدی کے متعلق کیا بتاؤں۔ نھایة الارب للنویری میں اغانی کے علاوہ بہت کچھ ملے گا۔ اگر ابن عساکر کی ۸ویں جلد آ جاتی تو اس میں ہوتی۔ بانکی پور کی فہرست میں ابن عساکر دیکھیے۔ اسی طرح انساب الاشراف میں ہوتی مگر...... مجھے تو یاد ہے:

اعلي ما ماء الحياة وطيبه   مني لحماء لحماء و برد شراب

از امالی قالی و لآلی وغیرہ بس۔

والسلام

میمن عبدالعزیز

یونیورسٹی علی گڑھ

(۳)

علی گڑھ

۵۱/۱۲/۳۱ء

مکرمی سلام مسنون

دیوان العباس بن الأحنف مع دیوان ابن مطروح مصری ۲۲۴ صفحوں میں الجوائب قسطنطنیہ ۱۲۹۸ میں چھپا تھا۔

اس میں ۱۶۷ تک عباس کا دیوان ہے، ازاں بعد مصر میں چند سال بعد ایک اور ایڈیشن نکلا ہے۔

مراتب الاجماع کے متعلق فی الحال کچھ کہہ نہیں سکتا۔ ہر چند یہ دماغ میں ہے۔

دیدہ باید۔

والسلام
میمن عبدالعزیز

بنام ڈاکٹر ریاض الرحمٰن خان شروانی

(۱)

صدر بازار، راجکوٹ (کاٹھیاوار)
۱۶/۷/۱۹۴۷

عزیزی کرمکم اللہ السلام علیکم
امریکہ آپ نے یہ زمانہ بخیر و خوبی گزارا ہو میں یہاں وطن میں ہوں۔
عید کے بعد علی گڑھ آنا ہے اور پھر وہی دشت نوردی ہوگی۔ آٹے دال کی فکر کھائے جا رہی ہے اس سلسلہ میں روغن زرد کی فراہمی آپ کے ذمہ ہے۔ میری تمنا ہے کہ آپ اور ایک کنستر گھی خالص دونوں بیک وقت علی گڑھ میں وارد ہوں تا کہ میں پہنچتے ہی اس سے مستفید ہوسکوں۔ وقت بہت کافی ہے اور بر کریماں کارہا دشوار نیست۔ اپنے والد و جد امجد صاحبان کی خدمت اقدس میں سلام۔ مجھے ہنوز وہاں کے نتیجہ کی خبر نہیں۔
جواب ضرور دیجیے تا کہ اطمینان ہو۔

مخلص
میمن عبدالعزیز

(۲)

راجکوٹ

۱۵/۸/۱۹۴۷ء

عزیز سلمکم اللہ وعلیکم السلام

کرم نامہ موصول ہوا۔ آپ بلا تکلف ۱۸ سیر گھی کا ایک کنستر قیمتی ۹۶ روپیہ میرے لیے حاصل کر لیجیے۔ بحساب تین چھٹانک۔ کیا یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ گھی یونیورسٹی کھلتے ہی مجھے مل سکے؟ یہ اس لیے کہ پہنچتے ہی اس کی ضرورت ہوگی۔

گھی بہت تھوڑا تھوڑا ہی جمع ہو سکتا ہے اتنی مقدار میں اصلی گھی نہیں ملا کرتا ایک مدت ہی میں جمع ہوگا۔ قیمت فوراً حاضر کر دی جائے گی۔

گھر میں سخت علالت رہی۔ مجھے بھی پیچش رہی میں پوری کوشش کر رہا ہوں کہ بروقت علی گڑھ پہنچوں۔

والسلام

Prof.A.A. Memon

Sadar Bazar, Rajkot

Kathiawar

(۳)

صدر بازار، راجکوٹ

۱۴/۸/۱۹۴۹ء

عزیزی! السلام علیکم

میں ۱۴ / جون کو یہاں پہنچا۔ تا ایں دم ہزار جتن کیے مگر گھر نہ ملنا تھا اور نہ ملا الٹا کرایہ بھی بند کر دیا گیا۔ فَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکیٰ۔

امید کہ آپ مع بزرگان بخیر و خوبی ہوں گے۔ آپ نے کوئی خط نہ لکھا آخر الامر یہ کارڈ لکھنے بیٹھا۔ خان صاحب قبلہ (۱) نے کتابوں کی قیمت نہیں بھیجی یعنی مبلغ ۲۴۴ روپیہ

اگر آپ وصول کرلیں تو کتنا اچھا ہو!!!

''نیا ایشیا'' (۲) سے بعض موٹی موٹی خبریں ملتی رہیں۔

یہ خط اس لیے لکھ رہا ہوں کہ آپ ذرا تکلیف کر کے دس سیر خالص اور اطمینانی گھی جلد حاصل فرما کر حلیم چپراسی کو دے دیں تا کہ وہ نابینا ماسٹر (۳) کے پاس رکھ دے۔ اس طرح ہمیں علی گڑھ کا پہلا کھانا دالدا کا کھانا نہیں پڑے گا۔ یاد رکھیے دالدا میری جان کا دشمن ہے۔ آپ کی تھوڑی سی توجہ اور مستعدی سے میں مصیبت سے چھوٹ جاؤں گا۔

منجھلے میاں (۴) اور خان صاحب کو بہت بہت سلام۔

ملا جی (۵) تو جزء لاینفک ہیں اس طرح خان صاحب کا سلام تو انھیں خود بخود (آٹومیٹیکل) پہنچ ہی جائے گا۔

بظاہر مجھے ۳۱ ر اگست ۱۲ بجے اپنے گھر میں پہنچ جانا چاہئے۔ و الامر بید اللہ۔

عبدالعزیز میمن

---

(۱) نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانی حسرت (۱۲۸۵-۱۳۷۰ھ=۱۹۵۱ء)

(۲) ''نیا ایشیا'' علی گڑھ کا ہفتہ وار اخبار تھا۔ اس کے اصل مہتمم مولوی عبدالشاہد خان شروانی (۱۹۱۵-۱۹۸۴ء) تھے۔ نیا ہندوستان ۱۹۴۷ء میں شائع ہونا شروع ہوا۔ ''جمہور'' ہفتہ وار تو عرصے تک علی گڑھ سے شائع ہوتا رہا۔ عبدالشاہد خان صاحب یونیورسٹی لائبریری میں ملازم تھے اس لیے اس پر بحیثیت ایڈیٹر محمد عمر خاں ثمر کا نام چھپتا تھا۔

(۳) ماسٹر سعید احمد مدتوں علیگڑھ کے احمدی نابینا اسکول کے ہیڈ ماسٹر اور اس کے منصرم رہے۔ ۱۹۶۸ء کے بعد وفات پائی۔ الاستاذ عبدالعزیز المیمنی عام طور پر روزانہ شام کو کچھ دیر ان کے پاس ضرور بیٹھتے تھے، وہیں ان کا حقہ پیتے تھے۔

(۴) صدر یار جنگ کے صاحبزادے خان بہادر عبیدالرحمٰن خان شروانی۔

(۵) حاجی ملا احمد صاحب کو میں نے بارہا دیکھا۔ یہ قبائلی علاقے کے ملا عبدالغفور کے بیٹے تھے۔ ملا صاحب نے صدر یار جنگ کے پاس رہ کر زندگی کا بیشتر حصہ گزارا۔ ملا عبدالغفور نے شادی یہیں کی اور یہیں ان کی وفات ہوئی۔ ملا احمد کا انتقال ۱۹۵۷ میں ۹۵ سال کی عمر میں علی گڑھ ہی میں ہوا۔ (مختار الدین احمد)

بنام راز یزدانی، رام پور

۱۴؍دسمبر ۱۹۶۲ء

بہادر آباد، کراچی

عزیز مکرم وعلیکم السلام

عرشی صاحب اور ان کے علمی مشاغل اوروں کے لیے مشعلِ ہدایت ہیں اور میرے لیے باعث فخر ومباہات (۱) اللہ ان کی عمر میں برکت دے۔ میں ۷۴ سال کا ہو رہا ہوں، اپنے روزمرہ کے ضروری فرائض ادا کرنے سے بھی عاجز ہوں۔ کہیں وہ مجھے تلك امة قد خلت میں سمجھ نہ لیں جس سے ان کی علمی مراسلت جو میرے لیے دنیا کی واحد دلچسپی رہ گئی ہے منقطع نہ ہو جائے اور اس طرح کہیں کا نہ رہوں۔ با ایں ہمہ اس امر کا اظہار اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ جناب عرشی صاحب نے اردو، فارسی اور عربی بلکہ پشتو کی بھی جو علمی خدمت کی ہے وہ اس آخری دور میں اپنی مثال نہیں رکھتی۔ اگر مادرِ ہند وسندا ایسے دو چار فرزند اور جن ڈالتی تو آج ہماری بے مائیگی کا یہ عالم نہ ہوتا۔ ان کی زندگی ہمارے ملک کے لیے نمونۂ عبرت ہے۔ **فاعتبروا یا اولی الابصار۔**

میری زندگی کی تین چار پیداواروں میں ان کی ذات صفِ اوّل میں ہے اس لیے میرا سر بلند ہے اور رہے گا۔ مگر فی الواقع منقبت انھیں کی ہے کہ اپنی مسلسل کوشش اور ایثار سے اس مقام کو پہنچے۔ **اللّٰھم زد فزد**۔ والسلام

عاجز ناچیز

میمن عبدالعزیز

---

(۱) احمد علی خاں راز یزدانی رام پوری (۱۹۰۸-۱۹۶۳) ۱۹۶۲ء میں مولانا امتیاز علی عرشی کو ان کی علمی و ادبی خدمات کے سلسلے میں نذرِ عقیدت پیش کرنے کے لیے ایک مجموعۂ مضامین پیش کرنا چاہتے تھے۔ اس سلسلے میں انھوں نے مجھے بھی لکھا تھا لیکن ان کی کوششیں بار آور نہ ہو سکیں۔ ۱۹۶۳ء میں راز یزدانی نے سفرِ آخرت کیا۔ بالآخر ۱۹۶۵ء میں مالک رام صاحب کی توجہ سے عرشی صاحب کی خدمت میں ان کی ۶۱ ویں سالگرہ کے موقع پر کتاب

""نذر عرشی" مرتبہ مالک رام و مختار الدین احمد مجلس نذر عرشی کی طرف سے دہلی میں انھیں پیش کی گئی۔ جلسے کی صدارت ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب نے کی تھی۔ "نذر عرشی" (دہلی ۱۹۶۵ء) اب کمیاب ہے۔
الاستاذ المیمنی کی مندرجہ بالا تحریر راز یزدانی کی زیر ترتیب کتاب کے لیے تھی۔ مجھے اکبر علی خاں عرشی زادہ مرحوم سے حاصل ہوئی۔ (مختار الدین احمد)

بنام مولوی سلیمان اشرف مدرّس جامع مسجد علی گڑھ

(۱)

عزیزی وعلیکم السلام

۳۱؍دسمبر ۵۸ء
بہادر آباد، کراچی۔ ۵

مؤرخہ ۶؍اکتوبر کا جواب دینے بیٹھا ہوں۔ معلوم نہیں زبیدہ کو آپ نے چیک واپس کیا یا نہیں؟ الغرض میں نے ان کو ہدایت کر دی ہے کہ آپ کو منی آرڈر بھیج دیں۔

کل صلاح الدین یوسف آئے اور **الطرائف الادبیہ** کا نسخہ لے گئے۔ آئندہ میرا ٹیلیفون نمبر یاد رکھیے بہت کام آئے گا۔ یہ کراچی ہے مسافتیں بہت طویل ہیں۔ ۴۱۳۳۹ (41339)

الطرائف آؤٹ آف پرنٹ ہے اور کراچی کے ایم اے میں بھی داخل ہے۔ جلد بنوا لیجیے۔
انور معظم صاحب کا کام چل رہا ہوگا۔ اگلی سطریں آرزو صاحب کو دکھا دیجیے۔

والسلام
میمن عبدالعزیز

(۲)

عزیزی سلمکم اللہ ورعاکم ۸رمئی ۵۶ء

السلام علیکم بہادر آباد، کراچی۔۵

میں پرسوں رات یہاں پہنچا۔سمندر کے قرب نے جہنم کو جنت بنا دیا۔راستے میں نہ پوچھیے کیا کیا گزری۔

فَكَانَ مَا كَانَ مِمَّا لَسْتُ أَذْكُرُهُ

فَظُنَّ خَيْرًا وَلَا تَسْأَلْ عَنِ الْخَبَرِ

اسٹیشن پر وقار بن محمد علی اپنے ابا کو لینے آئے تھے مگر وہ تو

زمیں جنبد نہ جنبد گل محمد

شلواریں تو کٹوالی ہوں گی اب سلوا لیجیے۔علی حسین کی کوئی قید نہیں بھئی مجھے آپ کی سوغات یاد نہیں رہی۔شاید دو پیکٹ اگربتی، ایک ٹکڑا کپڑا اور ممکن ہے ایک ململ کا پرانا کرتہ ہو یا نہ ہوں۔الغرض ۶رکی شام کو آپ کے بہنوئی یہاں پہنچے تھے جبکہ میرے پہنچنے میں ہنوز ۲،ڈھائی گھنٹے باقی تھے۔خیر دو ایک روز میں وہ آئے تو خیر ورنہ عمر کے ہاتھ بھیج دوں گا۔

افسوس میں نے آپ کو روپیہ امانت نہ دیے۔آئندہ موارد کے راستے مسدود ہیں الا کرایہ۔کبھی عید کے بعد ڈاکٹر علیم صاحب سے ملیے ضرور اور کہ میمن کی تاکید پر ملا ہوں وہ سلام کہتا ہے اور کہ آپ کرایہ کا مسئلہ ضرور طے کر دیں گے تاکہ اس کی ضروریات خریدنے میں آسانی ہو۔کاش آپ بی اے کر کے یہاں آجاتے۔

میرا حج کا قرعہ نہیں نکلا۔اب ہوائی حج ہی ہو سکتا ہے، سوچوں گا۔

اکتوبر یا ۱۵رستمبر کے قریب مصر جانا ہے۔کیا اگر مصارف کا بوجھ ہلکا کر دیا جائے تو آپ رفاقت کر سکیں گے؟ ضرور لکھیے۔ڈیڑھ ماہ کے لیے۔

والسلام

میمن عبدالعزیز

(۳)

عزیزی اسعدکم اللہ بطاعتہ ۱۸رجون ۵۶ء

السلام علیکم ورحمۃ اللہ میمن منزل، بہادر آباد، کراچی ۔ ۵

مؤرخہ ۹رکل ۱۷رکو ملا۔ شام عمر کو بھیجا۔ مولوی عبدالقیوم نے کل شلواریں دینے کا وعدہ کیا ہے۔ دیدہ باید

عطر کی شیشیوں کا پیکٹ تالوں کے درمیان کأنہ احدھا پڑا تھا ہاں مگر اگربتیوں کا ایک ہمارا پیکٹ بھی مجید صاحب کے ہاں پہنچ گیا۔ وہ دو پیکٹوں کے مدعی ہیں۔

عزیزی پورے ہند میں لے دے کر آپ تنہا میرے رہ گئے ہیں فوا اسفا !

المعرّی: فَبِئْسَ الْبَدِیْلُ السِّنْدُ مِنْکُمْ وَاَھْلُہٗ

عَلٰی اَنَّھُمْ قَوْمِیْ وَبَیْنَھُمْ رَبْعِیْ

قاضی صاحب سے بقایا لے لیجیے، یہ نہ معلوم ہوا کہ وہ کیا ہے۔

آپ گھبرائیے نہیں میں یہاں رفیع اللہ صاحب کی شیشیوں کے دام اگر وہ تلف ہوگئی ہوتیں بسہولت ادا کر سکتا تھا۔ آپ میری طرف سے عیدی کے دس روپے قبول کیجیے۔ میری آئندہ کرایہ کی رقم میں سے یک صد یا کچھ کم آپ رکھیں اور باقی میں نے علیم صاحب کو لکھ دیا ہے۔ ڈاکٹر خورشید احمد فارق پروفیسر عربی متصل یونیورسٹی پریس دہلی یونیورسٹی کو بھیج دیں۔

میں ۱۰رستمبر کے قریب مصر جاؤں گا اور یکم نومبر سے پہلے لوٹوں گا ان شاء اللہ۔

یہ خط ایک اشد ضرورت سے لکھ رہا ہوں۔ آپ بلا تاخیر کچہری سے دو اسٹامپ ٹکٹ قیمتی ایک روپیہ و آٹھ آنے فوراً میرے نام پر خرید کر بلا تاخیر ہوائی ڈاک سے مجھے بھیج دیجیے۔

فوراً جلد بلا تاخیر دیکھتا ہوں کتنی جلدی بھیجتے ہیں۔

آج سے دس ماہ پہلے آپ نے جو اچکنیں بھیجی تھیں ان میں کی ایک پیازی سلکن چکن کا کپڑا بے جان نکلا۔ آئندہ سلک نہ لیا کریں۔ یہاں کپڑا ارزاں ہو گیا ہے البتہ سلائی بہت گراں ہے۔

کتبہ اعلیٰ

سیر

سیاہ مرچ	سیر
الائچی خورد	نیم سیر
لونگ	پاؤ
پاپڑ مخصوص	سیر دو سیر

ڈاکٹر علیم میرے کرایہ کی رقم میں سے آپ کو پچاس روپیہ پیشگی دلوا سکتے ہیں یہ تحریر دکھا کر آپ لے سکتے ہیں۔ میں نے آپ کو ان سے خوب روشناس کرا دیا ہے۔

رؤف صاحب نے بغیر میری رضامندی کے کچھ مرمت کرائی ہے اس کا خرچ میں کسی طرح ادا کرنا نہیں چاہتا میں نے ان کو لکھ دیا تھا۔

ظاہر ہے ایک فروختنی مکان پر روپیہ نہیں چڑھایا جا سکتا۔

یہ بات علیم صاحب سے ملاقات کے وقت ضرور کہہ دیں۔

والسلام

میمن عبدالعزیز

(۴)

عزیزی کرمکم اللہ وعلیکم السلام

بہادر آباد، کراچی۔۵

۲۵رجولائی ۱۹۵۹ء

کرم نامہ مؤرخہ ۱۷رماہ رواں مجھے کل ۲۴ کو ملا۔ میں نے عمر میاں کو مجید صاحب کے بھیجا۔ اچکنیں پہنچ گئیں یعنی کہ سکھر کی طغیانی کا منہ نہ دیکھنا پڑا۔ مؤرخہ ۱۶رجولائی آپ کو ملا ہوگا۔ افسوس اس سے پیشتر مجھے آپ کا خط متعلق ارسال اچکن نہیں ملا۔

علی حسین میری گردن (جو گویا کہ ہے ہی نہیں) اپنی صراحی دار گردن کی طرح سمجھتے ہیں۔ مجھے پتلا اور گاؤ دم کالر چاہیے دیگر یہ کہ آپ کوئی اعلیٰ ریشمی کپڑے کی قیمتی اچکن بنوایئے مگر مضبوط۔ خیر شد

مؤرخہ ۱۶رمیں میں نے لکھا تھا کہ تین ململ کے کرتے بنوا لیتے اور ایک دو پتلی

رضائیاں۔اگر دام کی کچھ کمی پڑ جائے تو میں لڑکی کو ہدایت کر دوں گا۔

یہاں تباہی بارش سے کہیں زیادہ ہوئی ہے گویا سندھ کے واضع اوّل (سبحانہ) نے دریائے سندھ کے ہوتے ہوئے اس کے نصیب میں بارش رکھی ہی نہ تھی۔نکاسی آب کا کوئی سوال ہی نہ تھا۔

گرمی یہاں بھی بے پناہ ہے۔مجلة المجمع العلمی دمشق میں کبھی کچھ لکھتا ہوں یہاں کی مرطوب ہوا اور کچھ عمر کی شکایت ہے۔گھٹنوں کا درد موجود۔یکم اپریل سے یونیورسٹی کا تعلق ختم ہے یعنی بلا تنخواہ ہو گیا اور اب یہی حال رہے گا۔بااین ہمہ اچھا ہوں۔فالحمدللہ۔ہمارے ادارۂ اسلامیات کا چلنا مشکل نظر آتا ہے۔یہاں اس چیز سے کسی کو دلچسپی نہیں۔اشتہاری لوگ پیش پیش ہیں۔عمر میاں آنرز کے کمپلسری مضامین میں پاس ہو گئے۔کاش آپ اس کی عربی سنبھال لیتے۔آرزو صاحب کو سلام اور بے مہری کی شکایت۔سعید احمد اکبر آبادی صاحب کو سلام۔وہ کلکتہ مدرسہ کیوں چھوڑ آئے۔یہاں کیا پوزیشن ہے؟تفصیل لکھیے۔والسلام

مخلص

میمن عبدالعزیز

(۵)

عزیزی السلام علیکم ۳۰ر دسمبر ۱۹۵۹ء

عمر کے کارڈ سے معلوم ہوا کہ آپ نے کراچی خط اور رضائی بھیجی ہے۔شکریہ

میں ۲۰ر کو راجکوٹ پہنچا تھا مگر تین دن گھٹنے کا درد سخت بڑھ گیا اور حرکت کے قابل نہ چھوڑا۔آیا تھا کہ صحت ترقی کرے گی مگر......اب شاید ۱۰ جنوری یا کچھ پہلے پونہ جاؤں گا۔پتہ

Prof. A.A. Memon of Aligarh

Block No:2 Pudamji Compound

Bhawani Peth, Poona

راجکوٹ کا پتہ

Prof. A.A. Memon of Aligarh

C/o Ahmad Cycle Walla

Sadar Bazar

Rajkot. C.S.

(Saurashtra)

والسلام مع الاکرام

میمن عبدالعزیز

میں نے دہلی اور علی گڑھ کا ویزالیا ہے مگر وہاں کی سردی سے ڈرتا ہوں۔

(۲)

عزیزی اکرمک اللہ ۲۳/اپریل ۶۰ء

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ بہادر آباد، کراچی ۔۵

کرم نامہ مؤرخہ ۱۸/کل ملا۔ یہ گویا پونا کے خط کا جواب تھا بہر حال شکریہ۔ ۲۰/دسمبر کو راجکوٹ پہنچا تھا۔ ۲۳/کو گھٹنے کا درد بڑھ گیا حتیٰ کہ پونا و بمبئی ہوتا ہوا ۲۳ فروری کو لوٹا مگر درد بحالہ رہا اس لیے دہلی اور علی گڑھ کا جہاں سردی اشد ہوگی خیال ہی نہ کرسکا پھر سفر میں ضروری آرام مشکل نظر آیا۔

رضائی پہنچ گئی تھی خوب ہے اور آپ کی عنایت پر دال۔ جزاکم اللہ

یہاں مئی کے آخر میں امتحانات ہوں گے میری جگہ ڈاکٹر یوسف لیے گئے ہیں۔ خدا آپ کو کامیاب کرے۔ آمین

کوئی خاص کام نہیں کررہا۔ مجلة المجمع کے مضمون "نسخة تاسعة من ديوان ابن عنين" کی ایک قسط اور آئے گی۔

۲۰/جون تا ۲۰/جولائی دمشق رہوں گا وہاں کی وزارتِ معارف نے بلایا ہے۔

مولانا سعید احمد صاحب کو وعلیکم السلام۔

دو دن ہوئے ہمارے بے وفا شاگرد اقبال احمد انصاری (ریسرچ علی گڑھ) ملنے آئے تھے علی گڑھ کی کچھ خبریں سنا گئے۔حضرت آرزو کی آرزو تو پوری ہوگئی کیوں یاد کرتے۔

عمر، آنرز کا امتحان دیں گے۔آپ کو سلام کہتے ہیں۔

کوئی اعلیٰ ۵ روپیہ گز یا کچھ زیادہ کا اچکن کا کپڑا مضبوط لے لیجیے۔اور قیمت بتائیے تو پونا لکھ دوں۔

اگر کوئی یاد کرتا ہو تو میرا اسلام پہنچا دیں۔والسلام

الداعی

عبدالعزیز المیمنی

اب تو ویزا کی سہولت نے بجز آپ کے ہر کسی کو یہاں آنے کی دعوت دے دی ہے۔

بنام عبدالعزیز خالد

میمن منزل، کراچی

۳۰ رمئی ۵۵ء

عزیز العزیز!

السلام علیکم

بلوچ صاحب کے مورخہ ۱۲ ر کے ساتھ آپ کا کلام بھی ملا تھا۔بدحواسی اور بدذوقی کہیے کہ رکھ کر بھول گیا تا آنکہ آپ کو کل تقاضا کرنا پڑا۔

آپ اور آپ کا کرم ہمیشہ یاد رہے گا۔بڑی مسرت ہوئی کہ آپ نے ۶ ماہ میں اتنی حیرت انگیز ترقی کر لی۔اللھم زد فزد۔

میری شعروسخن کی قابلیت ہمیشہ کالعدم تھی اور اب تو ان باتوں کا چرچا ہے نہ میری

بے بضاعتی نے کہیں کا رکھا۔اگر یہ کہوں کہ آپ سے جدا ہو کر تا ایں دم کھڑے پاؤں رہا ہوں، تو کسی طرح بے جا نہ ہوگا۔

فعفوا يا صديقي وغضّا

آپ سے ملنے کو بہت جی چاہتا ہے۔اللہ میسر کرے۔

مفردات تو بحمد اللہ آپ نے کافی یاد کر لیے ہیں مگر ضرورت اس کی معلوم ہوتی ہے کہ ان کو بار بار استعمال کیا جائے۔کچھ عروضی خامیاں بھی ہیں اور کچھ نحوی بھی۔ترکیب جملہ اور عربی نظم بہت کچھ ممارست چاہتی ہے ورنہ مضمون کی شوخی میں جذبات کی فراوانی اور زبان کی روانی میں

اس نغز گو کا ہوگا مشکل سے کوئی ثانی

یا یوں کہیے: معدوم ہے جہاں میں اس نغز گو کا ثانی

افسوس آپ سامنے نہیں ہیں ورنہ عربی الفاظ کے استعمال کے متعلق کچھ مشورے پیش کرتا اور لکھنے میں بہت سست ہوں۔اللہ وقت لائے کہ آپ سامنے ہوں۔مگر بخدا عربی کے بہت سے پروفیسروں کو بھی اتنے مفردات یاد نہ ہوں گے۔کچھ نثر کی طرف بھی توجہ دیجیے۔

مخلص

عبدالعزیز میمن

بنام رجسٹرار سندھ یونیورسٹی

۲۲۔۵۔۷۴

مکرم جناب رجسٹرار صاحب، سندھ یونیورسٹی حیدر آباد

تسلیم!

بجواب آپ کے مورخہ ۳۰ را پریل نمبر

عرض ہے:

کہ میں آج قریباً ستر سال سے عربی زبان، ادب، تاریخ رجال وغیرہ نیز فارسی و اردو نوادر جمع کرنے کے لئے سرگرداں رہا۔ میں نہیں جانتا کہ ہمارے ملک میں کسی عالم نے اتنی زحمت اٹھائی ہو۔

علی گڑھ کے بعد مجھے ۵۶ء و ۵۷ء و ۵۸ء و ۶۰ء میں عربی ممالک کی سیاحت کا موقع ملا اور علی گڑھ سے ۳۔۴ گنا زیادہ کتابیں فراہم کرلیں۔

بعض کتابیں میرے پاس ۷۰ سال سے ہیں۔ عموماً پہلے طبعات از یکصد تا یکصد و پنجاہ سال وزیادہ کی مطبوعات۔ آج یہ چیزیں بازاروں میں کہیں نہیں۔

اب جبکہ میں عمر کے ۸۴ سال کو پہنچ رہا ہوں اس قابل نہیں رہا کہ ان سے واقعی فائدہ اٹھاسکوں۔

پچھلے دنوں لیاقت نیشنل لائبریری نے جناب ممتاز حسن کی ترغیب سے ان کو حاصل کرنا چاہا تھا نیز کراچی یونیورسٹی اور پنجاب یونیورسٹی وغیرہ نے ان کی قیمت تین لاکھ روپیہ لگائی گئی تھی مگر یہ لوگ اس کا نصف دینا چاہتے تھے۔

اب جبکہ میرے قویٰ جواب دے چکے ہیں میں کم از کم ڈیڑھ لاکھ میں دے دوں گا۔ اس سے کم کا امکان نہیں۔

میں نہیں جانتا کہ ہمارے کسی پرائیویٹ کتب خانہ میں یہ کتابیں پائی جائیں۔

ناچیز

میمن عبدالعزیز۔ ۳/۲۲۱ بہادر آباد، کراچی۔ ۵

بنام ڈاکٹر غلام جیلانی برق

بہادر آباد کراچی

۲۵ر جون ۱۹۶۹ء

صدیقی الکریم...... وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ

کرم نامہ ۴ر جون کا ملا بڑی تاخیر سے جواب لکھ رہا ہوں۔ایں ہم غنیمت است۔ مجھے آپ کی گذشتہ ملاقات اور مکاتبت یاد ہے خوش باش۔استفسار کا جواب حاضر ہے:

کتاب اسماء جبال تهامه۔ لعزام ابن الاصبغ الاعرابی۔یہ عہد مامون یعنی آخر قرن دوم کا آدمی ہے۔مصر میں ایک پبلشر عبدالسلام ہارون نے میرے اڈیشن پر ہاتھ صاف کر کے دومرتبہ چھاپ دی ہے۔

کسی اور نسخے کا ہمیں پتہ نہیں غیرالتی بحیدر آباد الدکن۔میری اقلید الخزانة پنجاب یونیورسٹی نے ۱۹۲۶ء میں چھاپی تھی پھر قریباً چھوٹی بڑی ۲۴ کتابیں مصروشام سے نکلیں۔

۱۔ابو العلاء وما اليه

۲۔سمط اللآلی

۳۔الفاضل للمَبرد

۴۔الوحشيات لابی تمام

۵۔التنبيهات علىٰ اغاليط الرواة

میرے تین لڑکے ہیں۔محمود، پروفیسر جغرافیہ حیدرآباد سندھ، محمد سعید تجارت، محمد عمر لاس اینجلز سے ڈاکٹریٹ لی۔میں اب کہیں بھی نوکر نہیں ہوں نہ پنشن ہے گذارہ چل رہا ہے۔۶۵ء میں صدر ایوب نے دس ہزار نقد اور ایک تمغہ دیا تھا۔

دعا گو: میمن عبدالعزیز

بنام ڈاکٹر مولانا عبدالحلیم چشتی

مکرم چشتی صاحب! سلام

۱۹/اکتوبر کی صبح آیا آپ نہ تھے۔زحمت دیتا ہوں کہ امام صاغانی لاہور (حسن ابن محمد) کے سوانح کی تلاش میں مدد فرمائیں۔

یہ کتابیں دیکھ چکا ہوں:

معجم الادباء، تاریخ الاسلام للذهبی، بغیۃ الوعاۃ، الجواهر المضیۃ وغیرہ۔طبقات حنفیہ، فوائد الفواد الی غیرها۔

والسلام

میمن عبدالعزیز

بہادر آباد، ٹیلیفون نمبر ۴۱۳۳۹

۱۹/اکتوبر

بنام حکیم نیّر واسطی

26-11-1965

محترم جناب حکیم نیّر واسطی صاحب زادفضلہ

السلام علیکم

مجھے ۴ روز کی دوا استعمال کرنے سے معمولی فائدہ ہوا ہے۔ پھر بھی یہ عوارض موجود ہیں:

۱۔ کھانے کے بعد اکثر ڈکار آتی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کھانا دیر میں نیچے اترتا ہے۔

۲۔ دو تین روز میں ایک رات فم معدہ پر ریاح کا دباؤ رہتا ہے، جس سے نیند برباد ہو جاتی ہے، پھر نصف شب کے بعد کچھ کم ہو جاتا ہے۔

۳۔ منہ کا مزہ عموماً میٹھا یا پھیکا رہتا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ ہضم کا فعل صحیح نہیں۔

۴۔ خوراک بہر حال معمولی اور خفیف ہے اور مخالف صحت نہیں۔

یہ عارضہ ممکن ہے زیادہ بیٹھنے کا نتیجہ ہو کہ گھٹنوں کے درد کے بعد چلنا پھرنا کم ہو گیا چکا ہے۔

۴۔۵ روز سے زکام ہے۔

والسلام

آپ کا دعا گو

میمن عبدالعزیز

دھوپ کے بعد یعنی ۴۔۵ بجے سے جگر کی تکلیف عموماً بڑھ جاتی ہے۔

UNIVERSITY OF THE PANJAB
ARABIC DEPARTMENT

ORIENTAL COLLEGE
LAHORE

Dated 26-11-1965

محترم جناب حکیم نیر واسطی صاحب زاد فضلہ

السلام علیکم

مجھے ۹ روز کی دوا استعمال کرنے سے معمولی فائدہ ہوا ہے۔

پھر بھی یہ عوارض موجود ہیں :-

۱- کھانے کے بعد اکثر ڈکار آتی رہتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کھانا دیر میں نیچے اترتا ہے!

۲- دو تین روز میں ایک رات قم معدہ پر ریاح کا دباؤ رہتا ہے جس سے نیند برباد ہو جاتی ہے پھر نصف شب کے بعد کچھ کم ہو جاتا ہے۔

۳- منہ کا مزہ عموماً میٹھا یا پھیکا رہتا ہے معلوم ہوتا ہے ہضم کا فعل صحیح نہیں۔

۴- خوراک بہرحال معمولی اور خفیف ہے اور مخالف صحت نہیں۔

یہ عارضہ ممکن ہے زیادہ بیٹھنے کا نتیجہ ہو کہ گھٹنوں کے درد کے بعد چلنا پھرنا کم ہو چکا ہے۔

۵- ۱۵ روز سے زکام ہے۔

والسلام

آپ کا دعاگو

عبدالعزیز میمن

[illegible]

علامہ میمن کا مکتوب بنام حکیم نیر واسطی

باب ۱۷

مکاتیبِ مشاہیر بنام علامہ میمن

علامہ میمن کے علمی روابط اس عہد کے مشاہیر علم و تحقیق سے قائم تھے۔ان مشاہیر میں نہ صرف بر صغیر پاک و ھند،عالمِ عرب کے حضرات بلکہ مستشرقین بھی شامل تھے۔یہ حضرات علامہ کی وسیع اور انسائیکلو پیڈیائی معلومات سے استفادہ کرتے بلکہ تحقیقی معاملات میں جہاں کھیں رکاوٹ آتی،علامہ سے رھنمائی کی درخواست کرتے۔علامہ میمن اپنی عادت کے مطابق ان حضرات کی بھر پور مدد کرتے ۔علامہ میمن سے جن اصحاب نے علمی رھنمائی حاصل کی یا جنھوں نے علمی روابط رکھے،اب ان کے شمار کرنایا تمام روابط پر روشنی ڈالنا ممکن نھیں۔البتہ خوش قسمتی سے مجلّة المجمع العلمی الھندی(میمن نمبر حصہ ء اوّل) میں ڈاکٹر مختار الدین احمدصاحب کی کوشش سے ان مشاھیر کے ایسے ٥٤ خطوط محفوظ ھوگئے ھیں جن سے ان حضرات کے علامہ میمن سے علمی روابط پر روشنی پڑتی ھے۔ڈاکٹر مختار الدین صاحب نے ان خطوط کے ھمراہ مفید وضاحتی حواشی بھی تحریر فرما کر ساتھ ھی شایع کیے تھے۔

اس باب میں ہم اردو داں قارئین کی سہولت کی خاطر مکتوب نگاروں کا مختصر تعارف اور خطوط کے اہم مضامین کی تلخیص پیش کر رہے ہیں۔اس کے بعد مکاتیب کے عکس مجلّة المجمع العلمی الهندی کے شکریے کے ساتھ بعینہ پیش کیے گئے ہیں۔(مولف)

مکتوب نمبر۱

یہ خط مصر کے نامور عالم اور قاضی امور شرعیہ شیخ احمد محمد شاکر (۱۸۹۲ء-۱۹۵۸ء) کا تحریر کردہ ہے۔اس خط میں شیخ نے علامہ میمن کی معروف کتاب ابوالعلاء و ما الیہ کی بلند الفاظ میں تعریف کی ہے اور بعض معاصرین (طٰہٰ حسین) نے ابوالعلاء کی شخصیت کے پردے میں اپنے الحاد کو رواج دینے کی جو مذموم کوشش کی ہے مولانا کے اس پر ریمارک کو بہت سراہا ہے۔آخر میں علامہ میمن کے لیے دعائیہ الفاظ لکھے ہیں اور دعا کی ہے کہ آنے والے وقت میں ان کے علم سے مسلمانانِ عالم،اسلام اور عربی زبان کو فائدہ پہنچے۔

مکتوب نمبر۲

یہ خط مصر کے نامور عالم استاد احمد بن علی عمر الاسکندری (۱۸۷۵ء-۱۹۴۵ء) کا تحریر کردہ ہے۔اس خط میں مکتوب نگار نے مصر کے علمی رسالے الزهراء میں علامہ میمن کے مضامین کا ذکر کیا ہے اور ان کی کتاب ابو العلاء و ما الیه کی بلند الفاظ میں تعریف کی ہے۔

مکتوب نمبر ۳

یہ خط مصر کے نامور عالم اور محقق استاد احمد ابراہیم (۱۸۸۳ء-۱۹۴۵ء) کا تحریر کردہ ہے۔اس خط میں شیخ ابراہیم نے مصر کے علمی رسالے الزھراء میں علامہ میمن کے مضامین کی تعریف کی ہے۔اس کے بعد علامہ کی کتاب ابو العلاء و ما الیہ میں ان کے طریقہ تحقیق، سلامتی نظر اور استنباطِ نتائج کی بلند الفاظ میں تعریف کی ہے۔اس کے ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ علامہ نے اپنی کتاب میں ابوالعلاء المعرّی کی بالکل صحیح تصویر پیش کی ہے۔

مکتوب نمبر ۴

یہ خط شام کے نامور عالم، محقق اور شام کی مشہور علمی اکیڈمی، المجمع العلمی العربی دمشق کے بانی علامہ ڈاکٹر کرد علی (۱۸۷۶ء-۱۹۵۳ء) کا تحریر کردہ ہے۔اس خط میں علامہ کرد علی نے المجمع العلمی العربی کا مختصر تعارف اور شام اور ہندوستانی علماء کے درمیان روابط اور خاص طور پر علامہ میمن سے رابطے کی خواہش کا اظہار کیا ہے اور علامہ میمن کی تحقیقات کے مطالعے اور ان سے اپنے تاثر کا اظہار کرتے ہوئے المجمع العلمی کے مجلّے میں اشاعت کے لیے علمی مقالات بھیجنے کی درخواست کی ہے۔

مکتوب نمبر ۵

یہ خط ڈاکٹر کرد علی نے علامہ میمن کو یہ اطلاع دینے کی خاطر لکھا کہ المجمع العلمی العربی کے اجلاس مورخہ ۲۶ جنوری ۱۹۲۸ء کو یہ فیصلہ کیا گیا کہ علامہ میمن کو اس اکیڈمی کی اعزازی رکنیت عطا کی جائے۔اور اپنا مختصر تعارف مع تصویر کے ارسال کرنے کی درخواست کی ہے۔نیز ارکان کی موجودگی میں جلسہ میں پیش کرنے کے لیے پھر اس کی مجلہ میں اشاعت کے لیے ایک مقالہ تیار کرنے کی درخواست کی ہے۔

مکتوب نمبر ۶

المجمع العلمی نے ۱۹۴۴ء میں عربی زبان کے نامور شاعر ابو العلاء المعرّی کی پیدائش کے ہزار سالہ جشن کا انعقاد کیا تھا۔اس خط میں ڈاکٹر کرد علی نے علامہ میمن سے مع مقالہ اس میں شرکت کی گزارش کی ہے۔

مکتوب نمبر ۷

یہ خط مصر کے نامور ادیب،محقق اور لجنة التالیف و الترجمة کے سربراہ ڈاکٹر احمد امین (۱۸۷۸ء-۱۹۵۴ء) کا تحریر کردہ ہے۔اس خط میں موصوف نے علامہ کی کتاب سمط اللآلی کی اشاعت کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنے ادارے کے قوانین اور ادارے کی مالی مشکلات کا ذکر کیا ہے اور کچھ کتابوں کے بھیجنے اور کچھ کتابوں کے وصول ہونے کا تذکرہ کیا ہے۔

مکتوب نمبر ۸

یہ خط شام کے نامور محقق ڈاکٹر یوسف بن رشید العش (۱۹۱۱ء-۱۹۶۷ء) کا تحریر کردہ ہے۔
اس میں انھوں نے چند امور کا تذکرہ کیا ہے۔

۱-علامہ کی وفات کے سلسلے میں کسی ہندوستانی عالم کی طرف سے عربوں کو غلط اطلاع پہنچ گئی تھی۔اس کے غلط ہونے پر مسرت کا اظہار کیا ہے۔

۲-علامہ میمن کی کتاب مصنفہ عرام بن الاصبغ کی تحقیق وتدقیق پر مبارک باد دی ہے۔

۳-اپنی چند کتابیں مولانا کی خدمت میں ارسال کرنے کی اطلاع دی ہے۔

۴-اپنی بعض زیر تالیف کتابوں کا تذکرہ کرتے ہوئے خاص طور پر زیر تالیف کتاب نشأة التدوین فی الاسلام کے سلسلے میں مراجع یا معلومات کے ذریعے تعاون کی گزارش کی ہے۔

۵-علامہ سے درخواست کی ہے کہ استنبول، نجف اور خاص طور پر ہندوستان کے کتب

خانوں میں محفوظ قیمتی مخطوطات سے مطلع کریں۔

مکتوب نمبر ۹

یہ خط شام کے نامور محقق اور شاعر ڈاکٹر زکی المحاسنی (۱۹۰۹ء۔۱۹۷۲ء) نے بڑے محبت اور احترام آمیز الفاظ میں لکھا۔اس کی ابتدا میں علامہ میمن کے علم وفضل کا اعتراف اشعار کی صورت میں کیا ہے جن میں وہ لکھتے ہیں:اے عبدالعزیز تم اہلِ علم ودانش کے لیے سرچشمہء فیض اور میدانِ علم میں تابندہ سورج کی طرح ہو۔میں تمنا کرتا ہوں کہ بادلوں کے دوش پر اڑتا ہوا اور تمھاری نغمہ سرائی کرتا ہوا لاہور پہنچ جاؤں (اس وقت علامہ میمن کا قیام لاہور میں تھا)۔آگے لکھتے ہیں کہ علامہ میمن سے علم وادب نے اپنی معراج کو پالیا اور ادبی وسعتوں کے میدان میں ان کی تخلیق گنگناتی رہتی ہے۔مجھے علامہ میمنی راجکوٹی کی شخصیت سے متعارف ہونے کا شرف حاصل ہوا ہے جن کا ابوالعلاء المعرّی بھی مشتاق ہے۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ معرّی کی روح علامہ میمنی کی شکل میں دوسرا جسم پاگئی ہے اور وہ دوبارہ ہمارے درمیان آکر دنیا کو دیکھ رہا ہے اور خوشیاں منا رہا ہے۔

اس کے بعد علامہ میمن کی تعریف میں لکھتے ہیں کہ جاحظ نے کسی شخص کے بارے میں لکھا تھا کہ دنیا میں عربی زبان کا اس سے بڑا کوئی عالم نہیں اور میں کہتا ہوں کہ صرف دنیا ہی نہیں بلکہ اب تک جتنے ستارے اور سیارے انسان نے دریافت کیے ہیں،ان سب میں ہندوستانی ادب وتاریخ ہی نہیں بلکہ دین،ادب اور تاریخ اسلام کا کوئی عالم علامہ عبدالعزیز میمنی سے بڑا نہیں۔اس کے بعد علامہ میمن کی کتاب ابوالعلاء کی تعریف کی ہے اور اپنی کتاب ابو العلاء ناقد المجتمع کا تذکرہ و تعارف کرایا ہے اور اس پر تبصرہ کی درخواست کی ہے نیز اپنی کتاب شعر الحرب فی أدب العرب کے عنقریب بھیجنے کی اطلاع دی ہے۔آخر میں علامہ کے لیے دعائیہ الفاظ تحریر کیے ہیں۔

مکتوب نمبر ۱۰

یہ خط شام کے نامور محقق ڈاکٹر محمد اسعد طلس (وفات ۱۹۵۹ء) نے بڑے احترام آمیز الفاظ میں علامہ میمن کو لکھا ہے جس میں ان کو عربوں کے لیے حجت قرار دیا ہے۔علامہ نے ۱۹۳۵ء میں

عالمِ اسلام کا طویل علمی سفر کیا تھا' اس سفر میں شام بھی جانا ہوا تھا' اس سفر سے واپسی پر ڈاکٹر محمد اسعد طلس نے آپ کی خدمت میں یہ خط لکھا تھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ علامہ کی جدائی کا انھیں سب سے زیادہ غم ہے۔ پھر انھوں نے اپنے والد کی وفات کی وجہ سے خط لکھنے کی تاخیر پر معذرت کی ہے۔ پھر اپنی کتاب سرّ الفصاحۃ کی تنقیح کے سلسلے میں مشورہ طلب کیا ہے' اور ہندوستان میں نظامِ دکن' مدرسۂ نظامیہ' ابتدائی مدارس اور تعلیم کے سلسلے میں مسلمانوں کی کوششوں سے متعلق معلومات طلب کرتے ہوئے ذکر کیا ہے کہ یہ سب معلومات اسلام اور تعلیم سے متعلق میری زیرِ تالیف کتاب کے لیے نہایت ضروری ہیں۔

مکتوبات نمبر ۱۱ تا ۱۵

یہ خطوط شام کے نامور عالم اور عربی زبان کے محقق عزّ الدین تنوخی (۱۸۸۹ء-۱۹۶۶) کا تحریر کردہ ہیں۔

مکتوب نمبر ۱۱

اس خط کی ابتدا چند تأثراتی اشعار سے کی ہے جن میں اپنے دل کے جذبات اور علامہ سے اپنی بے پناہ محبت کا اظہار کیا ہے۔ اس میں وہ لکھتے ہیں: یہ خط میں علامہ عبدالعزیز میمنی کو لکھ رہا ہوں جن کا خط میرے دل میں محبت پیدا کرتا ہے۔ جب دل میں محبت راسخ ہو تو دوری کوئی چیز نہیں۔ ممکن ہے ہم دونوں شام یا سندھ میں اکٹھے ہوں۔

پھر چند مخطوطات کے سلسلے میں تفصیل سے گفتگو کی ہے، اور بعض عربی الفاظ کی تحقیق میں علامہ میمن کی رائے طلب کی ہے۔

مکتوب نمبر ۱۲

خط کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ میمن نے ان سے دمشق کے سفر اور کچھ دن وہاں کے قیام کا اظہار کیا تھا (غالباً یہ سفر ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کے لیے حصولِ کتب کی خاطر ہونے والے سفر کے ضمیمے کے طور پر تھا' علامہ میمن وہاں قیام کر کے مزید کتابیں حاصل کرنا چاہتے تھے

)اس سلسلے میں حکومتی سطح پر اپنی کوششوں کا تنوخی صاحب نے تذکرہ کیا ہے، پھر علامہ کی منقبت میں چند اشعار پیش کیے ہیں اور اپنی زیر تحقیق کتاب الأبدال کے سلسلے میں پیش رفت کا تذکرہ کیا ہے ،اور اس کے لیے علامہ میمن کی معاونت کا تذکرہ کیا ہے،اور کتاب پر پیش لفظ کے لیے مولانا سے ان کا وعدہ یاد دلایا ہے۔

مکتوب نمبر ۱۳

یہ مکتوب اشعار کی صورت میں ہے۔جس میں دمشق کے سفر کے لیے حکومتی طور پر منظوری اور علامہ میمن کے سفر پر اپنی بے پناہ خوشی کا اظہار کیا ہے، اور علامہ میمن کے والد کے انتقال پر تعزیت کی ہے۔اور علامہ کے لیے دعائیہ اشعار بھی لکھے ہیں جن میں کہتے ہیں کہ اللہ آپ کو نوے سال تک صحت و عافیت اور طاقت اور دین وسلامتی کے ساتھ قائم رکھے۔

مکتوب نمبر ۱۴

اس خط میں علامہ کے دمشق کے قیام کا تذکرہ اور اہل عرب کی قدردانی اور آپ کے فضل وتفوق کا عربوں کی طرف سے اعتراف کیا ہے۔

مکتوب نمبر ۱۵

خط کی ابتدا نہایت بے تکلفانہ انداز میں شکایت سے کی ہے کہ ہمیں آپ سے اتنی محبت اور ایسا تعلق ہے تو کیا ہم ہی خط لکھتے رہے اور ادھر سے جواب نہ آئے ! پھر اپنی تین زیر تحقیق کتابوں کا تذکرہ کیا ہے اور محبت بھرے اشعار پر خط کو ختم کیا ہے۔

مکتوب نمبر ۱۶

اس خط میں محمد بن عمر العلوی تحریر کرتے ہیں کہ انھوں نے علامہ کے مقالات مـــجـــلّـة ـــــ

الــــــزھـــــــراء میں پڑھے اور وہ علامہ کی دقت نظر اور تحقیق سے متاثر ہوئے۔خاص طور پر عبدالقادر بغدادی کی کتاب خزانۃ الادب پر علامہ کی تعلیقات اور حواشی کی تعریف کی ہے۔

مکتوب نمبر ۱۷

یہ خط مصر کے محقق اور ماہرِ مخطوطات فؤاد بن سیّد عمارہ (۱۹۱۶ء-۱۹۶۷ء) کا تحریر کردہ ہے۔اس خط میں مکتوب نگار نے علامہ کی صحبت میں گزارے ہوئے پُرکیف لمحوں کا تذکرہ کیا ہے اور علامہ کی خدمت میں کچھ کتابوں کے بھیجنے کی اطلاع دی ہے۔

مکتوب نمبر ۱۸

یہ خط ترکی کے بین الاقوامی شہرت یافتہ محقق ڈاکٹر فواد سیزگین (پیدائش:۱۹۲۴ء) کا تحریر کردہ ہے۔اس خط میں انھوں نے علامہ میمن کو شــرح الـحـمـاسـة لابـی ریـاش اور شـرح الکامل کی مائیکروفلمیں بھیجنے کا ذکر کیا ہے۔

مکتوب نمبر ۱۹

یہ خط شام کے محقق اور شاعر ڈاکٹر عدنان الخطیب (۱۹۱۵ء-۱۹۹۵ء) کا تحریر کردہ ہے۔اس خط میں علامہ کو دعوت دی گئی ہے کہ مـجـمـع اللغة العربیة دمشق کے بانی ڈاکٹر کرد علی کی پیدائش کی صد سالہ تقریبات میں شرکت کریں جو ۱۹۷۶ء کے موسمِ گرما میں منعقد ہونے والی تھی۔ساتھ ہی یہ بھی درخواست کی کہ اس موقع پر ڈاکٹر کرد علی سے متعلق زیرِ طبع کتاب کے لیے اپنا مقالہ روانہ فرمائیں۔

مکتوب نمبر ۲۰

یہ خط عراقی ادیب و شاعر ڈاکٹر حسین علی محفوظ (پیدائش ۱۹۲۶ء) نے علامہ کے نام اس

درخواست کے ساتھ لکھا کہ مشاہیر ادباء کے حالات سے متعلق ان کی زیر تکمیل کتاب سدنة العلم والأدب کے لیے اپنے حالاتِ زندگی اور تصویر روانہ فرمائیں۔

مکتوبات نمبر ۲۱ تا ۳۴

یہ خطوط عربی زبان کے نامور محقق اور علامہ میمن کے علی گڑھ کے قریبی دوست ڈاکٹر محمد سالم کرینکو (۱۸۷۶ء-۱۹۵۳ء) کے تحریر کردہ ہیں۔ ڈاکٹر کرینکو کا تعلق جرمنی سے تھا اور اسلام قبول کرنے سے قبل ان کا نام فریٹز کرینکوف تھا۔ ان خطوط میں کئی علمی و تحقیقی موضوعات کا ذکر کیا ہے، جن میں عربی زبان کے مشہور لغت لسان العرب میں موجود اغلاط کی تصحیح بقلم علامہ میمن، علامہ میمن کی تحقیق کے بعد شائع شدہ کتاب زیادات شعر المتنبی، کتاب التصحیف کی تصحیح، کتاب النوادر، علامہ میمن کی جانب سے بھیجی گئی ان کی کتاب سمط اللالی کا شکریہ، دیگر کتب کی تحقیق سے متعلق استفسارات اور بعض تحقیقات سے اپنے اختلاف کا اظہار بڑے احترام و ادب سے کیا ہے، اس کے علاوہ علامہ میمن کی جانب سے بھیجے گئے تحائف کا شکریہ، اپنی اور اپنی اہلیہ کی علالت کا ذکر اور کئی تحقیقی موضوعات کا ذکر کیا ہے۔ مکتوب نمبر ۳۴ کے بعد ڈاکٹر کرینکو کے تین انگریزی خطوط بنام ڈاکٹر مختار الدین احمد بھی پیش کیے جارہے ہیں۔ یہ خطوط اس زمانے کے ہیں جب ڈاکٹر مختار صاحب علامہ میمن کی زیر نگرانی الحماسة البصریّة پر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے ڈاکٹریٹ کا مقالہ لکھ چکے تھے اور یونیورسٹی نے ڈاکٹر کرینکو کو بیرونی ممتحن مقرر کیا تھا۔ وہ اس وقت کیمبرج میں مقیم تھے۔ ان خطوط میں انھوں نے ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب کی محنت کی تعریف کی اور بعض مفید مشورے بھی تحریر فرمائے۔

مکتوب نمبر ۳۵

یہ خط ہالینڈ سے تعلق رکھنے والے نامور مستشرق فان آرندونک (۱۸۸۱ء-۱۹۴۶ء) کا تحریر کردہ ہے۔ اس میں مکتوب نگار نے اپنے پاس موجود کتاب اصلاح المنطق کے مخطوطے کا پورا

تعارف کرایا ہے، اور ڈاکٹر عابد احمد علی اس کتاب پر جو تحقیقی کام کر رہے تھے اس تحقیق کے مسودے کے اپنے مخطوطے سے مقابلے کی خواہش اور اس کے لیے اپنی آمادگی ظاہر کی ہے اور آخر میں اپنے دوست مشہور مستشرق وینسنک کی بیماری کا تذکرہ کیا ہے۔

مکتوب نمبر ۳۶

یہ خط جرمنی سے تعلق رکھنے والے ادب عربی کے فاضل جوزف فیوک نے لکھا۔ انھوں نے ابن ندیم کی مشہور کتاب الفھرست پر تحقیق کی۔ علامہ نے الفھرست کے مخطوطے کا کچھ حصہ ان کو عاریتاً بھیجا تھا اس پر شکریہ ادا کیا ہے اور جے پور اور ٹونک میں موجود الفھرست کے نسخوں کا تذکرہ کیا ہے۔

مکتوب نمبر ۳۷

یہ خط جرمنی سے تعلق رکھنے والے نامور مستشرق اور ماہر عربی زبان و ادب ہیلمٹ رٹر (۱۸۹۲ء-۱۹۷۱ء) کا تحریر کردہ ہے۔ علامہ نے نوادر أبی مسحل کے قلمی نسخے کے ذریعے مکتوب نگار کا تعاون کیا تھا جس پر وہ بے انتہا مشکور ہیں اور علامہ کی صحت اور عمر درازی کے لیے دعا گو ہیں۔ اخیر میں ترکی سے نئی شائع ہونے والی کتابوں کا تذکرہ کیا ہے، اور بہت سی معلومات دیگر ممالک کے نوادرات کے متعلق موجود ہیں۔

مکتوبات نمبر ۳۸، ۳۹

یہ خطوط پولینڈ سے تعلق رکھنے والے نامور مستشرق روڈولف گائر (۱۸۶۱ء-۱۹۲۹ء) نے لکھے تھے۔ مکتوب نگار اس زمانے میں دیوان الاعشیٰ پر تحقیق کر رہے تھے۔ اس بارے میں انھوں نے علامہ میمن سے معاونت کی درخواست کی جس پر علامہ نے الاعشیٰ کے کلام مخزونہ رامپور

رضا لائبریری سے مقابلہ کرنے کا مشورہ دیا۔مکتوب نگار کی درخواست پر یہ کام بھی علامہ میمن نے علمی معاونت کے طور پر انجام دیا جس کا مکتوب نگار نے شکریہ ادا کیا ہے۔بعد میں انھوں نے دیوان الاعشیٰ کے مقدمے میں بھی علامہ کا بلند الفاظ میں شکریہ ادا کیا۔

مکتوب نمبر۴۰

یہ خط جرمنی سے تعلق رکھنے والے نامور مستشرق البرٹ ڈیٹریچ (پیدائش۱۹۱۲ء) نے لکھا جو ہیلمٹ رٹر کے شاگرد تھے۔مکتوب نگار نے اپنی زیر تحقیق کتاب الجلیس الصالح الکافی والانیس الناصح الشافی کے سلسلے میں مخطوط مخزونہ شروانی کلکشن،علی گڑھ اور خدا بخش لائبریری کے مخطوطے کے بارے میں معلومات طلب کی ہیں،اور اس سلسلے میں تعاون کی درخواست کی ہے۔

مکتوب نمبر۴۱

یہ خط شیخ خلیل عرب (۱۸۸۶ء-۱۹۶۶ء) کا تحریر کردہ ہے جو عربی زبان وادب کے نامو استاد اور علامہ میمن کے قریبی دوست تھے۔اس خط میں انھوں نے علامہ میمن کی جانب سے بھیجے گئے اجازت نامے کا بہت شکریہ ادا کیا ہے۔علامہ کی عربی تحریر کی بلند الفاظ میں تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ علامہ میمن ان کی نظر میں نادرۃ الزمان فخر الاوان،زینۃ المتاخرین اور ذکری المتقدمین ہیں۔

مکتوب نمبر۴۲

یہ خط مولانا محمود حسن ٹونکی (۱۸۶۴ء-۱۹۴۷ء) کا تحریر کردہ ہے جو اس زمانے میں اپنی معروف کتاب معجم المصنفین پر کام کر رہے تھے۔اس مکتوب میں انھوں نے زیر تصنیف

کتاب معجم المصنّفین کے سلسلے میں بعض کتابوں کے روانہ کرنے اور بعض صحیح اطلاعات دینے پر علامہ میمن کا شکریہ ادا کیا ہے اور الفہرست کے نسخہ ٹونک کا علامہ نے تقاضا کیا تھا اس سلسلے میں تفصیل سے عرض کیا ہے۔

مکتوب نمبر ۴۳

یہ خط عربی زبان کے ادیب اور شاعر مولانا عبدالرحمٰن کاشغری ندوی (۱۹۱۲ء-۱۹۷۱ء) کا تحریر کردہ ہے۔خط کے جواب میں تاخیر پر معذرت کرتے ہوئے اپنے علمی کاموں میں مشورہ اور تعاون طلب کیا ہے۔

مکتوب نمبر ۴۴

یہ خط عربی زبان کے عالم اور محقق شمس العلماء ڈاکٹر عمر بن محمد داؤد پوتہ (۱۸۹۷ء-۱۹۵۸ء) نے بمبئی سے لکھا، جو اس زمانے میں سندھ کی فتح سے متعلق مستند اور قدیم ترین کتاب فتحنامہء سند عرف چچنامہ پر تحقیق کر رہے تھے۔ابتدا میں انھوں نے علامہ کے اخلاق ،مہمان نوازی، علمی گہرائی کی بلند الفاظ میں تعریف کی ہے۔اسکے بعد علامہ سے چچنامہ سے متعلق تحقیق میں معاونت کی درخواست کی ہے اور لکھا ہے کہ سندھ ومکران سے متعلق چچنامہ میں لکھے اشعار ملاحظہ فرمائیں اور اگر اغلاط نظر آئیں تو ان کی تصحیح فرمائیں۔

مکتوبات نمبر ۴۵ تا ۴۹

یہ خطوط نامور عالم دین اور مورخ علامہ سیّد سلیمان ندویؒ (۱۸۸۴ء-۱۹۵۳ء) کے تحریر کردہ ہیں۔ابتدا میں انھوں نے علامہ میمن کی مہمان نوازی کا شکریہ ادا کیا ہے اور اس کے بعد علامہ کی کتاب ابو العلاء وما الیہ کی اشاعت کے لیے مفید مشورے دیے ہیں۔اس کے

بعد دارالمصنفین اعظم گڑھ کے کتب خانے میں محفوظ امثال پر تین کتب کا ذکر کیا ہے۔اگلے خطوط میں علامہ میمن کی کتاب ابو العلاء و ما الیہ کی دارالمصنفین سے طبع ہونے کی صورت میں طباعت ،اخراجات، تقسیم اور قیمت وغیرہ کی تفصیلات تحریر کی ہیں۔آخر میں علامہ میمن کو شام کی نامور علمی اکیڈمی المجمع العلمی العربی کی جانب سے رکنیت عطا کیے جانے پر مبارکباد دی ہے۔

مکتوبات نمبر ۵۰ تا ۵۲

یہ خطوط شمس العلماء کمال الدین احمد کے تحریر کردہ ہیں۔ان خطوط میں زیادہ تر علامہ میمن کی مدرسہ عالیہ کلکتہ میں تقرری کے سلسلے میں اپنی کوششوں کا تذکرہ کیا ہے،اور وہاں کس طرح عربی ادب سے بے اعتنائی برتی جارہی ہے اس کا بھی ضمناً تذکرہ کیا ہے۔اور علامہ میمن سے ان کی کتب طلب فرمائی ہیں اور جو کتب پہنچ گئیں ان کا شکریہ ادا کیا ہے۔

مکتوب نمبر ۵۳

یہ خط عربی زبان کے محقق اور سابق صدر شعبہء عربی الہ آباد یونیورسٹی، ڈاکٹر زبید احمد (وفات ۱۹۶۲ء کراچی) کا تحریر کردہ ہے۔اس خط کے ساتھ انھوں نے اپنے ڈاکٹریٹ کا مقالہ *The Contribution of India to Arabic Literature* بھی روانہ کیا اور درخواست کی کہ اگر اس میں کوئی غلطی نظر آئے تو مطلع فرمائیں۔یہ مقالہ ڈاکٹر زبید احمد نے لندن یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے حصول کی خاطر لکھا تھا جس پر انھیں یہ ڈگری ۱۹۲۹ء میں لندن یونیورسٹی نے عطا کی تھی۔اس معلومات افزا مقالے کا اردو ترجمہ ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور کی جانب سے شائع ہو چکا ہے۔بعد ازاں اس کتاب کا عربی ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

مکتوب نمبر ۵۴

یہ خط سابق صدر شعبہء عربی عثمانیہ یونیورسٹی (حیدرآباد دکن) و ڈائریکٹر دائرۃ المعارف ثانیہ حیدرآباد ڈاکٹر عبدالمعید خان (۱۹۱۰ء-۱۹۷۳ء) کا تحریر کردہ ہے۔اس خط میں انھوں نے علامہ میمن کے خط کا شکریہ اور قاہرہ یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے کا ذکر کیا ہے۔اس کے بعد اپنی زیر تحقیق کتاب التشبیھات المشرقیة کا ذکر کیا ہے اور اس کے کسی مخطوطے کا علم ہونے پر مطلع کرنے کی درخواست کی ہے۔

رسائل التي وردت إلى الأستاذ الميمني

— (١) —

من الأستاذ أحمد محمد شاكر

مصر

١٠ جمادى الأولى ١٣٤٦

إلى الأخ العالم الباحث المنقب السيد عبد العزيز الراجكوتي الميمني

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته

قرأت كتابكم « أبو العلاء وما إليه » وما اعتدت تقريظ كتاب ، فلم أملك قلمي عن الكتابة إليكم . وجدتكم أوفيتم البحث حقه واستوعبتم كل ما يستحقه موضوعه عن الأدلة والحجاج. مع دقة نظر وحسن ترتيب .

ولقد أخذ بلبي انصافكم القول في شأن « أبي العلاء » فانّ رجلاً من أهل عصرنا يريد أن ينشر بين المسلمين إلحاده حاول أن يأخذ على « أبي العلاء » كلمات — لعله لم يحسن فهمها — ليذيع بين الناس أنّ له إماماً يتبع طريقه فأجهد نفسه و أتعب كاتبه وأخرج للقراء كتاباً يزعم به انه نحو جديد من التأليف . وما هو بجديد ولا بقديم .

و أرجو أن تقبل تهنئتي على ما أوتيت من بسطة في العلم و من سعة في الاطلاع ومن قدرة على امتلاك ناصية القول و أسئال الله أن يزيدك من فضله . وأن ينفع بك العرب و اللغة العربية ، و المسلمين و الاسلام . والسلام

كتبه

أحمد محمد شاكر

— (٢) —

من الأستاذ أحمد الاسكندري

مصر

١٥ صفر ١٣٤٦

إلى أخي الأستاذ الكبير والعلامة الجليل الشيخ عبد العزيز الميمني الراجكوتي — حفظه الله —

أخي كنت أقرأ بسرور كثير و إعجاب عظيم تلك الرسائل الجليلة ذوات البحوث الدقيقة التي كنت تتحف بها قرّاء مجلة « الزهراء » . وكنت أحرص على اقتنائها بعد جمعها كتباً . وما كدت أسمع بأن المطبعة السلفية —

تطبع لك كتاباً فى حياة أبى العلاء و أدبه حتى بادرت إلى قراءة الجزء الأول منه قبل أن يتمّ طبع ما ألحق به .

والحق أقول إنى قلما قرأت لأديب معاصر بحثاً فى أدب القدماء وشؤون حياتهم بمثل ما قرأت فى كتابك الكريم من استقامة مذهب ونصفة حكم و نزاهة جدل و تأويل متشابه و تفتيح بحث وتزييف باطل وجه مغرور .

ولقد استفدت منه فى نفسى و درسى واقتبست منه وعزوت إليه فلله أنت و لله بلاد أنجبت مثلك . ولله ما أعنت طلاب العربية وما زدت فى ثروة آدابها .

فجزاك الله عن الأدب العربى و أهله خيراً وأكثر فى حماة العربية من أمثالك و مدّ فى أجلك و أمتع بأدبك والسلام عليكم ورحمة الله .

أحمد الاسكندرى

مدرس تاريخ الأدب وفقه اللغة بدارالعلوم بمصر

— (٣) —

الشيخ أحمد إبراهيم

[القاهرة
١٣٤٦]

إلى الأخ الفاضل رب العلم والأدب الأستاذ عبد العزيز الراجكوتى

أشكر لمجلة « الزهراء » أن عرّفتنا بمحقق فذّ مثلك معرفة أحلتك منا محل المحب المكرم . و لقد كنتُ أترقب صدور أجزاء هذه المجلة الممتعة بفروغ صبر حتى إذا ظفرت منها ببحث من أبحاثك القيمة المتينة أكون كأنى قد عثرت على كنز ثمين . و ما زلت كذلك حتى زفت إلينا البشرى بطبع كتابك « أبو العلاء و ما إليه » فما كان أشوقنى إليه لما أعلمه من سابق فضل مؤلفه و دقة بحثه و غزارة علمه . و لقد ظفرت من ذلك بأمنيتى إذ وجدت الكتاب على ما كنت أتوقع : استيعاب للبحث و إحاطة كلية بما يتطلبه المقام وسلامة نظر ونقد يقظ بصير وانصاف فى الحكم بحسب ما تؤدّى إليه المقدمات واحتياط فى كل ما يحكيه عن أبى العلاء سواء أكان له أم عليه مما لا يصدر إلا عن المؤرخ الخبير المنصف

و لقد كنت ايها الأستاذ الجليل موفقاً فى كل ما كتبت حتى كأنك لشدة مخالطتك لكل ما أثر عن هذ الرجل و قوة اتصالك بـه و بكل ما كان يحيط بـه واستنباطك — بفضل الله تعالى ونعمته — ما استنبطته مما حدثنا بـه عنه قد تغلغلت إلى أعماق نفسه ونفذت ببصيرتك إلى ما انطوت عليه جوانحه فلم يغادر قلمك صغيرة و لا كبيرة من شؤونه الا أحصاها . فلقد تناولته من جميع نواحيه و حللته أيما تحليل فكنت فى صنيعك هذا كأمهر المصورين إذ أخرجت للناس صورة صحيحة جلية لأبى العلاء صورتها يد الأمانة تصوير من أحاط بصاحبها خبراً نفع الله بك الأدب والعلم، و بارك فيك وكان لك ناصراً و معيناً .

كتبه

أحمد إبراهيم إبراهيم

أستاذ الشريعة الاسلامية بكلية الحقوق بالجامعة المصرية

— (٤) —

الأستاذ محمد كرد على

دولة سوريّة

وزارة المعارف

المجمع العلمى العربى

دمشق ٢ كانون الأول ٩٢٧

حضرة العلامة الأستاذ السيد عبدالعزيز الراجكوتى فى كلية عليكڑ المحترم

يودّ المجمع العلمى العربى فى دمشق صلة علمية مع علماء بلادك لاسيما حضرتك لما علمنا من شدة ولوعك بالآداب العربية تلك غاية المجمع و أمانيه التى يسعى إلى تحقيقها. وقد أرسلت إلى حضرتك فى البريد العددين الأخيرين من المجلة ط و نسخة من تقريرنا بأعمال المجمع خلال السنة الماضية فمنها تدركون الغاية التى نحن بصددها. ولا يخفى عليك ما يكون من الفوائد العلمية فى تقوية من علماء بلادنا و علماء القطر الهندى

المبارك . ولما قرأنا شيئاً كثيراً من مباحثك و ما نشرته من المؤلفات فی العربية نرجـوا أن تتحفنا بنبذة من آثارك فننشرها فی المجلة الشهرية و أن تتفضل بإرسال مجموعة من آثارك فيكون ذلك سبيلاً للتعارف و التألف ، حفظك الله و أدام نفعك .

ريئس المجمع العلمی العربی
محمد کرد علی

— (٥) —

دولـة سورية
وزارة المعارف
المجمع العلمی العربـی
دمشق ٢٧ كانون الثانی ١٩٢٨

إلی حضرة العلامة الأستاذ السيد عبد العزيز الراجكوتی المحترم

بالنظر لما يعلم المجمع العلمی العربی فی دمشق من غزارة فضلك وسعة اطلاعك وتفانيك فی خدمة اللغة العربية وآدابها... فی جلسته المنعقدة فی ٢٦ كانون الثانی سنة ١٩٢٨ باجماع الآراء انتخابك عضواً مؤازراً فيه... وتكون له عوناً علی القيام بمهمته فی إعلاء شان اللغة و رفع قدرها ورجائی أن تتفضل بارسال ترجمة حياتك الشريفة وصورة من صورك الشمسية لضمها إلی تراجم الاعضاء. وأن تتحفنا بمقالة أو موضوع تختاره من قلمك «أطروحة» تتلی فی جلسة عامة بحضور الأعضاء يوم يعلن قبولك عضوية المجمع، ثم ننشره فی المجلة إظـهاراً لفضلك ، و السـلام عليك .

ريئس المجمع العلمی العربی
محمد کرد علی

— (٦) —

الجمهورية السورية
المجمع العلمی العربـی
دمشق فی ٢٤ اذار ١٩٤٤

حضرة الأستاذ السيد عبد العزيز الراجكـوتی المحترم

قرّر المجمع العلمی العربی بدمشق إقامة مهرجان لمرور ألف سنة علی

مولد أبى العلاء المعرى، يفتتح فى دمشق يوم الاثنين الثامن من شوال سنة ١٣٦٣ الموافق للخامس و العشرين من شهر ايلول سنة ١٩٤٤ ويستمر أسبوعاً. ويسرّ المجمع أن تلقوا كلمة فى هذا المهرجان . فالرجاء أن تتفضلوا باعلامنا عن مؤافقتكم بالاجابة وعن عنوان كلمتكم بأسرع مايمكن لنتمكن من ترتيب البرنامج العام و رسم هيكل الكتاب الذى سيشتمل على جميع ما سيلقى فى المهرجان. وما نحن أولاء بانتظار جوابكم، ودمتم بسلام واحترام.

— (٧) · رئيس المجمع العلمى العربى

الأستاذ أحمد أمين ... محمد كرد على

Association of Authorship
Translation & Publication
Tel. : 4 2 9 9 2

9, Sharh EL-Kirdassi Abdina
Cairo

[١٩٣٧]

حضرة الفاضل الأستاذ عبد العزيز الميمنى

سلام عليكم ورحمة الله

وصلنى خطابكم وأنا آسف أشد الأسف لتأخرى فى الردّ عليكم إذ كنت مسافراً لأداء فريضة الحج ، وأحب أن أردّ عليكم فى النقط التى سألتم عنها :

١. تقضى الشروط التى بيننا أن ترد إليكم اللجنة ما دفعتموه فى تكاليف «سمط اللآلى» ، ثم تسترد اللجنة ما دفعت ثم يأتى الربح بعد ذلك فيكون بين الطرفين على النسبة المبينة فى الشروط . والآن قد استوفيتم كل ما دفعتم و لم تستوف اللجنة ما دفعت . وقد عرضت المسألة على مجلس الادارة فرأى أن تنفذ الشروط بالدقة خصوصاً و أن حالة اللجنة المالية لاتسمح باجابة طلبكم مع الأسف ، و إذا وجد مشتر يشترى الكتاب صفقة واحدة لانتأخر من بيعه له ثم نعطيكم بعد ذلك نصيبكم منه و لكن أين هو؟

٢. وقد أرسلت إليكم اليوم نسخة من كتاب « الطرائف الأدبية » فى البريد الجوى لاطلاعكم عليها سريعاً.

٣ وصلتنى دواوين الشعراء الثلاثة كعب و حميد و سحيم وكتاب الفاضل والمفضول للمبرد ومع الأسف لا أرى طبع « ديوان كعب بن زهير » لأنّ دار الكتب المصرية طبعته على نفقتها و سيتم قريباً فاذا

طبعناه بعد ذلك لايكون له رواج . و أما الكتب الباقية فسأعرضها على مجلس الادارة لطبعها وسأخبر حضرتكم قريباً بما يتم
وسأرسل إليكم غداً «ديوان الفرزدق» طبعة الصاوى حسب طلبكم والسلام
أحمد أمين

— (٨) —

القاهرة الدكتور يوسف العش
٢٥/٢/٩٤٧

حضرة الصديق العلامة الأستاذ عبد العزيز الميمنى أبقاه الله و أطال عمره .

كم سررت بكتابكم الرقيق الممتع وحمدت الله على بقائكم فى الحياة ذخراً للعربية و الاسلام . و بُعداً لذلك الأستاذ الهندى الذى نغص علينا بخبر فزعنا فيه إلى الكذب و سحقاً للخبر شاع وانتشر حتى ظنناه أمراً واقعاً فبعثنا بدعوات الرحمة إلى حىٍّ يرزق وعسى أن يكون الله عزوجل تقبل الدعوة على أنها دعاء بالبقاء وطول العمر و نفذ سابق علمه فطالت حياتكم أجيالاً أخرى .

و بعد فقد بلغت تحياتكم إلى من اجتمعت بهم ممن حييتموهم فسرّوا بالتحية و أكثر من التحية بوجودكم . ورحم الله الأستاذ الاكبر الشيخ مصطفى عبد الرزاق توفى إلى رحمة الله قبل أن يبلغه خبر بقائكم بين الأحياء ، توفى من نحو من أسبوع فبكى عليه الناس بكاءً شديداً .

إن كتاب عر‍‍ام٢ آية فى التحقيق وتحفة فى المعرفة . بارك الله فيكم إذا اخرجتموه ومدّ فى عمركم لتخرجوا آياتكم الأخرى .

أرسل اليكم مع البريد كتباً ثلاثةً أخرجتها منذ افترقنا وهى :
١ — تصنيف العلوم و المعارف [لدارالكتب الأهلية الظاهرية]
٢ — الخطيب البغدادى — مؤرخ بغداد ومحدثها .
٣ — قصة عبقرى (وهى قصة الخليل بن أحمد الفراهيدى) .
وقد أخرجت كتابين آخرين لم ينشرا بعد بين الناس واحدهما فهرس دارالكتب الظاهرية (قسم التاريخ) ، و فهارس هذا الفهرس تطبع الآن

بعد أن تمّ طبع وصف الكتب منه ، و الآخر كتاب « تقييد العلم للخطيب البغدادي» وهو منجز مطبوع طبعه المعهد الفرنسي بدمشق ولم يرد أن ينشره الا بعد أن يعود إلى دمشق وقد كان أخرج منها مع الافرنسيين. وعندي تآليف أخرى لم تطبع . وعسى أن أفيد من علمكم الجمّ بشأن أحدها وهو « نشأة التدوين في الاسلام » وقد وجدت شواهد عديدة تدل على أن التدوين ابتدأ من أول عصر للاسلام بل ألفت بعض الكتب في أواخر العصر الأموي. وكم أكون ممتناً لكم لو اسعفتموني بما تيسر لكم من دلائل عن هذا الأمر في غير الكتب المروفة المتداولة التي هي مظنة فيه وقد رجعت إليها جميعاً و أظن أني أفيد من أسماء الكتب التي رأيتموها أو سمعتم بها مما ألف في العصر الأموي . ومن واجبي الا استفيد مما تتفضلون بذكره الا بعد أن أنسب الفضل إلى ذويه .

إن لكم الفضل الكبير باظهار استعدادكم لاعانتنا في ما يسهل عليكم ذكره من المخطوطات التي اطلعتم عليها . والذي أعتقد أننا بحاجة خاصة إلى الاطلاع على أسماء المخطوطات القيمة في الخزائن التي لم تنشر فهارسها وأخص بالذكر منها خزائن طوبقبو سراي بالآستانه والنجف والخزائن الهندية الخاصة . ولو استطعتم أن تكلفوا أحد تلامذتكم بنقل ما عندكم من أسماء وأرقام المخطوطات القيمة التي اطلعتم عليها في هذه الخزائن خاصة أعنتمونا في مهمتنا إعانة تبقى لكم مخلدة في الكتاب الذهبي الذي سينشر عن معهد إحياء المخطوطات ، وسرّنا أن ترسل ما ترتأونه من أجر لمن تكلفونه بالنقل .

وأكون شاكراً غاية الشكر تفضلكم بذكر النسخ التي عثرتم عليها من كتاب « الكمال » لبشر المريسي أو من كتبه الأخرى إن كان .

مع غاية السلام وأخلص التمنيات

المخلص

يوسف العش

— (٩) —

دمشق

الدكتور زكي المحاسني

١٠ تشرين ١٩٦٤

أيا عبد العزيز تفيض يُمنا و تُطالع في مجال العلم حسنا

كتبت و نغمة ملء الليالى — تهف على تطريباً و لحنا
أيا هندية رقصت عليها — كأن بها لدى اللفتات جنا
أحاورها وصوفى مرامى — أجوز إليك صحداءاً و حزنا
أرف على السحاب لعل يوماً — أجىء به « بلاهور » مفتنا
تعلق كوكباً بين الدرادى — و من نهر المجرة عب دنا
به الآداب قد لقيت مناماً — فملء رباعه الالهام غنى
هداة الهند أعلام ثقات — حماة الضاد شدوا فيه ركنا
و للاسلام تمكين و دين — لديه يزيده مجداً و أمنا
عرفت (الراجكوتى) المعلى — و كان أبو العلاء إليه حنا
إذا أهل المعرة خلدوه — فمن تاليفه قد عز مغنى
أرى فيه المعرى عاد فينا — بعين تبصر الدنيا و تهنا

المحاسنى

عزيزى الأستاذ الأعظم عبد العزيز الميمنى الراجكوتى كلل الله عمره السعيد بالاقبال و الصحة .

كان الجاحظ يعدد أسماء رجال فيقول فى أحدهم :

ليس على وجه الأرض أعلم باللغة منه .

و أنا أقول :

ليس على وجه الأرض ولا فى الكواكب التى سيكتشفها الانسان أعلم من الأستاذ العظيم عبد العزيز الميمنى الراجكوتى بالدين و الأدب و تاريخ الاسلام بله علمه العميم بأدب الهند و تاريخها الكبير .

عزيزنا و أستاذنا ، إنى منذ ألفت كتابى « أبو العلاء ناقد المجتمع » انتجعت رياض كتابك « أبو العلاء و ما إليه » و ما زلت حتى الآن أرد موارده لأصدر عن مصادره ، و من لمحات الحظ فى عمرى أننى التقيت بك فى شارع السنجقدار بدمشق سنة ١٩٦١ و كان معك صديقى العلامة التنوخى . لقد كان لقاؤنا سانحة عابرة كاطلالة شمس من خلال غمام،

و قد صدق فی مثله قول المتنبی :

و انتظرنا دمراً و لما التقينا　　　كان تسليمه علیّ وداعا

كنتَ تلبس جبة سابغةً بلون رمادی داكن شدت عليها أزرار متناسقة فوق قامتك الفرعاء ، متلالئاً بالبشر و الابتسام ، وأما العينان فنبعان فياضان بالعبقرية الالٰهية التی أودعت فی إنسان لايجود بمثله الزمان .

كتابی « أبو العلاء ناقد المجتمع » أرسله اليك بالبريد الجوی المضمون مع رسالتی هذه المضمونة الجوية ، و هو فی طبعة دار المعارف بيروت ، و قد ظهر هذا الشهر للمرة الثانية مزيداً و منقحاً . و كان ظهوره فی الأولی بطبعة دار الفكر العربی بالقاهرة سنة ١٩٤٥ و لعل الأستاذ الأجلّ — زان الله مجالس العلم بنواضر فكره — يتفضل بالنظرة ، و يری كيف جلدت ! ذلك المكابر العاثر المعاصر الشرير الداثر ، و المفتری المقامر ، الذی زعم بكتابه الحقير فی رأی رآه ، أن الشيخ الأشرف أبا العلاء المعری قعد عن النساء لعجزه الجنسی — قاتله الله من رأی قائل ، لايقول به الا التعس الخسيس — و والله ثم الله ، لو أن كتابك قد طُبع ، و رأيه ذاك ، من قبل قد ظهر ، لأباده قلمك الذی يغلّ الجديد ، و يفری الجلاميد ، وما أری كافياً ما نهضتُ به من القول فيه .

و أستاذ نا الراجكوتی — صان الله تآليفه عن الغوائل — قد دفع شروراً عن أبی العلاء و نوازل ، كالتی نبذه بها ابن الهبارية ، و منّ أستاذنا بالستر علی مثالبه و فرياته و مرآته . فكان شانه شأن ذلك الشيخ المأفون ، الذی كان صديقنا العظيم الأستاذ عباس محمود العقاد — نضر الله عظامه — يسمی صحبه الذين تسموا بالأمناء نسبةً الی الأمين ، الامناء بكسر الهمزة . و لا و الله ما كان أميناً علی خُلق ولا عِرض ، ولا علی مروءة و علم

علی أن الهبارية امرأة نسب ذلك المرذول القديم إليها ، و كان من دأبه الهبر وهو — كما علم مولانا الأستاذ الحبر العظيم — البتك و الفتك ، و أذهبُ إلی التحقيق باسمه لأزيده هوناً وضعةً علی ضعفٍ وهونٍ فيكون من معانيه ما تغالی المرأة بستره من عورات جنسها . فاذا خُفّفت الهاء كان ريحاً صرصراً عاتيةً ذات غبار ، أسفاها الله علی عظامه النخرة حيث لا قرّ

له ضريح ولا مرّت عليه ريح .

زارني الأستاذ الكريم الدكتور محمد اقبال الانصاري منذ شهور فجعلت أسأله عنك. وعشت معه سانحة جامعية ردّتني إلى عهدي بالدكتوراه سنة ١٩٤٧ من الجامعة المصرية ، و إلى كرسيّ الأستاذية الذي شغلته في كلية الآداب بالجامعة السورية إذ مارست تدريس الأدب ثلاث سنين فيها قبل أن أغدو مستشاراً ثقافياً في السفارة السورية بمصر.

سأرسل إلى سيدي كتابي الكبير « شعر الحرب في أدب العرب » المطبوع بدار المعارف بمصر سنة ١٩٦١ وهو مقرر في جامعتنا و جامعتي القاهرة و بغداد ، و قد كتب عنه مقالاً ضافياً المرحوم الأستاذ العقاد في كتابه « أشتات مجتمعات في اللغة و الأدب » الذي ظهر قبيل مغادرته عالمنا، ومن الغريب أنّ الأستاذ العقاد، لم يسطر مثله عن أحد في مجموعة كتبه ، فرحت أزهو بهذا التوفيق ، و املى أخجل أن أذكر بين يدي أستاذنا الذي يعدل كتاب منه واحدٌ كتب مجمعٍ بأجمعه . أنّ لي من الكتب بضعة عشر كتاباً .

عزيزي ، إنك برهان الٰهي على كلمة سيدنا محمد ﷺ التي بلغت بلادك وما وراءها اضفى الله عليك سوابغ الصحة والعمر المديد، و حفظك و أهلك و بلدك .

معي قرينتي الكاتبة الاسلامية المشهورة السيدة وداد سكاكيني؛ تشاركني تقديم التحية إليك ملتمسين منك الدعاء، أدامك الرحمان. المخلص

محمد زكي المحاسني

— (١٠) —

حلب الدكتور محمد أسعد طلس

المدرسة الثانوية

٨ ذو الحجة ١٣٥٥

إلى مولانا العلامة الأكبر حجة العرب السيد الجليل الأستاذ عبد العزيز الميمني الراجكوتي أدام الله عزّه و يحي ذكره اما بعد فسلام عليكم و رحمة الله و بركاته .

— سيدى إننى انتهز فرصة هذا العيد المبارك عيدالنحر السعيد وأهنئكم به وأسأل الله سبحانه أن يطيل عمركم ويحفظكم مناراً للعربية وحجة لقرآنها المجيد. وأسأل سبحانه أن يحفظ لكم الأنجال الأنجاب وأن يريكم فيهم ما يسرّكم آمين.

سيدى فارقتمونا وفضلكم الوافر لايزال ماثلا بيننا، والله يعلم أنا كنا أشد الناس حزناً لسفركم فالله الكريم نسأل أن يجمعنا بكم فى وقت ثان حتى نفيد من علمكم وفضلكم.

يا سيدى لاتؤاخذونى على إهمالى أمر الكتابة إلى سيادتكم فاننى قد أصبت بفقد أبى تغمده الله برحمته منذ أشهر فترك لى أعباءً ثقيلةً و إخوة سبعة أنا أكبرهم ولامعين لهم الا الله سبحانه فالله أسأل العون و به سبحانه أتمسك.

يا سيدى إنا لا أزال عاكفاً على تقيح «سر الفصاحة» وقد نقحت الجزء الثانى منه أى إلى الميم و لكنى لم أجد بعد نسخة صحيحة يمكننى الاعتماد عليها فماذا تشيرون على أن أعمل.

أما قضية النظام والمدرسة النظامية فأنا أنتظر وعدكم لارسال الرسالة التى ألفها أحد الأفاضل الهنود عن النظام وآثاره.

كما أرجو أن تتفضلوا فترسلوا إلىّ بما تعرفون عن هذا المعهد و عن هذا الوزير وعن المدارس الاسلامية الأولى وعن التعليم عند المسلمين و عن الرحلات فى طلب العلم لأنّ كلّ هذه الأمور تهمنى فىّ عمل كتابى عن التعليم عن المسلمين.

الأستاذ خليل بك بخير يقدّم لكم سلامه وكذلك الصديق التنوخى وكافة الأخوان المعجبون بسيدنا الأستاذ يسلمون عليه.

وختاماً أقبل يديكم و أرجو دوام عطفكم و مساعدتكم لهذا الحقير الذى يرجوكم أن تكلفوه بكل ما يحتاج إليه فى هذه البلاد، والله يحفظكم لتلميذكم المطيع المحب. محمد أسعد طلس

— (١١) —

دمشق الأستاذ عزالدين التنوخى

٦ شعبان المبارك

١٥/٢/٥٩

إلى شيخنا عبد العزيز ألوكةً تعبر عما فى الفؤاد من الوجد

إذا كان حب القلب بالطبع راسخاً فليس عليه أيّ ضيم من البعد
وإن لم يكن للحب تخم يصدّه فنحن جميع في الشآم أو السند

أخذت رسالتك الأخيرة و تلوتها مرارا ؛ و بلغت سلامك لاصحابك. و تلوت على الشيخ حمدى السفرجلانى ما يخصه . و نصحته و حملت بعض أصدقائه على نصحه بأن لايضيع الفرصة . ولكن قلوب بعض المشيرخاء مجبولة على الطمع . فلم يقبل الشيخ حمدى بالعشرة الآلاف ، و أصرّ على الخمسة عشر ألفاً قائلاً بأن هذه المخطوطات جنى عمره لم يجمعها في سنة أو سنتين : مع أن بعضها مطبوع لامقطوع و لاممنوع . و قد أكدت له بأن هذا المبلغ المدفوع له يشمل جميع الكتب المدونة في القوائم لا الكتب الأربعين وحدها . ولدىّ قائمتان أظلك أخذتهما منه : الكبرى مؤلفة من ١٢٢ كتاباً أولها : حاشية السعد على كشاف الزمخشرى كتبت سنة ٨٠٢ في مجلد ينقص منه الكراس الأول . وآخرها القرآن بخط فارسى مجدول بالذهب ؛ والقائمة الثانية ٤١ كتاباً . أولها : الجزء الأول من الفتوحات المكية في نحو ٤٠٠ صفحة و بآخرها خط المصنف بالاقراء، وآخرها قطعة من مسودة ابن تيمية على المحرر لجده المجد من كتاب النكاح إلى آخر الصداق نحو ٥٠٠ صفحة وبآخره طبقات ذكر فيها البرزالى وغيره . فمجموع الكتب في القائمتين (١٦٣) كتاباً فقط . فهل هي هذه الكتب كلها التي تدفعون فيها عشرة آلاف ليره . أم هناك كتب أخرى في غيرهاتين القائمتين .

إن هاتين القائمتين عندى ، وقد كتبها الشيخ حمدى بيده وجعلته يوقع على كل صفحة من صفحاتها وقد طلبها منى مراراً واحتفظت بها لحين الحاجة الماسة .

أما الشواهد التى تعتذرون عنها فيسرنى جداً أن تبحثوا عنها . ولعل لديكم من مراجع الهند المخطوطة مايساعد على عزوها ، وسأزين الحواشى بعثوركم عليها إن شاء الله .

جاء في «سر الليالى» للشدياق ص ٦١ ٢ : (والبند أمة اخوة السند) و البند بالكسر فما رأيكم ؟

و علمت أخيراً أن في كتب معهد المخطوطات رسالة في الابدال

للزجاجي، أنا عازم على تصويرها فهل لكم بها من علم أو بغيرها من كتب الابدال ورسائله لنستعين بها في التحقيق .

هذا. وأحب أن لا تدرجوا رسائلكم إليّ في رسائل الناس، واجعلوها كالطيارة القاصدة لا المعرّجة على كثير من البلدان والله يصون مهجتك و يبقيك لأخيك .

التنوخي

حاشية. وجاء في شفاء الغليل: الأوج معرب أود وهي كلمة هندية معناها العلو؟

حاشية جديدة : هذا و أخبرني الأمير جعفر الحسيني أمين المجمع أن الشيخ حمدي راجع المجمع ليرسل من يقدّر ثمن كتبه واختار مدير دار الكتب الظاهرية ، الأستاذ كحالة ، وسيذهب هذا لرؤية الكتب وتقدير أثمانها ، وكان أخبرني أن أكثرها مطبوع وأن ثمنها لا يزيد عن خمسة آلاف ليرة بل أقل فالرأي أن ننتظر حتى نعرف المبلغ الذي تودّيه دار الكتب للشيخ حمدي . هنالك يخف من غلوائه ورأيكم الموفق إن شاء الله .

التنوخي

— (١٢) —

[دمشق — ١٩٦٠]

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته

أما بعد فاني قد أبطأت عليك قصداً . فقد اتصلت بتلميذ لي يعاون الوزير فحدثته بالأمر وأخبرته بما لوجودكم بيننا بدمشق من النفع العميم (لوزارة الثقافة والارشاد القومي) واطلعته على رسالتكم ، فأخذها مني ليطلع الوزير عليها . وقد سافر تلميذي (عبد الله عبد الدائم) إلى مصر و أنا أنتظر عودته ليردّ لي الرسالة و يبشرني بالموافقة إن شاء الله ، وقد تأخرت بالجواب إلى اليوم حتى أزفّ لك البشرى .

واليوم كنت أبحث في أوراق مبعثرة لي فعثرت على ورقة كتبت عليها بضع أبيات في مجوك ، فأعجبني أن أكتبها إليكم . ولا أدري إن كنت اطلعتكم عليها أم لا . وهي :

لئن كانت الدنيا عليّ كما ترى تباريح من ذكراك للموت أروح

ألم تعلمن ، يا ميمنسيّ ، وبيننا — مهادٍ لطرف العين فيهنّ مطرح
بأنى فى صنعاء جلّق كلما — ذكرتك من فرط الجوى أترنح
لأنك أسمى الناس فى العين منزلاً — وللقلب أدناهم وللصدر أشرح

وإنك أعلى من بنى جزم لهجة — لعمرى، ومن مضّاغة الشيخ أفصح
لكم فى البوادى و الأبارق ملعب — وفى بطن خبت والشريبة أبطح
أللعرب تنمى و الأعاريب نسبة — فإنك أحمى بعد منهم و أسمح
وما أنت إلا فى بنى سعد تا شيء — وفى أجإٍ والمنحنى لك مسرح
و أنت بعقمىّ الكلام مولعٌ — ولهجتك الفصحى من الفجر أوضح

وكأنى تركتها بين الأوراق لأنها لم تعجبنى و أنت أمل الخير منها ، فاقبلها هدية قلبية صغيرة .

الابدال . لقد شرعنا فى طبعه ، وتمّ به ملازم ثلاث وحتى صارت خمسة أرسلتها إليك لتبدى رائك ونفيد منه فى بقية ملازم الكتاب ، واسمك يمرّ فى الحواشى كثيراً، وسيكون فى المقدمة لأنك رافقتنى فى الاطلاع على مخطوطته ، وقد وعدتنى بكتابة تصدير له بعد إتمام طبعه فيهتز و يعتز بك وبتقديرك .

و لعلى مرسل لك بعد أيام كتاباً آخر فى قضية إقامتك بين ظهيرانيتا فما أسعدنا بعبد العزيز و حق لدمشق أن تعتز بمن قضى حياته فى إعزاز لغتها و نشر مآثر قومها . فالله يحييك و يبقيك لأخيك .

التنوخى

معارضة الكتاب :

لقد صورنا المخطوطة لتساعدنا فى النشر ، ثم أنى أذهب بكل ملزمة لاصلاح تجربتها بمعارضة المخطوطة عينها ، و أبو اليسر عابدين يساعدنى فى معارضتها ، و بذلك تكون أقرب مايكون إلى الصحة إن شاء الله . وكذالك صوّرنا من معهد المخطوطات العربية بالقاهرة نسخة «إبدال» الزجاجى . ولعلها النسخة الوحيدة مصورة من الآستانة فى نحو عشر ورقات و سننشرها فى «مجلة المجمع العلمى» بعد تحقيقها والتعليق عليها ، و هى مع «إبدال» أبى الطيب من دار واحد . لم ترسل لى الكشف

عن بعض شواهد أبي الطيب وقد دعوت بعزوها إلى أصحابها و متى تفيدنا اليوم في نشر « الابدال » . ما لي أرى همتك قد فترت فهل فتأتها الأيام ، و عهدي بك أبو الهمم العلياء والنخوة العلمية القعساء ؟ !

حاشية . أخي عبد العزيز . اتصلت الآن بالهاتف بصديقي عبد الهادي هاشم۲ ، وهو من أركان الوزير و أعوانه، وأخبرني أن الرسالة التي بعثتم بها إليّ عنده. وأن الوزير يعتزّ بأمثالكم، وذكر لي أن الموازنة المالية الجديدة لم تصدّق بعد ، وقد وضعوا فيها نفقات للموازّنين من العلماء أمثالكم ، و متى تمّ تصديقها من وزير المالية يكون هنا لك انجاح الطلبة ونيل الأمنية وهكذا نرى الوزير وأعوانه من معين على الاستعانة بكم و ان غداً لناظره قريب .

— (۱۳) —

دمشق في ۲۲ ذي القعدة ۱۲۷۹
۱۹ أيار ۱۹٦۰

۳۱ بيتاً

بسم الآله الراحم الرحيم	المحسن المهيمن الكريم
للشيخ في علومه و المؤمن	بربه عبد العزيز الميمني
من الصديق المخلص الأمين	يُدعى التنوخيّ عز الدين
و بعده : إنّ الكتاب قد وصل	إليّ منكم ، وهو لي كلّ الأمل
لأنه مبشر بالقرب	ممن يحب القلب أيّ حب
وصال إخوان الصفا روحاني	وهو الذي يبقى على الزمان
ما كان للرحمن فهو المتصل	و ما سواه المضمحلّ المنفصل
متى أراكم في رُبى الفيحاء	و قاسيون الطود ذي العلاء
يسفحه مجتمع الأحباب	و مربع الفنون و الآداب
أراك لم تخلق من الهنود	و ان تك الهنديّ بالجدود
إن كان بالروح الفتي و للأدب	نسبة ، فأنت من أصفى العرب
و أنت لاتهوى سوى دمشق	و تعشق الغوطة أيّ عشق
و جلّق تهوى الذي يهواها	و أن تحلّوا ربعها : مناها

قد أرسلت إليك نول السفر — فطر إليها كضواري الأنسر
والفضل في هذا لعبد الهادي — العضو في وزارة الارشاد
وصنوه في الفضل عبد الدائم — قرينه في حلبة المكارم
و إن سألتني عن « الابدال » — فطبعه جار على التوالي
لقد طبعنا منه خمس عشره — ملزمة واضحة كالغره
لو كنتم بجلق في جانبي — كانت إليكم نظرة « التجارب »
« سمط اللآلي » كان لي ثمينا — في بعض ما أشكل لي معينا
إليه كم عزوت في الحواشي — ذكركم الطيب فيها (فاشي)

التعزية بالوالد المرحوم :

كما عزوت إنني أعزي — عبد العزيز بالأب الأعز !
من جاوز التسعين عاماً في الهدى — عليه رحمة الآله أبدا
ورثت منه عمره العالي الأتم — و من يشابه أبه فما ظلم
« مجلة المجمع » سوف ترسل — أعدادكم . وهي بها ستكمل
مقالكم في ابن عنين طبعا — فهل كتبت غيره لتنفعا
لا باس أن تزورنا في الصيف — كما وعدتم ، مرحباً بالضيف !
ففي حزيران يجود المشمش — وهو لذيذ و شراب منعش
و شهر تموز ترى التفاحا — وعرفه الطيب منه فاحا
وكل ما قد تشتهيه عندي — ينسى « كراشي » و ثمار السند
فلا تطل بربك المغيبا — فالعيش في بعدك لن يطيبا

ملاحظة . هذا القدر من الرجز كنت كتبته إليك قبل أن تسافر إلى عليكر لزيارة الأهل، أي قبل نحو أربعة أشهر ، و أخرت إرساله إليك و قد تغير عنوانك و خشيت أن لا يصل إليك فانتظرت ريثما يردك الله إلى معاد — كراشي — و اليوم الخميس في ١٩/٥/٦٠ أخذت رسالتك فهتفت إلى أخينا عبد الهادي . وتلوت عليه بالهاتف حسب طلبه ما يتعلق به من الرسالة فطلب مني أن أكتب إليك ما يلي :

المصلحة تقضي أن تسرعوا بزيارة دمشق في النصف الأول من شهر حزيران (يونيه) المقبل، و سبب ذلك مالي أو إداري محض، ذلك أن السنة المالية في بلادنا تبدأ في اليوم الأول من تموز و تنتهي في اليوم

الأخير من حزيران. فمعاملتك المالية تمت فى هذه السنة المالية التى ابدأت فى ١ تموز (يوليه) ١٩٥٩ و تنتهى فى آخر يوم من يونيه (حزيران) من سنة ١٩٦٠ أى آخر يوم من الشهر الآتى وهو شهر حزيران . و لذلك ينبغى أن يكون وصولك إلى دمشق فى النصف الأول من الشهر المقبل وهو شهر يونيه (حزيرن) لكيلا تضيع من الموازنة الجديدة (بدرجه) ما كان خُصّص لموازنة ١٩٦٠ ، و متى شرعت فى العمل فى شهر يونيه يثبت المال المخصص فى الموازنة الجديدة أيضاً .

الخلاصة : أرجو من الأخ أن يسافر فى الأسبوع أو فى العشر الأول من الشهر الآتى (حزيران) حتى يكون فى منصفه عندنا إن شاءالله ! هذا ما يرجوه الأخ عبد الهادى فعسى أن يشاء الله و يسرلك كل عسير:

فعجلوا إلى دمشق الأوبه   و لاتقل لى : بى داء الركبه !
و الله يقيكم إلى التسعين   و مثلها . بصحة و دين
و أنت فى التسعين كالكهول   بسيف عزم ليس بالمغلول
و الله من كل الأذى يقيكا   و الله يقيك إلى أخيكا

التنوخى

— (١٤) —

[دمشق — ١٩٦٠]

أخى القديم و وليّى الحميم

أما بعد فقد حمدنا الله على سلامة الوصول إلى كراشى ، وقد لبثت أنا و صديقى عبد الهادى نتحدث عنك فى السيارة الراجعة ، و مازال الأوفياء من الأصدقاء يذكرونك و يحنون إلى مجالسك. وما زالت الغوطة و الأشرفية أو بردى المصفق بالرحيق يسألنى كل من الثلاثة عن الصديق الميمونى .

أما قائمة الأسماء من الأصدقاء فقد بلغت أكثرهم سلامك وهم يلهجون أبداً باسمك و يشيدون بعلمك و يذكرون تلك الشويعات التى أنسوا بك فيها فى الغوطة الفيحاء و مغانيها ، و قرأت لمحبى الأدب و الشعر منهم أبياتك الأربعة البليغة التى تُذكر برقتها و حسن سبكها بأسلوب الأبيناء من الشعراء . حتى أنى تلوتها للصديق الأفغانى . فعلى الرغم مما جرى ، طرب لها ، وقرأتها لأحمد عبيد ٢. وكان بعض المحدثين من الشعراء حاضراً فأعجبا

بها الاعجاب كله ، و قلت لهم : هذا هو الشعر العربي الذى يتذوّقه العرب الصرحاء لا الشعر المستعجم الحديث، فصدّقا قولى و امتلأت قلوب سامعيها حباً للأخ الميمنى : لأبى عمر المبرّز وارث علم أبى عمر المطرّز !

أنت تحب العربية والعرب وبلاد العرب ونحن نحب السند و بلاد أبى عمر و نتشوّق إليها لوجوده فيها فكل رياض فيها أريجة وكل ماء من مياهها عين الفيجة لوجودك فيها :

لعمرى لماء السند أنقع للصدى	و أنجع من سلسال فيجة والنبع
و أرض كراشى، و هى جدّ قصية	لأدنى من الفيحاء للقلب و الطبع
فما دالشرف الأعلى، كمغناك مربعاً	حللت به أكرم بمغناك من ربع
و لا نجد يرضينى إذا لم تكن به	ولا جنة بالرّقمتين ولا سلع
أبو عمر إن حلّ فى القفر خلته	من الأنس مهوىّ للنواظر و السمع
وأصبح كالوادى المقدس من طوىّ	يتيه على وادى منىّ وعلى الجمع

أما حديث الزيتون ، فهو شهوتك التى لامطمع فى تحويلها إلى غيرها، و لوددت أنها كانت لثمرة ألذّ من الزيتون لنقوم بتقديمها. ولعمرى إن مغرس الزيتون الذى أقسم الله به هو أطيب منبتاً من مكناسة الزيتون، وشتان ما التنوخى و المنوفى . وليتك يوم تأتى على آخر زيتونة تخبرنا لترسل إليك بالبريد من الوزن ما يجوز له أن يحمله إليك . فانه إذا أتحدث الأرواح ، سقطت الأرباح والاشباح، وارتفعت الغواشى والأسدال عن عيون الأقطاب و الأبدال، وانكشف عن القلوب كل رين . وثلج الصدر و قرّت العين . فاياك إياك أن تحجم عن طلب زيتونك أو حلواك، و أذكر أبداً كل مساء و صباح :

(أخاك أخاك) أنّ من لا أخا له	كساع إلى الهيجا بغير سلاح

ومن كان عنده من العلم اللدنى أثاره ، أغنته الاشارة عن العبارة ...

أما التى عددتها أختك أم البنين والمومنين وعاهدت الله أن لن تغض عليها حياتها فقد قرأت كلمتك هذه اللطيفة و سألتنى أن أكتب إليك : أنك أنت خاصةّ لو لبثتّ فينا من عمرك الطويل سنين، ما نقصت لها عيشاً وما كنت إلا من المقربين » . ولقد نسرّنا جميعاً نبأ نجاح السيد عمر فى شهادة الاجازة (ليسانس) وفقه الله لأمته و ملته أبداً .

ملاحظة . — ليس يجمل بى و لا بك أن اقرأ على وزير الثقافة

كتابك الذى به سلامك . فالأجدر بك أن تكتب له كتاباً خاصاً، ومثله لأمين العام و للسيد عبد الهادى ، و قد أخبرت الأخير بأنك ستكتب لكل منهم على حدة . ورسالتى هذه عجالة ذات إجمال، و التفصيل سيأتى قريباً و الله يحفظك و يبقيك لأخيك .

عزالدين التنوخى

— (١٥) —

دمشق فى ٢٢/٦/٦٢

أخى و خالصتى أبا عمر رزقه الله أبرك العمر
تحية خالصة طيبة مباركة

إسمع يا أخى أريد أن أكلمك الآن كما كنت أحدثك بدمشق انى لأراك ماثلاً بجمالك و جلالك أمامى فأخاطبك بقولى :

لست و الله بعارف . أنا البخيل فى مراسلتك أم أنت ؟ كتبت لك ولم أفز برجع الجواب . أ من طبع الهند البخل فى الحب ؟ تبخل علىّ بمبادلة المحبة و مقارضة المودة . و تبخل علىّ بايناسى بعد وحشة الفراق . و تبخل علىّ بورقة تنمقها وكلمة بلسانك تزوقها ، و أنت تعلم أنى أشغل أعمالى بذكرك وأقضى أوقاتى بالحسرة على فرقتك . ويطرب أذنى ويثلج صدرى يبهج روحى ويهز بالمسرة قلبى حين يلهج باسمك لسانى اليسير يا أبا عمر كذلك؟ سل فؤادك فمن القلب إلى القلب سبيل، و سؤال القلوب أفصح دليل .

أريد لأنسى ذكرها فكأنما   تمثل لى ليلى بكل سبيل ١

تلقيت رسالتك إلى الأمير جعفر وهى مذيلة برسالتى ، وأردت أن أقصها لأحتفظ بها و أضمها إلى إخواتها من رسائلك ، فآثر جعفر بها نفسه ، ونسخها لى بخطه ، فقلت فى نفسى : لعل الورق غالى الثمن فى كراشى ! وخطر ببالى أن أبعث لك بما عون من الورق بالبريد ولكننى ضحكت من هذا الخاطر العابر و قلت : لعل له عذراً و أنت تلوم .

أما الشابّ الشادى راتب النفّاخ٢ فانه يقول لقد تمّ طبع «الوحشيات»

و لكنهم لم يوزّعوه بعد ، لأن هنالك بعض المشكلات يريد الأستاذ محمود شاكر أن يسألك عنها . و أخبرت أن النفاخ سيكتب اليك التفصيل المطلوب ، و بعد أيام يرجع إلى القاهرة و يلتقى بالأستاذ شاكر .

تقرأون فى مجلتنا المقالة الافتتاحية فى وصف ثلاثة كتب ألحّ على فى وصفها الأمير الشهابى وأنا قائم بتحقيقها وقد ذكرتكم فى الكلام على كتاب « الدلائل » لقاسم بن ثابت السرقسطى ، وكتاب «صفة السحاب والمطر والروّاد» سينشر فى المجلة و فى فسيلة منها على حيدة ، فهل عندكم فى الهند نسخ جليلة من هذا الكتاب ؟ و أما كتاب «منتهى الطلب» فأنا مهتم بتحقيقه٣ و تمحيص رواياته و شرح الغامض من أبياته أليس فى نشره خدمة الأدب ولغة العرب ؟ و سأرجع إليك وأعوّل بعد الله عليك فى ما يعرض لى من المشكلات إن شاءالله و أنوّه بفضلك وجميل صفتك على عادتى لأنى أذكركم بهذا التنويه و أطرب لذكراكم و إن كنت كما قال الشاعر :

أعد ذكر من تهوى و لو بملام

بعد أن كتبت لك هذه الكلمة التى أقسم عليك بأن تأخذ القلم و القرطاس لتكتب لى كلمة وجيزة توكد لى بأنك ذاكر أحبابك و غير ناس ، خطرت ببالى هذه الأبيات المرتجلة التى نظمتها على عجلة :

١٩ بيتاً

ضننت بقرطاس علينا ولم يكن	أبو عمر ممن يضنّ بقرطاس
فديتك لا أفدى بروحى سواكم	وأهلى و إخوانى و قلبى وأنفاس
أأنساكم جوّ الهنادك غوطة	غدت جنة الدنيا بماء و اغراس
عنادلها صدّاحة ؟ فى رياضها	تقيم لنا الألحان حفلة أعراس
وكيف نسيتم حبّنا و عهودنا	وما خلت يوماً أنّ قلبكم قاسى
إذا نسى الناس الأحبة لم أكن	لمثلك ياعبد العزيز بناسى
فقد طاب عيشى فى هواكم صبابة	ولكنه قد شاب من حبكم راسى!
أتسقوننى كأس الجفاء مريرة	و أسقيكم خمر الوفاء بكاسى
يقول لك الناس المضلون : أننى	بعيد . و بُعد الدار من حيلة الناس

سومكة لاتنأى على من يحبها ولو كان في كشمير أو كان في فاس
أبا عمر، لو كان حبك صادقاً شددت عرى حبي الصحيح بأمراس
لذوّقتني من صدق حبك طيباً و ألبستني من حسنه أيّ إلباس
وأقبستني من نار روحك جذوة أنير بها قلبي بأسطع مقباس
و مهما تجر إني لجورك حامل وليس على حمال جورك من باس
أرى الناس فحماً باختياري في الهوى وخالصتي عبدالعزيز من الماس
ذكرتك حيث المشمش الحلو يانع فهاج بستاني التذكر وسواسي
وما لحياتي لذة بعد نأيكم أما كنت لي في الشام باعث إيناسي
سقى الله شهراً في دمشق قضيته وأنت معي في غوطة الورد و الآس
ستبهج ذكراه حياتيّ كلها وتنعش ذكراه صداي بأرماس

—(١٦)—

الأستاذ محمد بن أحمد بن عمر العلوي

٢٤ رمضان ١٣٤٩ھ

الحمد لله و الصلاة والسلام على سيدنا محمد و آله.

حضرة العلامة الجليل النابغة و المحقق الكبير الأستاذ عبد العزيز الميمني الراجكوتي حفظه الله و مدّ في أجله و نفع به.

أما بعد السلام عليكم و رحمة الله فأشكر لمجلة « الزهراء » لصاحبها الأديب محب الدين الخطيب[١] أن عرّفتني بمحقق فذّ مثلكم. ولقد كنت في الماضي و إلى الآن حريصاً على مطالعة تلك المجلة المفيدة وكنت أجد من نفسي ارتياحاً وسروراً جمّاً وإعجاباً عظيماً لما ينشر بين أعطافها من بحوثكم القيمة الممتعة فصرت كأني قد عثرت على كنز ثمين — والحق أقول — إني قد استفدت منها كثيراً و استفاد غيري فجزاكم الله عن الأدب والعلم خيراً.

و مما قرأته واغتبطت به جداً تعليقاتكم النفيسة على « خزانة » البغدادي المطبوعة بدار السلفية قريباً و قد أرسلها إليّ هدية صديقي العلامة البحاثة فقيد العلم و العربية صاحب السعادة الأستاذ أحمد تيمور باشا[٢] تغمده الله برحمته الواسعة وهو بصنيعه هذا! مضافاً إلى غيره من سوابق ارشاداته و علمه عليّ لا يكافئه الشكر ولا يعد له الثناء. وهو الوحيد

الذى عرفته بالقاهرة المعزية من أولى الشأن والتحقيق العلمى و الكمال و لم يعوّضنى الله بمن يساعدنى ويرشدنى فى عويصات المسائل التى تتابين الآونة بعد الأخرى بواسطة البحث والمراجعة رغم عوادى الدهر سوى ما لمحت من كتاباتكم الدقيقة أنكم نعم العون والظهير — لذا — بادرت بتحرير هذه الجمل مباشرة رجاء أن يأتينى منكم الردّ والافادة بما فيه مقنع عن الأسئلة الآتية وأصفحوا و أعذروا سيدى الأستاذ و ودمتم بخير والسلام عليكم و على من يأتنى بكم و يطمئن إليكم من الطلبة وأساتيذهم .

من الفقير إلى الله تعالى
محمد بن أحمد بن عمر بن يحى العلوى

— (۱۷) —

القاهرة — الأستاذ فؤاد سيد
۱۹٦٦/۱۱/۲۰

أستاذنا الجليل العلامة الأستاذ الميمنى حفظه الله ورعاه ومدّ فى عمره أسعدتنى الظروف الطيبة بتلقى رسالتك الكريمة صحبة الاخ الأستاذ محمد سليمان أشرف و استعدت معها ذكرى أيام جميلة تمتعت بها فى صحبتك و فى رحابك كما جدّدت فى نفسى معانى البيان العالى و الأدب الرفيع و اللغة السليمة و إنى لأدعو الله أن يشملك بموفور الصحة و تمام العافية و كثرة الانتاج .

لقد سبق منذ فترة طويلة أن أرسلت إليك بعض الكتب و منها أجزاء من «العبر» للذهبى عن طريق الشيخ لقمان شيخ رواق الهنود بالأزهر و لعلها وصلتك، و هاأنذا أرسل لكم قائمة مطبوعات دار الكتب لمراجعتك و اختيار ما لم يرسل لكم منها .

أكرر دعواتى الخالصة و الصادقة مع أطيب التمنيات . حفظك الله و صانك و رعاك و السلام .

التلميذ المخلص
فؤاد سيد

— (١٨) —

الأستاذ فؤاد سزكين

T.C
Istanbul Universitesi
EDEBIYAT FAKULTESI
Islam Arastirmalari Enstitusu

حضرة المحترم العلامة عبد العزيز الميمنى تحية و احتراماً و بعد
أتأسف على تأخرى فى الاجابة إلى رسالتكم الكريمة لكثرة المشاغل و العوادى تحول بين المرء و رجائه .

و الحمد لله على أننى استطعت أن أرسل إلى حضرتكم تصوير شرح الحماسة، لأبى رياش وشرح الكامل فحينما كنت أجرى وراء تصوير هذين الكتابين عرفت أنهما قد صوّرا بواسطة الأستاذ محمد بن تاويت الطنجى ا بكلية الالٓهيات هناك وتفضل هو أن يهدى لحضرتكم . أرجو أن يصلكم هذان الفيلمان بعد عدة الايام بعد وصول الأستاذ عبدالله چغتائى الذى يرجع من سفره . تقبلوا فائق تحياتى و احتراماتى .

المخلص
فؤاد سزكين

— (١٩) —

الأستاذ عدنان الخطيب

الجمهورية العربية السورية مجمع اللغة العربية بدمشق ١٣ آذار (مارس) ١٩٧٦	Republique Arabe Syrienne Academie Damas

إلى الأستاذ عبد العزيز الميمنى المحترم

يعتزم مجمع اللغة العربية بدمشق الاحتفال خلال أصيف عام ١٩٧٦م بذكرى مرور مئة عام على مولد مؤرخ الشام الكبير المغفور له الأستاذ محمد كرد على الرئيس الأول للمجمع العلمى .

كما يعتزم ، بمناسبة هذه الذكرى ، إصدار كتاب عن حياة الفقيد و مؤلفاته و أثره فى النهضة العربية و السورية ، ولجنة الاحتفال تدعوكم إلى المشاركة فى هذا الكتاب ، راجية التكرم بارسال كلمتكم فى موعد لايتجاوز شهر حزيران (يونيو) القادم .

و تفضلوا بقبول خالص التحية مع الاحترام

لجنة الاحتفال بالذكرى المئوية لميلاد
الأستاذ الرئيس محمد كرد على
عدنان الخطيب

توجه الخطابات إلى لجنة الاحتفال باسم الدكتور عدنان الخطيب دمشق ص . ب (٣٥٧٠) .

— (٢٠) —

الدكتور حسين على محفوظ

تهران
٧ صفر الخير ١٣٧١

عيبة الكمال و غدة أهل الفضل العالم الباحث الأديب الجليل الأخ الأعزّ الشيخ عبد العزيز الميمنى دام علاه .

سلام عليكم و رحمة الله و بركاته أما بعد فقد حملني الاعجاب بك على مراسلتك وحرّضني الشوق إليك على مكاتبتك وقد أتيح لى أن أطلع على كثير مما أخرجت من نوادر الأعلاق و أحاسن الآثار فعرفت مرتبتك العالية و مقامك الجليل و تمنّيت ملاقاتك ولكن آه من بعد السفر و شطوط الدار .

و إنى لأظنك تمنى علىّ بسيرتك و صورتك أزين بها كتابى « سدنة العلم والأدب » الذى يحتوى على سير أكابر الفضلاء و مشاهير الأدباء وهو من آثارى الكثيرة فى اللغة و الأدب والتأريخ و النسب و السلام عليك .

حسين على محفوظ
ضيف جامعة طهران بإيران

— (٢١) —

الدكتور سالم الكرنكوى

50 Kingshed Road,
Birkimhan,
21 August, 1929

Dear Professor

I hear from Mr. Muhib ad Din al - Khatib, the proprieter of the

لجنة الاحتفال بالذكرى المئوية لميلاد
الأستاذ الرئيس محمد كرد علی
عدنان الخطيب

توجه الخطابات إلى لجنة الاحتفال باسم الدكتور عدنان الخطيب دمشق ص . ب (٣٥٧٠) .

— (٢٠) —

الدكتور حسين على محفوظ

تهران

٧ صفر الخير ١٣٧١

عيبة الكمال و غدة أهل الفضل العالم الباحث الأديب الجليل الأخ الأعزّ الشيخ عبد العزيز الميمنى دام علاه .

سلام عليكم و رحمة الله و بركاته أما بعد فقد حملنى الإعجاب بك على مراسلتك وحرّضنى الشوق إليك على مكاتبتك وقد أتيح لى أن أطلع على كثير مما أخرجت من نوادر الأعلاق و أحاسن الآثار فعرفت مرتبتك العالية و مقامك الجليل و تمنّيت ملاقاتك ولكن آه من بعد السفر و شطوط الدار .

و إنى لأظنك تمنى علىّ بسيرتك و صورتك أزين بها كتابی « بدنة العلم والأدب » الذى يحتوى على سير أكابر الفضلاء و مشاهير الأدباء وهو من آثارى الكثيرة فى اللغة و الأدب والتأريخ و النسب و السلام عليك .

حسين على محفوظ
ضيف جامعة طهران بإيران

— (٢١) —

الدكتور سالم الكرنكوى

50 Kingshed Road,
Birkimhan,
21 August, 1929

Dear Professor

I hear from Mr. Muhib ad Din al - Khatib, the proprieter of the

Salafiah Press in Cairo, thet you have supplied him with your corrections for the new edition of the Lisan al - Arab. As I also am sending him my notes I am happy that we in this manner, though far apart, can work together to this end.

The Sadr as Sudur war kind enough to the send me some time ago a copy of the dditions the Diwan of Mutanabbi which you have published. I must congratulate you upon your work and would have written to you before this.

Please convey my greeting to Professor Hadi Hasan and compliments to Mrs. Hadi Hasan...

Yours Sincerely
F. Krenkow

— (٢٢) —

١٧ اكتوبر ١٩٢٩

الأستاذ الجليل عبد العزيز الميمنی الراجکوتی حفظك الله

طيی هذه الرسالة قائمة بملاحظاتی علی الجزء السابع من «إرشاد» التی سجلتها أولاً علی حواشی الكتاب نفسه

ذكرت بأنك ترغب فی نشر «كتاب التصحيف» و إنی أعرف من مخطوطات هذا الكتاب تلك التی أحطنی بها علما و حسب . و أود أن تصبح نسخة من هذا الكتاب فی حوزتی بعد أن يتم تحقيقه ونشره . هذا ، و يلغنی أن برونله[٢] يرغب فی نشره . مع جزيل الاحترام .

المخلص

ف . كرينكو

إرشاد لياقوت الحموی المجلد : ٧

ص ٤ س ٣ أبی خليفة : كنية فضل بن الحباب .
٤ : ١٠ . سنة ٤٥٥هـ ليس بصحيح و اعل الصواب سنة ٤٠٠
٩ : ٢ فقمس بالسين قبيلة من الأزد .
١٠ : ٢ لو كنت ؟
١٣ : ١٥ طبقات الشعراء : حماد بن سلمة

۱۴ : ۱۰ الصواب «قطزمش» بالزاء .
۱۶ : ۹ الصواب الرؤاسی مع الهمزة کما فی مواضع أخری .
۱۷ : ۱۴ . وجزء من ... ابن نجید . « حدیث » أو « مسموعات »
ابن : نجید .
۱۹ : ۱۸ مختصر المزنی .
۲۰ : ٤ خطیباً بالری
۲۸ : ۹ ذکر أبو عمر
۳۹ : ۱۸ مسیح . الصواب إن شاء الله مسبّح .
۳۹ : ۱۴ الصواب الرؤاسی کما ذکرت .
۶۲ : ۱۸ الحافظ الصواب الجاحظ کما أثبت الصفدی فی نکت العمیان.
۱۲۷ : ۳ کتاب الورقة ، هو کتاب الاوراق للصولی .
۱۲۷ : ۶ غسان .
۹۳ : ۱۳ ابن أبی الازهر هو من تلامیذ المبرد .
۲۲۲ : ۸ شبیب بن شیبة .
۲۳۶ : ۸ أخذ عن أهل تلك البلاد . ما نجد ذکر أیّ بلد

— (۲۳) —

1, Trinity Avenue
Westcliff - on - Sea
10, June 1931

صدیقی العزیز حفظك الله تعالی

السلام علیکم ورحمة الله و بعد فقد وصلنی منذ یومین کتابك الشریف المؤرخ ۱۲ من الشهر الماضی فرأیت أن کتابی و التصاویر لم تصل إلیك بعد و لیکن لبعد المسافة التی بیننا .

الیوم قد قابلت کثیراً من التصاویر نسختك أما أنا فلم أر من نسخة الأصل إلا ورقة واحدة فوجدت قراءتها صعبة لقبح خط الکاتب و أملی أنك تستفید منها بحسب النفقة .

أما وظیفه أستاذ العربیة فی الجامعة فقد ذکرتك بکل خیر للنواب مسعود جنگ۲ وإنی لا أعرف فی بلاد الهند من هو أعرف منك بآداب

57 De Freville Avenue
Cambridge
٨ ابریل ١٩٣٧

صديقي الفضال   ابقاك الله تعالى للاخوان

بعد السلام وجزيل الاحترام فقد وصلني كتابك وكان سبب تأخر جوابه اني كنت
مريضا منذ اول هذه السنة، انا اتألم آلاما ليلا ونهارا ولم اجد طبيبا له معرفة في
شغلها وانت ايضا كما تقول في كتابك المؤرخ السادس من دسمبر السنة الماضية عليل
فدعائي ان الله تعالى برحمته يردك الى العافية اذ انت في تمام الكهولة ونحن نرجو منكم
البقاء في خدمة العلوم العربية

انا متأسف من كثرة الاغلاط في كتاب اخبار النحويين وهذا لاسباب اولها اني وجدت
التصاوير في خزانة برلين فنقلتها في ايام قلائل قبل ارتحالي الى بون ثم كنت سافرت من بلد
الى بلد لاجل مرض زوجتي فلم تكن عندي الكتب اللازمة لمقابلة الاخبار وايضا بعد مكان
المطبعة من دار مقري والملل من تكرير قراءة الملازم لكثرة الاغلاط من مرتبي المطبعة
الكاثوليكية ثم لما كمل الطبع تفضل السيد عز الدين التنوخي بارسال تصاوير النسخة المحفوظة
في الظاهرية بدمشق فلم يمكن زيادة جدول الاختلاف بين النسختين ولو وجدت الفرصة في
علي لنشرت ما صححته وايضا ما وجدت الا بعد الطبع

انت لا تقول كلمة في امر ديوان كعب بن زهير وبودي ورجائي انك تسمح باعارة نسختك
او تشير الى اي موضع اصلحت اذ صديقي كوالسكي يصرّ في عزمه واذ كانت نسخته عنده
منذ عشرين سنة او اكثر وقد جاهد في جمع الابيات المتفرقة لكونه رجائي انك تترك نشر هذا
الديوان له وهذا اول شيء سألتك بان تتفارغ لي وله

ودعائي انك في العافية وان كل امورك تجري مجراها فيها تأمله وتحب وفي
الختام ابقى مع جزيل الاحترام

المخلص لك
سالم الكرنكوي

ڈاکٹر محمد سالم کرینکو کا خط بنام علامہ میمن

العرب القدماء و لا أرى مانعاً لى فى أن لا تحسن اللغة الانكليزية حيث أكثر التلاميذ أبناء وطنك يعرفون اللغة الهندستانية وكما تعلم هم يدرسون العلوم كلها فى الجامعة العثمانية فى حيدرآباد الدكن وكما تعلم ليس لى حيلة فى حاجتك إلا أن أكتب إلى النواب المذكور أنصحه فقد فعلت ولكن المقادير عند الله تعالى .

لا أزال أتألم من ضيق الصدر فقد ألزمنى اليوم النهوض فى الظلام الساعة الثالثة فكنت كالحوت المطروح على ساحل البحر و رجائى أنى أجد الشفاء فى انكلترا .

أنا أكتب هذا المكتوب من ألمانية ونعزم الارتحال بعد العشرين من هذا الشهر وسيكون عنوانى كما هو على رأس هذا الكتاب .

قد حصلت تصاوير « كتاب النوادر » لأبى عبد الله محمد بن العباس اليزيدى عن نسخة منقولة من أصل ابن مقلة سنة ٣٨٠ وهى فى غاية السن و إن كانت فيها أغلاط غير منتظرة فى نسخة مثل هذه ...

أنا أحمد الله أن زوجتى فى العافية بعد ما وجدنا دواء جديراً نافعاً لمرضها ورجائى أنك و عيالك فى أحسن حال . وفى الختام أقبل جزيل إكرامى و التحية والسلام . المخلص لك .

سالم الكرنكوى

— (٢٤) —

Cambridge

١٢ مارس ١٩٣٦

حضرة العلامة عبد العزيز ميمن الراجكوتى

صديقى العزيز حفظك الله تعالى

بعد السلام والاحترام فقد وصلنى منذ أيام هديتك الجليلة أعنى المجلدان من كتاب « اللآلى » فأشكرك من صميم قلبى عن همتك العالية فى إهدائهما إلىّ بعد أن [كنت...] أخاف أنك نسيتنى ، و أهنئك أنك أتممت هذا العمل المفيد و [طبع؟] ... الكتاب فى هذا الزىّ الجميل زينة لكل خزانة كتب .

و قد وجدت أشياء ... أخالفك فيها فأذكر بعضها هامنا :
ص ٨١٥ ذكر « أبوزيد » . ولكن صحّحته إلى « ابن دريد » و لكن ممكن أن أبا زيد هذا [هو؟] ... الذى صنف كتاباً فى النسب . أنظر إرشاد ياقوت (٦ : ٤٨) .
ص ٥٥٠ ، ٥٥١ بيتان للنمر بن تولب . لاشك أنهما مرفوعتان عند القالى و أيضاً [فى كتاب] المعانى لابن قتيبة ولكن هما من قصيدة مجرورة أولها فى كتاب الأغانى (١٩ : ١٦٠) ... فى الحواشى والذى سبق بالخطأ هو ابن قتيبة و الصحيح فى القافية : مقلّئبِرِ ... مطنبِرِ .

ثم وجدت فى موضع آخر كلمة « قيد » التى لم نجدها فى معاجم اللغة أظنه تصحيفاً من « فيد » و إن لم تخنى خاطرى رأيت « القيود » فى أشعار هذيل بمعنى الحيود وهى العقد فى قرون الوعل والله أعلم .

تفكرت هل طالعت النسخة الوحيدة من كتاب « منتهى الطلب فى أشعار العرب » لابن ميمون البغدادى التى ذخيرة كثير من أشعار قدماء العرب وقد أفادنى حديثاً الأب انستاس . بارسال تصاوير شمسية للقصائد الأربع للنمر بن تولب فوجدته فى عنوان قصيدة عبدالله بن سلمة أنه قرأها فى « المفضليات » عند أبى الخشاب . ألك معرفة لابن ميمون وهل يوجد له ترجمة فى أىّ كتاب ؟ .

رجائى أنك فى العافية و أن الوقت الذى كنت فى مصر كان طيباً .
هل رأيت السيد محب الدين الخطيب و يريد إتمام طبعة « الخزانة » فانى كتبت إليه منذ شهور لما سمعت أنه نشر المجلد الثالث فلم يجب ، ولهذ أخاف أنه خسر فى طبع الجزء الأول من « لسان العرب » . لعله يظن أن الذنب لى فى سوء الذكر له من الأب انستاس ولكن كان عزمى فى إرساله نسخة إليه بأن يذكره بالجميل .

و فى الختام رجائى أن زيارتك الآستانة ستكون طيبة مفيدة لأبحاثك و مع ترديد الشكر و الدعاء لك وجزيل الاحترام أبقى

المخلص لك
سالم الكرنكوى

= يا للأسف زوجتي لا تزال مريضة تشكى الآلام فى أعضائها ولا يمكن ...
السبب الرحيل من كامبرج الا نادراً إلى لندن مرة أو مرتين فى السنة ...

— (٢٥) —

كامبرج
١٧ آغست ١٩٣٦

صديقي العزيز حفظك الله تعالى فى العافية

السلام عليك و رحمة الله أما بعد تقديم الاكرام والتحية فقد وصلني كتابك الجليل بعد ان كنت أخاف أنك نسيتني إذ مكاتيبك نادرة مثل عنقاء المغرب و منذ فارقت بلادك صرت بالضرورة محدثاً و مؤرخاً بعد ان كنت مشتغلاً بالأدب و اللغة .

قد كتبت إلى محب الدين الخطيب قبل سنتين هل طبع المجلدات الباقية من « الخزانة » فلم يحر جواباً ثم أخبرني حسام الدين القدسي بأنه مشغول بأمور غير ذلك .

كيف أحب أني كنت أرى الكتب التى استنسختها فى سفرك إذ كنت مغرماً بجمع أشعار القدماء من شعراء العرب ولكن لم أزد منذ رجوعي إلى هذه البلاد على ما جمعت من قبل مع كثرة الكتب المنشورة فى هذا الزمان .

أما طبقات نحاة البصرة للسيرافى فقد أرسلني عزالدين التنوخى بعد إتمام الطبع تصاوير شمسية من النسخة المحفوظة فى خزانة الظاهرية بدمشق وإن كانت دون أصلي وقعت على غلط فاحش فاتت عيني ورجائى أنه يمكن التنبيه عليه فى جدول الأغلاط فى أخر المقدمة الفرنساوية ، وسأرسل إليك نسخة وقت ما ترد إليّ .

سأرسل إليك ما جمعت من شعر الأفوه الأودى ولا أظن أن عندى شيئاً من شعر الشنفرى سوى الطائية فى « المفضليات » واللامية التى أعتقد أنها منحولة . فما رأيك فى ذلك؟ أهي مضبوطة فى ديوانه .

أما « منتهى الطلب فى أشعار العرب » لابن ميمون البغدادى ففى الخزانة العمومية بالقاهرة نسخة كاملة فيما أظن ، وعند الأستاذ معظم حسين

بـدكّـة فهرسة أسماء الشعراء و القوافي وقد أفادني بإرسال مختصر هذه الفهرسة ولكن لا أدري هل استنسختها بكمالها . و عندي تصاوير صفحات تشتمل على ثلاث قصائد للنمر بن تولب سأرسلها إليك إعارةً لأني كنت أعزم نشر مابقي من شعره إذ ذكر فيه لقمان و غيره من رجال الجاهلية .

أما [ديوان] كعب بن زهير فقد نقلت نسختين عن الأصل المحفوظ في خزانة المجمع الآسوي الألماني ولكن أعرتهما سنة ١٩١٢ قبل الحرب العظمى للأستاذ كوالسكى (Kowalski) لأنه عزم نشر هذا الديوان بعد أن نشر « ديوان قيس بن الخطيم » وإذ أنت وجدت نسخة ثانية في رواية مختلفة سأطلب منه ردّ إحدى النسختين لأعيرها لك و إنما نشر القصيدة الثانية من الديوان وهى الرائية في مدح الأنصار عن نسختي نفسها . ونسخة الأصل قديمة كتبت قبل الستمئة ولكن فيها خرم في أخر النونية إن لم يخنني خاطري ، لأني ما رأيت هذه النسخة منذ ٣٤ سنة .

أما كتاب « التنبيهات » لعلى بن حمزة البصري فلا أشك بأن يمكن أستعارتها إلى كامبرج للمقابلة او طلبتها من مدير خزانة استراسبورغ أم في إمكان الامتناع أخذ تصاوير شمسية وسأخبرك في المستقبل عن قدر صفحاتها .

أما كتاب « التصحيف » لأبي أحمد العسكري فالنسخة الوحيدة في المتحفة البريطانية وإذ هي منقولة عن النسخة المصرية فلا فائدة في نظرها . قد نظرت فيها سنة ١٩٢٠ فوجدتها كثيرة الأغلاط مكتوبة بخط كاتب جاهل مصري

« ديوان ابراهيم بن العباس الصولي » لا أعرف نسخة منه و قد جمعت شيئاً من شعره .

« ديوان عبد بني الحسحاس » فمنه نسخة جيدة بخط العلامة خميس بن علي الحوزي المتوفى سنة ٥١٠ وقد نشر نبذة منه فقط نولدكة (Noldeke) منذ خمسين سنة ثم عزم الأستاذ ريشر نشر الديوان بكماله فلم يفعل .

« ديوان العرجي » فقد سألني الأب انستاس قبل سنة هل أعرف نسخة ثانية من هذا الديوان ولا أظن أنه تكون في العالم نسخة ثانية

بل أشك أن يكون ... إذ الأشعار المنسوبة إليه فى كتب الأدب يسيرة أكثرها مأخوذة من « كتاب الأغانى » .

لم أكمل إلى الآن مطالعة « اللآلى » وكنت أحبّ أنك زدت فهرساً للقوافى و لأسماء الشعراء وقد وقفت على أشياء طفيفة فاتت عينك وقت الطبع سأكتب إليك مرة أخرى بعد تكميل قراءتها .

قد نسيت أ أعطاك القدسى نسخة من « معجم المرزبانى » أم لا . لم يطبعه كما كنت أحبّ لأنى كنت أضبط الأسماء والأشعار بالشكل التام مع فهرس للأسماء كلها ولكن كتب إلىّ أنه سيزيد فى حجم وثمن الكتاب!!

أما « ديوان أبى كبير » الذى نشر فى جزيئتن فى مجلة باريس سأطلب من صديقى الناشر هدية نسخة لو بقيت عنده .

وأما أنا فمثل طائر فى قفص ماهنا لأجل المرض العضال و الآلام التى تشتكى منها زوجتى وما دخلت مكتبة الجامعة منذ فبرورى هذه السنة وأخر مرة رحلت إلى لندن كان فى خريف السنة الماضية بعد رجوعى من رومية.

رجائى أنك وأولادك فى العافية وكمال الصحة ومع جزيل الاحترام و تصديق الصداقة أبقى

المخلص لك

سالم الكرنكوى

وأنا أيضاً أتألم من القلب لاأدرى ما تكون الحصول فتوكلى على الله .

— (٢٦) —

كامبرج

٧ تشرين الأول ١٩٣٦

صديقى العزيز حفظك الله تعالى فى السعادة

بعد السلام و التحية فقد وصلنى كتابك الجليل فى الأسبوع الماضى و لولا أنى كنت منتظراً جواباً من الأستاذ كوالسكى لكتبت إليك برجوع البريد و الآن وصل كتابه مع فهرسة القوافى الموجودة في نسختى من ديوان كعب بن ز[هير] فأخبرنى أنه كاد يفرغ من تهذيب الديوان للطبع وهو يزعم نشره فى [السنين] الآتية ولهذا السبب لم يرد إحدى من النسختين

التين كتبتهما و مما [عنده من] سنة ١٩١٢ يعنى ٢٤ سنة وهو يطلب منى أن أسئالك بأن تسمح بتر[ك ... طبع ؟] الديوان له وأيضاً أن تفيده بخبر أنى يوجد الديوا[ن برواية] الأحول ليقابلها بأصله . وقد أرسلت إليه مع النسختين نسخة للقصيد[تين] أعنى بانت سعاد ومدح الأنصار اللتين وجدتهما فى نسخة قديمة بخط خمي[س بن على] الحوزى فى خزانة ليبسيك و هذه النسخة كتبها خميس نحو سنة ٥٠٠ وقد أنسيت تاريخها لقدم العهد .

كتبت أيضاً إلى استراسبرگ أطلب ثمن تصاوير شمسية من «التنبيهات» و لكن لم يصل جوابهم إلى اليوم .

أما شعر إبراهيم بن العباس الصولى فما كنت أظن شعره لائقاً لأجمع كل وجدت فى المجامع لسهولة ألفاظه وقلة غريبه و إذ لم توجد الا مقطعات لا تزيد على خمسة أبيات وأنا مرسل اليك مع هذا البريد ما عندى و لا أظن أنك تجد شيئاً ليس عندك فلاترد الجزء إذ لافائدة فى حفظه بعد نشرك للديوان بكماله

أما عندى نسخة من « ديوان المثقب العبدى » منقولة عن نسخة فى إحدى خزائن الأستانة زدت فى آخرها نبذة من الديوان فى رواية ابن دريد منقولة عن النسخة فى المتحفة البريطانية .

وأيضاً فى المتحفة المذكورة نسخة جيدة قديمة من « ديوان المتلمس » كانت فى ملك خاص فى هذه البلاد منذ ثلاث مئة سنة و ليس يبعيد أن النسخة المحفوظة فى القاهرة منقولة منها قبل جلب الأصل إلى إنكلترا .

كتبت أيضاً لأجلك إلى صديقى فيهم البركتاروج وهو مسلم بوسنوى و أستاذ اللغات الاسلامية فى جامعة بلغراد هل بقيت عنده نسخة من شعر أبى كبير و أنا منتظر جوابه .

أما «ديوان طفيل» و«ديوان الطرماح» فليست عندى الا النسخة الواحدة التى أنظر فيها مرة فى السنتين إذ لست براض من عملى قبل ثلاثين سنة ولكن أرجو أنه يمكننى أن أهدى إليك نسخة قريباً .

أتاسف كل أسف أنك تشتكى الآلام و أنت شاب فى الخمسين ـــ

[من ...] و دعائي أن الله تعالى يبقيك سنين عديدة في العافية للاد[اب ...]
في بلادك ، و أما أنا فزوجتي لاتزال مريضة تتألم بالآلام المضنية...
وهمومي و غمومي تكثر مع كل شهر حتى صرت شيخاً هرماً أتشوق
إلى ... التي لاتدنو أبداً .

والعجب كل العجب بعد أن طبعت كتاب الآمدي، وجدت أن في
خزا[نة] جامعة كامبرج نسختين كاملتين من الكتاب لم أقف على معرفتهما
الا بعد إرسال الكتاب إلى مصر.

نسخت « كتاب الجيم » لأبي عمرو الشيباني عن النسخة المحفوظة
في الاسكوريال بالأندلس وهي في ٢٦٧ ورقة كبيرة قديمة العهد صحيحة النقل
عن نسختي أبي موسى الحامض ا والسكري الذين أخذا كلاهما عن أصل
المؤلف ، وهل ينشر كتاب كبير؟ .

و في الختام يا صديقي اقبل جزيل احترامي و أزكى التحية والسلام

المخلص

سالم الكرنكوي

— (٢٧) —

كامبرج

٢٥ تشرين الثاني ١٩٣٦

صديقي العزيز حفظك الله في السعادة

السلام عليك ورحمة الله فقد كتبت إلى البروفسور كوالسكي وقت ورود
كتابك و أخبرته أنك تعزم على نشر « ديوان كعب بن زهير » فتطلب
منه إرسال نسختي في رواية السكري فوصل اليوم جوابه يقول فيه أنه منذ
زمان طويل جمع ما أمكن من الشواهد و الزيادات ليكمل ما نقص
في هذه الرواية و إذ لك جملة من الكتب النادرة التي تريد طبعها
يسئالك هو أنك تسمح له باعارة نسختك ليتم مراده وهو شاكرك إلى
الأبد فانه يريد أن يزيد ترجمة ألمانية وإذ هو معلوم عند علماء اوروبا
أنه شرع في تهذيب هذا الديوان يعتقد أنه أحق بهذا العمل وأنا أيضاً

أسألك أنك بكرمك المعهود تترك هذا العمل له وتتفضل باعارة نسختك من رواية الأحول وهو يذكر خدمتك للعلوم العربية فى مقدمة المطبوعة و إن شئت تخبره أين وجدت نسخة الأصل ليحصله التصاوير الشمسية .

و اليوم ورد كتاب آخر من بلغراد من الأستاذ يرقتاروج وهو يعدنى إهداء نسخة من « ديوان أبى كبير » سائلاً هل يرسلها إلى أم إليك قصداً فاكتب إليه اليوم ليرسلها إليك إلى الهند رجاء أن هذا يكون سبباً للمكاتبة بينكما .

أما ما أرسلت إلى صديقى المرحوم كائر [R.Geyer] فأخاف أن كتبه ضاعت و بآخر خبر وصلنى أن أحد تلامذه وهو قسيس فى إحدى صوامع اوستريا أخذها برمتها إلى تلك الصومعة فلم يمكن لأحد الوصول إلى الكتب بل لم يعرف هل ضاعت بتاً وقد كان كاير مريضاً سنين قبل موته وليس له وارث إذ ولداه ماتا قبل وفاته. وكان هو فى حياته رجلاً كريماً دائم المساعدة للأصدقاء . وكان الأستاذ كوالسكى أنجب تلامذه ولكن بعد الحرب العظمى صار هو پولونيا لأجل قسم الدولة الاوسترية فى بلاد شتى ولعله عالم حيث توجد أو توصل إلى كتب كاير وسأسئله مرة أخرى بعد وصول جوابك عن مطلوبه .

و فى الختام أقبل أرعى إكرامى وجزيل الشاكر .

المخلص

سالم الكرنكوى

ما نظن وجدت نسختين من « كتاب المؤتلف و المختلف » للآمدى فى خزانة جامعتنا هاهنا . هذه غفلة عجيبة منى .

كامبرج
۸ ابريل ۱۹۳۷

صديقي المفضال أبقاك الله تعالى للاخوان

بعد السلام وجزيل الاحترام فقد وصلني كتابك وكان سبب تأخر جواب أني كنت مريضاً منذ أول هذه السنة و أنا أتالم آلاماً ليلاً ونهاراً و لم أجد طبيباً له معرفة في ثفنها و أنت أيضاً كما تقول في كتابك المؤرخ السادس من ديسمبر السنة الماضية عليل فدعائي أنّ الله تعالى برحمته برءك إلى العافية إذ أنت في تمام الكهوله و نحن نرجو منك البقاء في خدمة العلوم العربية .

أنا أتاسف من كثرة الأغلاط في كتاب « أخبار النحويين » ولهذا الأسباب أولها أني وجدت التصاوير في خزانة برلين فنقلتها في أيام قلائل قبل ارتحالي إلى بون ثم كنت مسافراً من بلد إلى بلد لأجل مرض زوجتي فلم تكن عندي الكتب اللازمة لمقابلة الأخبار وأيضاً بُعد مكان المطبعة من دار مقري و إكمال من تكرير قراءة الملازم لكثرة الأغلاط من مركبي المطبعة الكاثوليقية ثم لما كمل الطبع تفضل السيد عزالدين التنوخي بارسال تصاوير النسخة المحفوظة في الظاهرية بدمشق فلم يمكن زيادة جدول الاختلاف بين النسختين ولو وجدت الفرصة من علتي لنشرت ما صححته ، وأيضاً ما وجدت أنا بعد الطبع .

أنت لاتقول كلمة في أمر « ديوان كعب بن زهير » و يدوم رجائي أنك تسمح باعارة نسختك أو تشير إلى أين موضع أصلك إذ صديقي كرالسكي يصر في عزمه ، وإذ كانت نسختي عنده منذ عشرين سنة أو أكثر وقد جاهد في جمع الأبيات المفرقة ، يكون رجائي أنك تترك نشر هذا الديوان له وهذا أول شيء سألتك بأن تغادره لي و له .

و دعائي أنك في العافية و ان كل أمورك تجري مجراها فيها تأمل و تحب ، وفي الختام أبقى مع جزيل الاحترام

المخلص لك

سالم الكرنكوى

— (٢٩) —

كامبرج

٢٩ جولائی ١٩٣٧

صديقى العزيز   حفظك الله فى السعادة والعافية

السلام عليك ورحمة الله لقد وصلنى بيريد هذا الأسبوع هديتك أعنى فهارس « سمط اللآلى » فأشكرك أحسن شكراً . أمتنك عن إكمال فائدة هذا الكتاب المهم الذى بذات جهدك فى تهذيبه وجعلته من أصح مطبوعات أدبية وأنا أتأسف أن آلامى فى مرضى منذ ستة أشهر و أكثر منعتنى فى قراءة الكتاب بكماله ولكن كتبت تصحيحات قليلة فى الهوامش ومنها :

ص ٧٣٩ سطر ٦ مشدوه   المصام .

ص ٥٥٠ فى شعر النمرين تولب ، الصواب فقتّلبِ ... مطنبِ إذ هذا الشعر مجرور الروىّ

ص٥٣٥ سطر١١ فصتّفت " كما فى القالى وفى لسان العرب (١٣٧:٧) وصتّفت ثم فى سطر [الصواب صفحة] ٥٣٥ العصام . وكذا فى التفسير .

و لو كنت فى العافية لطالعت كلّ سطر ولكن الآن أتألم بتداول القلم .

و رجائى أنك فى العافية وكمال الصحة و إنك برئت فى الداء الذى ذكرته فى كتابك فى أول هذه السنة . و أنا متشوق إلى أخبارك ومعتذر بأنى لم أكتب أكثر من هذا فى هذا الكتاب .

ودعائى أن الله تعالى يعافيك ، و مع جزيل الاحترام أبقى .

المخلص لك

سالم الكرنكوى

كامبرج
مايو ١٩٣٨

صديقى العزيز حفظك الله فى العافية والسعادة

السلام عليك و رحمة الله و بركاته و بعد

فقد وصلنى أمس هديتك الجليلة فلا أدرى كيف أشكرك واجب الشكر و اشتاق أنه يمكننى أنى أصافحك لأهنئك عن أعمالك الصالحة فى ترقى الآداب العربية وكم مرة كنت أحب انك ... فى مطرح العين و المسمع حتى نتذاكر الأشياء التى نشارك فيها و لوكنت أعرف أنك وجدت نسخة ثانية من قصيدة عمارة بن عقيل لأرسلت إليك نسختى التى أخذت عن التصاوير الشمسية قبل أن طبع صديقى المرحوم غائر • كتاب المكاثرة • مأخوذة عن النسخة المحفوظة فى خزانة سلطان فاتح بالآستانة لأنى قرأت فى مواضع خلافاً مما طبع لكن أكابد المرض ومع هذا لم تزل زوجتى مريضة بمرض عضال عصبى وهى تحتاج دائماً مساعدتى فى الحركات فى البيت وليس لى إلا ساعات الليل لمطالعة الكتاب و مكاتبة الأقارب و الأصدقاء، ثم لما جنح الظلام أجد ضعفاً فى عظامى يقارب الكسل وكم مرة كنت أخاف بأنى انتهيت إلى مدء رحيلى فى الدنيا الفانية حتى أقول كما قال أبو النجم فى شطرين لم أجدهما فى اللامية ! .

كنا يأمل مدّاً فى الأجلِ
و المنايا هى آفات الأملِ

و عندى أشطار من هذه الأرجوزة لستَ ذاكرها وهى :

سنانها مثل القدامى منجلِ
يلمن من كلّ غميسٍ معقلِ
كأنه بالصحصحان الأنجلِ
قطن سخام بأيادى غزّلِ

ولم تذكر أن السيوطى فى الشواهد (ص١٥٤) ومع الشطر الأول شطرين وكذا العينى (٤ : ٥٩٥) وتبعهما صاحب الخزانة (١ : ٤٠١) .

عجيب أنك نشرت ثلاث قصائد لعدى بن الرقاع إذ صديقنا خليل مردم بيك طبع فى « مجلة المجمع » الدمشقى نبذ من شعره وكنت أنا أرسلت إليه شعرين وجدتهما فى « كتاب الخيل » لأبى عبيدة معمر بن المثنى لينشرهما زيادة إذ هما غير مشهورين

أنت تعرف أنه ليس بممكن قراءة كتابك فى يوم واحد ولكن هذه منيثات أخالفك فيها فى قصيدة عمارة :

بيت ١١ فى المكاثرة : كرمان (تثنية وهو أجود عندى) .

ب ١٣ فى أصل المكاثرة : الصنع والغرض (الضيع غلط من غاير) .

ب ٣٦ فى أصل المكاثرة : غوجٌ بالمعجمة وهو أصح من أجل الهاء فى بناء

ب ٤٣ فى أصل المكاثرة : يغتنمون

لم تذكر بيتا للأفوه فى « كتاب المعانى » لابن قتيبة(ورقة ١٥٠) بغيرعزو وهو :

و أقبل القوم نعامية فينا و فتنا بالنهاب الخميس

قال فى الشرح : نعامية ضرب فى المشى و فتنا الثانية من الفوء والخميس المخموس أى مأخوذ منه الخميس هـ .

ثم لم تذكر أن الشعرهى... أخذه الراغب [الاصفهانى] من كتاب الحيوان (٥ : ١٧٥). وفى البيت الثانى « فى دروغ وفى برس » لا أعرف ما الدرغ . و فى كتاب الحيوان « ذرع » ولعله « زرع » .

وهذا ما وجدت اليوم . و عزمى أن أكتب تقريظاً لكتابك هذا و « للآلى » إن شاء الله لكن الهموم تمنعنى — كماقلت — عن العمل حسب الحاجة .

وقد طال منذ وصلتنى أخبارك و لو لا صديقنا السيد بدرالدين لكنت جاهلاً عن أمور جامعتكم ولكن أسئالك أن تصدقنى أنى لم أنسك و إن طالت الأيام منذ كما نكاتب .

وفى الختام أقبل جزيل شكرى عن همتك العالية و أوفر احترامى .

أنت تذكر « ديوان حميد بن ثور » فأين نشرتها حتى أحصله .

المخلص لك

سالم الكرنكوى

كامبرج

٧ تشرين الأول ١٩٣٨

صديقى العزيز المحترم   حفظك الله تعالى

السلام عليك ورحمة الله وبركاته و بعد فقد وصلنى كتابك الكريم و أيضاً كتاب من صديقنا السيد بدرالدين فأجبته أمس فى مسألة عداوة أبى عبد الله السورتى لنا جميعاً و أنا لا أبالى ما يقول ولكن أعرف أنك تعفو كثيراً و فضلك معروف شرقاً وغرباً و من ذا يعرفه وإن كان عالماً بالعربية ولو عرفت أنى لست قوياً كما كنت إذ الهموم المختلفة شغلتنى منذ غادرت بلاد الهند لعرفت أنى أهيم إلى السنين الماضية و مع هذا زوجتى لا تزال تألم بالمرض العضال الذى يقتضى مساعدتى فى كل ساعة و لهذا قلّت أعمالى و لكن رجائى أكون أنه يمكننى العمل فى المستقبل .

أما طبع « معانى » إبن قتيبة فلايزال عندى فى حزمة مكتومة و لكن كلمت الأستاذ أحمد أمين فى بروسل فالمانع إلى الآن حصول الدنانير للطبع و السيد أحمد أمين وعدنى نصف النفقات لو وجدت من يدفع الباقى ليتمّ المراد و قد كنت كتبت إلى حيدرآباد أطلب هذه المساعدة فلم يحيروا جواباً .

أما كتابك « السمط » و « الطرف » فقد كتبت تقريظهما ولكن لم أرسله إلى اليوم إلى مدير المجلة الآسيوية و سأرسله فى هذه الأيام .

أما « كتاب المقصور و الممدود » فلامعرفة عند علماء أوروبا إلا النسخة المحفوظة فى خزانة أولو جامع بمدينة بروسة و قد كان الأستاذ ريشر (Rescher) ذكر هذه النسخة فى المجلة الألمانية فى سنة ١٩١٤ إلا أن النسخة كانت مفقودة لما أراد النظر إليها .

أما كتاب « أسماء جبال تهامة » لعرام بن الأصبغ السلمى فلست أعرف إلا ما يورده ياقوت فى معجمه و لم يذكر بروكلمن هذا الكتاب فى الزيادات لتاريخ الآداب العربية .

أما « شرح مايقع فيها التصحيف » لأبى أحمد العسكرى لم يذكره بروكلمن فى الزيادات إلا النسخ المصرية و نسخة فى خزانة داماد زاده التى عنوانها « أخبار المصحفين » . و أما النسخة المحفوظة فى المتحفة البريطانية فليست إلا منقولة رديئة عن نسخة مصرية فلا فائدة فى مقابلتها ليس أيضاً فى بلاد أوروبا نسخة من « كتاب التنبيهات » لعلى بن حمزة» و بروكلمن فى الزيادات يذكر النسخة فى خزانة أحمد تيمور باشا و فى دار الكتب فقط

أما «ديوان كعب بن زهير» فقد شافهت الأستاذ كوالسكى فى بروسل فأخبرنى أنه قد تمّ تهذيبه و الترجمة الالمانية و لكن تبقى مسألة نفقات الطبع ! . ثم أخبرنى فى بروسل بعض من حضر — وأنسيت من كان — أنّ ديوان كعب فى رواية الأحول قد طبع فى مصر طبعة غيرجيدة .

أما الأطروحة التى كتبها الأستاذ ديروف (Dyroff) لتحصيل الدرجة الدكتورية فى سنة ١٨٩٢ فلا رجاء فى سرادها والنسخة التى فى ملكى أهدانيها ديروف فى سنة ١٩١٠ لما يئست من تحصيلها ، و كذلك الرسالة كتبها الآنسة مارية نلّينو (Maria Nallino) فانها طبعت منها نسخ يسيرة على الحجر و التى عندى أيضاً هدية منها .

لا أدرى أنه طبع فى هذه البلاد شيء مهم والسبب الفقر العام و غلونفقات الطبع ولكن أرانى الأستاذ كرامرس (Kramers) الطبعة الجديدة لكتاب «المسالك» لابن حوقل مع خرائط قديمة التى هذّبها ! ثم أخبرنى أحد اليهود من القدس بأنه سينشر قريباً مجلد ثان من كتاب «الأشراف» للبلاذرى فقد رأيت من هذا المجلد عدة ملازم فيها نبذ من الشعر القديم أرسلوا إلىّ هذه الملازم لأجل شكوك وقعت . لعلك رأيت كتاب « أخبار أبى تمام » للصولى الذى طبع حديثاً فى مصر .

و ما أفرح منه هو الخبر أنك فى أحسن حال مما كنت فيها فى السنين الماضية و أن الآلم فى ظهرك قد زال وأنا أحمد الله معك الذى ردّك إلى العافية فدعائى أن الله يبقيك سنين عديدة لأصدقائك و للعلوم العربية التى أنت أحد أركانها .

زوجتى تقول قبل أن أختم هذا الكتاب بأن أقرأ إليك سلامها

وشكرك لاهداء الفاكهات وقت ارتحالنا من على كره .
و مع هذا اقبل جزيل احترامي وتصديق صداقتي الخالصة .
المخلص
سالم الكرنكوى

— (٣٢) —

57, De Freville Avenue
Cambridge
٢٠ ايّار ١٩٣٩

صديقي العزيز حفظك الله في العافية

السلام عليك ورحمة الله وبركاته بعد فقد وصلني اليوم كتاب من خازن الكتب العربية في جامعة ليدن فتجده في ضمن هذا المكتوب لتطالعه بنفسك و رجائي أنك ترده مع جوابك هل تريد أخذ تصاوير الصفحات التي يذكرها في كتابه .

أشكرك عن التنبيهات إلى الأغلاط في كتاب « الجماهر ا » و قد وجدت أكثر منها وأنت تعرف أني لم أر المسودات قبل إتمام الطبع و أيضاً أني كتبت في نسختي الحركات اللازمة ولكن صديقي المولوى هاشم ربما ظن غير هذا و وجد طبع الأشكال صعباً والله أعلم .

قد كنت بحثت عن الأبيات التي ذكرتها في كتابك المؤرخ العشرين في الشهر الماضي فلم أعثر عليها في الكتب التي في خزانة كتبي وليس في خزانة جامعتنا كثير شيء سوى ما أملكه أنا ، ولو كان عندي نسخة من « كتاب الجيم » لأبي عمرو الشيباني كان ممكناً أنه أوردها في شواهده ولكن أهديت نسختي لخزانة جامعة ليبسك يئساً من أن تكن لي الفرصة فيما يبقى من حياتي لأنشر هذا الكتاب المهمّ و أنا أتأسف الآن من فعلى

زوجتي لاتزال مريضة وهي تشكى دائماً الآلام العصبية ولهذا السبب زال عني كل حاجة للعمل .

رجائي أنك و أهلك في العافية ومع جزيل احترامي أبقى .
المخلص لك
سالم الكرنكوى

57, De Freville Avenue
Cambridge
٢٥ آب ١٩٣٩

صديقي المحترم   حفظك الله تعالى

السلام عليك ورحمة الله وبركاته و بعد ، اليوم أهديت لي كتاب «أخبار الشعراء المحدثين١» لابن المعتزّ الذي نشر على نفقة لجنة جبّ [Gibb] فوجدت فيه ص٥٣ نقلاً عن «مختار هذا الكتاب الذي محفوظ في خزانة الاسكوريال ، ص ٤٠ أخبار خالد القناص :

قال مما يستحسن من شعر خالد القناص كلمته التي هي سائرة في الناس :

عوجوا على طلل بالقفص خلاّني   أقوى فقطّانه أرآل ميقان
قد غيّرت آيه ريح شآمية   و وبل منعجر بالسيل مرنان
أمسى خلاءً وأمسى أهلها شحطوا   نواهم حيث أمّوا أرض نجران

ص ٤١ ومنها :

دار لجارية بيضاء لامية   كالشمس ضاحية في خلق جنّان
بيضاء خرعبة خرد مطيّبة   العين معجبة نفي لأحزان

ثم طرد أبياته كلها على هذا النمط ، وقال في آخرها :

حتى إذا ثملوا من طول ما نهلوا   مالوا وما عقلوا تميال وسنان
قتلى و ما قتلوا جهلى وما جهلوا   سكرى و ما انقلبوا من حكم لقمان
دارت قزاقزهم ٢ لانت مغامزهم   ذاتت غرائزهم من نقر عيدان

قال زعم مرداس بن محمد أن من رواها ثم لم يقل الشعر فلا ترج خيره . قال ابن المعتز ، وأنا أقول أيضاً [إن] من روى هذا٣ ثم لم يقل الشعر فأبعده الله وأسحقه .

قال الناسخ لها : ما قرأت لأحد أبرد منها ولا أشدّ تفاوتاً ولست أدري ما هذا الوصف من ابن المعتز مع براعته وتقدّمه ولعل نُحل هذا الكلام و الله أعلم .

قال المبارك بن أحمد ٥ :

صدق و الله الناسخ — غفر الله له — ليس في هذه القصيدة بيت واحد إلا ردىء النظم ، متباين الوصف مستكره٦ الألفاظ قلق المعاني

سيما مطلعها إلى قول :

دار لجارية بيضاء لاميـة

فانه كثير الحشو قبيح النسيج لا طـائل تحته .

ثم ذكر الناشر الأستاذ عباس إقبال الطبراني كتاب الحيوان (٧ : ٥٢) و معجم ياقوت (٣ : ٢٥٢) .

كتبت هذا إليك ظناً أن هذا الكتاب لم يصل إليك وهو مطبوع بالعكوس الشمسية ولكن الناشر يورد في التعليقات الاختلاف بين النسخة الكاملة و المختصر ، و في الكتابين ١٣٢ ترجمة مع نبذ من أشعارهم . رجائي أنك بالخير و العافية وفي الختام اقبل خالص صداقتي والاحترام.

المخلص

سالم الكرنكوى

— (٣٤) —

57, De Freville Avenue
Cambridge
١٥ نيسان ١٩٥٢

صديقي العزيز المحترم حفظك الله تعالى

السلام عليك ورحمة الله أما بعد فقد وصلني كتابك الجليل وسعدت لأنك في صحة جيدة ولأنك منشغل كالعادة بأعمالك العلمية . و يسرني أن أقرأ الرسالة العلمية « الحماسة البصرية » لصدر الدين علي بن أبي الفرج البصري التي قدّمها تلميذك السيد مختار الدين أحمد للحصول على شهادة الدكتوراه من جامعة عليكره على الرغم من أني مريض و أرقد في المستشفى و من أني رفضت تمحيص الرسائل من عدة جامعات وحتى رفضت الأعمال التي كلفتني دائرة المعارف العثمانية بها ، ولكن ولأني مشغوف بهذا الكتاب فانه يسرّني أن أصير خبيراً على عمل تلميذ كم السعيد . رجائي أنك في كمال الصحة ومع جزيل الاحترام أبقى .

المخلص لك

سالم الكرنكوى

* نسرد هنا بعض رسائل الأستاذ سالم الكرنكوى التـي تتعلق بالحماسة البصرية فلعل فائدتها تكون أعم .

Professor F. Krenkow, Ph. D.

57, De Freville Avenue
Camdridge
12 May 1952

Dear Mr. Mukhtar-ud-Din

I received last week from the Registrar your work on the Bisrian Hamasa and am pleased with the competent manner in which you have done your work. I must however protest against your naming the work the Bisrian (with Kasra). After all the work has been known for centuries as the Basrian Hamasa (with Fath) and I am convinced that this is the better title. Accordiog to the *Lisan al-'Arab* Bisrian is Shadh شاذ and these pronunciations should be avoided. We have in Arabic literature quite a number of wrong readings, the most common is, I believe, the Nisba of the geographer al-Maqdisi (which arose in Europe quite early driving it from the form البيت المقدّس while the correct name for Jerusalem is بيت المقدس .

Though I am not in the best of health I will examine your work with the utmost speed so that the bestowal of the degree is not unnecessarily delayed.

I hope that in your future life you will remain true to your present studies and wish you every success.

Yours sincerely,
F. Krenkow

57, De Freville Avenue
Cambrigde
14 June 1952

Dear Mr. Mukhtaruddin Arzu

Though it unusual for an examiner to communicate with the candidate I believe, considering the impossibility of meeting you personally, I may be excused to take this step.

I am very pleased with your work and only regret that you did not have photographs of the original manuscripts from Istanbul as it would undoutably saved you much trouble in establishing correct readings which have been spoiled by ignorant copyists. I have read every word of your thesis and made some pencil noting where I believe I can suggest better readings. Unfortunately I presented most of my Arabic and Persian books to the Hamburg University who lost every book through air-raid in 1941 and had to rely upon my memory entirely. I believe a number of the lullabies are found in one of the printed works of Al-Jahiz. You would do well to compare again some of the poems found in the *Mufaddaliyat*. As regards the little book on the poets with the name of 'Amr by Ibn al-Jarrah this was done very badly by the Austrian Brau and I had send a correct copy to Qudsy

to publish it together with Marzubani and Amidi, but he wrote me that to include it would make the book commercially too expensive. I have photos of this little treatise. I had arranged with Qudsi that the three works should be printed with at least some vocalisation but he pleased himself. Several of the fragments you have been unble to identify I certainly knew, but my books, together with valuable notes being gone, I was unable to give you any help in that way. Against this you were fortunate that my valued friend, Abdul Aziz granted you access to his treasures collected on his journey to Istanbul and Egypt and I want you to give him my assurance of undying friendship.

I am now a very old man and all I can do is to wish you a very happy and successful carrer. والسلام

I I con be of use to you do not hasitate to write to me.

Yours Sincerely
F. Krenkow

57, De Freville Avenue
Cambridge
25 August 1952

Dear Dr. Mukhtaruddin,

I have been recently, end of july, to attend the Oriental German Congress at Bonn and there met Miss (Signorina) Maria Nallino, daughter of the great Italian scholar, and she told me that she is preparing an edition of the poems of an - Nabigha al - Ja'di to be printed in Cairo. You would do me and her a great service if you could send me (or her direct) particulars of the fragments found in the Basrian *Hamasa* to make her work more complete and this service would bring you also into contact with other European scholars.

Thanking you in anticipation and with kindest regards to you and my old friend professor Abdul Aziz belive me.

Her address is : I 11, Dottore Maria Nallino Via Jacope Ruffini 2
Roma, Italy

Yours Sincerely,
F. Krenkow

— (٣٥) —

الأستاذ فان آرندونك

Legatum Warnerianum
Leiden

ليدن

١٨ — ٥ — ١٩٣٩

الأستاذ الكريم

إن مخطوطتنا الكتاب « إصلاح المنطق » المرقمة : ٤٤٦ شرقية (أنظر فهرس مخطوطاتنا العربية ١/٣٣، رقم ٤٦) هى الوحيدة التى تتضمن

اقتباسات من كتاب « التنبيهات » لعلى بن حمزة البصرى . و بروكلمان واهم حين كتب الرقم ٤٤٥ فى تاريخ الأدب العربى (١ : ١١٤)، والرقم٤٦ هو الرقم التسلسل الذى وصف تحته المخطوط المرقم ٤٤٦ شرقية .

الاقتباسات من «التنبيهات» تقع فى الأوراق الآتية :

٢أ — ٨ب تتعلق باصلاح المنطق لابن السكيت

٨أ السطر ٢٤ — ٨ب السطر ٣٩ تتعلق بالكامل للمبرد

٨ب — ٩أ السطر ٢٤ حول أغاليط أبى عمرو اسحاق بن ميرار الشيبانى (عن الشيبانى انظر بروكلمان ١/١١٦)

٩ ب فى اثنى عشر سطراً كتاب اختيار فصيح الكلام لثعلب .

و يبدو أن هذه الاقتباسات كتبت عام ٩٦٦هـ من قبل محمد بن الحسن الشارنقاشى الذى قابل مخطوطة «إصلاح المنطق» التى كتبها سعد الخير الأنصارى ا تلميذ التبريزى سنة ٤٩٥هـ — ٤٩٦هـ بنسخة قديمة . و يتراءى أن النص إلى حد ما صحيح . و التنبيهات على الكامل (ورقة ٨أ السطر ٤ — ٨ب السطر ٢٩) ضمنها دى خويه ملاحظاته النقدية عن « الكامل » للمبرد الذى حققه وليم رايط وذلك فى الصفحة ١٥٧-١٥٩، و تعقب هذا النص قطعة من التنبيهات على «إصلاح المنطق» . و ذلك فى الصفحة ١٥٧ السطر ١٣ - ٢٢ التى تقابل الورقة ٧ب السطر ٢٢ وما بعده من المطبوطة . وقد ارتكب دى خويه خطأ فى الصفحة ١٥٧ السطر ١٨ من النسخة المخطوطة حيث كتب « فأفتح » فى حين أنها فى الأصل المخطوط « فافتح » . وكذلك الحال بالنسبة إلى « ماوه » إذ اتبعها بـ « كذا » . و ذلك فى الصفحة ١٥٨ السطر السادس فى حين أنها فى المخطوط « ماه » أى « ماءه » .

هل السيد عابد أحمد على (أهو فى عليكره الآن ؟) الذى يحقق «إصلاح المنطق» لابن السكيت وراجع النسخة المخطوطة المحفوظة فى مكتبتنا أيضاً ، يرغب أن يضمن هذه التنبيهات المتعلقة بكتاب «إصلاح المنطق » فى تحقيقه ؟

قرأت بإمعان القائمة التي بعثتها عن بعض الشعراء الذين ذكروا في «ذيل الأمالي» للقالي، و يسرني أن أرسل إليكم بعض الملاحظات عن أولئك الشعراء منهم الذين عرفت شيئاً من مصادر أخرى . وسأكون سعيداً إذا كانت مفيدة لك[1] . لقد سرّني أن أسمع بأنك حصلت على مصورة لمخطوطة « تيوبنجن[2] » ، و بأنّ كتاب « اللآلي » ينشر عما قريب .

لقد أخبرت بأنّ درجة أستاذ في قسم اللغة العربية قد شغرت بعليكره ، و أعتقد أنها منصب الدكتور تريتون. وليس الدكتور كرنكو. من الطبيعي أن أرغب جداً في هذه الدرجة التي تمتع بها موروو تس لمدة طويلة وسأكون شاكراً أن أسمع منكم أخطأ مسئولو الجامعة أية خطوط لتعيين شخص ما في هذا المنصب إلى جانب إعلانهم .

المخلص

جوزيف فيوك

— (٣٧) —

الأستاذ هيلمت ريتر

Belick' Istanbul
Turkey

بيلك — تركيه
١٩٤٧/٢/٦

حضرة الفاضل الكريم الأستاذ العلامة عبد العزيز الميمني سلمه الله .

بعد السلام و التحية والاحترام فكيف أشكر تلك الورقة النادرة عن نوادر أبي مسحل فانها أصبحت سبباً لوصل مراسلة الصديق المنقطعة من دهر وبشرتنا بسلامة الأستاذ الفاضل . فاعلم أيها الأستاذ أنه قد جاءت من مصر ارجافات فيما نعوذ بالله منه ولما وصلتنا رسالتكم انجلى الغم عن قلبنا وتقشع الغمام عن خاطرنا وحمدنا الله على دوام صحتكم وسلامتكم و ندعوه أن يسبغ عليكم أفضاله . وسرّنا أيضاً أن إفاضاتكم لاتزال تفيض في « الوحشيات[2] » (و الانسيات إن شاء الله) و غيرها مما سنستفيد منه كل الاستفادة إنّ شاء الله . و أما أخبار هذا البلدة و أهل العلم فيها فقد صار شرف الدين بك رئيس الامور الدينية[1] في أنقرة ولم أراجهه من مدة مديدة وهو ورفعت بك[2] مشغول بطبع « ذيل كشف الظنون » ، و إذا راسلتموه

لابد من وجود إعتراض على إخراج المخطوطة من المكتبة لكونها نسخة قديمة و نادرة . و لكن يمكن تصوير نص التنبيهات على « إصلاح المنطق» على سبعة ألواح ، وهذا يكلف ما يعادل أربع كلدرات إضافة إلى أجرة البريد . وأما إذا أرسلت مسودة تحقيقك فأكون سعيداً أن أجرى مقابلة بينها و بين الملاحظات الموجودة هنا ، وأن أثبت اختلافاتهما .

صديقنا وينسنك كان قبل أسابيع مريضاً على نحو سيىء ، فقد أصيب قلبه وكليتاه بعد أن شكى من ورم فى حنجرته مصحوب بحمّى شديدة وهذا ما هدّ من قواه كثيراً. أما الآن فيسعدنى أن أقول أن صحته تتقدّم نحو الأحسن ، وإن كان تقدمها بطيئاً وكان هو لفراشه ملازماً .

آمل أنك تعمل بجد ، مع أجمل الامنيات .

المخلص لك

فان أرندونك

— (٣٦) —

الأستاذ جوزيف فيوك

رمنا — داكا

١٩٢١/٨/٢٥

حضرة الأستاذ عبد العزيز الميمنى

أشكرك دائماً وكثيراً لرسالتك الكريمة وللمادة التى بعثت بها عن جزء من « الفهرست» وهو مهمة لى وسأعيدها حال انتهائى من قراءتها . و فى الوقت نفسه أخبرت بأن هنالك مصوراً ممتازاً فى « جيپور» ، و لعله يصور النسخة المحفوظة فى « تونك » . وانى أسف لأنى لم يتح لى الوقت حتى الآن لكى أكتب إلى « جيپور» عنها لانى جد مشغول خلال هذا العام الدراسى ، ولشعورى بأنى معوق جداً بسبب من جوّ « دكا » الرطب الذى يجعلنى أشعر ، غالباً ، بأنى عليل . وهذا هو السبب أيضاً لم أكتب جواب رسالتك الكريمة حتى الآن .

فلا اشك ان يرسل لكم منه نسخة ، و ريشر [O.Rescher] صار حافظ كتب متحف الآثار العتيقة وهو يشتغل بديوان حسان لا يبرح يشتكى من كثرة أغلاط المطبوعات على عادته وغموض الكثير من الأبيات، و تخرج تلميذى أحمد آتش، و صحح «سندبادنامه» الكاتب السمرقندى مع عزو أبياته العربية وطبعه يتم عن قريب إن شاء الله. ثم يريد طبع ديوان النابغة . ونشريات جمعيتنا[5] تدوم والحمد لله مع كثرة المشكلات. و الجزء الثالث من ديوان ابن المعتز يحضّر للطبع ، و المجلدة الثانية من الوافى للصفدى حاضرة للطبع[1] وكذلك أسرار البلاغة[2] ولم نوفق إلى طبعها لضيق المطبعة وكثرة مشاغلها الرسمية (منها ذيل كشف الظنون الذى لا انتهاء له) . و من العوائق أيضاً أن أكثر المخطوطات المهمة وضعت فى الصناديق ونقلت إلى داخل اناطولو و لم تعد إلى مواضعها إلى الآن . ثم طلبتم « المختصر من بديع ابن خالويه[2] » و « التنبيه » للملطى[5] والأسف ثم الأسف أن نشرياتنا القديمة احترقت و تلفت كلها عند بعض الغارات الجوية على مدينة لايبجيغ [Leipzig] التى كانت مركزاً لتجارة الكتب فأصبحت خرابة و إلى الله المشتكى من زمان يتقاتل فيه الناس ويخرب بعضهم ما بنى بعض و يفسدون فى الارض إفساداً شنيعاً !

و قبل شهر زارنا الشاب الفاضل محمد داويت الطنجى[6] (البربرى الاصل أظن) رئيس البعثة المغربية فى جامعة مصر وله قدم راسخة فى الآداب العربية وأعجبتنى سعة علمه وهو لا يبرح يدور فى المكاتب يكشف عن كتب مهمة وهو خصوصاً معنى بمقابلة نسخ المقدمة لابن خلدون التى عليها خط المؤلف يريد استخراج تطور تصنيفه وهو رجل نشيط الطبع أنيس مؤنس يحبه من كل لقيه . و أولئك المغاربة صمموا نشر كتب أدباء الأندلس و المغرب و مما نشروه « ازهار الرياض فى أخبار عياض»[1] لأحمد بن محمد المقرى التلمسانى فى ٣ مجلدة ويريدون نشر « الاحاطة لأخبار غرناطة » وغيره من الكتب المغربية كالحماسة المغربية[2] وغيرها . وكتب إسماعيل آفندى المرحوم بيعت للحكومة وهى الآن فى أنقرة[2] وصورت منها الحواشى على الكامل للمبرد التى لم أرها

الا بعد وفاة صاحبه وانتشر الجزء الثالث والرابع من العقد والامتاع والمؤانسة لأبی حیان¹ وغيره مما علمتم . هذا مايحضرنی من الجواب ودمتم سالمين.

الدعی المخلص

هیلمت رتر

— (٣٨) —

الأستاذ رودولف كاير

Prof. Dr. Rud Geyer
Wien.

January 25, 1928

My dear Sir,

I am very obliged to your advertency for having communicated to me your discovery of the manuscript Adab No 70 in the State Library of Rampur containing Thirty three poems of al-'A'sha, and for your proposal. that you would be so kind as to collate the text of my edition with that of the Rampur manuscript. For this purpose I send you the desired Arabic text by bookpost and shall be very thankfull to you for retuning it to me after collation.

Yours very truely
R. Geyer

— (٣٩) —

Wien, 24 Mai 1928

Dear Sir,

I am very thankfull for your having executed a very well, as carefully and zealously my desires relating to the Rampoor manuscript of Al-'A'sha's Diwan; [1] your notice shall be brought in the Apparatus criticus of my editon as an appenix, when the secund valume will come out, the first beeing ready for publication for some time past. The manuscripts are corrected also in the first volume, but these noticed by your self may be annexed in the second volume,[2] if you will be so fair, as to send methe Arabian text with your corrections. A copy of the first volume shall be sent to your address immediatey after publication.

Yours truely
R. Geyer

الاستاذ البرت ديتريش

Deutsches Archaologisches Institute
Abteilung Istanbul

Taksim, Sira Selvi 123

استانبول فی ۱۹۵۶/۱۲/۲۹

حضرة الأستاذ عبد العزيز الميمنى المحترم

السلام عليكم و رحمة الله وبركاته .

أرجو يا أستاذ أن تغضو الظر عن كتابتى إليكم بدون معرفة سابقة ، ولكن الذى شجعنى على ذلك هو الأستاذ ريتر المستشرق الألمانى .

و لهذا يسرّنى إعلامكم أنى أعمل منذ مدة على نشر كتاب «الجليس الصالح الكافى والأنيس الناصح الشافى» للمعافى بن زكريا النهروانى و سيظهر هذه النشرة فى النشريات المتسلسلة التى أصدرها مع صاحبى الأستاذ ريتر بالنيابة عن جمعية المستشرقين الألمانية١ .

واقد علمت من فهرس المصادر الموجود فى آخر كتاب « أخبار أبى تمام » للصولى (طبع القاهرة ١٣٥٦) أن الناشرين استفادوا بمخطوطة لكتاب « الجليس و الأنيس » محفوظة بالمكتبة الشيروانية بعليكره ، ولابد من أن أعرف هذه المخطوطة قبل إتمام عملى ، وعلى هذا أطلب منكم التفضل بتحصيلكم التفصيلات و الملاحظات من جهة هذه المخطوطة وتعريفها إياى ، ولو سنحت لكم الفرصة للارسال إلى (ميكروفيلم) أو بعض الصور المكبرة عن المخطوطة المذكورة لكنت لكم من الشاكرين جداً .

و علمت أيضاً من الأستاذ صلاح الدين المنجد أن مخطوطة قديمة من « كتاب الجليس » محفوظة فى مكتبة خدابخش ، ولم أستطع أن أناول صفتها ولاصورها بالرغم من أن استخبرت عنها كثيراً ، واو ساعدتمونى فى هذه القضية أيضاً لزاد هذا فى شكرى

لم تجئنى أخبار تلميذكم وصاحبى مختار الدين أحمد من مدة طويلة ولا أعرف أهو مقيم فى إنكلترا ام رجع إلى الهند و إذا تلاقوه إقرءوا عليه منى السلام كثيراً .

و أخيراً أطلب منكم العذر في كثرة تلك السؤالات ، وتفضلوا بقبول الاحترام .

المخلص

البرت ديتريش

وها كم عنواني :

Professor Dr. Albrt Dietrich
Istanbul-Arnarutkoy
Arnarut Cesme Sok. 6
Turky.

– (٤١) –

الشيخ خليل بن محمد اليماني

[بهوپال
٢٢/١٠/ ١٩٤]

إلى العلامة المفضال العزيز الميمني حفظه الله تحية وسلاماً

و بعد ، فقد وصلت الاجازة . بأيّ لسان أشكرك سيدي إذ ما طوقتني به من منتك فقد نوهت بشأنها ورفعت قدرها بكلمات منك وأنت مثلك لو كتب كلمة لأحد لعدّت كلمات ورفعت له بها درجات .

قرأت عبارة الاجازة لا مرة بل مراراً و الله لوكان الجرجاني لأعترف بفضلك ، أو الهمذاني تبجبج بك كيف لا و أنت نادرة الزمان وفخر الأوان ، زينة المتأخرين وذكرى المتقدمين اراني بل من ينطق بالضاد سعداء لأننا وجدنا زمانك .

أما بنتك ا فهي منذ شهر بحيدرآباد وتقرىء البنات العربية والنساء تلقي عليهن دروساً في القرآن والحديث و لاتصل بهوفال إلا في ذي الحجة . فان عزم سيدي على إرسال البنت العزيزة صفية٢ إلى حيدرآباد قامت بواجبها حق القيام ، و أنا أيضاً إن شاء الله أرسل بعض بناتي معها ، والسلام .

رهين فضلك

خليل

— (٤٢) —

الأستاذ محمود حسن التونكي

ترب بازار
بنگله نواب يارجنگ بهادر
حيدرآباد
١٧ رجب

حبيي ومحبي سيدي العزيز مولاي عبد العزيز الميمني ـ حفظه الله المهيمن ـ
بعد الحمد و الصلوة والسلام جاءني كتابكم الكريم يبشرني بما كنا نتشوق له — فنحمد الله على ذلك — و نسئال الله التوفيق لشكره ومزيد فضله و هو المستعان . وما أخبرتم ياسيدي من عناية الشيخ محب الدين المصري بجماعته بجمع المؤلفين وغيرهم فقد أعلمني المكرم الشرواني[1] أكرمه الله من قبل باعلامكم له وظني أن هذا الأمر يكون عوناً لي إن شاء الله تعالى — أتمه الله —

وأما مسند عمر الأموي فقد كان عندي هنا في حيدرآباد ولكن ضاع مني . وقد اقترب سفري إلى تونك باقتراب شهر رمضان أرسله إلى جنابكم العزيز إن شاءالله تعالى من تونك .

وما كتبتم بخبر كتاب « تحقيق الظنون في الشروح والمتون » لأبي الفتوح كمال الدين محمد بن مصطفى البكري الصديقي الدمشقي فاني ناشره ؟ من زمان منذ سوّدت ترجمة مصنفه المذكور التي تحتوي خبر تصنيف هذا الكتاب وقد نقبت و نقرت كثيراً ولكن لم يقرع أحد سمعي باسماع اسم الكتاب و قد سمح لي سيدي العزيز بخبره والحق أن الكتاب ضالتي ، ولكن لاسبيل لي إلى الوصول إليه فلا حول ولا قوة إلا بالله .

إلا أني وجدت في كتب التراجم اسم هذا الكتاب « كشف الظنون في أسماء الشروح والمتون » و أن مصنفه هو أبو الفتوح المذكور محمد بن مصطفى بن كمال الدين علي بن كمال الدين بن عبدالقادر بن حسن

بن بدر الدين محمد بن ناصر الدين محمد بن شهاب الدين أحمد بن ناصر الدين محمد البكري الصديقي الدمشقي الغزي، كان من بيت العلم و الفضل. ولد سنة ١١٤٣ و توفي سنة ١١٩٦ بغزة و بها دفن، وله غير هذا الكتاب المذكور تصانيف و مجاميع عديدة. وجمع ديوان شعر سماه «نبراس الأفكار من مختار الأشعار». فان ثبت أنّ اسم الكتاب المذكور «تحقيق الظنون» أعلق تحقيقي عليه و إلا فهذا هو «الكشف».

و أما «مختصر طبقات الحنابلة» الذي أرسل سيدي من راجكوٹ فقد وجبت المنة عليّ فيه ثم الشكر عليّ، و المشتكى إلى البوسطة، لا جمع الله شملها و فرّق جمعها.

وأما مكتبة ٹونك التي فيها نسخة «كتاب الفهرست» لابن النديم فعنوانها — إن أردتم الكتابة إلى ناظرها —: شيخ أحمد زمان مهتمم كتب خانه واقع كوٹهی على گنج صاحب زاده صاحب مظفر جنگ مرحوم، ٹونك راج، راجپوتانه.

و أما مَن بيده المكتبة بدالملك فعنوانه: صاحب زاده محمد عبدالسميع خان صاحب بهادر مجستريت و ناظم فوجداری دام إقبالہم محلہ قافلہ، ٹونك راج. وقد كان في ما سلف هذه المكتبة لمالكه عبد الرحيم خان أخي النواب الكبير البلد و الأخ مالكه توفي و وقعت المنافسة و المنافرة بين ولديه في التقسيم و طالت القضية. والحاصل أن المكتبة بقيت بيد الولد الكبير مجستريت المذكور يتصرف فيها كيف يشاء. ولكن المكتبة بقيت في محلها الأول، الذي هي واقعة فيه الآن (كوٹهی على گنج)، و هذا المحل بيد الولد الصغير وهو مالكه. ومع ذلك فقد أدخل حريمه في موقع الكتب فان هناك فيما حول المكتب حجرات ومقاصير، فجعلها نزلاً لهنّ وفسد الامر فلا يقدر الناظر أن يدخل المكتب الا باستيذان.

و ياسيدي قد استدار الزمان واوالزمان كما كان لأرسلت الكتاب المذكور إلى جناب سيدي وقد سلمت كتابكم للنواب — حفظه الله — فارمكم؟ هذا بعافية وخير حفظكم الله و أدام النفع بعلومكم آمين.

محمود حسن

— (٤٣) —

الشيخ عبد الرحمن الكاشغرى

[لكهنؤ]

٢٧ فبراير ١٩٣٧

شيخى وسيدى الأفخم حرسكم الله و أبقاكم ذخراً لنا

كنت أردت أن أقدم لحضرته إجابة كتاب جاءنى منه بأول فبراير، ولكننى لم أجد له فرصةً وافيةً، كما أودّ

والأسبوع الذى جاء فيه كتابه كنا جدّاً مشغولين فى أمر الوفد المصرى من استقبال وترحيب، ومن توديع وترجيع.

وهذا الأسبوع كنت سافرت إلى «نانپاره» و أبتُ عنها مساء أمس، و لاغرو فان الأستاذ يعفو عن كثير من زلاتى، و سقطاتى، كما جرّبته مسامحاً باراً لايغتاظ ولايضجر ولا يسأم، وجرّبنى متكاسلاً متغافلاً مذنباً. فنعم السند المعوّل إذن أنت أيها الأستاذ الأرأم!

سأردّه إليك بديوان امرىء القيس، فى القريب العاجل. اولا أنىَ ما أتيت به لكان خيراً لى، و هو إلى الآن رهن الصندوق، بقى مهملاً لا يفيد و لايستفاد. لعدم سنوح الفرصة و قلة مساعدة البخت المنكود.

ما وصلت فى فهرست «اللسان» إلى الجزء ٢٠ ولكننى فرغت عن هذا الجزء و عدة أجزاء أخرى بلا ترتيب.

و الرجاء من سماحة الشيخ أن يساعد مثلى فى أشغاله العلمية، كما هو دأبه فاذن فالرأى رأيه والمختار عندى هو الذى اختار وارتضى لى فى أمر شعر ابن مقبل. إن شاء حضرت داره المعمورة ولثمت اخمصيه، و إن شاء أرسله بيد رسول البريد. و أيّاً ما شاء فعلت و أتمرت.

عليك بتلك الكتب التى وصلتنى، بأعيانها، و بأثمانها التى قدّرتها فى كتابك عقيب رجوعى من عليكره، بعد رد بعضها إليك.

والتى بعتها بيد جامعة لكهنو هى نسختى من «اللآلى»، بعد ما أهدى الىنا الشروانى نسخة منها، ولم أر أحداً فى دارالعلوم يراجعها غيرى.

و رائى فى باقى الثمن أن ترساه إلىّ و أنفقه فى بعض حوائجى،

متى تيسر اك إرساله . والسلام مشفوعاً بالتجلة والاكرام

خادمك المخلص

أبوالزبرقان عبد الرحمن

— (٤٤) —

الدكتور عمر بن محمد داؤد پوته

عمر بن محمد داؤد پوته

Dr. U. M. Daudpota
M.A. (Bom) PHD (Cantab)

Bandra (Bombay)
16 Sep: 1938

إلى حضرة العلامة الأجمل و الأستاذ الأكمل عبد العزيز الميمنى أعزه الله تعالى

السلام عليك و على من لديك ورحمة الله وبركاته . وبعد فطالما اشتاقت نفسى أن أكتب إلى سعادتك ولكن الظروف قد عاقتنى عن ذلك . فها أنا لا أزال و لن أزال أتذكر ذكرياتك الحلوة فى الخلوة و الجلوة بكرة وعشياً ، وكيف أنسى حسن أخلاقك ، وكرم ما ترك ماعدا علمك و فضلك الذى لا يسبر غوره ، وقلما يوجد أحد يماثلك ويضارعك فى هذا الأمر . و جل تبحرك ان أثنى عليه أو أبدى رائى فيه . فلازال ينبوعاً معيناً يفيض على كل مرتاد يريد أن يشفى غلته منه . اللهم زد فزد .

وقد أخبرتنى يا أستاذ فى المدة التى أراد القدر أن نكون فيها معاً ، أن لديك أخباراً وأشعاراً تتعلق بفتح بلاد السند ومكران وغيرها على يدي العرب . فهل لك أن تسعفنى بها لأجل مسمى . و إنى أرسل إليك الأشعار العربية المندرجة فى تاريخ السند المعروف باسم « چچنامه » التى صعبت على قراءتها و تصويبها، و أرجو من فضلك أن تصحح هذه الأشعار مهما أمكنك و تردها إلى بأسرع وقت ما فتجعلنى رهين إمتنانك و إحسانك ! .

و أما دغبو عبد الله، فقد أصبح صاحب مدرسة يريد أن يعلم الأولاد و يلقنهم مجاناً وله مطامع أخرى ، وقد وقع موقعاً حسناً من بعض الناس الذين يجهلون سوابق أحواله ، ومهما يكن من الأمر فيرجى

عمر بن محمد داؤد پوته
DR. U. M. DAUDPOTA
M.A. (Bom.), Ph.D. (Cantab)

بسم الله الرحمن الرحيم

Bandra (Bombay)
19th Oct: 1938

لحضرة العلامة الأجل والأستاذ الأكمل عبدالعزيز الميمني أعزه الله تعالى.

السلام عليكم وعلى من لديكم ورحمة الله وبركاته - وبعد فطالما اشتاقت نفسي أن أكتب إلى سعادتكم وكانت الظروف تمنعني ذلك - هذا وأنا لا أزال ولن أزال أتذكر ذكريات تلك الحضرة من الخلق والعلم بكرة وعشيا، وكيف أنسى حسن أخلاقك وكرم مآثرك ما علا علمك وفضلك الذي لا يسبر غوره و فلا يرجى أجود أمثالك ويضاهيك في هذا الأمر - وحق تعترف أنه أثنى عليه أو أبدى لأيديه فيه فلا زال ينبوعا معينا يفيض على كل صاد يريد أن يشفي غلته منه، اللهم زد فزد.

وقد أخبرتني يا أستاذ في المرة التي أراد القدر أن نلتقي فيها منذ أن قلت لك أخبار وأشعار ثم تتعلق بفتح بلاد السند ومكران وعينا على بد العهد - فعليك أن تستحضر ما لأجل مستنى - ولا أرسل إليك الأشعار العربية المندرجة في تاريخ السند المعروف باسم "چچنامه" التي حسبت على جوازها وتصحيحها، وأرجو من فضلك أن تصحح هذه الأشعار بعد أمكنك وتردها إلي بأسرع وقت ما فتجعلني رهين امتنانك وإحسانك.

وأما محمد عبدالله فقد أصبح صاحب مدرسة يريد أن يعلم الأولاد ويلقنهم حياتا وله مطامع أخرى، وقد وقع موقعا حسنا من بعض الناس الذين يجهلون سوابق أحواله، فربما يكره من الأمر فيخرج أنه يلقي عصا التسيار في بومباي ويشتري له أسباب المعاش لأن المسكين في أزمة مالية ليس منها مخرج.

وفي الختام فتقبل مني فائق الاحترام، وأرجو أن تكون مستظلا بظلال العافية والسلام

المخلص

عمر بن محمد داودپوته

شمس العلماء عمر بن محمد داؤد پوتہ کا خط بنام علامہ میمن

أنه يلقى عصا التسيار فى بومباى ويتيسر له أسباب المعاش لأن المسكين فى أزمّة مالية ليس عنده قطمير .

و فى الختام تقبل منى فائق الاحترام ، وأرجو أن تكون مستظلاً بظلال العافية . والسلام .

المخلص
عمر بن محمد داود پوته

— (٤٥) —

العلامة السيد سليمان الندوى

شبلى اكيدمى
دار المصنفين أعظم گڑه
٢٦/١/٢١م

أطال الله بقاء صديقى العزيز عبد العزيز وأدام سعده السلام عليه ورحمة الله .

بعد ، فقد أتانى منك كتابان ملأهما الحبّ وحسن الظن ، جعلنى الله أهلاً له ، فأشكرك أيها العزيز على إحسانك الظن بى ، ثم أشكرك على ما أوليتنى من حسن صحبتك و أكرمتنى بمادبة . و احسنت وفادتى ، و إن كانت صحبتنا قصيرة ولكننى تزوّدت منها بما يكفينى إلى اللقاء آت ، وكل آت قريب . أما ما كتبت عن طبع كتاب المعرى ، فالأمر منوط بلجنة دارالمصنفين الأدارية ، وهى ستنعقد فى ٢٦ من الشهر الجارى ، فأعرض عليها هذا الأمر وأويد عن ما دعواك بما عرفت وعلمت ، ولكن قطع الأمر لها ، تجيب أو ترد . فان طاش سهمى و فات غرضى ، فلا تلمنى و لا تعتبنى ، فانى منقاد لما تأمر وتنهى .

ثم إنى لا أحب أن أخفى ما فى نفسى أنّ طبع الكتب العربية بهذا البلاد الزاهدة فى العربية لا يجدى نفعاً ولا يرجع بفائدة . لا من جهة المال ولا من جهة العلم ، وقد دلتنا عليه التجارب مرّة بعد أخرى . فالطريقة المثلى

أن تبعث بكتابك إلى أحبائك بمصر، ليطبعوه و ينشروه . فيصل إلى الذين هم أولى به ، فينتفعوا به ، ثم اعلم يا أخي و ما رائد هذا الرأى إلا النصح لمن أحبه . إن كتابك طبع بالهند لايبلغ مبلغاً من القدر فى النفوس ما يبلغ إن طبع بمصر . فالناس يكبرون ما يرونه من بُعد .

أما كتب الأمثال[1] التى طلبتها فان بمكتبة دار المصنفين ثلاثة كتب فى هذا الفن : جمهرة الأمثال للعسكرى، ومجمع الأمثال للميدانى، وكتاب الأمثال للكرمانى، و للاول نسختان، إحداهما خطية ناقصة الآخر . و الأخرى مطبوعة بالمطبعة الخيرية . وليس فى ندوة العلماء إلا كتاب الميدانى و المستقصى للزمخشرى ، وأمثال الضبى لايوجدان عندنا .

قد اشتركت فى مجلة « الزهراء » وقرأت مقالتك الزهراء فلاحاجة إلى إرسالها .

مخلصك

سليمان الندوى

— (٤٦) —

شبلى اكديمى

دار المصنفين أعظم گڑھ

٨ فبراير سنة ١٩٢٦

أدام الله مجد صديقى العزيز تحيةً وسلاماً ، بعد

فقد كان أتانى كتابك ، ولكنى كنت مصاباً بقرح أقلقنى وأرقنى ليالى ، فمنعنى عن تلبية دعوتكم ، والآن الحمد لله الذى عافانى و أبرئنى .

عرضت أمر كتابك على لجنتنا الادارية فرضيت بالاتفاق على طبعه ، ولكنها سألتنى عن أشياء جهلتها ، فأتيتك مستفهماً :

ماذا يكون عدد النسخ المطبوعة ،

من يملك النسخ ،

من يقوم ببيعها ،

كم يطلب صاحب الكتاب من النسخ ،

هل يدفع شيئ من النقد إلى صاحب الكتاب ،

وما هى شروط أخرى .

و ذلك لئلا يلتبس الأمر ، ويحدث سوء التفاهم بيننا .

و إنى سأقدم بلدتكم ليلة الحادى عشر من الشهر الجارى بقطار البريد لأشهد مجلس نصاب العلوم الشرقية للجامعة .

والسلام

السيد سليمان

— (٤٧) —

دار المصنفين أعظم گڑھ

٤ رمضان ١٣٤٥ھ

٩ مارس ١٩٢٧

صديقى العزيز الشيخ عبد العزيز وعليكم السلام ورحمة الله

قد كان ... بى المرض منذ شهر كنت أمرض يوماً و أبرأ آخر حتى أظلنى الشهر المبارك ، وبرءت من كل ما أصابنى .

و قد كانت وافتنى الملازم المذكورة اثناء مرضى فعاقنى عن ردّ الجواب . وقد وصلنى كتاب من صاحب المطبعة السلفية الشيخ قتلان ينبئنى أن الكتاب سيتم طبعه فى مدة أسبوعين ، أى فى أوائل شعبان ، وبعد تمام الطبع هو يخبرنى بما أنفق عليه لأتمكن من تقدير ثمن كل نسخة منه . وقد كان استأذننى أن يبعث بعدة نسخ إلى المجلات والجرائد للتقريظ و الاعلان ، فأذنته أن يهدى ١٥ نسخة منه إلى العلماء والأدباء بمصر والعراق والشام وتونس ، و إن مست الحاجة إلى أكثر منها فله الخيار .

و إنى أوافق ما كتبتم من توزيع النسخ بحيث يبقى ٦٠٠ نسخة بمصر عند الخطيب و ١٥٠ بالهند عند شرف الدين و ١٥٠ فى مكتبة دار المصنفين فا كتبوا أنتم أن هذه الأمور تتعلق بادارة دارالمصنفين ،

و له الحق كله . بيع الكتاب مجلداً أحب إلى—فيكون النصف مجلداً ، و الآخر مخاطاً . و لكن لا يزيد الخصم عن ٢٥ فى المئة ، فالثلاثون كثير . ويكون الحساب و يسدّد فى آخر كل سنة حسب دأب المكاتب التجارية .

أنا على أهمية تامة لدفع الدين و وفائه ، ليت شعرى ما هو .

إنكم كنتم طلبتم الخريطة منى ، وانى أتذكر أنه [أننى ؟] رددتها عليكم فى تضاعيف الكتب المرسلة إليكم . وانى فحصتها عندى فما وجدت .

وكم يلزم لكم من النسخ ؟

سليمان

— (٤٨) —

دار المصنفين أعظم كڑه

٩ فبرائر سنة ١٩٢٨

صديقى الأعز الأغر أدام الله مجده ، السلام عليكم ورحمة الله

و بعد فقد تلقيت بطاقتكم ، و علمت ما احتوته ، لم يصل إلى إدارة دار المصنفين إلا ١٦ نسخة من كتابكم ، و قد وصلت إلى مكتبة شرف الدين ٤٠٠ نسخة ، و النصف منها مجلد، ولم أدر، أو لم أحفظ عدد ما طبع من النسخ، فان كان فى علمكم فأخبرونى، لكى يحفظ الحساب فى سجل الادارة

وقد سألنى شرف الدين أن يخفف عن ثمن الكتاب ليروّج فى الناس . فكتبته أن يكون الثمن للمجلد ٣/٥٠ . وللمغلف -/٣ وسأكتب إليه أن ينفذ إليكم بخمس وعشرين نسخة، عشرة مجلدة وخمسة عشر مغلفة.

أما ما ذكرتمونى من الشرط المعقود فلا أحفظه ، فعفواً ياسيدى إن لم أقم بما وعدت كما تذكرون . نعم أبعث إلى السيد كرد على نسختين من الكتاب كما ذكرتم ، و أنا أكتب إلى الخطيب بذلك

أما ترجمة الطبيب النطاسى أجمل خان[1] فقد نشرته [نشرتها ؟] الجرائد والمجلات فى الهند، ويمكن لى جمعها إن سألنى السيد كرد على رأساً، فان

التطفل على المائدة لايجوز .

أما نفقة طبع كتابكم فهى كما فى الآتى :

ما أرسل إليه حتى الآن ١٠٣٦ روبية

و ما له علينا ، و سيرسل إليه ٣٥٠ "

١٣٨٦ روبيه

نعم قد ذكرتم فى كتابكم الأول أنكم تأخذون ٥٠ نسخة ، فاطلبوا البقية من مصر ، والسلام .

مخلصكم

سليمان

— (٤٩) —

دار المصنفين أعظم گڑہ

١٩ فبرائر سنة ١٩٢٨

حضرة الصديق العلامة أدام الله مجدكم السلام عليكم ورحمة الله

بعد ، تلقيت كتابكم و علمت ما احتواه . النسخ المطلوبة تصل إليكم إن شاء الله من بمبائى .

تخفيف الثمن أمر منوط ياسيدى برب المال ، لا برب العلم ، و ترفيكم أن تعود هذه الكتب بالنفع ضرم فى غير نار ، فأنا لا أرجو أن يكون ثم منافع تقسم ، أو فوائد تفرق ، و إنى لمقتنع بأن يعود إلينا ما ذهب منا ، فان كنتم مستيقنين بالفوائد العوائد فلنتبادل بيننا الكتب و رأس مالها ، فان وجدتم أحداً يعطينا ما أنفقنا عليه ، نحن مهدون إليه نسخ الكتاب كلها ليبيعها و ينتفع بها ، وكتاب شروطكم عندنا ، وليس فيه ذلك .

ولما كان العلماء من مصر مشغوفين بحب العلم فليترك لهم ثمن الكتاب كما أعلن فى مصر، ولما كان الهنود زاهدين فيه فليخفف عنهم وطأ الثمن الباهض .

إنى مسافر غداً إلى وطنى لأقضى فيه أيام الشهر المبارك وعنوانه : ديسنه ، بوستة استهاوان ، پٹنة .

الحاجة غير ماسة إلى تكليفكم أن تعرّفوا نفسى الحقيرة إلى الشيخ كرد على فأنا عرفته منذ سنة ١٩٠٨ ، وهو كان منشئاً لمجلة « المقتبس » وأنا

كنت منشئ مجلة « الندوة » ثم تداولت الرسائل بيننا وهو كان وزيراً للمعارف و أنا منشئ « معارف » بالهند

إني قد أمرت بعض أصحابي بتعريب ما نشرته الجرائد من ترجمة الطبيب المغفور له .

أهنئكم بعضويتكم في المجلس العربي . والسلام

سليمان

— (٥٠) —

الأستاذ كمال الدين أحمد

المدرسة العالية . كلكته

في ٢٢ ابريل سنة ١٩٢٧

إلى حضرة الشيخ عبد العزيز الميمني الأستاذ المساعد في قسم العربية بجامعة عليكره السلام عليكم ورحمة الله وبركاته

لقد تلقيت رسائلكم وكتاباتكم الأخرى وبعض المصنفات .

إن ما كتبته إلى الدكتور ضياء الدين أحمد لم يكن إلا رأياً أراه فإن هناك مراحل صعبة كثيرة للانتخاب لذلك المنصب ، و الآن هذا الأمر في المرحلة الثانية . ولقد بقي بعدها مرحلتان أو ثلاث . كما أنه هناك آثار تدل أن لا يعين أحد في السنة الجارية بل يعين في السنة القادمة أو لعلها في سنة ٢٩ . ولكنني لا أستطيع آن أقول شيئاً بالتأكيد .

يحسن ان تأتي إلى هنا مرة في الشتاء إن استطعت ، المتاعب كثيرة هنا ، فالناس يميلون كثيراً إلى الحديث و التفسير ، و يتصورون ذكر الادب العربي قلة سوء أدب كما أن كلمة « غير المقلد » يعتبر مرادفاً لكلمة « وهابي » و لذلك وضعت رسالة الدكتور المحترم موضع السر . فانه استعمل هذه الكلمة

أرسل إليّ مصنفاتك التي تصل إليها يدك وخاصة المتصلة بالمسائل الجزئية الصغيرة ، أرسلها بالثمن عن طريق البريد ، فانها تكون أكثر أثراً من الادعاء أو شهادات الآخرين .

إننى أسعى لاجلك ، فقد قلت لك هذا فى إلٓهآباد . ولكن التعين ليس فى يدى ، فالسعى منى و الاتمام من الله . إننى أسعى أن يعرف أهمية الأدب العربى و التاريخ الاسلامى ، اعتبر هذه الرسالة سراً ، فان الحكومة غير مقيدة لهذه الكتابة ، والسلام .

الحقير

كمال الدين أحمد عفى عنه

— (٥١) —

المدرسة العالية ، كلكته

فى ٥ ديسمبر سنة ١٩٢٧

الى حضرة الشيخ عبد العزيز الميمنى السلام عليكم ورحمة الله وبركاته

إننى متأسف على عدم إرسال رد على رسالتك المؤرخة ٩ اكتوبر و ذلك لان الأمر كان تحت النظر ، و لقد قاموا الآن بوضع نظم آخر لسنة ونصف السنة ، أعنى لمنصب المدرس الأول و سوف يشغر المناصب الأخرى ، إلى جانب المناصب الجديدة ، ولكن بمرتب أقل . أرسل إلىّ نسخة لمصنفاتك إن لم يكن ذلك هدية ، فبالثمن عن طريق البريد ، فاننى سوف أقرؤها بتقدير ، و أعرضها عند ما يحين أمر تعيينك . انه ليس أمراً عاجلاً . أرجو أنه وصلتك مكاوأة إختبار الامتحان . والسلام

كمال الدين أحمد عفى عنه

— (٥٢) —

المدرسة العالية ، كلكته

١١ مايو سنة ١٩٢٨

الأستاذ المكرم ، سلاماً وتحيةً

وصلت رسائلك ، أرجو أن تراعى فى المستقبل أن تكتب فى الأمور الرسمية على حدة من الأمور الذاتية ، فانه يناسب أن يكون رسالة

متصلة بالأمور الخاصة منفصلة عن الرسالة الرسمية، وإلا فان الأمور الذاتية يتصرف النظر عنها ، بالاضافة إلى أن هناك أموراً خاصة لايعرفها الموظفون فى المكتب ولايجب أن يعرفوها .

وصلنى كتاب «أبو العلاء وما إليه» ، وأنه على مكتبى ، أراها ليلاً ونهاراً وأرجو أن تعفو عن تقصيرى فى عدم إرسال الوصل والشكر الآن . و اننى أشك فى صلاحيتى فى الثناء عليه كما يجب ، فانه لايوجد فى الهند من يفهم أبا العلاء حق معرفته ، و يقدّر عمالك الا قليلاً . ماذا أقول أكثر من ذلك ؛ فانى طالب للعلم ، ولم تنته مدة تعلمى بعد .

سوف أطلب مؤلفاتك الاخرى من لاهور ، فاننى مقدّر المتنبى أيضاً . وانى أرى أنه ينبغى نشر شعره الصالح منفرداً من غيره على حدة التدريس .

لقد سعيت كثيراً فى أن تأتى إلى هنا ، ولكن أسفرت النتيجة بأننى أيضاً ذاهب ، فقد وصل أمر نقلى من هنا ، و سوف أغادر فى أواخر يونيو أو أوائل يوليو ، لقد عينت عميداً لكلية «كرشنكر» حيث التدريس متوسط لمرحلة ليسانس الآداب و بكالوريوس العلوم، وليست هناك العربية و الفارسية كمادة فخرية . والعربية غير موجودة إطلاقاً . أما الفارسية فانها كمادة عادية . سوف تبقى سيطرة الشيوخ القدامى فى مدرسة كلكتا لعشر سنوات أخرى .

إننى مشغول كثيراً فى هذه الأيام ، سوف أسافر إلى «رانچى» فى يومين أو أربعة أيام، و فى الغالب أذهب من هناك مباشرة لعمل آخر ، فاذا كتبت رسالة ، أرسلها على عنوان المدرسة العالية بكلكته . والسلام

كمال الدين أحمد

— (٥٣) —

الدكتور زبيد أحمد

٢ بنك رود ، الٰه آباد

٢٣ مارس [١٩٤٦]

الأستاذ المحترم زاد مجدكم السلام عليكم ورحمة الله

أرسلت إليكم رسالة شكر وعرفان ، و أما الآن فأبعث إليكم ثمرة جهودى المتواضعة١ ، أرجو أن تنال منكم قبولاً . وقد ذكرت فى

مقدمة الكتاب ما لقيت من صعوبات و مشاكل . وإني موقن بأنّ هذا الكتاب ملىء بالأخطاء ولكنني أطمع فى شفقتكم ولطفكم لتكتبوا عنه خيراً على سبيل التعرض والتعريف ، عساى أعرض ما تكتبونه على مجلس الخبراء . و السلام .

زبيد أحمد

الأستاذ عبد المعيد خان

— (٥٤) —

١٦٣ ويكتوريا روڈ

كيمبردج

٣٠ دسمبر ١٩٣٦

إلى حضرة الأستاذ عبد العزيز الميمنى المحترم السلام عليكم ورحمة الله

تلقيت فى مصر رسالتك الودية التى بعثت بها إلىّ على الرغم من إنشغالك كثيراً ، ولكنى لم أستطع أن أكتب إليكم لأنى كنت منهمكاً فى الاعداد للمناقشة؟ و مهيئاً نفسى للسفر إلى إنكلترا ، و ما من شك فان باحثاً مثلكم يكون مشغولاً دائماً بعمل علمى ، وانى آمل أن أجد منكم إجابة عن كل مسئالة علمية تعن لى .

لقد حزت على شهادة الدكتوراه من مصر ، وها أنا الآن فى إنكلترا أعمل على التشبيهات المشرقية ، ولئن تعرف أية نسخة مخطوطة لهذا الكتاب سواء فى تركيا أو فى الأقطار العربية فأرجو منكم أن تخبرونى عنها كما وعدتمونى ، وأنى سأكون لكم شاكراً .

الدكتور كرينكو فى كيمردج وكثيراً ما نتحادث معاً ويأتى ذكرك فى ثنايا أحاديثنا . أرجو أن تكون أنت وأصدقاؤك وأملك فى خير و عافية والسلام .

المخلص

محمد عبد المعيد خان

اشاریہ رجال (شخصیات)

0

اشاریہ اماکن (مقامات)

اشاریہ کتب ورسائل مخطوطات

اشاریہ (ادارے)

مآخذ ومصادر

تصنیفات وتالیفات علامہ عبدالعزیز میمن

ملاحظہ فرمایئے پیشِ نظر کتاب کا باب نمبر ۱۱

عربی کتب

.**بحوث و تحقیقات**،العلامة عبدالعزیز المیمنی،جمع و ترتیب : محمّدعزیر شمس
،دارالغرب الاسلامی، بیروت ۱۹۹۵م

.**وصایا اساطین الدّین والادب والسّیاسة للشبّان**،الشیخ عبداللّٰه المزروع،دارالمنارة
جدّہ،۱۹۹۲م

اللغة العربیة فی باکستان،الدکتور محمّد عبداللّٰه المصری،وزارت التعلیم
اسلام آباد،۱۹۸۴م

اردو کتب

۔ابوالحسن علی ندوی،مولانا سیّد: **پرانے چراغ** حصہ دوم،مجلسِ نشریاتِ اسلام کراچی،۱۹۸۱ء

۔ابویحییٰ امام خاں نوشہروی،**تراجم علمائے حدیث ہند**،دہلی،۱۳۵۶ھ (عکسی ایڈیشن مطبوعہ مکتبہء اہل حدیث کراچی

۔احمد علی خان شوق رامپوری: **تذکرہ کاملانِ رامپور**،خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ،۱۹۸۶ء

۔اسماعیل گوہر: **تحریک پاکستان سے تکمیل پاکستان تک۔مفتی محمد ادریس کی خدمات**،ادارۂ علم وادب،بفہ (ہزارہ)

۔اشتیاق حسین قریشی: **برعظیم پاک وہند کی ملّتِ اسلامیہ**،شعبہء تصنیف وتالیف وترجمہ،کراچی یونیورسٹی کراچی،
۱۹۹۹ء

۔اصغر علی شادانی: حیاتِ شاداں بلگرامی، کراچی، ۱۹۸۶ء

۔برق، ڈاکٹر غلام جیلانی: میری داستانِ حیات، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، ۱۹۸۲ء

۔حبیب الحق ندوی: پاکستان میں فروغِ عربی، جامعہ کراچی، ۱۹۷۵ء

۔حمزہ فاروقی، محمد: یادوں کے دیے، مکتبہء دانیال کراچی، ۲۰۰۱ء

۔خلیق احمد نظامی، پروفیسر: علی گڑھ کی علمی خدمات، انجمن ترقیء اردو ہند دہلی، ۱۹۹۴ء

۔خورشید رضوی، ڈاکٹر: تالیف، شہ تاج مطبوعات لاہور، ۱۹۹۵ء

۔خوشتر منگرولی، عبدالرحمٰن: میرے نام (مجموعہء مکاتیب)، ڈھاکہ، ۱۹۸۸ء

۔رپورٹ کاٹھیاواڑ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس بابت ۱۹۱۷ء

۔رفیع الدین ہاشمی: اورینٹل کالج کے موجودہ اساتذہ۔کوائف اور علمی خدمات، پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور، ۱۹۹۷ء

۔رفیق ڈوگر: ادبی ملاقاتیں، سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۹۲ء

۔رئیس احمد جعفری: دید وشنید، رئیس احمد جعفری اکیڈمی کراچی، ۱۹۸۷ء

سیّد فیاض محمود و پروفیسر عبدالقیوم (مدیران): تاریخِ ادبیات مسلمانانِ پاکستان و ہند، دوسری جلد۔عربی ادب، پنجاب یونیورسٹی لاہور، ۱۹۷۲ء

۔شاہد ماہلی (مرتب): پروفیسر مختارالدین احمد (محقق اور دانشور)، غالب انسٹیٹیوٹ نئی دہلی، ۲۰۰۵ء

۔عبادت بریلوی: غزالانِ رعنا، ادارۂ ادب وتنقید لاہور، ۱۹۹۰ء

۔عبداللہ عباس ندوی: میرِ کارواں، مجلسِ علمی دہلی، ۱۹۹۹

۔عطاء الرحمٰن قاسمی: دلّی میں دفن خزینے، طیب پبلشرز لاہور، ۲۰۰۲ء

۔عمر عبدالرحمٰن: میمن شخصیات، میمن یوتھ آرگنائزیشن کراچی، ۱۹۸۵ء

۔عنایت اللہ، ڈاکٹر شیخ: دعوتِ اسلام (اردو ترجمہ The Preaching of Islam by T.W.Arnold)، محکمہء اوقاف حکومتِ پنجاب لاہور، ۱۹۷۲ء

۔غلام محمد، شیخ: مرآتِ محمدی یا مختصر تاریخ گجرات، بمبئی، س ن

۔غلام محمد، شیخ: مرآتِ مصطفیٰ آباد، کریمی پریس بمبئی، ۱۹۳۱ء

۔غلام حسین، ڈاکٹر: تاریخ یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور، لاہور، ۱۹۶۲ء

۔فرحت اللہ بیگ، مرزا: نذیر احمد کی کہانی کچھ ان کی کچھ اپنی زبانی، اردو اکیڈمی سندھ کراچی، ۱۹۷۹ء

۔قیصر امام، ڈاکٹر سیّد: **مکتوباتِ اختر امام**، ادب نما کراچی، ۲۰۰۱ء

۔فرزانہ لطیف: **مولانا محمد سورتی**، ندوۃ المحدثین گوجرانوالہ، ۱۹۸۸ء

۔مالک رام (مرتب): **نذرِ عرشی**، مجلسِ نذرِ عرشی، نئی دلی، ۱۹۷۴ء

۔مالک رام (مرتب): **نذرِ مختار**، مجلسِ نذرِ مختار، نئی دلی، ۱۹۸۸ء

۔محمد اسلم، پروفیسر: **خفتگانِ کراچی**، ادارۂ تحقیقاتِ پاکستان، دانشگاہِ پنجاب لاہور، ۱۹۹۱ء

۔محمد ایوب قادری (مترجم): **تذکرہ علمائے ہند**، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی، ۱۹۶۱ء

۔محمد حنیف شاہد: **شمس العلماء**، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی لاہور، ۲۰۰۶ء

۔محمد راشد شیخ: **ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ ۔ شخصیت اور فن**، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ۲۰۰۷ء

۔محمد راشد شیخ: **گلشن اردو۔ اردو مقالات نبی بخش خان بلوچ**، پاکستان اسٹڈی سینٹر سندھ یونیورسٹی جام شورو، ۲۰۰۹ء

۔محمد عالم مختار حق: **نذرِ شمس**، بیکن بکس لاہور، ۲۰۰۸ء

۔محمد عمران خان ندوی (مرتب): **مشاہیر اہلِ علم کی محسن کتابیں** (ترتیب جدید و حواشی از فیصل احمد بھٹکلی ندوی)، ادارہ احیائے علم و دعوت لکھنؤ، ۲۰۰۴ء

۔محمد یوسف، ڈاکٹر سیّد: **برگِ نخیل**، مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی، ۱۹۸۲ء

۔محمود الحسن عارف، ڈاکٹر (مرتب): **مقالاتِ عبدالقیوم**، المکتبۃ السلفیہ لاہور، ۱۹۹۷ء

۔ممتاز منگلوری (مرتب): **سوغات (شخصیہ)**، مجلسِ ارادت مندانِ سیّد لاہور، ۱۹۶۷ء

۔نجم الاسلام، **مطالعات**، ادارۂ اردو حیدر آباد، ۱۹۹۰ء

۔نصر اللہ خاں: **کیا قافلہ جاتا ہے**، مکتبۂ تہذیب و فن کراچی، ۱۹۸۴ء

۔یحییٰ خلیل عرب انصاری: **گلزارِ یمن**، کراچی، ۲۰۰۱ء

عربی رسائل و جرائد

۔**مجلة المجمع العلمي الهندي العدد الممتاز عن الاستاذ العلامة عبدالعزيز الميمني** المجلّد الاوّل، قسم اللغة العربية جامعة علي كره الاسلاميه، ١٩٨٥م

۔**مجلة المجمع العلمي الهندي العدد الممتاز عن الاستاذ العلامة عبدالعزيز الميمني** المجلّد الثاني، قسم اللغة العربية جامعة علي كره الاسلاميه، ١٩٨٦م

۔**مجلة قافلة الادب الاسلامي** لاهور، اغسطس ٢٠٠٠م ـ يناير ٢٠٠١م

.مجلة الضياء لكنو، شعبان ۱۳۵۱ ھ
.مجلة الفيصل الرياض، يناير ۱۹۸۵م

اردو اخبارات، رسائل، جرائد

۔مجلّہ آگہی کراچی، جون ۱۹۹۲ء
۔ہفت روزہ اخبار جہاں کراچی، ۳۰ ستمبر ۱۹۷۰ء
۔دو ماہی اردو بک ریویو دہلی، دسمبر ۲۰۰۱ء
۔سہ ماہی اردو بک ریویو دہلی، اکتوبر، نومبر، دسمبر ۲۰۱۰ء
۔ہفت روزہ الاعتصام لاہور، ۳ نومبر ۱۹۷۸ء، ۲۳ مارچ ۱۹۷۹ء
۔ماہنامہ اردو نامہ کراچی، شمارہ نمبر ۳۱ تا ۴۱ (۱۹۶۹ء تا ۱۹۷۰ء)، شمارہ نمبر ۴۳ (۱۹۷۳ء)
۔ماہنامہ افکارِ معلّم لاہور، اکتوبر ۲۰۰۱ء
۔اورینٹل کالج میگزین لاہور "سید عبداللہ نمبر" ۱۹۸۷ء
۔ماہنامہ برہان دہلی، دسمبر ۱۹۳۸ء تا اپریل ۱۹۳۹ء، ستمبر ۱۹۷۹ء
تحقیق جامعہ سندھ، شمارہ نمبر ۲ (۱۹۸۸ء)، ۳ (۱۹۸۹ء)، ۷ (۱۹۹۳ء)، ۹۔۸ (۹۵۔۱۹۹۴ء)،
۱۰۔۱۱ (۹۷۔۱۹۹۶ء)، ۱۲۔۱۳ (۹۹۔۱۹۹۸ء)
ماہنامہ تہذیب الاخلاق لاہور، مئی ۱۹۹۷ء
۔ہفت روزہ جمہور علی گڑھ "صدر یار جنگ نمبر" ۲۶ ستمبر ۱۹۵۱ء
۔ماہنامہ جہانِ رضا لاہور، ستمبر ۱۹۹۵ء
۔روز نامہ جنگ کراچی، ۷ نومبر ۱۹۷۸ء
۔روز نامہ حریت کراچی، ۱۱ اگست ۱۹۷۵ء، ۲۹ اکتوبر ۱۹۷۸ء، ۲۲ دسمبر ۱۹۷۸ء
۔ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک، اپریل ۱۹۸۳ء
۔خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری جرنل نمبر ۶۳، ۶۸
۔ماہنامہ خدام الدین لاہور "علامہ بنوری نمبر" س ن
۔ماہنامہ زبان مانگرول (مکمل فائل ۱۹۲۶ء تا ۱۹۲۸ء)، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ، ۱۹۸۷ء
۔ماہنامہ ساقی کراچی "شاہد احمد دہلوی نمبر" ۱۹۷۰ء

- ماہنامہ سب رس کراچی "یادِ رفتگاں نمبر حصہ دوم"، اپریل ۱۹۸۲ء
- ماہنامہ سپوتنک لاہور (بمبئی کے مسلمانوں کی تاریخ از خالد لطیف)، جولائی ۲۰۰۶ء
- ماہنامہ سیارہ لاہور "عبدالعزیز خالد نمبر" ۱۹۶۹ء
- سہ ماہی صحیفہ لاہور، جنوری ۔ مارچ ۱۹۷۱ء، جنوری ۔ مارچ ۱۹۸۷ء
- ماہنامہ ضیاء الاسلام شیخوپور (اعظم گڑھ) "قاضی اطہر نمبر"، اگست ۔ دسمبر ۲۰۰۳ء
- مجلہ علم و آگہی کراچی، خصوصی شمارہ، برصغیر پاک وہند کے علمی، ادبی اور تعلیمی ادارے، گورنمنٹ نیشنل کالج کراچی، ۱۹۷۴ء ۔ ۱۹۷۵ء
- مجلہ علوم اسلامیہ علی گڑھ، جلد ۲۲ نمبر ۲ بابت ۱۹۹۷ء
- علی گڑھ میگزین "جوبلی نمبر" ۱۹۲۵ء
- رسالہ علیگ علی گڑھ "خاص نمبر"، ۱۰ فروری ۱۹۵۷ء
- علی گڑھ میگزین "خصوصی شمارہ ۔ علی گڑھ آئینہ ایام میں"، ۹۷ ۔ ۱۹۹۵ء
- ماہنامہ فکر ونظر اسلام آباد، دسمبر ۱۹۷۸ء، جون ۱۹۷۹ء، مئی ۱۹۸۰ء، جون ۱۹۸۰ء، ستمبر ۱۹۸۰ء، فروری ۱۹۸۱ء، جون ۱۹۸۲ء، مارچ ۱۹۸۳ء، جون ۱۹۸۳ء، جون ۱۹۸۲ء، مارچ اپریل ۱۹۸۳ء
- ماہنامہ فکر ونظر اسلام آباد، "ڈاکٹر محمد حمید اللہ نمبر"، اپریل تا ستمبر ۲۰۰۳ء
- سہ ماہی فکر ونظر علی گڑھ، ستمبر ۱۹۸۵ء، جون ۲۰۰۱ء
- سہ ماہی فکر ونظر علی گڑھ، نامورانِ علی گڑھ ۔ تیسرا کارواں جلد اوّل، جنوری ۱۹۸۷ء تا جولائی ۱۹۸۸ء
- ماہنامہ قومی ڈائجسٹ لاہور، نومبر ۱۹۸۶ء
- ماہنامہ قومی زبان کراچی، جولائی ۱۹۹۶ء، جنوری ۱۹۸۲ء، ستمبر ۲۰۰۲ء
- مجلہ کاوشِ میمن کراچی، ۱۹۹۷ء
- ماہنامہ محدث لاہور، صفر ۱۳۹۹ھ
- ماہنامہ مخزن لاہور، جون، جولائی، اگست ۱۹۲۰ء
- ماہنامہ معارف اعظم گڑھ: جولائی ۱۹۲۴ء، فروری ۱۹۲۵ء، مئی ۱۹۲۵ء، جون ۱۹۲۵ء، ستمبر ۱۹۲۵ء، اکتوبر ۱۹۲۵ء، نومبر ۱۹۲۵ء، دسمبر ۱۹۲۵ء، مئی ۱۹۲۸ء، جولائی ۱۹۲۹ء، مارچ ۱۹۳۰ء، اپریل ۱۹۳۸ء، مئی ۱۹۳۸ء، جون ۱۹۳۸ء، جنوری ۱۹۷۹ء، جون ۱۹۷۹ء، جنوری ۲۰۰۲ء
- رسالہ المعارف لاہور خصوصی شمارہ نمبر ۴، مارچ اپریل ۱۹۸۶ء، شمارہ نمبر ۹ بابت ۱۳۹۹ھ مئی ۱۹۷۹ء

- سہ ماہی مصنف علی گڑھ، فروری ۱۹۴۲ء
- ماہنامہ منہاج القرآن لاہور، اکتوبر ۲۰۰۶ء
- نقوش لاہور "ادبِ عالیہ نمبر"، اپریل ۱۹۶۰ء
- نقوش لاہور "مکاتیب نمبر حصہ اوّل" نومبر ۱۹۵۷ء
- نقوش لاہور "شخصیات نمبر حصہ دوم" اکتوبر ۱۹۵۶ء
- روزنامہ نوائے وقت لاہور، ۶ نومبر ۱۹۷۸ء، ۲۴، اکتوبر ۱۹۸۰ء، ۲۵، اکتوبر ۲۰۰۶ء

آڈیو کیسٹ

- علامہ عبدالعزیز میمن پر پاکستان ٹیلی وژن کراچی سینٹر کا نشر کردہ پروگرام مورخہ ۲۹، اکتوبر ۱۹۷۸ء
- علامہ میمن کی ریکارڈ شدہ یادداشتیں۔ یہ اندازاً ۱۹۷۰ میں ریکارڈ کرائی گئیں۔

انٹرویو

پیش نظر کتاب کے لیے ۱۹۹۳ء تا ایں دم مختلف اوقات میں جن جن حضرات سے انٹرویو لیے گئے انکے اسمائے گرامی یہ ہیں:

۱۔ ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ
۲۔ ڈاکٹر احمد خان
۳۔ پروفیسر سید محمد سلیم
۴۔ ڈاکٹر ظہور احمد اظہر
۵۔ مولانا عبدالحلیم چشتی
۶۔ ڈاکٹر محمد صابر
۷۔ محمد محمود میمن
۸۔ محمد عمر میمن
۹۔ جاوید سعید میمن

انگریزی اخبار
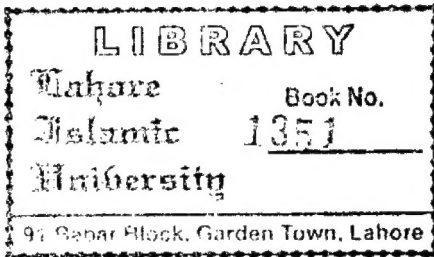
Daily DAWN Karachi, Books & Authors, 12th February 2002

علامہ میمن۔ علماء و محققین کی نظر میں

★ ہزاروں پڑھنے والوں میں سے چند ہی کو اس کا اندازہ ہوا ہوگا کہ یہ برصغیر ہی نہیں، یہ عہد اور عالم عرب کیسے عظیم المرتبت ادیب اور عربی زبان کے مبصر و محقق سے محروم ہوگیا۔ زمانے کے حالات، تعلیمی نظام اور قدیم و جدید مدارس کی جو کیفیت اس وقت دیکھنے میں آرہی ہے اس سے کیا امید کی جاسکتی ہے کہ ان (علامہ میمن) جیسا متبحر، مستند اور صاحب نظر عربی زبان و ادب کا عالم پیدا ہوگا۔
(مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی)

★ علوم اسلامیہ و عربیہ کے اس انحطاط والے تشویشناک ماحول میں اس برصغیر میں استاذ عبدالعزیز میمن جیسے جبل العلم کا پیدا ہونا اور پنپنا ایک معجزے سے کم نہیں۔
(ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ)

★ شیخ میمن کو اللہ تعالیٰ نے عجیب اور زبردست حافظہ سے نوازا ہے۔ ان کو کتابوں کے نام، مصنفین اور شہروں کے نام اور مخطوطات کے خصائص سب یاد رہ جاتے ہیں۔ میں متحیر رہ گیا ان کے علم کو دیکھ کر۔
(علامہ سعید الافغانی۔ مصر)

★ تحقیق میں علامہ میمن کی کتاب سمط اللآلی سے بڑھ کر کوئی دوسری کتاب نہیں۔
(علامہ محمد محمود شاکر، مصر)

★ عربی ادب کے کسی محقق کے لیے مناسب نہیں کہ وہ علامہ میمن کے عظیم احسانات کا ذکر نہ کرے جو بہت سی ادبی کتابوں کو تحقیق و تعلیق کے ساتھ شایع کر چکے ہیں۔
(شیخ حمد الجاسر، سعودی عرب)

★ علامہ میمن سے زیادہ قدر و منزلت کا حقدار کون ہوسکتا ہے، وہی تھے جنھوں نے عربی زبان کو بام عروج پر پہنچایا اور اسے روشن مینار بنا کر پیش کیا۔ انھوں نے محققین کے لیے راہ ہموار کردی، شائد تصنیفات سے نوازا۔ وہ تحقیق کے اس بلند مقام تک پہنچے جہاں ہر کسی کے لیے پہنچنا آسان نہ تھا۔
(ڈاکٹر شاکر الفحام، شام)

★ مجھے اپنی زندگی میں ایشیا، عالم عرب اور یورپ میں کسی ایسے شخص سے اب تک ملنے کا اتفاق نہیں ہوا جس کے مستحضرات علامہ میمن سے زائد ہوں اور جس کا حافظہ ان سے بہتر اور قوت یادداشت ان سے زیادہ مظبوط ہو۔
(ڈاکٹر مختار الدین احمد، سابق صدر شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)